قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضراتِ مُفتیانِ کرام دارالعلوم دیوبند

کی تصدیق وتائید کے ساتھ

مسائل نماز جمعہ

مسائل سفر

مسائل

مجموعہ خطبات ماثورہ

مؤلف

مولانا محمد رفعت قاسمی

مدرس دارالعلوم دیوبند

حامد کتب خانہ کراچی

0333-9596150

قرآن وسنت کی روشنی میں

دارالعلوم دیوبند کے حضرات مفتیان کرام کے تصدیق کے ساتھ

حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی

مفتی ومدرس دارالعلوم دیوبند

نام کتاب: مکمل ومدلل مسائل نمازِ جمعہ

تالیف: حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی مفتی ومدرس دار العلوم دیو بند

کمپوزنگ: دار الترجمہ وکمپوزنگ سنٹر (زیر نگرانی ابو بلال برہان الدین صدیقی)

تصحیح ونظر ثانی: مولانا لطف الرحمٰن صاحب

سٹنگ: برہان الدین صدیقی فاضل جامعہ دار العلوم کراچی و وفاق المدارس ملتان

وخریج مرکزی دار القراء مدنی مسجد نمک منڈی پشاور ایم اے عربی پشاور یونیورسٹی

اشاعت اول: جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

ناشر: وحیدی کتب خانہ پشاور

استدعا: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی کے تمام مراحل میں پوری احتیاط کی گئی ہے لیکن پھر بھی انسان کمزور ہے اگر اس احتیاط کے باوجود بھی کوئی غلطی نظر آئے تو مطلع فرمائیں انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کیا جائے گا۔

منجانب: عبد الوہاب وحیدی کتب خانہ پشاور

دیگر ملنے کے پتے

کراچی: اسلامی کتب خانہ بالمقابل علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
: مکتبہ علمیہ سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی
: کتب خانہ اشرفیہ قاسم سنٹر اردو بازار کراچی
: زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی
: مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی
: مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی جامعہ فاروقیہ کراچی
راولپنڈی: کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ بلوچستان
پشاور: حافظ کتب خانہ محلہ جنگی پشاور
: معراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور

لاہور: مکتبہ رحمانیہ لاہور
: المیزان اردو بازار لاہور
صوابی: تاج کتب خانہ صوابی
اکوڑہ خٹک: مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
: مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک
بنیر: مکتبہ اسلامیہ سواڑی بنیر
سوات: کتب خانہ رشیدیہ منگورہ سوات
تیمر گرہ: اسلامی کتب خانہ تیمر گرہ
باجوڑ: مکتبہ القرآن والسنۃ خار باجوڑ

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

مرحوم والدین کی پاک روحوں کے نام
جن کی دعاؤں اورتوجہات کی بدولت
مجھے علمِ دین کی معلومات حاصل ہوئیں۔
رحیم وکریم آقا ان کے ساتھ اپنی خاص رحمت ومغفرت
کا معاملہ فرما۔ اللھم اغفرلہم وارحمہم۔ آمین

محمد رفعت قاسمی ۱۴۱۰ھ

دعائے مستجاب

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم

مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

حامداً ومصلیاً

بندۂ ناکارہ بھی دعا کرتا ہے حق تعالیٰ مؤلف سلمہٗ کی خدمت ومحنت کوقبول فرمائے اور ناظرین کو نفع بخشے۔ آمین

احقر محمود غفرلہٗ

مقیم مسجد چھتہ دیوبند

تصدیق گرامی

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ

صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہٗ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ وبعد

پیش نظر رسالہ (مسائل نمازِ جمعہ) محض رسالہ نہیں ہے بلکہ مکمل تصنیف ہے بالاستیعاب مطالعہ کا شرف تو حاصل نہیں ہوا۔ صرف بعض مقامات کا مطالعہ نصیب ہوا۔ باقی اس کے عنوانات جودس بڑے عنوانات پر مشتمل ہیں اور ضمنی فہرست جومعنوں کی غمازی کرتی ہے دیکھنے کا موقع ملا۔

اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کے سابق رسائل وتالیفات کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر عمدہ ومفید مضامین پر مشتمل تصنیف ہے جو بلاشبہ ہر طبقہ کے لیے نافع ہوگی۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہوئے اس کی افادیت کو عام وتام فرمائیں اور عزیز مصنف کو مزید چیدہ چیدہ عنوانات پر مفید سے مفید تر رسائل ومسائل کی تالیف کی توفیق عطا فرمائیں۔

فقط الموفق والمعین۔ آمین یارب العالمین۔

کتبہ العبد نظام الدین

۹۔۲۔۱۴۱۱ھ

بمطابق ۱۔۱۰۔۱۹۹۰ء

ارشادِ گرامی

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب زید مجدہم
مفتی دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمازِ جمعہ ہر شہر، قصبہ اور بڑی آبادی میں پڑھی جاتی ہے اور عوام وخواص اس نماز کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، خواہ وہ نمازِ پنجوقتہ پڑھتے ہوں یا نہیں، مگر نمازِ جمعہ کبھی نہیں چھوڑتے، اور یہی وجہ ہے کہ اس دن نمازِ جمعہ کافی بڑی جماعت کے ساتھ ایک امام کے پیچھے ادا کی جاتی ہے، کہنا چاہئے کہ یہ ہفتہ کی عید ہے۔

نمازِ جمعہ کے مسائل کی ضرورت ہر عاقل بالغ مسلمان کو ہوتی ہے، اردو میں اب تک مسائلِ جمعہ سے متعلق کوئی جامع کتاب نہ تھی۔ اللہ تعالی جزائے خیر عطا کرے مولانا حافظ محمد رفعت صاحب زید مجدہٗ کو، جنہوں نے اس طرف خصوصی توجہ دی، اور نمازِ جمعہ سے متعلق معتد بہ تمام چھوٹے بڑے مسائل کو ایک خاص سلیقہ سے ایک کتاب میں جمع کردیا ہے۔ اور یہ تمام تر مسائل مستند فتاوی اور فقہ کی معتبر کتابوں سے لیے گئے ہیں اور سب کے حوالے بھی درج کیے گئے ہیں، اس لیے یہ مجموعہ مسائل ہر عالم وعامی کے لیے یکساں مفید ہے۔

مولانا موصوف کی اس سے پہلے بھی چند اچھی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں اور عوام وخواص ان سے مستفید ہوچکے ہیں۔ ماشاء اللہ اس کتاب کی تالیف وترتیب میں قاری صاحب موصوف نے کافی محنت کی ہے، اس کتاب کے بعد بہت سارے فتاوی سے جمعہ کے سلسلہ میں آپ بے نیاز ہوجائیں گے۔ احقر کی دلی دعاء ہے کہ رب العالمین موصوف کی اس محنت وکاوش کو قبول فرمائے اور دونوں جہاں میں اپنی بے انتہا نعمتوں سے نوازتا ہے۔ آمین۔

میں اپنی طرف سے مرتب ومؤلف کو ان کی اس گراں قدر خدمت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں، اور نمازیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ضرور اس قیمتی کتاب (مسائل نمازِ جمعہ) کا بغور مطالعہ کریں۔

طالبِ دعا:۔
محمد ظفیر الدین غفرلہٗ مفتی دار العلوم دیوبند
۲۷۔ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

حقیقتِ حال

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کبھی اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ مجھ جیسے ظلوم وجہول کی کتابیں:
(۱۔مکمل ومدلل مسائل امامت،۲۔مکمل ومدلل مسائلِ روزہ،۳۔مکمل ومدلل مسائلِ تراویح، ۴۔مکمل ومدلل مسائلِ اعتکاف،۵۔مسائل آداب وملاقات) اس قدر مقبولیت حاصل کرلیں گی۔ ہذا من فضل ربی (یہ سب میرے رب کا فضل ہے)۔

پیشِ نظر کتاب "مکمل ومدلل مسائل نمازِ جمعہ" میں نمازِ جمعہ سے متعلق تقریباً سوا چار سو مسائل کو ترتیب دینے میں اس کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ جن کے پاس مکمل ومدلل مسائل امامت موجود ہے ان کے لیے جلد دوم اور دیگر حضرات کے لیے جلد اول کا کام انجام دے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر اپنے اساتذہ ومفتیانِ کرام دامت برکاتہم کی خدمت بابرکت میں ہدیہ عقیدت ومحبت اور امتنانِ تشکر پیش نہ کیا جاوے جن کی تعلیم وتربیت، حوصلہ افزائی وتوجہات اور تعاون سے یہ خدمت انجام پارہی ہے۔

یا اللہ! ان تمام حضرات کا سایۂ عاطفت تادیر قائم رکھیے۔(آمین)۔

آخر میں دعاء ہے کہ رب بے نیاز! اس حقیر بندہ کی خدمت کو قبول فرماکر اس کیلئے زادِ آخرت اور فلاحِ دارین کا ذریعہ بنادے اور آئندہ بھی علمی خدمت کی توفیق عنایت فرمائے۔آمین۔

"ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم"

محمد رفعت قاسمی مدرس دارالعلوم دیوبند (الہند)

۱۵۔شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ بمطابق ۱۳۔اپریل ۱۹۹۰ء

باب اول :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْواً انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِماً قُلْ مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ○

اے ایمان والو !جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید فروخت، یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا اور یاد کر و اللہ کو بہت سا تا کہ تمہارا بھلا ہو اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشا متفرق ہو جائیں اسکی طرف اور تجھ کو چھوڑ جاتے کھڑا تو کہہ جو اللہ کے پا ہے سو بہتر ہے تماشے سے اور سوداگری سے ۔ اور اللہ بہتر ہے روزی دینے والا ۔

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز (نماز جمعہ) کے لیے اذان کہی جایا کرے تو تم لوگ اللہ کی یاد (یعنی) نماز وخطبہ) کی طرف (فوراً چل پڑا کرو اور خرید وفروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل مانعہ عن السعی کمافی ردالمختار) چھوڑ دیا کرو (اور تخصیص بیع کی وجہ زیادہ اہتمام کے ہے کہ اس کے ترک کو قوت نفع سمجھا جاتا ہے) یہ (چل پڑنا مشاغل بیع وغیرہ کو چھوڑ کر) تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو (کیونکہ اس کا نفع باقی ہے اور بیع وغیرہ کا نفع فانی ہے) پھر جب نماز (جمعہ کی) پوری ہو چکے ہو (اور اگر ابتداء میں خطبہ موخر تھا تو نماز پورا ہونے سے مراد اس کا مع متعلقات کے پورا ہونا ہے، جس کا حاصل نماز اور خطبہ ہو چکنا ہے تو اس وقت تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو اور خدا کی روزی تلاش کرو (یعنی اس

وقت دنیا کے کاموں کے لیے چلنے پھرنے کی اجازت ہے) اور اس کو بکثرت یاد کرتے رہو (یعنی اشغال دنیویہ میں ایسے منہمک نہ ہو جاؤ کہ احکام وعبادات ضروریہ سے غافل ہو جاؤ) تاکہ تم کو فلاح ہو اور (بعضے لوگوں کا یہ حال ہے کہ) وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ جو چیز (از قسم ثواب وقرب) خدا کے پاس ہے وہ ایسے مشغلہ اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے اور (اگر اس سے افزونی رزق کی طمع ہو تو سمجھ لو کہ) اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے۔ (اس کی طاعات ضروریہ میں مشغول رہنے پر رزق مقدر دیتا ہے) پھر کیوں اس کے احکام کو ترک کیا جائے۔

معارف ومسائل

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ﴾

يَوْمِ الْجُمُعَةِ : اس دن کو یوم جمعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے، اور آسمان وزمین اور تمام کائنات کی تخلیق جو حق تعالیٰ نے چھ دن میں فرمائی ہے ان چھ میں سے آخری دن جمعہ ہے، جس میں تخلیق کی تکمیل ہوئی، اسی دن میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی روز میں ان کو جنت میں داخل کیا گیا، پھر اسی دن میں ان کو زمین کی طرف اتارا گیا، اسی دن میں قیامت قائم ہوگی۔ اور اسی دن ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس میں انسان جو بھی دعاء کرے قبول ہوتی ہے، یہ سب باتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں (ابن کثیر)۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اجتماع اور عید کا ہر ہفتے میں یہ دن جمعہ کا رکھا تھا۔ مگر پچھلی اُمتوں کو یہ توفیق نہ ہوئی۔ یہود نے یوم السبت (سنیچر کے دن) کو اپنا اجتماع بنالیا۔ نصاریٰ نے اتوار کو، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اس کی توفیق بخشی، کہ انھوں نے یوم جمعہ کا انتخاب کیا۔

(کمارواہ البخاری ومسلم عن ابی ہریرۃؓ ابن کثیر)

زمانہ جاہلیت میں اسی دن کو۔ ہوم عروبہ،، کہا جاتا تھا، سب سے پہلے عرب میں کعب بن لوی نے اس کا نام جمعہ رکھا، اور قریش اُس دن جمع ہوتے، اور کعب بن لوی خطبہ دیتے تھے، یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت دے پانچ سو ساٹھ سال پہلے کا ہے۔

کعب بن لوی آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سے ہیں، اُن کو حق تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت میں بھی بُت پرستی سے بچایا، اور توحید کی توفیق عطا فرمائی تھی، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خوش خبری بھی لوگوں کو سنائی تھی، قریش میں ان کی عظمت کا عالم یہ تھا کہ ان کی وفات جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پانچ سو ساٹھ سال پہلے ہوئی۔ اسی سے اپنی تاریخ شمار کرنے لگے، عرب کی تاریخ ابتداء میں بناء کعبہ سے لی جاتی تھی۔ کعب بن لوی کی وفات کے بعد اس سے تاریخ جاری ہوگئی، پھر جب واقعہ فیل آنحضرت ﷺ کی ولادت کے سال میں پیش آیا تو اس واقعہ سے عرب کی تاریخ کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمعہ کا اہتمام عرب میں قبل از اسلام بھی کعب بن لوی کے زمانے میں ہو چکا تھا، اور اس دن کا نام جمعہ، رکھنا بھی انہی کی طرف منسوب ہے۔ (مظہری)

بعض روایات میں ہے کہ انصار مدینہ سے قبل از ہجرت فرضیت جمعہ نازل ہونے سے پہلے اپنے اجتہاد سے جمعہ کے روز جمع ہونے اور عبادت کرنے کا اہتمام کر رکھا تھا۔

(کمارواہ عبدالرزاق باسناد صحیح عن محمد بن سیرین از مظہری)

نُودِیَ لِلصَّلَاةِ مِن یَوْمِ الْجُمُعَةِ : نداء صلوٰۃ سے مراد اذان ہے۔ من یوم الجمعہ بمعنی فی یوم الجمعہ ہے۔ **فاسعوا الیٰ ذکر اللہ** سعی کے معنی دوڑنے کے بھی آتے ہیں اور کسی کام کو اہتمام کے ساتھ کرنے کے لیے بھی، اس جگہ یہی دوسرے معنی مراد ہیں کیونکہ نماز کے لیے دوڑتے ہوئے آنے کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب نماز کے لیے آؤ تو سکینت اور وقار کے ساتھ آؤ۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ جب نماز کے دن جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، یعنی نماز وخطبہ کے لیے مسجد کی طرف چلنے کا اہتمام کرو، جیسا دوڑنے والا کسی دوسرے کام کی طرف توجہ نہیں دیتا، اذان کے بعد تم بھی کسی اور کام کی طرط بجز نماز وخطبہ کے توجہ نہ دو (ابن کثیر)۔ ذکر اللہ سے مراد نماز جمعہ بھی ہوسکتی ہے اور خطبہ جمعہ جو نماز جمعہ کے شرائط وفرائض میں داخل ہے وہ بھی، اس لیے مجموعہ دونوں کا مراد لیا جائے یہ بہتر ہے (مظہری وغیرہ) وذروا البیع یعنی چھوڑ دو بیع (فروخت کرنے کو) صرف بیع کہنے پر اکتفا کیا گیا اور مراد بیع وشراء (یعنی خرید وفروخت) دونوں ہیں، وجہ اکتفاء کی یہ

ہے کہ ایک کے چھوٹنے سے دوسرا خود بخود چھوٹ جائے گا، جب کوئی فروخت کرنے والا فروخت نہ کرے تو خریدنے والے کے لیے خریدنے کا راستہ ہی نہ رہے گا۔

اس میں اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت کو اس آیت میں حرام کر دیا ہے اس پر عمل کرنا تو بیچنے والوں اور خریداروں سب پر فرض ہے مگر اس کا عملی انتظام اس طرح کیا جائے کہ دوکانیں بند کر دیئے جائیں تو خریداری خود بخود بند ہو جائے گی اس میں حکمت میں یہ ہے کہ گاہکوں اور خریداروں کی تو کوئی حد و شمار نہیں ہوتی اُن سب کو روکنے کا انتظام آسان نہیں فروخت کرنے والے دوکاندار متیعن اور معدود ہوتے ہیں ان کو فروخت سے روک دیا جائے تو باقی سب خرید سے خود رک جائیں گے اس لیے ذروالبیع میں صرف بیع چھوڑ دینے کے حکم پر اکتفا کیا گیا۔

فائدہ ☆ اذان جمعہ کے بعد سارے ہی مشاغل ممنوع کرنا مقصد تھا جن میں زراعت مزدوری تجارت، سب ہی داخل ہیں مگر قرآن کریم نے صرف بیع کا ذکر فرمایا اس سے اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے مخاطب شہروں اور قصبوں والے ہیں چھوٹے دیہات اور جنگلوں میں جمعہ نہیں ہوگا اس لئے شہروں اور قصبوں میں جو مشاغل عام لوگوں کو پیش آتے ہیں انکی ممانعت فرمائی گی، وہ بیع و شراء کے ہوتے ہیں بخلاف گاؤں والوں کے کہ ان کے مشاغل کاشت اور زمین کے متعلق ہوتے ہیں بالاتفاق فقعہا اُمت یہاں بیع سے مراد فقط فروخت نہیں بلکہ ہر وہ کام جو جمعہ کی طرف جانے کے اہتمام میں مخل ہو وہ سب بیع کے مفہوم میں داخل ہے اس لیے اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا سونا کسی سے بات کرنا یہاں تک کہ کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ سب ممنوع ہے صرف جمعہ کی تیاری کے مطالق جو کام ہو وہ کیے جا سکتے ہیں۔

اذان جمعہ

شروع میں صرف ایک ہی اذان ہوتی تھی جو خطبہ کے وقت امام کے سامنے کہی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پھر صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانے میں اسی طرح رہا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی، اور اطراف مدینہ

میں پھیل گئی، امام کے سامنے والی خطبہ کی اذان دور تک سنائی نہ دیتی تھی تو حضرت عثمانؓ نے ایک اور اذان مسجد سے باہر اپنے مکان زوراء پر شروع کرادی جس کی آواز پورے مدینہ میں پہنچنے لگی۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ اس لیے یہ اذان اول باجماع صحابہؓ شروع ہوگئی اور اذان جمعہ کے وقت بیع وشراء وغیرہ تمام مشاغل حرام ہوجانے کا حکم جو پہلے اذان خطبہ کے بعد ہوتا تھا، اب پہلی اذان کے بعد شروع ہوگیا، کیونکہ قرآن (نُودِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِن یَوْمِ الْجُمُعَۃِ) اس پر بھی صادق ہیں، یہ تمام باتیں حدیث تفسیر اور فقہ کی عام کتابوں میں بلا اختلاف مذکور ہیں اس پر پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہے کہ جمعہ کے روز ظہر کے بجائے نماز جمعہ فرض ہے اور اس پر بھی اجماع اور اتفاق ہے کہ نماز جمعہ عام پانچ نمازوں کی طرح نہیں اس کے لیے کچھ مزید شرائط ہیں پانچوں نمازیں تنہا بلا جماعت کے بھی پڑھی جاسکتی ہیں دو آدمی کی بھی جماعت سے اور جمعہ بغیر جماعت کے ادا نہیں ہوتا، اور جماعت کی تعداد میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں اس طرح نماز پنجگانہ ہر جگہ دریا پہاڑ جنگل میں ہوجاتی ہے مگر جمعہ جنگل صحراء میں کسی کے نزدیک ادا نہیں ہوتا، عورتوں، مریضوں، مسافروں پر جمعہ فرض نہیں وہ جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز پڑھے جمعہ کس قسم کی بستی پر فرض ہے اس میں فقہاء اقوال مختلف ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک جس بستی میں چالیس مرد احرار عاقل، بالغ بستے ہوں۔ اس میں جمعہ ہوسکتا ہے۔ اس سے کم میں نہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک ایسی بستی کا ہونا ضروری ہے جس کے مکانات متصل ہوں اور اس میں بازار بھی ہو۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہو جس میں گلی کوچے اور بازار ہو اور کوئی قاضی حاکم فیصلہ معاملات کے لیے ہو مسئلہ کے دلائل کے تفصیل کا یہ موقع نہیں حضرات علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھ کر سب کچھ واضح کردیا ہے۔

خلاصہ ☆ یہ ہے کہ یاایھا الذین امنوا اور فاسعوا باتفاق جمہور امت عام مخصوص البعض ہے علی الاطلاق ہر مسلمان پر نمازِ جمعہ فرض نہیں بلکہ کچھ قیود وشرائط سب کے نزدیک ہیں اختلاف صرف شرائط میں تعیین ہے البتہ جہاں جمعہ فرض ہے ان کے لیے اس فرض کی بڑی اہمیت وتاکید ہے ان لوگوں میں کوئی بلا عذر شرعی جمعہ چھوڑ دے تو احادیث صحیحہ میں اس پر

سخت وعیدیں آئی ہیں اور نماز جمعہ اس کے شرائط وآداب کے ساتھ ادا کرنے والوں مخصوص فضائل وبرکات کا وعدہ ہے

﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ ﴾

سابقہ آیات میں آذان جمعہ کے بعد بیع وشراء وغیرہ کے تمام دنیوی امور کو ممنوع کر دیا گیا تھا اس آیت میں اس کی اجازت دے دی گئی کہ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد تجارتی کاروبار اور اپنا اپنا رزق حاصل کرنے کا اہتمام سب کر سکتے ہیں۔

جمعہ کے بعد تجارت وکسب میں برکت

حضرت عراک بن مالک رضی اللہ عنہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو کر باہر آتے تو مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ دعاء کرتے تھے۔

اللھم انی اجبت دعوتک و صلیت فریضتک وانتشرت کما امرتنی فارزقنی من فضلک وانت خیر الرزاقین. رواہ ابن حاتم ازابن کثیر)

یعنی اے اللہ! میں نے تیرے حکم کی اطاعت اور تیرا فرض ادا کیا جیسا کہ تو نے حکم دیا ہے نماز پڑھ کر میں باہر جاتا ہوں تو اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

اور بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص نماز جمعہ کے بعد تجارتی کاروبار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر مرتبہ برکات نازل فرماتے ہیں۔ (ابن کثیر)

﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾. یعنی نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کسب معاش، تجارت وغیرہ میں لگو، مگر کفار کی طرح خدا سے غافل ہو کر نہ لگو عین خرید و فروخت اور مزدوری کے وقت بھی اللہ کی یاد جاری رکھو۔

﴿ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾

اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی تھی جو جمعہ کا خطبہ چھوڑ کر تجارتی کام کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ امام ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب نبی کریم ﷺ خطبہ

نماز جمعہ کے بعد دیا کرکرتے تھے جیسا کہ عیدین میں اب یہی معمول ہے ایک جمعہ کے روز یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہوکر رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینہ کے بازار میں پہنچا اور ڈھول باجہ وغیرہ سے اس کا اعلان ہونے لگا، اس وقت نماز جمعہ، سے فراغت ہوچکی تھی، خطبہ ہورہا تھا بہت سے صحابہ کرام بازار چلے گئے اور حضور ﷺ کے ساتھ تھوڑے سے حضرات رہ گئے، جن کی تعداد بارہ بتلائی گئی ہے۔ (یہ روایت ابوداؤد نے مراسیل میں بیان فرائی ہے) بعض روایات حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ پر فرمایا کہ اگر تم سب چلے جاتے تو مدینہ کی ساری وادی عذاب کی اگ سے بھر جاتی۔ (رواہ ابویعلی، ابن کثیر)۔

امام تفسیر مقاتل کا بیان ہے کہ یہ تجارتی قافلہ دحیہ بن خلف کلبی کا تھا، جو ملک شام سے آیا تھا اور تجار مدینہ میں اس کا قافلہ عموماً تمام ضروریات لے کر آیا تھا، اور جب مدینہ کے لوگوں کو اس کی آمد کی خبر ملتی تھی تو سب مرد وعورت اس کی طرف دوڑتے تھے، یہ دحیہ بن خلف اس وقت تک مسلمان نہ تھے، بعد میں داخل اسلام ہوئے۔

اور حسن بصریؒ اور ابومالکؒ نے فرمایا کہ یہ وہ زمانہ تھا جب مدینہ میں اشیاءِ ضرورت کی کمی اور سخت گرانی تھی (تفسیر مظہری) یہ اسباب تھے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بڑی جماعت تجارتی قافلہ کی آواز پر مسجد سے نکل گئی، اول تو نماز فرض ادا ہوچکی تھی، خطبہ کے متعلق یہ معلوم نہ تھا کہ جمعہ میں وہ بھی فرض کا جزء ہے، دوسرے اشیاء کی گرانی، تیسرے تجارتی قافلہ پر لوگوں کا ٹوٹ پڑنا، جس سے ہر ایک کو یہ خیال ہوسکتا تھا کہ دیر کروں گا تو اپنی ضروریات نہ پاسکوں گا۔

بہرحال ان اسباب کے تحت صحابہ کرام سے یہ لغزش ہوئی جس پر حدیث مذکور میں وعید کے الفاظ آئے کہ سب کے سب چلے جاتے تو اللہ کا عذاب آجاتا، اسی پر عار دلانے، اور تنبیہ کرنے کیلیے آیت مذکورہ نازل ہوئی: اذا و راو تجارۃ ۔ اور اسی کے سبب رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے معاملے میں اپنا طرز بدل دیا کہ نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے کا معمول بنالیا اور یہی اب سنت ہے۔ (ابن کثیر)

آیت مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو بتلا دیں کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس تجارت اوور ڈھول ڈھا کہ سے بہتر ہے جس میں آخرت کا ثواب تو مراد ہے ہی، یہ بھی بعید نہیں کہ نماز جمعہ وخطبہ کی خاطر تجارت وکسب معاش کو چھوڑنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں بھی خاص برکات نازل ہوں جیسا کہ اوپر سلف صالحین سے بروایت ابن کثیرؒ نقل کیا گیا ہے۔ (معارف القرآن صفحہ ۱۱۲ تا صفحہ ۱۱۶۔سورہ جمعہ پارہ ۲۸)

جمعہ کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت شدہ فریضہ محکمہ ہے، اس کا منکرہ کافر ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول مبارک ﴿فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ (اللہ کی ذکر کی طرف دوڑ کر آؤ) سے نماز جمعہ یا (اس کا خطبہ مراد ہے) اور خطبہ کا وجوب جمعہ کے وجوب کو مستلزم ہے جیسا کہ علماء نے کہا ہے اور تفاسیر میں یہ مذکور ہے کہ اس سے خطبہ اور نماز دونوں مراد ہیں کیونکہ ذکر اللہ کا لفظ دونوں پر صادق آتا ہے اور جمعہ ظہر کا خلیفہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معصب بن عمیرؓ کو مدینہ بھیجا تھا تو آپؐ کو حکم دیا تھا کہ جب آفتاب دوپہر سے ڈھل پڑے تو لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنا۔ (اشعۃ اللمعات صفحہ ۶۱۶ جلد ۲)۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ

لفظ ''جمعہ'' جو ہفتہ کے ایک دن کا نام ہے، فصیح زبان ولغت کے اعتبار سے جیم اور میم دونوں کے پیش کے ساتھ ہے، لیکن جیم کے پیش اور میم کے سکون کے ساتھ بھی مستعمل ہے۔ (مظاہر حق جدید ص ۲۴۴ ج ۲)

جمعہ میں میم کا پیش مشہور ہے اور سکون بھی جائز ہے، بعض نے زبر بھی جائز کیا ہے اور بعض نے زیر بھی۔

ابن حزم وغیرہ کہتے ہیں کہ جمعہ اس کا اسلامی نام ہے اسلام سے پہلے عروبہ نام تھا، ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اسلام سے پہلے ہی اس کا نام جمعہ ہو چکا تھا۔ کعب بن لوی اس دن لوگوں کو جمع کر کے حرم کی تعظیم وغیرہ کا حکم اور آخری نبیؐ کے بارے میں آنے کی خبر دیا کرتے تھے۔

اور جمعہ کو اس لیے جمعہ کہتے ہیں کہ اس میں اجتماع ہوتا ہے، یا اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اعضاء کو جمع کر کے مکمل کر دیا گیا۔ یا اس لئے کہ اجزاء کو عدم سے نکال کر

وجود میں جمع کیا گیا۔ (معارف مدینہ ص ٦٦ ج ٣)۔

بعض کا کہنا ہے کہ جمعہ اجتماع سے نکلا ہے جس سے مراد حضرت آدمؑ کے قالب اور ان کے روح کا آپس میں جمع ہونا۔ یہ دونوں چالیس سال کی جدائی کے بعد آپس میں جمع ہوئے تھے اس لیے اس کا نام جمعہ ہوا

بعض کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کے جمع ہونے کے باعث اس دن کا نام جمعہ ہوا، اس دن حضرت حوا حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا ہوئیں۔

بعض اس کا نام جمعہ اس لیے بتاتے ہیں کہ اس روز شہر اور دیہات کے لوگ اکھٹے ہوتے ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ اس روز قیامت ہوگی اور سب مخلوق اُٹھائی جائیگی اس لیے اسے جمعہ کا دن کہا گیا۔ (غنیۃ الطالبین ص ٤٦٥)۔

جتنے بھی عظیم واعظم امور ہیں وہ سب اسی دن ظاہر ہوئے فرمایا گیا ''فیہ جمع طین آدم '' یہ جمعہ کا دن' اس کا مادہ جمع جامعیت کی شان میں جمع موجود ہے، منتشر اجزاء کو ایک جگہ جمع کر دینا بکھری ہوئی چیزوں کو ملا دینا، یہ ہے مادہ جمعہ کا تو جتنی بھی منتشر تھیں بڑی بڑی وہ جمع کی گئیں، اس دن میں، آدمؑ کی مٹی جو پوری زمین سے لی گئی وہ جمعہ کے دن ہی میں جمع کی گئی اور ان کا پتلہ بنایا گیا۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ آدمؑ کی پیدائش، اور ان کی مٹی جمع کرنا اور ان کو دنیا میں اُتارنا جمعہ کے دن ہوا، قیامت بھی قام ہوگی تو جمعہ کے دن ہوگی، جس میں اولین وآخرین جمع کیے جائیں گے، تو اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن میں جامعیت کا ایک مادہ موجود ہے، مٹی بکھری ہوئی تھی آدمؑ کی وہ جمع ہوگئی یوم جمعہ میں، کمالات چھپے ہوئے تھے وہ جمع ہوکر نمایاں ہوگئے، جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو اُتارا گیا، قیامت ہوگی تو کرڑوں اچھے اور بُرے انسان چھپے پڑے ہوں گے زمینوں میں لیکن اپنی قبروں سے اُٹھ کر جمع ہونگے۔ میدان حشر میں جمع ہوں گے، جمعہ کے دن انھیں جمع کر دے گا، غرضیکہ جمعہ میں جامعیت موجود ہے۔ (فضائل یوم جمعہ ص ٢٥)۔

حدیث سے جمعہ کا ثبوت

"عن طارق بن شهاب قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم الجمعه حق وا جب علیٰ کل مسلم فی جماعة الاعلیٰ اربعة عبد مملوک او امراة اوصبی او مریض،، (رواہ ابوداود).

طارق بن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم اور واجب ہے۔ اس وجوب سے چار قسم کے آدمی مستثنیٰ ہیں ایک غلام جو کسی کا مملوک ہو، دوسرے عورت، تیسرے لڑکا جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو، چوتھے مریض (بیمار) (معارف الحدیث ص ۳۸۲ ج ۳)۔

جمعہ کی نماز میں دو رکعتیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "صلوٰة الجمعه رکعتین تمام قصر علی لسان نبیکم صلی الله علیه وسلم،، ۔ (رواہ احمد ونسائی وابن ماجہ) (یعنی ہمارے نبی کریمؐ کے ارشاد کے بموجب جمعہ کی نماز کی پوری دو رکعتیں ہیں۔ اور یہ قصر نہیں ہے)

یہ نماز ہر مکلف اور قدرت رکھنے والے پر جو نماز کے شرائط کو پورا کرتا ہو، فرض عین ہے۔ یہ ظہر کا بدل ہے چنانچہ اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز نہ پڑھ سکا تو اس سے ظہر کی چار رکعت پڑھنا فرض ہے اس کا فرض ہونا کتاب (قرآن) اور سنت (حدیث) اور اجماع سے ثابت ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾

(یعنی ایمان والو! جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے تو اللہ کی عبادت کیلئے چل پڑو اور خرید و فروخت بند کر دو)۔

اور حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

"لقد هممت ان امر رجل یصلی بالناس ثم احرق علی رجال یتخلفون عن الجمعة بیوتهم." (مسلم شریف).

(یعنی میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی شخص کو جو لوگوں کیساتھ نماز پڑھتا ہو، حکم دوں کہ جو لوگ جمعہ کی نماز کو نہیں آتے، ان کے گھروں کو جلا دیا جائے) اور جمعہ کے فرض عین ہونے پر سب کا اجماع ہے۔ (کتاب الفقہ ص ۵۹۹ ج۱)

جمعہ کی نماز کی دو رکعتیں ہیں اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور جو سورت مناسب سمجھے پڑھے دونوں رکعتوں میں قرات زور سے کرے۔ (عالمگیری ص ۱۷ ج ۳)۔

جمعہ کے دن نماز جمعہ فرض ہے یا نماز ظہر

سوال: جمعہ کے روز فرض وقت جمعہ ہے یا ظہر اور جمعہ قصر ظہر ہے، یا کیا؟

جواب:۔ صحیح یہ ہے کہ فرض وقت ظہر ہے اور جمعہ بدل ہے۔ قصر ظہر نہیں ہے بلکہ اس اعتبار سے فرض مستقل ہے کہ اس سے ظہر ساقط ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۲۷ ج ۵)۔

جمعہ کے چند فضائل

(۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام دنوں سے بہتر جمعہ کا دن ہے اسی میں حضرت آدمؑ پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت میں بھیجے گئے اور اسی دن جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت کا وقوع بھی اسی دن ہوگا۔ (صحیح مسلم شریف)

(۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعے کا دن تمام دنوں کا سردار اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب دنوں سے بزرگ ہے اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی عظمت ہے۔ (ابن ماجہ)۔

(۳) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جمعے میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس وقت اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے تو ضرور قبول ہو۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۴) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان جمعے کے دن یا شب کو انتقال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھتا ہے۔ (ترمذی)۔

(۵) ہر روز دوپہر کے وقت دوزخ تیز کی جاتی ہے مگر جمعے کی برکت سے جمعے کے دن تیز نہیں کی جاتی۔

(۶) قیامت کے بعد جب اللہ تعالیٰ مستحقین جنت کو جنت میں اور دوزخ کے مستحقین کو دوزخ میں بھیج دے گا اور یہی دن وہاں بھی ہوں گے اگر چہ وہاں دن رات نہ ہوں گے، مگر اللہ تعالیٰ ان کو دن اور رات کی مقدار اور گھنٹوں کا شمار تعلیم فرمائیں گے۔ بس جب جمعہ کا دن آئے گا اور جس وقت مسلمان دنیا میں جمعے کی نماز کے لئے نکلتے تھے، ایک منادی آواز دے گا کہ اہل جنت مزید کے جنگل میں چلو، وہ ایسا جنگل ہے جس کا طول وعرض سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا، وہاں مشک کے ڈھیر ہوں گے، آسمان کے برابر بلند، انبیاء علیہم السلام نور کے منبروں پر بٹھلائے جائیں گے اور مومنین یاقوت کی کرسیوں پر۔ پھر جب سب لوگ اپنے اپنے مقام پر بیٹھ جائیں گے، حق تعالیٰ ایک ہوا بھیجے گا جس سے وہ مشک جو وہاں ڈھیر ہوگا، وہ اس مشک کو ان کے کپڑوں کے اندر لے جائے گی اور منہ اور بالوں میں لگائیگی وہ ہوا مشک کے لگانے کا طریقہ اس عورت سے بھی زیادہ جانتی ہے جس کو تمام دنیا کی خوشبوئیں دی جائیں۔

پھر حق تعالیٰ عرش کے اُٹھانے والے فرشتوں کو حکم فرمائے گا کہ عرش کو ان لوگوں کے درمیان میں لے جا کر رکھو، پھر ان لوگوں کو خطاب کر کے فرمائے گا اے میرے بندو! جو غیب پر ایمان لائے ہو، حالانکہ تم نے مجھ کو دیکھا نہ تھا اور میرے پیغمبروں کی تصدیق کی اور میرے حکم کی اطاعت کی، اب کچھ مجھ سے مانگو، یہ دن مزید یعنی زیادہ انعام کرنے کا ہے، سب لوگ ایک زبان کہیں گے کہ ہم تجھ سے خوش ہیں تو ہم سے راضی ہو جا۔ حق تعالیٰ فرمائے گا کہ اے اہلِ جنت اگر میں تم سے راضی نہ ہوتا تو تم کو اپنی بہشت میں نہ رکھتا اور کچھ مانگو یہ دن مزید کا ہے۔

پھر سب لوگ متفق ہو کر عرض کریں گے اے پروردگار ہم کو اپنی صورت زیبا دکھا دے کہ ہم تیری مقدس ذات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، پس حق سبحانہٗ پردے اُٹھا دے گا اور ان لوگوں پر ظاہر ہو جائے گا۔ اور اپنے جمال جہاں آراء سے ان لوگوں کو گھیر لے گا، اگر اہل جنت کے لئے یہ حکم نہ ہو چکا ہوتا کہ یہ لوگ کبھی جلائے نہ جائیں تو بے شک وہ لوگ اس نور کی تاب نہ لاسکیں اور جل جائیں، پھر اسے فرمائے گا کہ اب اپنے اپنے مقام پر واپس جاؤ، اور اُن لوگوں کا حسن و جمال اس جمال حقیقی کے اثر سے زیادہ ہو جائے گا۔ یہ لوگ اپنی

اپنی بیبیوں کے پاس آئیں گے، نہ بیبیاں ان کو دیکھیں گی اور نہ یہ بیبیوں کو، تھوڑی دیر بعد نور جو ان کو چھپائے ہوئے تھا، ہٹ جائے گا، پھر یہ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔
ان کی بیویاں کہیں گی کہ جاتے وقت جیسی صورت تمہاری تھی وہ اب نہیں، یہ لوگ جواب دیں گے کہ سب اس کا ثر ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات مقدس کو ہم پر ظاہر کیا تھا اور ہم نے اس کے جمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ (شرح سفر السعادۃ)۔

(۷) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کوئی جانور نہیں جو جمعہ کے دن قیامت کے خوف سے نہ ڈرتا ہو، مگر افسوس! شیطان اور اولاد آدم نہیں ڈرتے۔ (علم الفقہ ص ۱۴۰ و غنیتہ ص ۴۵۷)

جمعہ اور میدانِ مزید

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریمؐ تشریف فرما تھے کہ جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اس شان سے کہ ایک آئینہ ان کے ہاتھ میں تھا اور اس آئینہ کے درمیان میں ایک نقطہ سیاہ جو بالکل نمایاں تھا، آپؐ نے پوچھا ''اے جبرائیل یہ سیاہ نقطہ کیسا ہے اور یہ آئینہ کیا ہے؟
جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ سیاہ نقطہ مزید ہے جس کے معنی زیادتی کے ہیں، آپ نے فرمایا کہ مزید کیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ ایک میدان ہے جنت میں اور جنت کے بلائی حصہ یعنی سو جنتیں ہیں اوپر نیچے اور ہر جنت آسمان و زمین سے بڑی ہے، اب سے اوپر کا حصہ جو عرش کے نیچے ہے اس میں ایک میدان ہے جو بالکل سفید ہے، اس کی گھانس بھی سفید، درخت بھی سفید، غرض ہر چیز سفید اور شفاف ہے اور فرمایا کہ اتنا بڑا میدان ہے کہ ہزارہا برس ہو گئے مجھے گھومتے ہوئے کہ اب تک پوری طرح اس میدان مزید کی آخری حد کو نہیں پا سکا ہوں۔ حضور ﷺ نے اس میدان کا عرض معلوم کیا تو جبرائیلؑ نے کہا کہ اس میدان میں (قیامت کے بعد جمعہ کے دن) دربارِ خداوندی منعقد ہوگا۔ اس میدان مزید میں (جمعہ کے روز) انبیاء علیہم السلام کے لیے منبر بچھائے جائیں گے، گول دائرے کی شکل میں نور کے منبر ہوں گے اور ہر نبی کے منبر کے پیچھے اس کی امت کی کرسیاں ہوں گی وہ پورا میدان بھر جائے گا۔ ان بیٹھنے والوں کی کرسیوں سے دنیا میں جتنا جس کو تعلق اپنے نبی اور دین سے تھا، اتنا ہی قریب ہوگا، منبر نبویؐ کے، اور وہ کرسیاں اس شان سے ہوں گی کہ ایک

کے دیکھنے میں دوسرا حائل نہیں ہوگا۔

یہ جنت میں میدان مزید ہے اور ہر ہفتے (جمعہ) میں ایک بار اجتماع ہوگا۔

خطبہ شروع ہونے کے بعد تلاوت قرآن کریم بھی جائز نہیں، خطبہ شروع ہونے کے بعد درود شریف جیسی عبادت بھی جائز نہیں، خطبہ شروع ہونے کے بعد سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اس وقت خطیب کو دیکھا جائے اور کان خطیب کی آواز کی طرف لگائے جائیں، جو زیادہ سے زیادہ خطیب کو دیکھنے کی عادت ڈالے گا میدانِ مزید میں زیادہ سے زیادہ اس کو حق تعالیٰ کا دیدار میسر ہوگا۔ (فضائل جمعۃ المبارک ص ۷)

نماز جمعہ کی حکمتیں

(۱) اللہ تعالیٰ کو نماز سے زیادہ کوئی عبادت پسند نہیں اور اسی واسطے کسی اور عبادت کی اس قدر سخت تاکید اور فضیلت شریعت میں وارد نہیں ہوئی اور اسی وجہ سے پروردگار عالم نے اس عبادت کو اپنے ان غیر متناہی انعامات کے ادائے شکر کے لئے جن کا سلسلہ پیدائش سے آخرت تک بلکہ موت کے بعد اور قبل پیدائش کے بھی منقطع نہیں ہوتا، ہر دن میں پانچ وقت مقرر فرمائے ہیں اور جمعہ کے دن چونکہ تمام دنوں سے زیادی نعمتیں فائض ہوئی ہیں، حتیٰ کہ حضرت آدمؑ جو انسانی نسل کے لئے اول ہیں، اسی دن پیدا کیے گئے۔ لہٰذا اس دن ایک خاص نماز کا حکم ہوا۔

جس قدر جماعت زیادہ ہوگی اُسی قدر فوائد کا زیادہ ظہور ہوتا ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب مختلف محلوں کے لوگ اس مقام کے اکثر باشندے ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھیں اور ہر روز پانچوں وقت یہ کام تکلیف کا باعث ہوتا، ان وجوہ سے شریعت نے ہفتے میں ایک دن ایسا مقرر فرمایا جس میں مختلف محلوں اور دوسرے علاقہ کے لوگ آپس میں جمع ہو کر اس عبادت کو ادا کریں اور چونکہ جمعے کا دن تمام دنوں میں اُفضل اُور اَشرف تھا لہٰذا یہ تخصیص اسی دن کے لئے کی گئی۔

حجۃ اللہ البالغہ میں شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

(۱) ایک مذہب میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، جاہل بھی اور عالم بھی، لہٰذا یہ بڑی

مصلحت کی بات ہے کہ سب لوگ جمع ہو کر ایک دوسرے کے سامنے اس عبادت کو ادا کریں کہ اگر کسی سے کچھ غلطی ہو جائے تو دوسرا اس کو بتادے، تعلیم کر دے گویا اللہ کی عبادت ایک زیور ہوئی کہ تمام پرکھے والے اُسے دیکھتے ہیں۔ جو خرابی اس میں ہوتی ہے بتلا دیتے ہیں۔ اور جو عمدگی ہوتی ہے اُسے پسند کرتے ہیں، پس یہ ایک ذریعہ نماز کی تکمیل کا ہوگا۔

(۲) جو لوگ بے نمازی ہوں گے ان کا بھی حال کھل جائے اور ان کے لیے وعظ و نصیحت کا موقع ملے گا۔

(۳) جماعت میں یہ بھی فائدہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حال پر اطلاع ہوتی رہے گی اور ایک دوسرے کے درد اور مصیبت میں شریک ہو سکیں گے جس سے دینی اخوت اور ایمانی محبت کا پورا اظہار و استحکام ہوگا۔ جو شریعت کا ایک بڑا مقصود ہے جس کی تاکید جابجا قرآن عظیم اور احادیث صحیحہ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

(۴) اس اُمت سے اللہ کا یہ مقصود ہے کہ اس کا کلمہ کفر پست ہو، اور زمین پر کوئی مذہب اسلام کے مذہب پر غالب نہ رہے، اور یہ بات جب ہی ہو سکتی ہے کہ طریقہ مقرر کیا جائے کہ تمام مسلمان عام و خاص اور چھوٹے و بڑے اپنی کسی بڑی مشہور عبادت کے لیے جمع ہوا کریں اور شان و شوکت اسلام کی ظاہر کریں، انھیں سب مصالح سے شریعت کی پوری توجہ جماعت کی طرف ہوئی اور اس کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کے چھوڑنے کی سخت ممانعت کی گئی۔

(۵) چند مسلمانوں کا مل کر اللہ کی عبادت کرنا اور اس سے دعا مانگنا ایک عجیب خاصیت رکھتا ہے نزولِ رحمت اور قبولیت کے لیے۔ (علم الفقہ ص ۸۰ ج ۲)۔

(۶) روزانہ پانچوں وقت کی جماعت میں ایک محدود حلقہ یعنی ایک محلّہ ہی کے مسلمان جمع ہو سکتے ہیں، اس لئے ہفتہ میں ایک دن ایسا رکھ دیا گیا ہے کہ جس میں پورے شہر اور مختلف محلوں کے مسلمان ایک خاص نماز کے لئے ایک بڑی مسجد میں جمع ہو جایا کریں، اور ایسے اجتماع جمعہ کے لئے ظہر کا وقت زیادہ موزوں ہو سکتا تھا، اس لئے وہ ہی وقت رکھا گیا اور ظہر کی چار رکعت کے بجائے جمعہ کی نماز صرف دو رکعت رکھی گئی اور اس اجتماع کو تعلیمی و تربیتی لحاظ سے زیادہ مفید اور موثر بنانے کے لیے تخفیف شدہ دو رکعتوں کے بجائے خطبہ لازمی کر دیا گیا۔

اور اس کے لیے جمعہ ہی کا دن اس لئے مقرر کیا گیا کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے وہی دن زیادہ عظمت و برکت والا ہے، جس طرح روزانہ آخر شب کی گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت بندوں کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے اور جس طرح سال کی راتوں میں سے ایک رات (شب قدر) خاص الخاص درجہ میں برکتوں اور رحمتوں والی ہے اُسی طرح ہفتہ کے ساتھ دنوں میں سے جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے الطاف وعنایت کا دن ہے خصوصیات کی وجہ سے اس اہم اور شاندار ہفتہ وار اجتماعی نماز کیلئے جمعہ کا دن مقرر کیا گیا۔

اور اس میں شرکت و حاضری کی سخت تاکید کی گئی، اور نماز سے پہلے غسل کرنے، اچھے صاف ستھرے کپڑے پہننے اور اگر میسر ہوتو خوشبو بھی لگانے کی ترغیب بلکہ ایک درجہ میں تاکید کی گئی، تاکہ مسلمانوں کا یہ مقدس ہفتہ وار اجتماع توجہ الی اللہ اور ذکر ودعا کی باطنی و روحانی برکات کے علاوہ ظاہری حیثیت بھی پاکیزہ، خوش منظر بارونق اور پُر بہار ہو اور مجمع کو فرشتوں کے پاک وصاف مجمع کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مشابہت اور مناسبت ہو جائے۔

(معارف الحدیث جلد۳ ص۳۷۶)۔

(۷) جمعہ کے لفظ میں اجتماعیت کا مفہوم پایا جاتا ہے، نماز باجماعت کے لیے مسلمانوں کے جمع ہونے میں جو جو مصلحتیں اور فوائد ملحوظ ہیں اس سے کہیں زیادہ وسعت کے ساتھ وہ مقاصد جمعہ کی نماز میں ملحوظ ہیں۔ نماز پنجگانہ کی جماعت میں صرف ایک محلّہ کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ جمعہ میں پورے شہر اور قصبے کے تمام لوگ جمع ہوتے ہیں اور ہفتہ بھر کی اپنی روزمرہ زندگی کے لیے (خطبہ جمعہ سے) شرعی ہدایات لے کر جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی طرف سے اس کائنات میں بہت سے بڑے بڑے کام جمعہ کے دن ظاہر ہوئے ہیں۔ اس لیے تکوینی اور تشریعی دونوں لحاظ سے یہ دن بہت قیمتی ہے اس لیے اس مبارک اجتماع کے لیے بھی اسی کا انتخاب بہت موزوں تھا۔ (الترغیب ص۱۴۵ ج۲)۔

(۸) جماعت کے ذریعہ نماز اور توجہ الی اللہ کا ایک نورانی ماحول، ایک فریضہ کی ادائیگی پر ہر ایک کا دوسرے کے لیے گواہ ہونا، اس بہانے بستی اور محلّہ کے افراد امت کا ایک جا جمع ہونا اور ایک دوسرے سے ملنا، ایک حکم الٰہی پر تمام موجودین کا بیک وقت اور بیک آواز حرکت

میں آنا اور ان جیسے بہت سے وہ فوائد ہیں جو جماعت کے علاوہ کسی اور طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتے ہیں۔

(۹) نماز جمعہ کا مقصد ہی ہے کہ لوگ اپنے پروردگار کے آگے جھکنے کے لیے ایک ہی جگہ پر جمع ہوں، تا کہ ان کے درمیان الفت کا واسطہ مستحکم اور محبت کا رشتہ مظبوط ہو، اور ان کے دلوں میں مہربانی و مدارات کے جذبات جنم لیں اور بغض وحسد کے عوامل مردہ ہو جائیں اور سب لوگ ایک دوسرے کو مہربانی اور بھائی بندی کی نگاہ سے دیکھیں۔ جو لوگ قوت والے ہیں وہ کمزوروں کی امداد واعانت کریں، جو صاحب مال ہیں وہ محتاجوں کے کام آئیں، جو بڑے ہیں وہ چھوٹوں پر شفقت کریں اور چھوٹے بڑوں کی عزت کریں۔ اور اُن سب کو احساس ہو کہ وہ ایک ہی خدا کے بندے ہیں، وہ خدا جو بے پروا تمام حمد وثنا (تعریفوں) کا مستحق ہے، اور زبردست، مختار اور عظمت بے حد کا مالک ہے۔ (کتاب الفقہ ص ۶۱۵ ج ۱)

(۱۰) دنیا میں جمعہ لایا گیا تا کہ انسان تکمیلی طور پر جیسے اس کی چیزیں جمع ہوئی ہیں وہ اپنے ارادے سے جمعیت کی شان اپنے اندر پیدا کرے یعنی جمع ہونا سیکھیں، لوگ قلوب کی یکسانی سیکھیں، قلوب کا میل میلاپ اور اتحاد سیکھیں، اختلاف سے بچیں، گروہ بندی سے بچیں اس کے لیے نمونہ بنا دیا گیا ہے جمعہ کو، شکل صورت مختلف رنگ ونسل مختلف مگر سب آ کر جمع ہو جاتے ہیں جمعہ کے اندر دیہات کے بھی، قصبوں کے بھی اور محلوں کے لوگ بھی سب ایک جگہ ہزاروں اور بعض جگہ لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں، باوجود اختلافِ مذاق و مزاج کے پھر ان میں وحدت پیدا ہو جاتی ہے، یہ جمعہ کی برکت ہے، تو جب ہفتہ میں ایک دن جمع ہونا سیکھ لیا تو بقیہ ایام میں بھی ان کے لیے جمع ہونا آسان ہو جاتا ہے، ان میں محبت اور اجتماع کی۔

جمعہ کا دن اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے کہ باہمی ملاپ اور محبت پیدا ہو باہمی یگانگت پیدا ہو، اتحاد باہمی ہو کاش مسجد سے نکل کر بھی ہم بھائی بھائی بنیں، اسی طرح ہمارے قلوب میں یکسانی پیدا ہو جائے۔ (فضائل جمعۃ المبارک ص ۷)

(۱۱) تمام مسلمان پروردگار واحد کی عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں انھیں یہ بات

فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ وہ باہم بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے جو بڑے ہیں وہ چھوٹوں پر رحم کریں، اور جو چھوٹے ہیں وہ اپنے بڑوں کی عزت کریں۔ جو امیر ہیں، وہ غریبوں، مجبوروں کی حاجت روائی کریں، اور جو قوی ہیں وہ کمزوروں کی اعانت کریں۔ اور صحت مند اشخاص مریضوں کی تیمار داری کریں، تاکہ رسول اللہ کے ارشادات پر عمل ہو کہ "

☆ "ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، پس چاہیے کہ نہ اس پر ظلم کرے، نہ اسے نقصان پہنچائے"

☆ "جو شخص ضرورت پڑنے پر اپنے بھائی کے کام آئے گا، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پر اس کے کام آئے گا۔

☆ "جس نے کسی مسلمان کی کوئی مشکل حل کر دی، اللہ تعالیٰ قیامت کی مشکلات میں سے اس کی مشکل کو حل کر دے گا۔

☆ "جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ (کتاب الفقہ ۲۷۹ ج ۱)

عرض کہ اگر نماز کی تمام خوبیوں کو بیان کیا جائے تو اس کے لیے ایک دفتر درکار ہو گا، لہٰذا اسی قدر پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینِ حنیف پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

بڑی جماعت کا فائدہ

جماعت کے ذریعہ انسان میں اجتماعی شعور پیدا ہوتا ہے ایک ہی صف میں عربی، عجمی، رومی، حبشی، امیر، مامور، مزدور، رئیس و غریب، آقا و غلام، شاہ و گدا سب کے سب کھڑے ہوتے ہیں، تو انسانی برادری اور عالمی اخوت کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ اور احترام آدمیت کا سبق ملتا ہے، ذات پات، چھوت، چھات، طبقاتی امتیاز نسل و رنگ کی اونچ نیچ کے جراثیم سوسائٹی میں پیدا ہی نہیں ہونے پاتے اور جو ہوتے ہیں وہ ختم ہو جاتے ہیں، پھر یکساں طریقہ پر رکوع و سجدہ و دیگر افعال صلوٰۃ یعنی نماز کے دوسرے ارکان سے اس میں مزید اصلاح ہوتی ہے۔

امام کی اقتداء کرنے سے انسان کے اندر اطاعت امیر کا جذبہ پرورش پاتا ہے اور سبق ملتا ہے کے کہ پوری زندگی کسی امیر کی اطاعت میں بسر کرنی چاہیے۔

نفس کی سرکشی و انانیت میں کمی ہوتی ہے، چونکہ صف میں ہر قسم کے آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہونا پڑتا ہے، بعض لوگ ناپسندیدہ حالت میں یا لباس میں عمل کرتے بھی ہوتے ہیں، اس کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے، اس طرح مزاج میں ضرورت سے زیادہ نفاست و نزاکت اور تانا شاہی کا مادہ ختم ہوجاتا ہے اور دوسرے کی ایذاؤں کو برداشت کرنے کا نیز صبر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، مزاج میں تواضع وانکساری پیدا ہوتی ہے۔

وقت مقرر پر جماعت میں شریک ہونا ضروری ہوتا ہے اس پابندی سے مزاج میں کسل اور سستی دور ہوتی ہے اور انسان کا نفس ڈسپلن، وقت کی پابندی اور چستی کا خوگر ہوتا ہے، دینی اور دنیوی امور باہمی تعاون واشتراک سے انجام دینے کی عادت اور مشق ہوتی ہے، سوسائٹی کے ہر طبقہ کے افراد کا ایک جگہ اجتماع ہوتا ہے عوام صلحاء علماء اولیاء، حکام سب ہی کی شرکت ہوتی ہے، اور ایک دوسرے سے استفادہ کا ایسا فیض جاری ہوتا ہے کہ سب ہی کو اس میں حصہ ملتا ہے اور فائدہ پہنچتا ہے۔ اسی موقع پر قرآن کریم کی آیات کے ذریعہ باری تعالیٰ کے ارشادات اور نصیحتیں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے ہمدردی، رحم و کرم، امر بالمعروف ونہی عن المنکر یعنی بھلائی کا حکم اور برائی سے روکنا وغیرہ کے بارے میں بار بار سننے کو ملتی ہے۔ اس کے ذریعہ مزاج میں باہمی الفت ومحبت، تعاون و ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور بڑھتے رہتے ہیں۔ پھر ایسے اجتماع میں چونکہ بعض مقبول بندے بھی عموماً رہتے ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں ہوتی ہیں اور جن کی دعائیں بارگاہ الٰہی میں جلد قبول ہوتی ہیں اس لئے ان کے طفیل میں دوسرے افراد بھی ان رحمتوں اور دعاؤں سے حصہ پالیتے ہیں جیسا کہ دنیا میں کسی سے تعلق رکھنے والے کے ساتھ ہونے کی بناء پر اس کی بھی عزت وتکریم کی جاتی ہے۔

جماعت کے لیے ایک امام ضروری ہوتا ہے۔ جس کے بارے میں ہدایت ہے کہ سب میں بہتر ہونا چاہیے اس لئے لوگ اپنے میں سے بہتر شخص کو چن کر امام بناتے ہیں۔ اس

کے ذریعہ لوگوں میں صحیح آدمی کو منتخب کرنے کا نیز باہمی مشورہ سے معاملات طے کرنے کا سلیقہ اور جمہوریت کا ڈھنگ پیدا ہوتا ہے اور سبق ملتا ہے۔ (معارف مدینہ ص ۴۵ ج ۲)۔

جمعہ کا فیض عام

ہدایتوں کا سارا اجتماع جمعہ کے طفیل ہوا ہے، کیونکہ جمعہ ہی ذریعہ بنا ہے حضرت آدم علیہ السلام کو نیچے لانے، اور نیچے آئے تو اولاد پیدا ہوئی اور پیغمبریاں بھی ظاہر ہوئیں، نبوتیں بھی نمایاں ہوئیں، ولایتیں بھی نمایاں ہوئیں، علم و کمال نمایاں ہوئے پاکیزہ اخلاق بھی ظاہر ہوئیں اور یہ سلسلہ چلا آرہا ہے تو جمعہ کا دن جامع ہے ان تمام کمالات کا، سبب ہے ان کی جمعیت کا، تاکہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں۔

پس جمعہ ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ ایک جگہ جمع ہوں اور جمع ہونے کی صورت یہ ہے کہ منہ سب اللہ کی طرف ہو، استقبال کرو قبلہ کا، جب سب کا ایک رُخ ہوگا مجتمع ہو جاؤ گے، جب آمنے سامنے ہوں گے تب ٹکر پیدا ہوگی، جب سب کا رُخ ایک طرف ہوگا ٹکراؤ کی کوئی وجہ نہیں۔

آپ میں سے جو حضرات حج کے لیے گئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ طواف کرنے کی جگہ میں کئی لاکھ آدمی طواف کرتے ہیں۔

بیت اللہ شریف میں ایک مقام پر لاکھوں آدمی جمع ہوتے ہیں، مرد و عورت اور ہجوم کا کندھے سے کندھا ملتا ہے مگر لڑائی نہیں ہوتی، اس لئے کہ سب ایک ہی رُخ میں گھومتے ہیں، اگر کچھ ادھر کو چلتے تو مڈبھیڑ ہو جاتی اور اچھا خاصا تصادم ہو جاتا، کیونکہ ایک رُخ ہے اور لاکھوں افراد جمع ہیں اس لیے ان میں ٹکراؤ نہیں، تو جب آپ آئیں جامع مسجد میں تو سب کا رُخ ایک ہی طرف ہوگا، یگانگت پیدا ہوگی، کوئی ٹکراؤ نہیں آپس میں۔ تو جب باہر جائیں گے تو کسی کا منہ دکان کی طرف، کسی کا دفتر وغیرہ کی طرف، کوئی دوسرے کے سامنے اس میں تصادم ٹکراؤ اور جھگڑے شروع ہوں گے۔ یہاں پر ظاہری طور پر، باطنی طور پر، منہ اللہ کی طرف ہے لیکن منہ اگر خدا کی طرف نہ کیا جائے تو وہاں بھی وہی شکل پیدا ہو جائے گی، قلب اگر صحیح ہو جائے تو جمعہ کا دن بتلاتا ہے کہ جیسے تم ظاہر میں جمع ہو گئے ہو باطن میں بھی ہم نے تمہیں جمع کر دیا، اس لیے جب تم باہر جاؤ تو باطن کا رُخ ایک طرف رکھو، اللہ سے لو لگائے

رکھو تو تم میں تفریق پیدا نہ ہوگی۔

بہر حال یوم جمعہ امتحان بھی ہے کہ یہ امت کامیاب ہوئی، جمعہ یوم، جامعیت بھی ہے کہ جس نے تمام بکھری ہوئی چیزیں جمع کیں، جمعہ یوم فضیلت بھی ہے جس میں انسانوں کو فضیلت ملی، جمعہ یوم مزید بھی ہے کہ جس میں دربار خداوندی میں حاضری کی عادت پڑی اس لیے جمعہ کو انتہائی ذوق و شوق سے ادا کرنے کی ضرورت ہے، اور اذان جمعہ سے پہلے مسجد میں آکر صف اولیٰ میں بیٹھنے کی ضرورت ہے تا کہ وہ فضائل و برکات حاصل ہوں۔ (آمین)

(فضائل جمعۃ المبارک ص ۵۲)۔

جمعہ کے آداب و مستحبات

(۱) ہر مسلمان کو چاہیے کہ جمعہ کا اہتمام جمعرات سے کرے، جمعرات کے دن عصر کے بعد استغفار وغیرہ زیادہ کرے اور اپنے پہننے کے کپڑے صاف کر کے رکھے اور خوشبو گھر میں نہ ہو تو اگر ممکن ہو تو اُسی دن لاکر رکھے تا کہ جمعہ کے دن پھر ان کاموں میں مشغول ہونا پڑے، بزرگان سلف نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ جمعہ کا فائدہ اس شخص کو ملے گا جو اس کا منتظر رہتا ہو اور اس کا اہتمام جمعرات سے کرتا ہو، اور سب سے زیادہ بدنصیب وہ ہے جس کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ جمعہ کب ہے؟ یہاں تک کہ صبح کو لوگوں سے معلوم کرے کہ آج کون سا دن ہے؟ اور بعض بزرگ شب جمعہ کو زیادہ اہتمام کی غرض سے جامع مسجد ہی میں جا کر رہا کرتے تھے۔

(۲) دوسرا ادب یہ ہے کہ اگر مسجد ہی میں جلدی جانا چاہتا ہے ت صبح ہی غسل کر لے، ورنہ تاخیر بہت بہتر ہے۔ اور آپ ؐ نے جمعہ کے دن غسل کا حکم بڑی تاکید سے فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ کچھ علماء اس غسل کو فرض سمجھتے ہیں اور مدینہ طیبہ کے لوگ اگر کسی سے سخت کلامی کرنا چاہتے تو کہتے، تو اُس شخص سے بھی بدتر ہے جو جمعہ کو غسل نہ کرے۔ اگر کوئی شخص جمعہ کے دن ناپاک ہو، اور غسل کرے تو بہتر ہے کہ جمعہ کے غسل کی نیت سے بھی مزید پانی اپنے اوپر ڈالے۔ اگر ایک غسل میں دونوں نیتیں یعنی پاکی حاصل کرنے اور ادائے سنت کرے تو بھی کافی ہے۔ اور غسل جمعہ کی بھی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

(۳) تیسرا ادب یہ ہے کہ آراستہ و پاکیزہ اور اچھی نیت کر کے مسجد میں آئے اور پاکیزگی

کے یہ معنی ہیں کہ بال بنوائے، ناخن کٹوائے، مونچھوں کے بال کتروائے، اور آراستہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ سفید کپڑے پہنے کیونکہ حق تعالیٰ سب کپڑوں سے زیادہ سفید کپڑوں کو پسند کرتا ہے۔ اور تعظیم اور عظمت کی نیت سے خوشبو ملے، تاکہ اس کے کپڑوں سے بدبو نہ آئے، اور کوئی اس سے رنجیدہ نہ ہو، اور غیبت نہ کرے

(۴) چھوتھا ادب، صبح ہی جامع مسجد میں پہنچے، اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ پہلے زمانہ میں لوگ چراغ لے کر مسجد میں جاتے تھے اور راستہ میں اتنی بھیڑ ہوتی تھی کہ مشکل سے گزر ہوتا تھا۔

(۵) ادب یہ ہے کہ اگر دیر سے جامع مسجد میں آئے تو لوگوں کی گردنوں پر پاؤں نہ رکھے، یعنی انھیں پھاندے نہیں، کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اس کو پُل بنایا جائے گا اور لوگ اس پر سے گزریں گے۔

(۶) ادب یہ ہے کہ جو شخص نماز پڑھتا ہو، اُس کے سامنے سے نہ گزرے۔ کیونکہ نمازی کے سامنے سے گزرنا ممنوع ہے۔ اور حدیث سریف میں ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے سے یہ بہتر ہے کہ آدمی خاک ہو کر برباد ہو جائے۔

(۷) ادب یہ ہے کہ پہلی صف میں جگہ ڈھونڈھے، اگر نہ پائے تو جتنا امام کے نزدیک ہوگا بہتر ہے کہ اس میں بڑی فضیلت ہے۔

(۸) ادب یہ ہے کہ جب خطبہ پڑھنے کے لیے خطیب بیٹھ جائے تو پھر کوئی نہ بولے، مؤذن کا جواب دینے اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جائے، اگر کوئی شخص بات کرے تو اشارہ سے اُسے چُپ کرا دینا چاہیے زبان سے نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی خطبہ کے وقت دوسرے سے کہے کہ چُپ رہ یا خطبہ سن، اُس نے بےہودہ کام کیا، اور جس نے اس وقت بےہودہ بات کہی۔ اُسے جمعہ کا ثواب نہ ملے گا، اور اگر خطیب سے دور ہو، اور خطبہ سنائی نہ دے تو چُپ رہنا چاہیے، جہاں لوگ باتیں کرتے ہوں، وہاں نہ بیٹھے۔

(۹) ادب یہ ہے کہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو "الحمد، قل ھو اللہ، قل اعوذ برب الفلق قل اعوذ برب الناس"، سات سات مرتبہ پڑھے، کیونکہ حدیث شریف

میں آیا ہے کہ ان سورتوں کا پڑھنا اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک شیطان سے پناہ دے گا۔

(۱۰) ادب یہ ہے کہ عصر کی نماز تک مسجد میں رہے اور اگر مغرب کی نماز تک مسجد میں رہے تو بہت بہتر ہے۔علماء نے فرمایا ہے کہ اس بات میں ایک حج اور عمرہ کا ثواب ہے، اور مسجد میں نہ رہ سکے اور گھر جائے تو چاہیے کہ خدا کے یاد سے غافل نہ رہے تا کہ وہ ایک بزرگ ساعت جو جمعہ کے دن ہوتی ہے اُسے غفلت میں نہ پائے اور اس کی فضیلت سے محروم نہ رہے۔(کیمیائے سعادت از امام غزالیؒ ص۱۶۲)

(۱۱) ادب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے پیدل جانے مین ہر قدم پر ایک سال کے روزے رکھنے کا ثواب ملتا ہے۔(ترمذی شریف)

(۱۲) ادب یہ ہے کہ جمعہ کے دن مستحب یہ ہے کہ فجر کی نماز میں حضور ﷺ سورہ آلم سجدہ اور ”ھل اتٰی علی الانسان“ پڑھتے تھے۔لہٰذا ان سورتوں کو جمعہ کے دن فجر کی نماز میں مستحب سمجھ کر کبھی کبھی پڑھا کرے اور کبھی کبھی چھوڑ بھی دیا کرے تا کہ عوام کو وجوب کا خیال نہ ہو۔

(۱۳) ادب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز میں رسول اللہ ﷺ سورہ جمعہ اور ”سورہ منافقون“ یا ”سبح اسم ربک الا علیٰ،، اور ” ھل اتاک حدیث الغاشیۃ،، پڑھتے تھے۔یعنی کبھی آپ اوپر کی سورتیں اور کبھی یہ دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔

(۱۴) ادب یہ ہے کہ جمعہ کے دن خواہ نماز سے پہلے یا بعد میں سورہ کہف پڑھنے میں بہت بڑا ثواب ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جمعے کے دن جو کوئی سورہ کہف پڑھے اس کے لیے عرش کے نیچے سے آسمان کے برابر ایک بلند نور ظاہر ہوگا، قیامت کے اندھیرے میں اس کے کام آئے گا اور جمعے سے پہلے تک جتنے گناہ اس سے ہوئے تھے وہ معاف ہو جائیں گے۔(شرح سفر السعادات)۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں گناہِ صغیرہ (چھوٹے) مراد ہے اس لیے کہ گناہ کبیرہ (بڑے) بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔واللہ اعلم و ھو ارحم الراحمین۔

(۱۵) ادب یہ ہے کہ جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے میں بھی اور دنوں سے زیادہ ثواب

ملتا ہے اسی لیے احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت کرو۔
(بہشتی زیور ص ۷۷ ج ۱۱)۔

(۱۶) ادب یہ ہے کہ جمعہ کے روز دن اور رات کے اوقات میں سورہ کہف کا پڑھنا مستحب ہے، لہٰذا جسے زبانی یاد ہو یا قرآن سے دیکھ کر پڑھ سکے، اُس کے لئے پڑھنا سنت ہے۔
لیکن مسجد میں پڑھنے سے اگر گڑبڑ پیدا ہونے یا اونچی آواز میں قرآن پڑھنے اور ایسا کلام کرنے سے جس کی ممانعت آئی ہے، مسجد کے احترام میں فرق آنے کا اندیشہ ہو تو بالا تفاق جائز نہیں ہے۔ (یعنی یا تو آہستہ پڑھے یا پھر گھر میں پڑھے)۔

(۱۷) ادب یہ ہے کہ جمعہ کے دن کثرت سے درود شریف پڑھنا اور کثرت سے دعا مانگنا مستحب ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ "جمعہ کے دن ایک وقت ایسا آتا ہے کہ کوئی مسلمان بندہ اللہ تعالیٰ سے جو دعا کرے وہ قبول ہو کر رہتی ہے" یہ فرماتے ہوئے آپؐ نے اپنے ہاتھ مبارک کے اشارے سے فرمایا بہت تھوڑا سا وقت ہوتا ہے۔

(۱۸) ادب یہ کہ جمعہ کے مقام (جامع مسجد) پر جلدی پہنچنے کی کوشش کرنا بھی مستحب ہے۔ اور یہ حکم امام (وخطیب) کے لیے نہیں ہے۔ امام کا وقت سے پہلے پہنچنا مستحب نہیں جلدی کا کوئی مقرر وقت نہیں ہے اور چاہیے کہ اذان سے پہلے پہنچ جائیں۔ اور یہ کہ کم وبیش (کم از کم) دو گھڑی پہلے ہی اطمینان کے ساتھ چلیں (یعنی جو فضائل آتے ہیں ان کو حاصل کرلیں)

(۱۹) ادب یہ ہے کہ اپنے آپ کو بہترین لباس سے ملبوس کرے یعنی کپڑے پہنے، اور بہترین لباس وہ ہے جس کا رنگ سفید ہو، (مستحب ہے)۔

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۶۴۴ ج ۱)

جمعہ کے لیے اوّل وقت جانے کی فضیلت

عن ابی هریر قال قال رسول الله ﷺ اذا کان یوم الجمعة وقفت الملائکة علی باب المسجد یکتبون الاول فالاول ومثل المهجد کمثل الذی یهدی بدنة ثم کا الذی بقر .ة ثم کبشا ثم دجاجة ثم بیضة فاذاخرج الامام طودا صحفهم ویستمعون الذکر(رواه البخاری ومسلم).

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں، اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں، اور اول وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کی راہ میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے پھر اس کے بعد دوسرے نمبر پر آنے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے کی قربانی پیش کرتا ہے پھر اس کی بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی سی، پھر اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی، پھر اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی، پھر جب امام خطبہ کے لیے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے کاغذات (رجسٹر) بند کرلیتے ہیں اور خطبہ سننے میں شریک ہوجاتے ہیں۔
(صحیح بخاری وصحیح مسلم شریف)۔

تشریح:۔ حدیث کا اصل مقصود ومدعا جمعہ کے لیے اول وقت جانے کی ترغیب ہے، اور آگے پیچھے آنے والوں کے ثواب اور درجات کے فرق کو حضور پرنور ﷺ نے مختلف درجہ کی مثال دے کر واضح کیا ہے۔ (معارف الحدیث صفحہ ۳۸۹ جلد ۳)۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ مضمون اپنے شاگردوں کے سامنے بیان فرمایا تو ان کے ایک شاگرد نے پوچھا کہ "امام کے خطبہ کے لیے نکل آنے کے بعد پہنچنے والوں کا جمعہ نہیں ہوتا؟"

فرمایا کہ "جمعہ تو ہوجائے گا لیکن یہ شخص رجسٹر میں درج ہونے والوں میں نہ آسکے گا۔"

ابن ماجہ کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے (ملاقات کے وقت) لوگ اسی ترتیب سے بٹھائے جائیں گے جس ترتیب سے وہ جمعہ کی نماز میں آتے ہوں گے، سب سے قریب پہلا پھر دوسرا تیسرا اور چوتھا بھی اللہ تعالیٰ سے دور نہیں ہے، یعنی بالترتیب بٹھائے جائیں گے۔ (الترغیب والترتیب ص ۱۵۷ ج ۲۔ بحوالہ ابن ماجہ والطبرانی)

اگر دنیاوی کاروباری تاجر کو یہ معلوم ہوجائے کہ فلاں مہینے میں قریبی جگہ میں ایک میلہ نمائش ہونے والی ہے جس میں اتنی آمدنی ہوگی کہ ایک روپے کے دس بن جائیں گے بہت نفع ہوگا۔ تو بتاؤ کون بے وقوف ہے جو اس بہترین موقع کو چھوڑ دے گا؟ اگر بتانے

والے نے تاریخ نہ بھی بتائی ہوگی تو کسی نہ کسی طرح وہ تاریخ کا پتہ لگائے گا اور اگر شبہ رہ جائے گا تو احتیاطاً وقت سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرے گا

اسی طرح دنیاوی پروگراموں کے اندر ہر شریک ہونے والا یہ کوشش کرتا ہے کہ سب سے پہلے جلد سے جلد پہنچے اور سب آگے بیٹھے۔

اس لیے ہر مسلمان کو یہ شوق ہونا چاہیے کہ اپنے ہفتہ بھر کے دھندوں میں وہ عبادت اور توجہ الی اللہ کے لیے جتنا وقت نکالتا رہتا ہے جمعہ کے دن اس سے کچھ زیادہ ہی وقت نکالنے کی کوشش کر کے جلد سے جلد، اول وقت میں جمعہ کے لیے جامع مسجد میں پہنچ جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جب نمازیوں کی فہرست پیش ہو تو اس کا نام شروع ہی میں آجائے اور جب قیامت کے دن جنت میں پہنچنے کے بعد جمعہ کے روز اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لیے لوگوں کو اسی ترتیب سے بٹھایا جائے گا جس ترتیب سے وہ جمعہ کی نماز میں آکر بیٹھتے ہوں گے، تاکہ ہم بھی اس ترتیب میں شامل ہوسکیں۔

جمعہ کے دن کی قدر و قیمت سے ناواقفیت کی وجہ سے ہم لوگ اسے بھی عام دنوں کی طرح گزار دیتے ہیں اور جو لوگ اس کی اہمیت سے واقف ہیں وہ خوب قدر کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ ''یہود کو تمہارے اوپر جتنا حسد تمہیں جمعہ کا دن ملنے پر ہے اتنا کسی اور چیز پر نہیں۔ (الترغیب صفحہ ۳۲۸ ج ۱ بحوالہ مسند احمد)۔ (محمد رفعت قاسمی)

اگلے زمانے میں صبح کے وقت اور فجر کے بعد راستے اور گلیاں بھری ہوئی نظر آتی تھیں تمام لوگ سویرے سے جامع مسجد جاتے تھے اور سخت اژدہام (بھیڑ) ہوتا تھا، جیسے عیدین کے دنوں میں، پھر جب یہ طریقہ چھوڑ دیا گیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ پہلی بدعت ہے جو اسلام میں پیدا ہوئی۔ یہ لکھ کر امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ۔

''کیوں شرم نہیں آتی مسلمانوں کو، یہود اور نصاریٰ سے کہ وہ لوگ اپنی عبادت کے دن یعنی یہود سنیچر کو اور نصاریٰ اتوار کو اپنے عبادت خانوں اور گرجا گھروں میں کیسے سویرے جاتے ہیں اور دنیا کے طلب کرنے والے کتنے سویرے بازاروں میں خرید و فروخت کے لیے پہنچ جاتے ہیں، پس دین کے طلب کرنے والے پیش قدمی کیوں نہیں کرتے۔

درحقیقت مسلمانوں نے اس زمانہ میں اس مبارک دن کی قدر بالکل گھٹادی، ان کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ آج کون سادن ہے اور اس کا کیا مرتبہ ہے۔ افسوس وہ دن جو کسی زمانہ میں مسلمانوں کے نزدیک عید سے بھی زیادہ تھی اور جس دن پر نبی اکرم ﷺ کو فخر تھا اور جو دن پہلی اُمتوں کو نصیب نہ تھا، آج مسلمانوں کے ہاتھ سے اس کی ذلت اور ناقدری ہورہی ہے ، خداتعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اس طرح ضائع کرنا ناشکری ہے ، جس کے وبال کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔"انا للہ و انا الیہ راجعون" ۔(علم الفقہ ص ۱۴۱ ج ۲)۔

جمعہ کے دن رحمت وقبولیت کی ایک خاص گھڑی

"عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم ان فی الجمعة لساعة لایو افقھا عبد مسلم یسال اللہ فیھا خیراً الا اعطا ہ ایاہ"

(رواہ البخاری ومسلمؒ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اگر کسی مسلمان بندے کو حسن اتفاق سے اس گھڑی میں خیر اور بھلائی کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی توفیق مل جائے تو اللہ تعالیٰ اُس کو عطا فرمادیتا ہے۔

تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح پورے سال میں رحمت وقبولیت کی ایک خاص رات (شب قدر) رکھی گئی ہے، جس میں کسی بندے کو اگر توبہ واستغفار اور دعا نصیب ہوجائے تو اس کی بڑی خوش نصیبی ہے اور اللہ تعالیٰ سے خاص قبولیت کی توقع ہے۔ اسی طرح ہر ہفتہ میں بھی جمعہ کے دن رحمت وقبولیت کی ایک خاص گھڑی ہوتی ہے اگر اُس میں بندے کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور مانگنا نصیب ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے قبولیت کی اُمید ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن سلام اور کعب بن احبارؓ دونوں سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن کی اس ساعت (گھڑی) کی قبولیت کا ذکر تورات میں بھی ہے۔

جمعہ کے دن کی اس ساعتِ قبولیت کے وقت کے تعین وتخصیص میں شارحینؒ حدیث نے بھی بہت سے اقوال نقل کیے ہیں، ان میں سے دو ایسے ہیں جن کا ذکر صراحۃً یا اشارۃً بعض احادیث میں بھی ذکر ہے۔ صرف وہی یہاں نقل کیے جاتے ہیں:۔

(۱) ایک قول یہ ہے کہ جس وقت امام خطبہ کے لیے منبر پر جائے، اس وقت سے لیکر نماز کے ختم ہونے تک جو وقت ہوتا ہے، بس یہی قبولیت کی گھڑی ہے، اس کا حاصل یہ ہوا کہ خطبہ اور نماز کا وقت ہی قبولیت دعاء کا خاص وقت ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ گھڑی قبولیت کی عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب کا وقفہ ہے۔

حضرت شاہ اللہؒ "حجۃ اللہ البالغہ" میں دونوں قول کا ذکر فرما کر اپنا خیال یہ ظاہر فرمایا ہے کہ "ان دونوں باتوں کا مقصد بھی حتمی تعین نہیں ہے، بلکہ منشاء صرف یہ ہے کہ خطبہ اور نماز کا وقت چونکہ بندگان خدا کی توجہ الی اللہ اور عبادت و دعاء کا خاص وقت ہے اس لیے اس کی اُمید کی جاسکتی ہے کہ وہ قبولیت کی گھڑی اسی وقت میں ہو۔

اور اسی طرح چونکہ عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت نزول قضاء کا وقت ہے اور وہ پورے دن کا نچوڑ ہے اس لیے اس وقت بھی توقع کی جاسکتی ہے کہ وقت قبولیت غالباً اس مبارک وقفہ میں ہو"

بعض حضرات نے لکھا ہے:۔

"جمعہ کے دن کی اس خاص قبولیت کی گھڑی کو اُسی طرح مصلحت سے مبہم و پوشیدہ رکھا گیا ہے جس طرح اور جس مصلحت سے شب قدر کو مبہم رکھا گیا ہے، پھر جس طرح رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں کو اور خاص کر ستائیسویں شب کی طرف شب قدر کے بارے میں کچھ اشاراتؔ بعض حدیثوں میں کیے گئے ہیں۔ اسی طرح جمعہ کے دن کی اس قبولیت کی گھڑی کو نماز اور خطبہ کے وقت اور عصر سے مغرب تک کے وقفہ کے لیے بھی احادیث میں اشارات کیے گئے ہیں، تاکہ اللہ کے بندے کم از کم ان دو وقتوں میں توجہ الی اللہ اور دعاء کا خصوصیت سے اہتمام کریں۔" (معارف الحدیث صفحہ ۳۸۲ ج ۳)۔

حضرت فاطمہؓ کا طریقہ

ابو نصرؒ نے اپنے والد سے، انھوں نے حضرت فاطمہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ جو مومن اس میں

اللہ سے نیکی طلب کرے، اُسے عطا کی جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون سی گھڑی ہے؟ آپؐ نے فرمایا جب سورج کا آدھا حصہ غروب ہونے کو ہوتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کا دستور تھا کہ جمعہ کے دن اپنے غلام زیدؓ سے فرمایا کرتیں کہ تم کسی بلند پہاڑ کے ٹیلے پر چڑھو، جب سورج غروب ہونے کے قریب ہو تو مجھے اطلاع دو۔ چنانچہ زیدؓ اس پر عمل کرتے تھے۔ وہ سورج غروب ہونے کے وقت اطلاع دیتے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُسی وقت مسجد میں جا کر نماز ادا کرتیں۔ (غنیۃ الطالبین ص ۴۶۳)۔

جمعہ کے دن ایک قلیل ساعت ایسی ہوتی ہے کہ اس میں ہر دعاءِ خیر قبول ہوتی ہے، اس بارے میں پچاس کے قریب اقوال ہیں، بعض کے نزدیک صرف حضور ﷺ کے زمانہ میں یہ ساعت تھی، بعض کے نزدیک اب بھی باقی ہے اور بعض کے نزدیک سال میں ایک جمعہ میں ہوتی ہے، بعض کے نزدیک ہر جمعہ میں، بعض کے نزدیک تمام جمعہ میں دائر و سائر ہے۔ بعض کے نزدیک بعد فجر یا زوال یا بعد عصر یا خطبہ کے وقت ہوتی ہے۔ ان میں سے دو قول راجح اور قوی ہیں۔ ایک یہ کہ عصر کے بعد سے غروب تک، دوسرے امام کے خطبہ کے وقت سے لیکر نماز ختم ہونے تک۔ (معارف مدینہ ص ۸۵ ج ۳)۔

تورات سے ثبوت

جمعہ کے دن ایک مقبول ساعت ایسی ہے کہ اس میں جو دعاء مانگی جائے تو وہ قبول ہوتی ہے، (اس کا ذکر تورات میں بھی ہے)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں کوہِ طور پر گیا، وہاں کعب احبار ملے (جو تورات کے بڑے عالم تھے) تو میں نے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث سنائی تو انہوں نے تورات کی عبارت (آیت پڑھ کر سنائی، تو میں نے حدیث شریف اور آیت تورات میں کوئی اختلاف نہ پایا، تورات کی عبارت کا مطلب یہ تھا کہ جمعہ کے دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس میں کوئی مومن نماز پڑھ کر دعاء مانگے تو ہر نیک دعاء ضرور قبول ہوتی ہے۔

کعبؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کیا یہ ساعت ہر سال میں ہے، آپؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ہر جمعہ میں ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے ایسا ہی فرمایا ہے، یہ سن کر

کعب نے تھوڑی دیر کے لیے سر جھکائے رکھا، فکر اور تامل کے بعد سر اُٹھا کر کہا، آپؐ نے سچ فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے سچ فرمایا، جمعہ سب دنوں کا سردار ہے اللہ تعالیٰ کو بہت پیارا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دن حضرت آدمؑ کو زمین پر اُتارا، اور اس دن قیامت برپا ہوگی، ساری مخلوق اسی کے انتظار میں رہتی ہے، کوئی شے اس دن سے غافل نہیں، مگر دو گروہ غافل رہتے ہیں، ایک جنات اور دوسرے انسان۔ (غنیۃ الطالبین ص ۴۶۲)۔

جمعہ کے دن دو مقبول گھڑی (ساعت) ہوتی ہے، اس وقت جو دعاء کرے گا قبول ہوگی۔ یہ ساعت کس وقت ہوتی ہے اس کا یقینی علم تو (خدا کے علاوہ) کسی کو نہیں۔ اہل علم نے مختلف قرائن سے کچھ اوقات سمجھے ہیں، ان میں سے جن کو تائید احادیث نبویہ سے ہوتی ہے وہ یہ دو ہیں۔

☆ ایک وہ ساعت امام کے منبر پر پہنچنے کے بعد سے نماز کے ختم ہونے تک کے درمیان ہے۔

☆ دوسرے وہ ساعت عصر کے دن کی آخری گھڑیوں میں ہے۔

(مسلم شریف وابوداؤد والنسائی والحاکم)۔

اگر زوال کے بعد نماز ختم ہونے تک اور عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت اہتمام سے دعاء اور استغفار وغیرہ میں لگایا جائے تو اور بھی بہت سے اقوال کی رعایت ہو جاتی ہے۔

اور ہم نے اپنے اکابر اور مشائخ سلوک کو عصر سے مغرب تک کا خصوصیت سے اہتمام کرتے دیکھا ہے اور اکثر روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے محدثین اور ائمہ اسلام میں سے بھی اکثر کا رجحان اسی طرف ہے۔

اتنے وقت کا اپنے مشاغلل سے فارغ کر کے خدا سے لو لگانے میں خرچ کر دینا کچھ بڑی بات نہیں ہے، ہم اپنی مشکلات کے لیے جہاں اور ہزاروں تدبیریں کرتے ہیں، یہ بھی دنیا اور آخرت کی کامیابیاں حاصل کرنے کا ایک بہترین راستہ ہے کہ خدائے کارساز سے ایسے مبارک وقت میں اپنی حاجتوں کے لیے دعاء مانگی جائے۔ (الترغیب ص ۱۴۹ ج ۲)۔

اسلام میں پہلا جمعہ

۶۲۲/۲۳ ءکو رسول اللہ ﷺ مقام قباء میں پہنچے، اہل یثرب نے جب سے سنا تھا کہ آپؐ نے مکہ چھوڑ دیا ہے وہ صبح سے شام تک سرِراہ انتظار میں بیٹھے رہتے تھے۔ آپؐ کے پہنچنے پر انہوں نے خیر مقدم کیا اور اکثر مسلمان ایسے تھے جنہوں نے ابھی تک آپ کو دیکھا نہیں تھا تو ان کے نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے دوست ابوبکرؓ کی شناخت میں اشتباہ ہو جاتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ ضرورت کو تاڑ گئے اور آپؐ کے سر مبارک پر سایہ کرنے میں کھڑے ہو گئے۔ اللہ کے رسولؐ پنجشنبہ تک یہاں ٹھہرے اور اس سہ روزہ قیام میں سب سے پہلا کام یہاں یہ کیا کی اللہ کے لیے ایک مسجد کی بنیاد رکھی ۱۲/ ربیع الاول اہجری کو جمعہ کا دن تھا، آپؐ قباء سے سوار ہو کر بنی سالم کے گھروں تک پہنچے تھے کہ جمعہ کا وقت ہو گیا۔ یہاں آپؐ نے سو آدمیوں کے ساتھ جمعہ پڑھا، یہ اسلام میں پہلا جمعہ تھا (رحمۃ للعالمین ص ۹۱ ج ۱)

باب دوم :

جمعہ کے دن کا غسل اور اسکی ابتداء

''عن ابی ھریرہؓ قال قال رسول اللہ ﷺ حق علیٰ مسلم ان یغتسل فی کل سبعۃ ایام یو مایغسل فیہ راسہ و جسدہ''(بخاری و مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہر مسلمان پر حق ہے (یعنی اس کے لیے ضروری ہے) کہ ہفتہ کے ساتھ دنوں میں سے ایک دن (یعنی جمعہ کے دن) غسل کرے، اس میں اپنے سر کے بالوں کو اور سارے جسم کو اچھی طرح دھوئیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح :۔ حدیث شریف میں جمعہ کے غسل کا تاکیدی حکم ہے اور صحیحین ہی کی ایک حدیث میں جو حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جمعہ کے غسل کے لیے ''واجب'' کا لفظ بھی آیا ہے لیکن اُمت کے اکثر ائمہ اور علماء شریعت کے نزدیک اس سے اصطلاحی وجوب مراد

لیتے ہیں بلکہ مقصد اس کا بھی وہ ہی تاکید ہے۔

اس مسئلہ کی پوری وضاحت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ایک ارشاد سے ہوتی ہے جو انہوں نے بعض اہل عراق کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔

عراق کے بعض لوگ حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے سوال کیا کہ آپ کے خیال میں جمعہ کے دن کا غسل واجب ہے یا نہیں؟

انہوں نے فرمایا میرے نزدیک واجب تو نہیں ہے لیکن اس میں بڑی طہارت و پاکیزگی ہے اور بڑی خیر ہے، اس کے لیے جو شخص اس دن) غسل کرے اور جو (کسی وجہ سے اس دن غسل نہ کرے تو (وہ گنہگار نہیں ہوگا کیونکہ یہ غسل) اس پر واجب نہیں ہے۔

(اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا) میں تمھیں بتاتا ہوں کہ جمعہ کے غسل کی شروعات کیسے ہوئی (واقعہ یوں ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں) مسلمان لوگ غریب اور محنت کش تھے، صوف (اونٹ بھیڑ وغیرہ کے بالوں سے بنے ہوئے موٹے کپڑے) پہنتے تھے، اور محنت ومزدوری میں اپنی پیٹھوں پر بوجھ لادتے تھے۔ اور ان کی مسجد (مسجدِ نبوی بھی بہت تنگ تھی ، اور اس کی چھت بہت نیچی تھی ۔ اور ساری مسجد میں ایک چھپر کا سائبان تھا (جس کی وجہ سے اس میں انتہائی گرمی اور گھٹن رہتی تھی) پس رسول اللہ ﷺ ایک جمعہ کو جب کہ سخت گرمی کا دن تھا گھر سے مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ صوف کے موٹے موٹے کپڑوں میں پسینے چھوٹ رہے تھے اور ان سب چیزوں نے مل ملا کر مسجد کی فضا ء میں بدبو پیدا کر دی تھی جس سے سب کو تکلیف اور اذیت ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے جب یہ بدبو محسوس کی تو فرمایا۔

"یاایھا الناس اذا کان ھذا الیوم فاغتسلوا
ولیمس احد کم افضل مایجد من دھنہٖ وطیبہ"

اے لوگو! جب جمعہ کا یہ دین ہوا کرے تو تم لوگ غسل کیا کرو، اور جو اچھا خوشبودار تیل اور جو بہتر خوشبو جس کو دستیاب ہو وہ لگا لیا کرے۔

(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں) اس کے بعد خدا کے فضل سے فقر و فاقہ کا دور ختم

ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوش حالی اور وسعت نصیب فرمائی ، پھر صوف کے وہ کپڑے بھی نہیں رہے جن سے بدبو پیدا ہوتی تھی اور وہ محنت ومشقت بھی نہیں رہی اور مسجد کی وہ تنگی بھی ختم ہوگئی اوراس کو وسیع کرلیا گیا، اوراس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمعہ کے دن لوگوں کے پسینہ وغیرہ سے جو بدبو مسجد کی فضاء میں پیدا ہوجاتی تھی وہ بات بھی نہیں رہی۔

حضرت ابن عباسؓ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اُس خاص حالت کی وجہ سے جمعہ کا غسل مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا تھا، اس کے بعد جب وہ حالات نہیں رہے تو اس حکم کا درجہ وہ تو نہیں رہا لیکن بہر حال اس میں پاکیزگی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اوراب بھی اس میں خیر وثواب ہے۔ یعنی اب وہ مسنون اور مستحب ہے۔

(معارف الحدیث ۹۲ ج ۳)۔

روایتوں سے جمعہ کے دن غسل کرنے کی اہمیت وتاکید معلوم ہوتی ہے، اور مقصد یہ ہے کہ غسل کرنے کا زیادہ سے زیادہ وقفہ ایک ہفتہ سے زیادہ نہ ہونا چاہیے، ابتداء اسلام میں جب مسلمان موٹا کھاتے اور موٹا پہنتے تھے اور محنت ومشقت کی زندگی بسر کرتے تھے اور مسجد تنگ ہونے کی وجہ سے پسینہ آکر بدبو پھیل جاتی تھی، اس وقت آپؐ نے یہ ضروری قرار دیا تھا کہ جمعہ کی دن ہر شخص غسل کر کے آیا کرے، لیکن آج کے حالات میں اگر چہ وہ بات نہیں ہے اور جمعہ کے دن غسل نہ کرنے کی وجہ سے کوئی گناہ نہ ہوگا، لیکن نظافت اور پاکیزگی کا تقاضہ یہی ہے کہ جمعہ کے دن اہتمام سے غسل کیا جائے اور خوشبو وغیرہ کا بھی بقدر وسعت خیال رکھا جائے۔ (الترغیب ص ۳۳۳ ج ۱)

(۱) جمعہ کے دن غسل پہلے واجب تھا پھر منسوخ ہوگیا۔

(۲) اور یہ ان احکام میں سے ہے جن کی علت ختم ہوجانے کی وجہ سے وجوب خود بخود ختم ہوگیا جیسے مولفۃ القلوب۔

(۳) جمعہ کا غسل شروع ہی سے واجب نہ تھا بلکہ استحبابی حکم تھا۔

(۴) جمعہ کا غسل ان لوگوں کے لیے واجب تھا جن کی بدبو سے دوسروں کو تکلیف ہو، اور یہ حکم ایسے لوگوں کے لیے اب بھی واجب ہے۔ (معارف مدینہ ص ۷۰ ج ۳)

جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لیے اُن لوگوں کو غسل کرنا سنت ہے جن پر نمازِ جمعہ واجب ہے۔(مظاہرحق جدید ص ۴۸۰ ج ۱)

غسل کے فوائد

انسان نیند سے بیدار ہو کر اور پیشاب، پاخانہ وغیرہ سے فارغ ہو کر جب غسل یا وضو کر لیتا ہے تو اس کو ایک خاص قسم کا سُرور وانبساط اور ایک عجیب قسم کی خوشی حاصل ہوتی ہے، شریعت کی اصطلاح میں اس کیفیت کا نام پاکی اور اس کی کیفیت کے نہ ہونے کا نام ''حدث'' (ناپاکی) ہے۔

جسم اور روح کا آپس میں گہرا تعلق ہے، اس کی مثال نہیں۔ ان دونوں میں سے جس پر بھی کوئی کیفیت طاری ہوگئی دوسرے کا اس سے خود بخود قدرتی طور پر متاثر ہونا ضروری ہے، جسم کی صفائی اور پاکیزگی سے روح کو بھی لطافت ونظافت اور فرحت وتازگی حاصل ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے تمام اہم روحانی اعمال یعنی نماز، تلاوت اور طواف کے لیے طہارت کو ضروری قرار دیا ہے، تاکہ جسم اور روح دونوں جب خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور فرشتوں کی مبارک اور روحانی محفل میں شریک ہوں تو فرحت وانبساط اور صفائی وپاکیزگی کے ساتھ شریک ہوں۔ (الترغیب ص ۳۴۴ ج ۱)۔

غسل کا وقت

جمعہ کے دن فجر کی نماز کے بعد غسل کرے، سر کے بالوں کو اور تمام بدن کو خوب صاف کرے، اگر کوئی شخص فجر کی نماز سے پہلے غسل کرے تو سنت ادا نہ ہوگی۔

(علم الفقہ ص ۱۴۱ ج ۲)

غسل کا وقت طلوع آفتاب کے بعد کا ہے غسل کے بعد مسجد چلا نا بہتر ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے آدمی لغویت سے بچ جاتا ہے، جمعہ کی نماز تک طہارت قائم رکھنی چاہیے اللہ کی اطاعت کیلیے غسل کی نیت کرے۔ اگر جنبیت سے ہو، یا انزال ہو جائے تو پہلے وضو کرے پھر غسل کرے۔ وضو اور غسل سے جنابت کی طہارت (پاکی) اور جمعہ کی نماز کی نیت کرے تو

پھر دونوں جائز ہیں۔ اپنے بال اور ناخن بھی کٹوانے چاہئیں بد بو کو بدن سے دور کر کے صاف کر دے۔ (غنیۃ ص ۴۵۸)۔

(مطلب یہ ہے کہ غسل ایسے وقت کیا جائے کہ اسی غسل اور اس کے وضو سے نماز جمعہ پڑھی جا سکے اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ جمعہ کا غسل دراصل جمعہ کے دن کی تعظیم وتکریم کے لیے ہے) محمد رفعت قاسمی)

ناپاکی کے غسل سے جمعہ کی سنت

سوال:۔ جمعہ کے دن غسل جنابت (ناپاکی کا غسل) صبح کے وقت کیا تو کیا غسل مسنون پھر دوبارہ کرنا ہوگا، یا یہی غسل کافی ہے؟

جواب:۔ یہی کافی ہے، دوبارہ غسل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ صفائی کا مقصد جمعرات کے دن غسل کرنے سے حاصل ہو جائے تو وہ بھی کافی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۴۱ ج ۴)۔

غسل کے فرائض

غسل میں ایک فرض ہے۔ تمام بدن کے ظاہری حصہ کا سر سے پاؤں تک دھونا اس طرح کہ بال برابر بھی جسم کا کوئی حصہ خشک نہ رہنے پائے۔

غسل کے واجبات

(۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی لینا (۳) مردوں کو اپنے گندھے ہوئے بالوں کا کھول کر تر کرنا (۴) ناک کے اندر جو میل ناک کے لعاب سے جم جاتا ہے اس کو چھڑا کر اس کے نیچے کی سطح کا دھونا۔

غسل کی سنتیں

(۱)　نیت کرنا یعنی دل میں قصد کرنا کہ نجاست سے پاک ہونے ہونے کیلیے اور خدا کی خوشنودی ور ثواب کے لیے نہاتا ہوں، نہ کہ بدن صاف کرنے کے لیے۔

(۲)　پہلے دونوں ہاتھوں کا دھونا، پھر خاص حصہ کا دھونا، پھر نجاست حقیقہ کا دھونا اگر ہو،

پھر پورا وضو کرنا اور اگر ایسی جگہ ہو جہاں پانی جمع رہتا ہو تو پیروں کو غسل کے بعد دوسری جگہ ہٹ کر دھونا، پھر تمام بدن پر پانی بہانا۔ (۳) بسم اللہ کا پڑھنا۔ (۴) مسواک کرنا۔

(۵) ہاتھوں پیروں کا اور داڑھی کا تین مرتبہ خلال کرنا۔ (۶) بدن کو ملنا۔

(۷) بدن کو دھونا۔ (۸) تمام جسم پر تین مرتبہ پانی بہانا۔

غسل کے مستحبات

(۱) ایسی جگہ نہانا جہاں کسی نامحرم کی نظر نہ پہنچے، یا تہ بند وغیرہ باندھ کر نہانا۔

(۲) داہنی جانب کو بائیں جانب سے پہلے دھونا۔

(۳) سر کے داہنے حصہ کا پہلے خلال کرنا پھر بائیں حصہ کا۔

(۴) تمام بدن پر پانی ترتیب سے بہانا کہ پہلے سر پر پھر داہنے شانے پر پھر بائیں شانے پر

(۵) جو چیزیں وضو میں مستحب ہیں وہ غسل میں بھی مستحب ہیں لیکن قبلہ رو ہونے اور دعا پڑھنے اور غسل کے بچے ہوئے پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب نہیں ہے۔

غسل کے مکروہات

(۱) بلا ضرورت ایسی جگہ نہانا جہاں کسی غیر محرم کی نظر پہنچ سکے۔

(۲) برہنہ نہانے والے کو قبلہ رو ہونا۔

(۳) بے ضرورت کلام کرنا۔

(۴) جتنی چیزیں وضوء میں مکروہ ہیں وہ غسل میں بھی مکروہ ہیں۔

(علم الفقہ ص ۹۴ ج ۱ ص ۹۵ ج ۱)

جمعہ کے دن خط و ناخن کا حکم

"عن ابی ھریرۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقلم اظفارہ و یقص شاربہ یوم الجمعہ قبل ان یخرج الی الصلوۃ"۔ (رواہ الطبرانی)

ترجمہ:۔ حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز کو جانے سے پہلے اپنے ناخن اور اپنی لبیں تراشا کرتے تھے۔ (معارف الحدیث ص ۳۸۷ ج ۳)

تشریح:۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل کرے اور جتنا ہو سکے خوب پاکی و صفائی حاصل کرے اور اگر اس کے پاس تیل ہو تو اس میں سے تیل لگا ائے اور اپنے گھر میں خوشبو لگائے۔

خوب پاکی حاصل کرنے میں، سر کے بال بنوانا، زیر ناف کے بال صاف کرنا لبیں ترشوانا اور ناخن کٹوانا بھی شامل ہے اور اپنے پاس کے تیل اور گھر میں سے خوشبو لگانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس ہو وہ استعمال کرلے، اگر نہ ہو تو ان چیزوں کا حاصل کرنا ضروری نہیں ہے (الترغیب ۱۵۳ ج ۲)

جمعہ کے لیے اچھے کپڑوں کا اہتمام

عن عبداللہ بن السلام قال قال رسول اللہ ﷺ ما علیٰ احدکم ان وجد ان یتخذ ثوبین لیوم الجمعۃ سویٰ ثوبی مھنتہ (ابن ماجہ)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم میں سے کسی کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اگر اسکو وسعت ہو تو روزمرہ کے کام کاج کے وقت پہنے جانے والے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لیے کپڑں کا ایک خاص جوڑا بنا کے رکھ لے۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ روزمرہ پہنے جانے والے کپڑوں کے علاوہ کوئی خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید یہ شان فقر وزہد کے خلاف اور ناپسندیدہ ہو، اس حدیث میں دراصل اسی شبہ کو زائل کیا گیا ہے۔ اور آپ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ جیسے دینی اجتماع کے لیے جو مسلمانوں کی ہفتہ واری عید ہے۔ چونکہ حسب استطاعت اچھا کپڑا پہننا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس لیے اس کے واسطے خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(معارف الحدیث ص ۳۸۸ ج ۳)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک خاص جوڑا تھا جو آپؐ جمعہ کے دن پہنا کرتے تھے، اور جب آپؐ نماز سے فارغ ہوکر تشریف لاتے تھے تو ہم اس کو تہہ کر کے رکھ دیتے تھے، اور وہ جوڑا پھر اگلے جمعہ ہی کو نکلتا تھا۔ (طبرانی) (معارف الحدیث ص ۳۸۹ ج ۳)

صاف لباس پہنے، سفید لباس بہتر ہے، سر پر پگڑی، بدن پر چادر اوڑھے، کیونکہ حدیث میں ایسا ہی آیا ہے، پگڑی باندھنے والوں کے لیے فرشتے دعاء کرتے ہیں، لباس میں اچھی طرح (اگر ہوتو) خوشبو لگائے۔

گھر سے جامع مسجد تک جاتے وقت عاجزی اور بُردباری اختیار کرے، دعاء پڑھے، استغفار کرے، آپؐ پر درود بھیجے، گھر سے نکلنے پر اللہ کی زیارت کی نیت کرے۔ ادائیگی فرض کے لیے اللہ تعالیٰ کے قرب کی نیت کرے مسجد میں نفلی اعتکاف کرنے سے لے کر گھر واپس آنے تک، اللہ کے قرب کی نیت کریں، ہر بُری بات سے باز رہے، جمعہ کے دن آرام چھوڑ دے، زیادہ تعداد میں درود وظائف پڑھے، غرض اول وقت سے جمعہ کی نماز تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے۔ (غنیۃ الطالبین ۴۵۸)۔

حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے، عمدہ لباس پہنے اور اگر میسر ہو تو خوشبو لگائے، پھر جمعہ میں آئے اور وہاں لوگوں کی گردنوں پر نہ پھلانگے، پھر جتنی اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں نماز لکھ رکھی ہو نماز پڑھے، اور جب امام (خطبہ کیلیے) چلے تو خاموشی اختیار کرے، یہاں تک کہ نماز سے فراغت حاصل کرے تو یہ اس جمعہ اور اس سے پہلے جمعہ کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ (مظاہر حق ص ۲۵۵ ج ۲)

باب سوم:

نماز جمعہ کے واجب ہونے کی شرطیں

حنفیہ کے نزدیک شرائط نماز کے علاوہ نماز جمعہ کی جو مزید شرائط ہیں ان کی دو قسمیں ہیں، شرائط وجوب اور شرائط صحت (یعنی جمعہ کے واجب ہونے کی شرطیں اور صحیح ہونے کی شرطیں) حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے واجب ہونے کی شرطیں چھ ہیں۔

(۱) مرد ہونا، چنانچہ عورت پر نماز جمعہ واجب نہیں، تاہم اگر عوت جمعہ کی نماز (مسجد میں) آکر ادا کرلے تو نماز درست ہوگی اور ظہر کی قائم مقام ہوگی۔

(۲) آزاد ہونا، چنانچہ جو شخص کسی کا غلام یا مملوک ہو، اس پر جمعہ کی نماز واجب نہیں، اگر اس نے مسجد میں آکر نماز ادا کر لی تو درست ہوگی۔

(۳) صحت مند ہونا، لہٰذا ایسے مریض پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے جسے جماعت میں حاضر ہونے کے لیے چل کر جانا نقصان دہ ہو۔ اگر کوئی شخص مسجد تک پیدل چلنے سے معذور ہو تو اس کے ذمہ سے جمعہ ساقط ہو جائے گا۔ اگر چہ سواری مریض کو لے جانے کے لیے دستیاب ہو جائے۔

لیکن نابینا شخص جسے بطور خود وہاں (جامع مسجد) تک جانا ممکن نہیں، اس کے ذمہ نماز جمعہ ساقط ہے۔ اگر چہ کوئی نیک آدمی اس کی راہ نمائی رضا کارانہ، یا اس کی ہمت کے مطابق اجرت لے کر کرے۔

لیکن صاحبینؒ کہتے ہیں کہ اگر نابینا کے لیے جانا ممکن ہو، خواہ کوئی رضا کارانہ یا اُجرت پر جو وہ دے سکتا ہو، اس کی راہ نمائی کرے تو اسے (نماز جمعہ کے لیے مسجد میں) جانا ضروری ہے، پس نابینا اشخاص کے لیے ان دونوں باتوں میں سے کسی پر عمل کرنا جائز ہے، ویسے زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ صاحبینؒ کے مسلک کی پیروی کی جائے۔ خاص کر اس لیے کہ نابینا کے لیے جمعہ بالاتفاق صحیح ہے۔

(۴) مقیم ہونا، یعنی ایسے مقام پر رہائش کا ہونا جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہو، اس سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ مسافر پر نماز جمعہ واجب نہیں، جب تک کہ پندرہ دن قیام کا (ایک جگہ) ارادہ نہ ہو۔

(امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو شہر میں رہتا ہو یا شہر کی فناء (حدود شہر) میں۔ فناء سے باہر رہنے والوں پر جمعہ کی شرکت واجب نہیں اور فناء کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ شہر کی ضروریات جہاں تک بھی پوری ہوتی ہوں وہاں تک کا علاقہ شہر میں داخل ہے۔ (درس ترمذی ص ۲۶۶ ج ۲)۔

(۵) نمازی کا عقل (ہوش وحواس) میں ہونا، لہٰذا مجنون پر یا جنون جیسا ہو، نماز جمعہ واجب نہیں ہے۔

(۶) بالغ ہونا، لہٰذا نابالغ لڑکے پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

واضح ہو کہ یہاں پر عاقل و بالغ ہونے کی جو شرائط بتائی گئی ہیں ان سے یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ یہ نماز جمعہ کے واجب ہونے کی شرطیں عام نماز کی شرطوں سے زائد (صرف نماز جمعہ کے لیے) ہیں۔ بات یہ ہے کہ حنفیہؒ کی متداول کتابوں میں شرائط نماز کا انحصار شرائط جواز اور شرائط صحت پر بتایا گیا ہے، (لہٰذا ان شرطوں کو شرائط وجوب کا ضروری قرار نہیں دیا گیا ہے)۔

ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بالغ ہونا نماز کے واجب ہونے کی شرائط میں ہے یہی حال قدرت رکھنے اور صحت مند ہونے کا ہے۔ چنانچہ مرض وغیرہ کے باعث مجبوری ہو تو نماز واجب نہیں ہے۔ پس جس نے عاقل، بالغ اور قادر ہونے کو نماز جمعہ کی شرطوں میں شمار نہیں کیا اس کا بے بجا طور پر سبب ہے کہ ان شرطوں کا شمار نماز کی شرطوں میں پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ (کتاب الفقہ ص ۶۰۳ جلد اول)۔

نوٹ :۔ تندرست ہونا جو بتایا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جو بھی مرض آدمی کو جامع مسجد تک پیدل جانے سے مانع ہو اسی مرض کا اعتبار ہے۔ بڑھاپے کی وجہ سے اگر کوئی شخص کمزور ہو گیا ہو کہ مسجد تک نہ جاسکے یا نابینا (اندھا) ہو، یہ سب لوگ مریض سمجھے جائیں گے اور نماز جمعہ ان پر واجب نہ ہوگی۔

اور جماعت چھوڑنے کے جو شرعی (پندرہ عذر ہیں) ان سے خالی ہونا۔ اگر ان عذروں میں سے کوئی عذر موجود ہو تو جمعہ کی نماز ادا نہ ہوگی مثلاً :

(۱) پانی بہت زور سے برستا ہو (۲) کسی مریض کی تیمارداری کرتا ہو (۳) مسجد جانے میں کسی دشمن کا خوف ہو، یہ جو شرطیں بیان ہوئیں، نماز جمعہ کے واجب ہونے کی تھیں۔

اگر کوئی شخص ان شرطوں کے نہ پائے جانے کے باوجود نماز جمعہ پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی یعنی نماز ظہر کا فرض اس کے ذمہ سے اتر جائے گا، مثلاً کوئی مسافر یا کوئی عورت نماز جمعہ پڑھ لے، یعنی اگر مسجد میں نماز جمعہ میں شریک ہو جائیں تو پھر ظہر کی نماز کی ضرورت نہیں ہے، فرض ان کے ذمے سے ادا ہو گیا ہے۔ (علم الفقہ ص ۱۴۵ ج ۲)

حنفیہ اور تمام اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کو جمعہ کی نماز کیلئے جانے میں مال،

آبرو جان کا خطرہ ہو اس پر نماز جمعہ واجب نہیں، بشرطیکہ مال کا نقصان نا قابل برداشت ہو۔
(علم الفقہ ص ۶۰ ج ۱)۔

نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں

(۱) مصر یعنی شہر یا قصبہ، پس گاؤں یا جنگل میں نماز جمعہ درست نہیں، البتہ جس گاؤں کی آبادی قصبے کے برابر ہو مثلاً تین چار ہزار آدمی رہتے ہوں وہاں جمعہ درست ہے۔
(بہشتی زیور ص ۸۱ ج ۱۱)

گاؤں یا جنگل میں نماز جمعہ درست نہیں۔ ہاں اگر کوئی گاؤں شہر سے اس قدر قریب ہو کہ وہاں سے نماز جمعہ پڑھنے کے لیے اگر کوئی شخص آئے تو دن ہی دن میں اپنے گھر واپس جا سکے (جمعہ تو اس پر واجب نہیں ہوتا، اگر آ جائے تو ثواب کا کام ہے)

مصر فقہاء کی اصطلاح میں ایسے مقام کو کہتے ہیں جہاں ایسے مسلمان جن پر جمعہ واجب ہے اس قدر ہوں کہ اگر سب مل کر وہاں کسی بڑی مسجد میں جمع ہونا چاہیں تو اس مسجد میں ان سب کی گنجائش نہ ہو، اس مسجد سے مراد جامع مسجد نہیں ہے بلکہ پنج وقتی نماز کی مسجد مراد ہے۔

جس مقام میں یہ تعریف صادق (صحیح) ہو وہ مصر ہے اور جہاں نہ صادق ہو وہ قریہ (گاؤں) ہے۔ (علم الفقہ ص ۱۴۶ ج ۲ بحوالہ خزانۃ المفتیین، بحر الرائق مختصر وقایہ وغیرہ)

(۱) شہر کا ہونا، چنانچہ اہل قریہ (گاؤں والوں) پر جمعہ واجب نہیں ہے، کیونکہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے "**لا جمعه ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا اضحى الا في مصر جامع او مدينه عظيمة**" (یعنی بڑی آبادی یا عظیم شہر کے سوا اور کہیں نہ جمعہ ہو سکتا ہے، نہ نماز تشریق اور نہ عید (یا بقرہ عید کی نماز)۔

قریہ اور شہر میں فرق یہ ہے کہ شہر تو وہ آبادی ہے جہاں کے تمام مکلف مسلمان وہاں کی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں، گو وہ کسی مسجد میں فی الواقع جمع نہ ہوئے ہوں۔ بیشتر فقہائے حنفیہ نے اسی بنیاد پر جمعہ کے بارے میں فتوے صادر کیے ہیں۔ (کتاب الفقہ ص ۶۰۴ ج ۱)

(۲) دار الاسلام ہونا، دار الحرب میں نماز جمعہ درست نہیں دار الاسلام وہ مقام ہے جہاں بادشاہ مسلمان ہو، یا وہاں احکام اسلام جاری ہوں اور کافروں کی طرف سے کوئی

مزاحمت احکام شرعیہ میں نہ ہوتی ہو، اہل اسلام وہاں امن وامان سے بلا اجازت کفار کے رہ سکتے ہوں، جہاں جہاں یہ باتیں نہ ہوں وہ دار الحرب ہے۔

(ہندوستان کو بعض لوگ دار الحرب قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ دار الحرب کی تعریف اس پر کسی طرح صادق نہیں آتی ہے، مولانا عبدالحی مرحوم کے فتویٰ میں کئی فتوے اس مسئلے کی تحقیق وتفصیل میں موجود ہیں جس میں انہوں نے فقہاء کی عبارتیں اس مضمون کی نقل کی ہیں کہ جو شہر آج کل کفار کے قبضے میں ہیں یعنی اکثریت غیر مسلموں کی ہے وہ تمام دار الاسلام ہیں، اس لیے کہ وہاں احکام اسلام جاری ہیں اور کفار کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوتی، واللہ اعلم (محمد رفعت قاسمی)

(۳) بادشاہ اسلام یا اس کی طرف سے کسی حاکم کا موجود ہونا۔ ہاں جن مقامات پر کفار کا قبضہ ہو، اور وہاں کے قاضی اور حاکم سب کافر ہوں۔ وہاں یہ شرط نہیں، مثلاً ہمارے زمانہ میں ہندوستان کا یہی حال ہے، لہٰذا یہاں کے لئیے یہ شرط نہیں مسلمان خود ہی جمع ہو کر نماز پڑھ لیں، درست ہے، (ردالمختار)

(یہ شرط اس مصلحت سے کی گئی ہے کہ نماز جمعہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے جس میں ہر قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں اور فتنہ وفساد کا بھی ڈر وخوف ہوتا ہے، لہٰذا اگر کوئی بادشاہ کی طرف سے موجود ہوگا تو اس کی روک تھام اور انتظام درست رہے گا، اسی وجہ سے بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ بادشاہ کا مسلمان ہونا بھی شرط نہیں ہے، یہ شرط صرف احتیاطی اور عقلی ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ امن وامان کے ساتھ جمعہ کا اجتماع ہو نہ یہ کہ بغیر اس کے شرعاً نماز صحیح ہو جائے گی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فتح المنان میں ایسا ہی لکھا ہے۔

(محمد رفعت قاسمی)۔

(۴) ظہر کا وقت۔ وقت ظہر سے پہلے اور اس کے بعد نماز جمعہ درست نہیں، یہاں تک کہ اگر نماز جمعہ پڑھنے کی حالت میں وقت جاتا رہا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی اگرچہ قعدۂ آخیر بقدر تشہد کے ہو چکا ہو، اور اسی وجہ سے نماز جمعہ کی قضاء نہیں پڑھی جاتی۔

(علم الفقہ ص ۱۴۵ ج ۲)۔

(اداء جمعہ کی شرائط میں ایک ظہر کا وقت ہے، اگر جمعہ کی نماز میں ظہر کا وقت ختم ہو جائے تو جمعہ فاسد ہو جائے گا، اگر چہ بقدر تشہد قعدہ کرنے کے بعد ظہر کا وقت ختم ہوا تب بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہی حکم ہے جمعہ پڑھنے والے کے لیے جائز نہیں کہ اس پر ظہر کی نماز کی بنا کرے (یعنی جمعہ پڑھتے ہوئے نماز کا وقت ختم ہو گیا تو یہ دو رکعت فاسد ہو جائیں گی الگ سے چار رکعت ظہر پڑھے) اس لیے کہ دونوں نمازیں مختلف ہیں۔

مقتدی اگر جمعہ کی نماز میں سو جائے اور وقت نکلنے کے بعد بیدار ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امام کے فارغ ہونے کے بعد بیدار ہوا اور وقت بھی باقی ہے تو جمعہ پورا کرے۔ (عالمگیری ص ۶۸ ج ۳ کتاب الصلوۃ)

(۵) خطبہ یعنی لوگوں کے سامنے اللہ کا ذکر کرنا، خواہ صرف سبحان اللہ یا الحمد للہ کہہ دیا جائے اگر چہ صرف اسی قدر پر اکتفا کرنا سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۶) خطبے کا نماز سے پہلے ہونا، اگر نماز کے بعد خطبہ پڑھا جائے تو نماز نہ ہوگی۔

(۷) خطبے کا وقت ظہر کے اندر ہونا، وقت آنے سے پہلے اگر پڑھ لیا جائے تو نماز نہ ہوگی۔

(۸) جماعت یعنی امام کے سوا کم سے کم تین آدمیوں کا شروع خطبہ سے نماز ختم ہونے تک موجود رہنا ہے گو وہ تین آدمی جو خطبے کے وقت تھے اور ہوں اور نماز کے وقت اور، مگر تین آدمی ایسے ہوں جو امامت کر سکیں، اگر صرف عورت یا نابالغ لڑکے ہوں تو نماز نہ ہوگی۔

(بحرالرائق بزازیہ، ردالمختار)۔

اگر سجدہ کرنے سے پہلے لوگ چلے جائیں اور تین آدمیوں سے کم باقی رہ جائیں یا کوئی نہ رہے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اگر سجدہ کرنے کے بعد چلے جائیں تو پھر کچھ خرج نہیں۔ (ردالمختار)۔

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۶۴۰ جلد ا پر اس مسئلہ کی تفصیل اس طرح ہے۔

''اہل جماعت کی تعداد جن سے نماز درست ہوتی ہے، امام کے علاوہ کم سے کم تین ہونی چاہیے، خواہ وہ خطبہ کے وقت موجود نہ ہوں۔ چنانچہ اگر ایک ہی شخص کے سامنے خطبہ پڑھا گیا اور وہ شخص نماز سے پہلے چلا گیا اور اس کے بعد تین اصحاب اور آ گئے، اور ان کے ساتھ نماز پڑھ لی گئی، تو خطبہ کو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں نماز صحیح ہو جائے گی۔

نمازی کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ سب مرد ہوں، قطع نظر اس کے کہ وہ غلام ہوں یا مریض یا مسافر ہوں یا ناخواندہ ہوں یا ان میں بہرے ہوں۔ یہ تمام اشخاص نماز جمعہ کی صلاحیت رکھتے ہوں، ان کی یہ صلاحیت یا تو سب کی امامت کے لیے ہے یا انھیں جیسے ناخواندہ اور گونگوں کے لیے، جب کہ خطبہ کوئی اور شخص پڑھ دے، کیونکہ جمعہ کے امام کے لیے خطیب ہونے کی شرط نہیں ہے، پس (جب ان میں امام بننے کی صلاحیت ہے تو) دوسرے کا مقتدی بننے کی صلاحیت ان میں بدرجہ اولیٰ ہے۔ بخلاف بچوں اور عورتوں کے کہ صرف ان کی موجودگی سے نماز جمعہ کی جماعت صحیح نہ ہوگی، کیونکہ ان میں امام بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

(۹) عام اجازت کے ساتھ علی الاشتہار نماز جمعہ کا پڑھنا، کسی خاص مقام پر چھپ کر نماز جمعہ پڑھنا درست نہیں۔ اگر کسی ایسے مقام پر نماز جمعہ پڑھی جائے جہاں پر عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہ ہو یا جامع مسجد کے دروازے بند کر لیے جائیں تو نماز نہ ہوگی۔

یہ شرائط جو بیان ہوئیں نماز کے صحیح ہونے کی تھیں، اگر کوئی شخص باوجود نہ پائے جانے ان شرائط کے نماز جمعہ پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی یعنی ظہر کا فرض اس کے ذمہ سے نہ اُترے گا۔ نماز ظہر پھر اس کو پڑھنا ہوگی اور چونکہ یہ نماز نفل ہوگی اور نفل کا اس اہتمام سے پڑھنا مکروہ ہے لہٰذا ایسی حالت میں نماز جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

(ردالمحتار، علم الفقہ ص ۱۴۵ تا ۱۴۷ ج ۲)۔

عام اجازت ہونا بھی منجملہ شرائط صحت جمعہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو وہ عام اجازت میں مخل نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۶۱۴ ج ۱)۔

ہندوستان میں نماز جمعہ

فقہاء حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ جن شہروں میں کافروں کی حکومت ہو وہاں بھی مسلمان نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں۔ (کفایت المفتی ص ۲۰۴ جلد ۳)۔

ہندوستان کے شہروں اور قصبوں اور بڑے گاؤں میں جمعہ صحیح ہے، اور چھوٹے گاؤں میں درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۸ ج ۵ بحوالہ ردالمحتار ص ۷۵۴ ج ۱)۔

جمعہ فرض قطعی ہے۔اور ہندوستان اگر چہ دار الحرب ہے پھر بھی یہاں جمعہ قائم کرنا فرض ہے کیونکہ جمعہ قائم کرنے کی کوئی قانونی ممانعت نہیں، پس یہاں جمعہ ادا کرنا چاہیے نہ کہ ظہر۔ کتب فتاویٰ فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۰۰ جلد ۳)۔

نماز جمعہ کے لیے بادشاہ کی شرط

سوال:۔ ہندوستان میں شرائط جمعہ میں سے بادشاہ یا نائب بادشاہ وغیرہ مفقود ہیں اس لیے ہندوستان میں کسی جگہ بھی جمعہ درست نہیں ہونا چاہیے؟

جواب:۔ یہ غلط ہے، اور کتب فقہ کی عبارات وتصریحات سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ یہ شرط وہاں ہے کہ بادشاہ اسلام کا ہو تو وہ خود امام جمعہ ہونا چاہیے، یا اسکا نائب یا جس کو بادشاہ نے اجازت دے رکھی ہو۔اور جس جگہ بادشاہ اسلام کا نہ ہو یعنی مسلمان نہ ہو وہاں مسلمانوں کی آپس کی رضامندی سے ہونا چاہیے۔ وہ جس کو جمعہ کا امام مقرر کرلیں وہ امام جمعہ ہو جاتا ہے اور نماز جمعہ وہاں واجب الادا ہو جاتی ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۴۱ ج ۵۔ بحوالہ رد المختار باب الجمعہ ص ۷۵۴ ج ۱)۔

موجودہ زمانے میں شرط بادشاہ کی جگہ مسلمانوں کا اتفاق کرلینا کافی سمجھا گیا ہے۔ اور اتفاق کے لیے مسجد کے نمازیوں کا اپنے امام پر اتفاق کافی ہے۔ کیونکہ بڑے شہروں میں متعدد جگہ مساجد میں جمعہ قائم ہوتا ہے اور تمام شہر یا اکثر شہر کے مسلمانوں کا اتفاق تمام ائمہ مساجد کے لیے نہ آسان ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۱۰ ج ۳)

قریہ کی تعریف

قریہ صغیرہ ہر وہ آبادی ہے جو قصبہ اور شہر نہ ہو، قصبہ بھی شہر ہی ہے۔ اگر چہ بڑا شہر نہیں۔اور یہ عرفی شئے ہے، عرف میں جس کو شہر کہتے ہیں شہر ہیں اور جس کو قصبہ کہتے ہیں۔ قصبہ ہے۔اور جس کو گاؤں کہتے ہیں گاؤں ہے۔ بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا۔

فقہاء نے مصر کی تعریف نہیں کی ہے علامات بتلائی ہیں، ہر زمانہ میں بدلتی رہتی ہیں۔ اس لیے فقہاء کی عبارت میں اختلاف ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قصبات، مصر اور فناء مصر کے علاوہ قریہ میں (چھوٹے گاؤں میں) جمعہ عندالاحناف ادا نہیں ہوتا۔ جن حضرات علماء نے تعداد افراد لکھی ہے وہ تقریب ہے تحدید نہیں، تحدید وہی ہے جو صاحب مذہب سے منقول ہے۔

محمد یحییٰ قاسمی کان اللہ لہ،

صدر مفتی دار العلوم حیدر آباد

۱۳/ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ

بڑے گاؤں میں جمعہ جائز ہے اور اس کی فناء (حدود) میں بھی لیکن اس کے آس پاس جو چھوٹے گاؤں ہیں اس بڑے گاؤں کے فناء میں داخل نہیں بلکہ جداگانہ (الگ الگ) بستیاں ہیں۔ اس لیے وہاں جمعہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ فناء مصر وہ جگہ کہلاتی ہے جو مصالح مصر ،مثلاً عیدگاہ یا جانوروں کی چراگاہ وغیرہ کے لیے چھوڑ دی جاتی ہے۔ دوسری بستیاں فناء نہیں کہلاسکتی ہیں۔

اور بڑے گاؤں اور قصبات میں جمعہ کا جواز اسی بات پر مبنی ہے کہ وہ مصر کے حکم میں ہیں۔ اور تعریف مشہور بڑے گاؤں کی یہ ہے کہ جس میں بازار اور گلی کوچے ہوں اور تمام ضروریات ہمیشہ وہاں ملتی ہوں۔ (جواہر الفقہ ص۱۱۲ ج۴)۔

گاؤں میں نماز جمعہ

حامداً و مصلیاً ، حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لیے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے۔ بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو، پھر ایسی بستی میں بہتر یہ کہ جمعہ ایک ہی جگہ ہو، اگر ایک مسجد میں سب نمازی نہ آسکیں تو متعدد جگہ بھی درست ہے۔ اور جو بستی ایسی نہ ہو بلکہ چھوٹی ہو وہ چھوٹا گاؤں ہے ،وہاں جمعہ درست نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۳۰۱ ج۱)۔

حنفیہؒ کے نزدیک جمعہ کے لیے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جو اپنی ضروریات روزمرہ ڈاک خانہ، مدرسہ، شفاخانہ بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کے مثل ہو، اور تین چار ہزار کی آبادی ہو، جو گاؤں ایسا نہیں ہے وہاں جمعہ جائز نہیں بلکہ

روزانہ کی طرح جمعہ کے روز بھی ظہر کی نماز پڑھی جائے، اگر ایسی جگہ جمعہ پڑھیں گے تو وہ نماز نفل ہوگی۔ نفل کو فرض اعتقاد کرنا اور نفل پڑھ کر یہ عقیدہ رکھنا کہ فرض ادا ہوگیا نفل کے لیے اذان و اقامت، جماعت علی سبیل التداعی۔ نفل نماز میں زور سے قرات نفل کے لیے خطبہ وغیرہ شرعی مفاسد ہیں۔ فرض کا ذمے باقی رہ جانا مستقل مفسدہ عظمیہ ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص۳۱۴ ج۲ بحوالہ ہدایہ ص۱۴۸ ج۱)۔

چھوٹے گاؤں میں جمعہ درست نہیں اور بڑے گاؤں میں صحیح اور قریہ کبیرہ (بڑے گاؤں) کی تعریف کچھ نہ کرنا اور قصبات کے ساتھ اس کو بیان کرنا اس طرف مشیر ہے کہ مدار اس کا عرف پر ہے، اور اہل قریہ صغیرہ (چھوٹا گاؤں) و قریہ کبیرہ (بڑا گاؤں) کے فرق کو جانتے ہیں اور یہ کہ بڑا گاؤں مثل قصبہ کے ہونا چاہیے اس لیے یہاں کے علماء محققین نے یہ فرمایا ہے کہ جو گاؤں باعتبار آبادی کے قریب چھوٹے قصبہ کے ہو۔ اس میں جمعہ صحیح ہوگا اور چھوٹے قصبہ میں ان اطراف میں تین چار ہزار آدمی ہوتے ہیں یا کم و بیش۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص۵۱ ج۵)۔

(آبادی کی مردم شماری کی بنیاد پر کئی سوالات موجود، ہر ایک کے جواب میں مفتی علامہ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ، نے اس کا لحاظ رکھا ہے کہ وہ آبادی وہاں کے لوگوں کی نظر میں قصبہ یا بڑی آبادی کے طور پر مشہور ہے یا نہیں۔ پھر اس میں شہریت کی بو پائی جاتی ہے یا نہیں، اگر یہ دونوں باتیں موجود ہوں تو وہاں جمعہ کی نماز جائز ہے ورنہ نہیں۔
(محمد رفعت قاسمی)۔

بغیر گھروں کے بازار میں نماز جمعہ

سوال:۔ بعض دیہی علاقوں میں بازار ہیں مگر یہاں سکونت کسی کی نہیں۔ چند دیہاتوں کے درمیان بازار جو دن میں کھلا رہتا ہے اور رات میں سب لوگ اپنے اپنے گاؤں میں چلے جاتے ہیں۔ اس مقام پر نماز جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ایسے جگہ پر نماز جمعہ صحیح نہیں۔ نماز جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے یہاں اتنے لوگوں کی مستقل سکونت شرط ہے جس کی آبادی کو عرفاً قریہ کہا جاسکے۔

رہائشی مکان آپس میں متصل ہوں اور ان کے درمیان کم از کم تین گلیاں ہوں جیسا کہ مصر کی تعریف میں ہے۔

علامہ طحطاویؒ نے فیصلہ فرمایا کہ بغیر اقامت (سکونت) کے قریہ کا وجود نہیں ہوسکتا اور اقامت (سکونت) بغیر گھروں کے معتبر نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۳۵ ج ۴)۔

حضرت علیؓ کے قول کی وضاحت

حضرت علیؓ کے قول میں لفظ مصر (شہر) موجود تھا۔ اور شرائط مصر میں یہی قول حنفیہ کا مآخذ ہے۔ مصر اگرچہ عرف میں مشہور اور معلوم المراد لفظ تھا۔ مگر فقہاء حنفیہ نے اس کی تعریف بیان کی اور تعریفیں مختلف عبارتوں میں ہوئیں، اس لیے تعین مراد میں اختلاف ہوگیا۔ چونکہ بعض تعریفیں ایسی بھی تھیں جو قصبہ اور قریہ کبیرہ (بڑے گاؤں) پر صادق آتی تھیں۔ اس لیے فقہاء نے قصبات اور بڑے گاؤں کو مصر میں داخل کر دیا۔

مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ مصر، قصبہ اور قریہ کبیرہ کو شرعاً تین چیزیں قرار دے کر تینوں میں جمعہ جائز قرار دیا۔ بلکہ مطلب یہ تھا کہ چونکہ مصر کی تعریف قصبات اور قریات کبیرہ (بڑے گاؤں) پر صادق آگئی، اس لیے یہ تینوں شرعاً مصر قرار پائے اور جمعہ کے جواز کا حکم دیا گیا۔

اب یہ بات کہ حنفیہ کا اصل مذہب کیا ہے تو یہ بات صاف ہے کہ اصل مذہب جو متون میں منقول ہے وہ یہی ہے کہ جمعہ کے لیے مصر شرط ہے۔ پس جو مقام مصر قرار پائے گا وہاں جمعہ جائز ہوگا۔ (خواہ عرف میں شہر کہلاتا ہو یا قصبہ یا بڑا گاؤں) (کفایت المفتی ص ۱۸۲ ج ۳)

کل آبادی مراد ہے

سوال:۔ قریہ کبیرہ چار ہزار آدمی کی آبادی کو لکھا ہے۔ مراد خانہ شماری ہے یا مردم شماری؟

جواب:۔ مراد مردم شماری ہے یعنی سب آدمی رہنے والے گاؤں کے چھوٹے بڑے، مرد و عورت، ہندو مسلمان تین چار ہزار ہوں۔

پس جو ایسا گاؤں ہوگا وہ بڑا گاؤں ہے اور بڑے گاؤں میں فقہاء نے جمعہ فرض لکھا

ہے۔(فتاویٰ دار العلوم ص ١٦٩ ج ٥ بحوالہ ردالمحتار باب الجمعہ ص ٧٤٨ ج ١)۔

جو بلدہ (شہر) کہا جاتا ہے وہاں بلاشبہ جمعہ صحیح ہے، اور شہر ہونا آبادی کی کثرت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر چہ کفار زعیدہ ہوں اور مسلمان کم ہوں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ٦٥ ج ٥)۔

بڑی بستی بمنزلہ شہر یا قصبہ کے ہے اگر چہ (اکثریت) آبادی مسلمانوں کی نہ ہو تو وہاں نماز جمعہ وعیدین کی صحیح ہے اور فرض ہے اور ادا ہو جاتی ہے اگر چہ جمعہ کی جماعت وغیرہ میں دس بارہ آدمی ہوں، اس میں کچھ حرج نہیں ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام کے سوا تین آدمی بھی ہوں تو جمعہ ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ جگہ جہاں جمعہ وغیرہ پڑھا جائے بڑی بستی ہو یا اس کے متعلقات میں سے ہو، کیونکہ بڑی بستی کے جنگل میں بھی نماز جمعہ و عیدین صحیح ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ١٠٩ ج ٥ بحوالہ ردالمحتار باب الجمعہ ص ٧٤٨ ج ١)۔

فقہاء نے مردم شماری کی کوئی تعداد بیان نہیں کی ہے بلکہ صرف یہ بتایا ہے کہ شہر یا بڑی آبادی ہو جہاں ضروریات سے متعلق چیزیں ملتی ہوں۔ آبادی کا اندازہ بعد میں لگایا گیا ہے۔ صرف آبادی کا اندازہ تین چار ہزار لکھا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ١٢٦ ج ٥)۔

اور شہریت بھی ہو تو اس وقت آبادی بارہ تیرہ سو بھی کافی ہے۔ واللہ اعلم۔

غیر ممالک کے دیہات کا حکم

چھوٹے قریہ (گاؤں) میں نماز جمعہ وعیدین جائز نہیں اور جس قریہ میں مسلمان، یہودی، نصاریٰ، ہنود، مجوسی وغیرہ تقریباً تین ہزار بستے ہوں وہ صغیرہ (چھوٹا گاؤں) نہیں وہاں جمعہ جائز ہے۔

اہل افریقہ کے عرف کے اندر چھوٹے بڑے گاؤں اور قریہ میں تمیز اور فرق اکثر یہی ہے کہ جس جگہ کچہری اور کورٹ قائم ہوتا ہے سب کی آبادی موافق عادت وطرز و بناوٹ نصاریٰ اس جگہ اور قرب و جوار و اطراف میں تین ہزار نفوس کے ہوتی ہے وہ قریہ کبیرہ شمار کیا جاتا ہے۔

اور جس جگہ نہ کچہری اور کورٹ ہو اور نہ نفوس کی مذکورہ تعداد ہو اس کو عرف میں صغیرہ (چھوٹا گاؤں) سمجھا جاتا ہے۔

لہٰذا اول صورت میں جمعہ اسی جگہ پر جائز ہے کہ جہاں کچہری اور کورٹ ہو، نیز اس جگہ اور اس کے قرب وجوار اور اطراف میں تین ہزار آدمی بستے ہوں اور جہاں پر کورٹ بھی نہ ہو، اور نہ ڈھائی تین ہزار آدمیوں کی آبادی ہو، اس جگہ جمعہ جائز نہیں ہے۔

(محمد مطیع اللہ ہزاروی سوتھ افریقہ جواہر الفقہ ص ۱۲۹ ج ۴)۔

دو ملے ہوئے گاؤں کا حکم

سوال:۔ ایک بڑی بستی ہے جس کے دو حصے ہیں اور ہر حصہ علیحدہ نام سے مشہور ہے اور دونوں بستیوں کی آبادی مجموعی طور پر چار پانچ ہزار آدمی کی ہے، اور باہم مکانات بھی ایسے ملے ہوئے ہیں کہ بلا دقت پیدل جاسکتے ہیں، اور احکام شرع کا اجرا بھی ماتحتی گورنمنٹ رہ کر ہوتا ہے اور کھانے پینے کی اشیاء بھی ہر وقت ملتی ہیں اور ہر وقت ہر قسم کی ضروریات ملتی ہیں اور سرکاری دفاتر بھی ہیں، اس بستی میں جمعہ کی نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جمعہ کی صحت وعدم صحت کا مدار اجتماع شرائط وعدم پر ہے (یعنی اگر شرطیں ہوں گی تو جمعہ جائز ہوگا)۔

پس صورت مسئولہ میں جب کہ دو گاؤں علیحدہ علیحدہ نام کے ساتھ مشہور اور موسوم ہیں اور انفرادی طور پر کسی ایک میں صحت جمعہ کی صلاحیت نہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ خواہ دونوں کو ایک فرض کر کے لزوم جمعہ کا حکم لگایا جائے کیونکہ اس میں کچھ پوشیدہ نہیں کہ حضرات فقہاء نے دو مستقل بستیوں میں جمعہ کے صحیح ہونے اور نہ ہونے کا مدار فصل اور عدم پر نہیں رکھا (یعنی دو چھوٹی بستیوں کے ملے ہونے پر جمعہ کے جائز ہونے کا مدار نہیں ہے) بلکہ حقیقی مدار ہر ایک بستی کی صلاحیت وعدم صلاحیت پر ہے، اگر ہر بستی میں جمعہ کے صحیح ہونے کی شرائط پائی جاتی ہیں تو جمعہ صحیح ہے ورنہ نہیں۔

حقیقت میں یہ بڑی اصولی غلطی ہے کہ صرف جمعہ کی شوق میں آبادیوں کو ایک بنانے میں پیمائش شروع ہوجاتی ہے۔ بات یہی ہے کہ جبکہ یہ دونوں گاؤں مستقل ناموں سے موسوم ہیں تو پھر احکام شرعیہ میں بھی اس کے استقلال کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ البتہ اگر واقعی دو بستیاں نہیں ہیں بلکہ محلے ہیں، دونوں محلوں کی بحیثیت مجموعی کوئی دوسرا نام ہے تو

پھر یہ صرف راستوں کا فاصلہ بھی جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے مخل نہیں۔ لیکن اگر ایسا نہیں اور بظاہر نہیں ہے تو یقیناً ایسی بستیوں میں جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ فرضیت جمعہ کے حامیوں کو اس پر بے محل اور غیر شرعی اصرار کی ضرورت نہیں۔

اصل یہ ہے کہ حنفیہؒ کے نزدیک جمعہ وعیدین کی نماز شہر یا ایسے بڑے گاؤں میں فرض اور صحیح ہوتی ہے جس میں بازار ہو، یا قصبہ میں صحیح ہوتی ہے اور اس بڑے قریہ میں ضروریات کی اشیاء مل سکتی ہوں (شامی ص ۷۷۵ ج ۱ باب العید)۔

پس جب کہ ہر دو مذکورہ بستیوں میں سے کوئی ایسی بڑی نہیں ہے کہ اس میں شرط صحت جمعہ پائی جائے تو دونوں بستیوں کو ایک سمجھ کر جمعہ صحیح نہ ہوگا۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۲۵ ج ۵ بحوالہ رد المحتار باب الجمعہ ص ۷۴۸ ج ۱)۔

گاؤں میں نماز جمعہ کیوں صحیح نہیں؟

سوال:۔ گاؤں میں جمعہ کی نماز کیوں صحیح نہیں؟

جواب:۔ ہر چیز کے کچھ اصول وقواعد ہوتے ہیں۔ ان اصول اور قواعد کے موافق عمل کیا جائے تب ہی وہ عمل صحیح ہوتا ہے ورنہ صحیح اور قابل قبول نہیں ہوتا۔

مثلاً نابالغ لڑکا یا لڑکی اپنا نکاح خود نہیں کر سکتے، اگر کریں تو نکاح صحیح نہ ہوگا، اس لیے اپنا نکاح کرنے کے لیے بالغ ہونا شرط ہے۔ نابالغ لڑکا اگر طلاق دے تو طلاق واقع نہ ہوگی طلاق کے صحیح ہونے کے لیے بالغ کا طلاق دینا ضروری ہے، نابالغ لڑکا بالغوں کا امام نہیں بن سکتا اس لیے کہ امامت کے لیے بالغ ہونا شرط ہے۔

وقت سے پہلے نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح نہ ہوگی، اسی طرح حج کی ادائیگی کے لیے ذی الحجہ کا ہونا اور ارکان کی ادائیگی کے لیے جو جگہیں مقرر کی گئی ہے وہاں جا کر ارکان ادا کرنا ضروری ہے، ورنہ فریضۂ حج ادا نہ ہوگا۔

اسی طرح نماز جمعہ کی صحت کے لیے شہر یا قصبہ ہونا شرط ہے، اس لیے چھوٹے گاؤں میں جمعہ وعیدین جیسی اہم عبادتیں جو عظیم شعائر اسلام میں سے ہیں، ادا نہیں کیا جا سکتیں۔

دیکھئے میدان عرفات شہر میں داخل نہیں، اس لیے وہاں جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی، حالانکہ لاکھوں حجاج ہوتے ہیں وہ سب ظہر کی نماز پڑھتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۸۸ ج ۵)

اُمت کا اجماع

امت کا اجماع ہوگیا ہے کہ آیت قرآنی ''و اذا نودی '' آیت اپنے اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ جمعہ کی نماز کے ساتھ اور ایسی بستی (جگہ) کے ساتھ خاص ہے جس کے باشندے گرمی اور سردی وغیرہ تمام موسموں میں وہاں رہتے ہوں، لہٰذا وہ بستیاں جن میں لوگ ایک موسم میں رہتے ہوں اور دوسرے موسم وہاں سے منتقل ہوکر دوسری جگہ بس جاتے ہوں وہاں جمعہ کی نماز بالاتفاق درست نہیں، اسی طرح جنگل بیابان کشتی وغیرہ میں بھی جمعہ درست نہیں ہے۔ (معارف مدینہ ص ۹۷ ج ۳)۔

آبادی کم ہونے پر نماز جمعہ کا حکم

سوال:۔ جو جگہ پہلے شہر ہو، اور اب آبادی کم ہوکر دو ڈیڑھ ہزار کی ہو، اس میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ قریہ کبیرہ (بڑا گاؤں) جس میں بازار ہوں وہ مثل قصبہ کے ہوتا ہے اور مصر کی شان اس میں پائی جاتی ہے۔ پس جو بستی پہلے بڑا شہر ہو اور اب اس میں دو ڈیڑھ ہزار آدمی رہ گئے ہوں اور بازار اور دوکانیں وغیرہ اس میں ہوں، اس میں جمعہ واجب ہے وہ درحقیقت شہر ہے، اس میں جمعہ ہونے میں کچھ تردد نہیں ہوتا۔ اور قریہ کبیرہ کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ مثل قصبہ کے معلوم ہوتا ہو۔ (فتاویٰ دار العلوم صفحہ ۱۵۴ ج ۵ ردالمختار ص ۷۴۸ ج ۱)۔

اُجڑے ہوئے شہر میں نماز جمعہ

سوال:۔ بستی شیخ پورہ جو کسی زمانہ میں بڑا بھاری شہر تھا سکھوں نے اس کو لوٹا اور تباہ کیا، جس کی موجودہ حالت یہ ہے کہ کل ساڑھے چار سو آدمی آباد ہیں۔ دو دو کانیں پرچون کی ہیں، نہ کوئی بازار ہے نہ کوئی ضرورت کی چیز ملتی ہے۔

جواب:۔ فی الحال جب کہ آبادی شیخ پورہ کی کل ساڑھے چار سو آدمیوں کی ہے یا فرض کرو اس سے کچھ زیادہ ہو، بازار وغیرہ وہاں نہیں ہے نہ ضروری اشیاء وہاں ملتی ہیں تو موضع یقیناً چھوٹا گاؤں ہے جس میں فقہاء نے جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی لکھا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۴۰ ج ۵ بحوالہ ردالمختار باب العیدین ص ۷۷۵ ج ۱)۔

چھوٹے گاؤں میں مصلحتاً نماز جمعہ کا حکم

سوال :۔ چھوٹے گاؤں والوں کو جمعہ کی وقعت اور عظمت ہے، اس کے ادا کرنے سے پنجگانہ نماز کا بھی شوق رہتا ہے ورنہ کسل و سستی ہو جاتی ہے اور یہاں تک کہ نماز بھی چھوڑ دیتے ہیں ۔ایسے وقت پر حنفیہ کو مذہب شافعی پر عمل کر کے گاؤں میں جمعہ قائم کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب :۔ دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا یا تو اس وقت جائز ہے جب اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے یا موضع ضرورت میں جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جمعہ میں نہ کوئی ضرورت ہے اور جو مصلحتیں لکھی ہیں یہ سب ضرورت کی حد کو نہیں پہنچتیں کیونکہ ضرورت کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر ضرر لاحق ہونے لگے اور ضرر سے مراد حرج اور تنگی اور مشقت ہے۔سو یہ امور متحقق نہیں اور جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے چند مکروہات کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے۔(۱) نفل کی جماعت (۲) دن میں نفل نماز میں زور سے قرات کرنا (۳) غیر لازم کا التزام (۴) ظہر کی جماعت کے فرض کا چھوڑنا (۵) اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو فریضہ کا چھوڑنا حرام اور فسق ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ مصر (شہر) شرائط جواز جمعہ سے ہے اور شرائط وجوب سے نہیں ۔یہ احتمال بھی دفع ہو گیا کہ اگر واجب نہیں تو جائز ہو جائے گا، لہٰذا صورت مسئولہ میں جمعہ پڑھنا حنفیہؒ کے نزدیک ممنوع اور ناجائز ہے۔(امداد الفتاویٰ ص ۶۴۱ ج ۱)۔

اور حنفیہ کو بمذہب دیگر ائمہ میں عمل کرنے کی فقہاء نے اجازت نہیں دی اور ہم لوگ پابند ہیں اس امر کے کہ جس جگہ اور جس مسئلہ میں ہمارے فقہاء نے فتویٰ غیر کے مذہب پر دے دیا ہے اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

زوجہ مفقود الخبر (جس عورت کا شوہر لا پتہ ہو) کے بارے میں فقہاء حنفیہؒ نے فتویٰ امام مالک کے مذہب پر دے دیا ہے، اس پر عمل کیا جائے گا۔اسی طرح جس جس مسئلہ میں تصریح فقہاء کی ہے وہاں عمل کر سکتے ہیں، اور جس جگہ تصریح ان حضرات کی نہیں ہے وہاں عمل نہیں کر سکتے۔(فتاویٰ دار العلوم ص ۴۴ ج ۵)

حنفیہ کو امام ابو حنیفہ کی تقلید کرنی چاہیئے، اپنے امام کے مذہب کے موافق قریہ

صغیرہ (چھوٹے گاؤں) میں جمعہ نہ پڑھنا چاہیے، ظہر با جماعت ادا کرنی چاہیے۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۶۵ ج ۵)۔

امام اعظمؒ کے نزدیک نماز جمعہ شہروں اور قصبات ہی میں ادا ہو سکتی ہے، اور ایسے بڑے گاؤں میں جو مثل قصبات کے ہوں ان میں جائز ہے کہ جیسا کہ علامہ شامیؒ نے تصریح فرمائی ہے، اس کے علاوہ چھوٹے گاؤں می جمعہ ہرگز جائز نہیں اور کسی کا یہ کہنا بالکل صحیح نہیں کہ اس بہانہ سے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ مسلمان تو احکام شرعیہ کے مامور ہیں حدود مذہب کے اندر لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرنا چاہیے۔

اگر وہ کسی ایسی صورت میں جمع ہوں جو شرعاً جائز نہ ہو تو ایسے اجتماع ہی سے کیا فائدہ ہے جب نماز جمعہ چھوٹے گاؤں میں ادا نہیں ہوگی تو پھر ایسی نماز کے لیے اگر جمع ہو بھی گئے اور پڑھ بھی لی تو کیا فائدہ؟

اس لیے مسلمانوں کو تو فتوے پر عمل کرنا چاہیے، جس کی قسمت میں نماز اور عبادت لکھی ہے اور جس کو خدا کا خوف ہے وہ پھر بھی پڑھے گا، اور جو بد قسمت نہ پڑھے تو اس کا فکر کسی کے ذمہ نہیں، وہ اپنی قبر کا خود سامان کرے گا۔ (جواہر الفقہ ص ۱۱۳ ج ۴)۔

شہر کے نواح میں کام کرنا عذر نہیں ہے

سوال:۔ اگر کاشتکاران وغیرہ آبادی سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر کام کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جنگل سے آبادی میں آنے اور نماز جمعہ میں شریک ہونے سے ہمارا کام بند ہو جاتا ہے کیا یہ عذر ان کا معتبر ہے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ عذر جمعہ کو چھوڑنا شہر کے رہنے والے کاشتکاران وغیرہ کا جو اسی شہر میں جنگل میں مشغول ہیں، نہیں ہو سکتا۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۹۹ ج ۵ بحوالہ رد المحتار باب الجمعہ ص ۷۶۲ ج ۱)

نماز جمعہ کا چھوڑنا گناہ ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص ڈاک خانہ کا ملازم ہو اور ملازمت کی وجہ سے جمعہ نہ پڑھ سکتا ہو تو اس موقعہ پر جمعہ چھوڑنے سے کچھ گناہ تو نہیں اگر چہ مسجد بالکل قریب ہو؟

جواب:۔ ایسی حالت میں جمعہ فرض ہوگا، جمعہ کا چھوڑنا سخت گناہ ہے اور کبیرہ گناہ ہے اور جمعہ چھوڑنے پر حدیثوں میں وعید شدید آئی ہے۔ ایک حدیث میں یہ مضمون ہے کہ ''جو لوگ جمعہ چھوڑتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ جمعہ چھوڑنے سے باز آئیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگادے گا۔ پھر وہ غافلین میں سے ہوجائیں۔

پس جہاں تک ہوسکے کوشش کرنی چاہیے کہ شہر اور قصبہ میں رہتے ہوئے جمعہ نہ چھوٹے اور اگر کبھی اتفاقاً مجبوری کی وجہ سے ترک ہوگیا تو ظہر کی نماز پڑھ لینی چاہیے اور جمعہ کے چھوٹنے سے توبہ کرلینی چاہیے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۹۲ ج۵ بحوالہ مسلم شریف باب فضل ص۱۲۱ ج۱)

جمعہ کا چھوڑنا نوکری کی مجبوری کی وجہ سے جائز نہیں ہے، باقی اگر جمعہ نہ پڑھ سکے تو پھر اس کو ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۳۱ ج۵ بحوالہ ردالمحتار باب الجمعہ ص۷۴۷ ج۱)

جمعہ کے دن محلّہ کی مسجد بند کرنا

نماز پنجگانہ کے لیے محلّہ کی مسجد میں ہو مردوں کو حاضری کا حکم تاکیدی ہے۔ اہل محلّہ کے حق میں محلّہ کی مسجد از روئے ثواب، جامع مسجد کے برابر ہے۔ شرعی عذر کے بغیر اس کے چھوڑنے کی اجازت نہیں، ایک ہی نمازی تب بھی وہیں نماز پڑھے، البتہ نماز جمعہ کی وجہ سے وہاں پہنچنے میں لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو تو ایک سے زائد مسجدوں میں نماز جمعہ کا انتظام کر سکتے ہیں۔ عذر کے بغیر محلّہ کی مسجد میں جمعہ پڑھنے کا انتظام کرنے سے شریعت کا مقصد اور مصلحت اور اسلامی شان وشوکت ختم ہوجاتی ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں محلّہ کی مسجد کو نماز جمعہ کے وقت بند کرکے جامع مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانے میں مسجد کے احترام میں کچھ خلل نہ آئے گا۔

جس طرح عید کی نماز کے لیے جامع مسجد بند کرکر کے عیدگاہ میں جانے سے جامع مسجد کا احترام میں کچھ خلل نہیں آتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس سے اسلامی شان وشوکت میں اضافہ ہوتا ہے، اور بڑی فضیلت کے حقدار ہوتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۲۵۳ ج۱)

☆

جامع مسجد میں ثواب کی زیادتی

سوال:۔ مجموعہ خطبہ میں لکھا ہوا ہے کہ جامع مسجد میں ایک رکعت کا ثواب پانچ سو رکعت کی برابر ہے، یہ ثواب صرف فرض کی جماعت اولیٰ کے ساتھ مخصوص ہے یا سنت اور نفل میں بھی یہی ثواب ہے جبکہ جامع مسجد میں پڑھے؟

جواب:۔ یہ ثواب صرف نماز فرض کی جماعت اولیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، نماز سنت اور نفل میں نہیں، ان کو گھروں میں پڑھنا افضل ہے، اور یہی آنحضرت ﷺ کا دائمی عمل اور حکم تھا۔

اگر نوافل میں بھی یہی گراں قدر ثواب ہوتا تو آپ گھر میں نہ پڑھتے اور نہ حکم کرتے۔اور یہ مضمون حدیث کا ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم ص ۵۷ ج ۵)

جمعہ کی نماز کیلئے جامع مسجد ضروری نہیں۔

بے شک نماز جمعہ کیلیے جامع مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے شہر کی دوسری مسجد میں یا شہر کے میدان میں بھی جمعہ ہوسکتا ہے مگر جمعہ کے لیے یہ شرط ہے کہ شہر یا قصبہ ہونا چاہیے اور بڑا گاؤں جو قصبہ کے مثل ہو وہ بھی اس حکم میں ہے چھوٹے گاؤں میں حنفیہؒ کے نزدیک جمعہ درست نہیں ۔(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۴۸ ج ۵)۔کمرہ مسجد کا حکم نہیں رکھتا اور مسجد ہونا شرعی نہیں ہے لیکن جمعہ اور جماعت کمرہ میں درست ہے (بشرطیکہ عام اجازت ہو) کیونکہ جماعت اور جمعہ کے لیے مسجد ہونا شرط نہیں۔(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۱۷ ج ۵)

ہاں مکان میں بھی نمازِ جمعہ ہوسکتی ہے جبکہ کسی کی روک ٹوک نہ ہو، مگر ہمیشہ مکان میں ہی نماز جمعہ قائم کرنا اور مسجد کو معطل کرنا نہیں چاہیے۔(کفایت المفتی ص ۱۸۶ ج ۳)۔

جامع مسجد کے بجائے محلّہ کی مسجد میں نماز جمعہ

ایک شہر میں نماز جمعہ چند جگہ بھی صحیح مذہب کے موافق صحیح ہے، جیسا کہ درمختار باب الجمعہ ص ۵۵ جلد اول وغیرہ پر ہے، لیکن بلاوجہ جامع مسجد کو چھوڑنا اچھا نہیں ہے البتہ اگر کسی فتنہ وغیرہ کا اندیشہ ہو تو خیر ورنہ جہاں تک ہوسکے جمعہ ایک جگہ جامع مسجد میں ہونا اچھا ہے اور موجب ثواب عظیم ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۶۳ ج ۵)۔

ایک آبادی میں باری باری نمازِ جمعہ

سوال:۔ ہمارے قصبہ میں تین مسجدیں ہیں اور ہر مسجد میں نماز جمعہ علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے اب چند ماہ سے یہ کر لیا کہ ایک جمعہ کی نماز قدیم مسجد میں اور آئندہ کی نماز دوسری مسجد میں ہو، چنانچہ باری باری سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ نماز جمعہ ہر ایک مسجد میں صحیح ہے اور یہ صورت جو سوال میں درج ہے کہ ایک دفعہ جمعہ ایک مسجد میں ہو اور دوسرا جمعہ دوسری مسجد میں اور تیسرا جمعہ تیسری مسجد میں، یہ بھی دراصل درست ہے اور نماز صحیح ہوتی ہے مگر بہتر یہ ہے کہ جو مسجد ان میں سے بڑی ہو اور یا قدیم ہو، اس میں جمعہ قائم کیا جائے اس کو جامع مسجد قرار دیا جائے کیونکہ یہ صورت تناوب کی جو سوال میں درج ہے پسندیدہ نہیں ہے اور اس میں بوئے نفسانیت معلوم ہوتی ہے۔

درمختار باب الجمعہ ۷۴۸ جلد اول سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کیلئے خاص جامع مسجد موضوع ہے۔ اگر چہ دوسری مساجد میں بھی جمعہ صحیح ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۵۷ ج ۵)۔

جس گاؤں میں جمعہ کی اذان پہنچے

سوال:۔ ایک گاؤں شہر سے ایک میل کے فاصلے پر ہے، اذان کی آواز آتی ہے ، گاؤں والوں پر شہر میں آکر جمعہ پڑھنا فرض ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جمعہ گاؤں والوں پر فرض نہیں ہے، اگر چہ وہ گاؤں شہر کے قریب ہو، اور اذان کی آواز بھی آتی ہو۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۶ ج ۵ بحوالہ عالمگیری کشوری باب الجمعہ ص ۱۴۳ ج ۱)

گاؤں والوں کا شہر میں جا کر جمعہ پڑھنا

گاؤں والوں کو شہر جا کر جمعہ پڑھنا ضروری نہیں ہے چاہے کتنا ہی نزدیک ہو، ہاں اگر بسہولت کوئی شخص جا سکے تو شہر میں جا کر جمعہ پڑھنا ثواب کا کام ہے اور اگر نہ جائیں تو کچھ گناہ نہیں ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مدینہ کے قریب وجوار میں دیہات تھے وہاں کے سب لوگ ہمیشہ مسجد نبویؐ میں جمعہ پڑھنے نہ آتے تھے بلکہ کبھی کوئی اور کبھی کوئی آتا، یعنی جس کو

فرصت ہوئی اور دل چاہ وہ آجاتا تھا اور جس کو موقع نہ ملا وہ نہ آتا تھا۔ پس اب بھی یہی حکم ہے۔
(فتاویٰ دارالعلوم ص ۹۶ ج ۵ بحوالہ عالمگیری مصری باب الجمعہ ص ۱۳۶ ج ۱)

جمعہ کی نماز متعدد مساجد میں ہونا

شریعت اسلامیہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو یکجا ہو کر عبادت کا شوق ہو، لہٰذا اس میں شک نہیں کہ بلاضرورت متعدد مسجدوں میں (جمعہ کی نماز) ہونے سے اعلیٰ مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس طرح مسلمان مختلف مسجدوں میں بٹ جاتے ہیں۔ اجتماع کے مفاد سے بے خبر رہتے ہیں۔ ان کے دل خالق کائنات کی عظمت سے جس کی عبادت کیلئے خشوع وخضوع کے ساتھ سب لوگ اکھٹے ہوتے ہیں متاثر نہیں ہوتے۔

(مسئلہ یہ ہے کہ) جن مقامات میں جمعہ کی نماز درست ہے ان کے متعدد ہونے میں (اگر ضرورت ہوتو) کوئی حرج نہیں ہے۔ (کتاب الفقہ ص ۶۱۵ ج ۱)۔

بہتر یہ ہے کہ جمعہ کی نماز ایک مقام میں ایک مسجد میں سب لوگ جمع ہو کر پڑھیں اگرچہ ایک مقام کی متعدد مسجدوں میں بھی نماز جمعہ جائز ہے۔ (علم الفقہ ص ۱۵۳ ج ۲ بحوالہ بحرالرائق)

بہتر یہ ہے کہ جمعہ ایک جگہ جامع مسجد یعنی بڑی مسجد میں ہو، اگر ایک مسجد میں سب نمازی جمعہ کے نہ آسکیں تو دوسری مسجد میں جمعہ کرلیں۔ الغرض ایک شہر وقصبہ میں چند جگہ جمعہ جائز ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اگر کچھ دقت نہ ہوتو ایک جگہ پڑھیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۳۵ ج ۵)

میدان میں نماز جمعہ

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک صحت جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں، بلکہ میدان کے اندر بھی نماز جمعہ درست ہے بشرطیکہ شہر (جہاں جمعہ جائز ہو) سے اس کا فاصلہ ایک فرسخ سے زیادہ نہ ہو۔ ایک فرسخ یعنی تین میل کی مسافت ہے۔ (کتاب الفقہ ص ۶۱۹ ج ۶۰۳ ج ۱)

(مطلب یہ ہے کہ حدود شہر (یعنی جس جگہ جمعہ کی نماز جائز ہے) میں ہوتو میدان وغیرہ میں بھی نماز جمعہ جائز ہے (محمد رفعت قاسمی)

نزدیک والی مسجد میں نماز جمعہ

سوال :۔ اکثر ملازم ہیں جو جامع مسجد تک نہیں پہنچ سکتے (ملازمت ،ڈیوٹی کی وجہ سے) نزدیک کی مسجد میں جمع ہو سکتے ہیں، ایسے لوگوں کیلیے کیا حکم ہے؟

جواب :۔ ایسے لوگ قریب کی مسجد میں جمعہ پڑھ لیں۔ الغرض جمعہ ایک شہر و قصبہ میں چند جگہ جائز ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اگر کچھ دقت نہ ہو تو ایک جگہ ہی پڑھیں۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۳۵ ج ۵)۔

کارخانہ میں نماز جمعہ

سوال :۔ کارخانہ کے ملازم کو صرف ایک گھنٹہ کی اجازت خورد و نوش کے لیے ملتی ہے اور جامع مسجد بہت فاصلہ پر ہے، کھانا اور نماز جمعہ سے فراغت دشوار ہے، اگر کارخانہ میں نماز جمعہ ادا کی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ اگر وہ کارخانہ اس شہر کے متعلقات میں سے ہے جس میں جامع مسجد ہے یعنی فناء شہر (حدود شہر) میں واقع ہے جیسا کہ شہر سے باہر کوٹھیاں اور کارخانے اسی شہر کے متعلقات ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں چند آدمی مل کر نماز جمعہ اسی کارخانہ میں ادا کر سکتے ہیں کیونکہ نماز جمعہ جیسا کہ شہر میں صحیح ہوتی ہے اسی طرح شہر کے متعلقات میں بھی صحیح ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۹۷ ج ۵ بحوالہ عالمگیری مصری ص ۱۳۵ ج ۱)

کوٹھی اور حکام کے بنگلہ کے ملازمین اسی طرح کارخانہ کے ملازمین اور چھاونی والے (جب انھیں اجازت نہ ملے) کوٹھی کارخانہ اور چھاونی میں بلا تردد نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ حاشیہ جدید ص ۶۱۲ ج ۱)

اگر یہ شہر (جہاں جمعہ کی نماز جائز ہو) اس کی حدود میں سے ہو تو جمعہ اس میں صحیح ہے۔ اور یہاں سے کسی کو باہر جانے کی اجازت نہ ہو تو مضر نہیں لیکن یہ دیکھنا چاہیے کہ اس حد کے اندر باہر والے بھی آ سکتے ہیں یا نہیں، اگر آ سکتے ہیں تو بلا تردد جمعہ جائز ہے، عام اجازت بھی شرائط صحت جمعہ سے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو وہ عام اجازت میں مخل نہیں (امداد الفتاویٰ ص ۶۱۱ ج ۶۱۴ ج ۱)

جہاز میں نماز جمعہ

سوال:۔ ہم لوگ گزشتہ کل جمعرات کو جہاز میں سوار ہوئے ہیں، آج جمعہ کا دن ہے، اب ہمارے ساتھ بمبئی کے حجاج ہیں اور جہاز ابھی بمبئی میں کسٹم (گودی) میں ہے تو یہ لوگ جمعہ ادا کریں یا ظہر؟ اسی طرح قصر کریں یا پوری؟

جواب:۔ جہاز جب تک بمبئی گودی میں کھڑا ہے اس وقت تک بمبئی والے نماز پوری ادا کریں، یہ لوگ ابھی اپنے وطن کی حد (احاطہ) میں ہیں جس کی بناء پر مقیم ہیں مسافر نہیں ہیں۔

البتہ ان پر نماز جمعہ نہیں ہے کہ جمعہ کے لیے ''اذن عام'' (بلا رکاوٹ) ضروری ہے جب جہاز والے شہر میں نہیں جا سکتے اور شہر والے جہاز میں نہیں آسکتے تو ''اذن عام'' کی شرط مفقود ہے، اس لیے جمعہ کی نماز ان پر لازم نہیں، جیسے اپنے شہر کے جیل خانہ میں جو قیدی ہیں ان پر جمعہ کی نماز لازم نہیں کیونکہ جیل خانے میں عام اجازت نہیں ہے، وہ ظہر کی نماز الگ الگ پڑھیں گے۔

اسی طرح بمبئی کے حجاج بھی ظہر کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھ لیں جماعت نہ کریں کیونکہ ایسے لوگوں کے لیے ظہر کی جماعت کرنا شہر میں مکروہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۵۹ ج ۳)۔

جیل خانہ میں نماز جمعہ

قیدی اور اسیر پر جمعہ فرض نہیں ہے لیکن اگر موقع اس کو جمعہ میں شریک ہونے کا مل جائے تو نماز ظہر اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور جمعہ کی فرضیت کے لیے اور جمعہ کی شرائط میں سے ہے عاقل و بالغ ہونا اور تندرست و آزاد ہونا اور بینا ہونا، اور قید میں نہ ہونا وغیرہ۔

پس اگر کوئی شخص قیدی ہے اور جمعہ سے روکا جا رہا ہے تو اس پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۰۸ ج ۵ بحوالہ رد المختار باب الجمعہ ص ۶۲ ۷ ج ۱)۔

جیل خانہ میں نماز جمعہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ نماز جمعہ شریک ہونے کا اذن عام یعنی بلا روک ٹوک عام اجازت ہو تو جائز ہے۔ (محمد رفعت قاسمی)۔

باغ و جنگل میں نماز جمعہ

اگر وہ جنگل، میدان یا باغ شہر کے متعلق یا متصل (قریب) ہو کہ فناء مصر (شہر کی حدود) میں داخل ہو تو جمعہ وہاں ہو سکتا ہے، اور امام صاحب کے نزدیک امام کے سوا تین مقتدی جمعہ کے لیے ہونے ضروری ہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۶۰ ج ۵ بحوالہ عالمگیری کشوری، باب الجمعہ ص ۱۴۳ ج ۱)

چھوٹے گاؤں اور جنگل میں جہاں کچھ آبادی نہ ہو، جمعہ کی نماز نہیں ہوتی، البتہ وہ جنگل قریب شہر یا قصبہ سے ہو کہ وہ فناء مصر کی حدود میں داخل ہو تو اس میں جمعہ ہو سکتا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۵۱ ج ۵ بحوالہ رد المختار ص ۷۴۸ ج ۱)۔

قصبہ کے حدود میں نماز جمعہ

اگر قصبہ کے حدود میں نماز جمعہ پڑھیں تو صحیح ہے، اور جو دیہات قصبہ سے ملے ہوئے ہیں ان میں جائز نہیں ہے۔ اور مراد حدودِ قصبہ سے فناء شہر ہے جس میں قصبہ کے کاروبار ہوتے ہیں، جیسے چراگاہ اور قبرستان وغیرہ۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۳۳ ج ۵ بحوالہ رد المختار ص ۷۴۹ ج ۱)

فناء مصر وہ مقام ہے جو شہر سے باہر مگر متصل (قریب ملا ہوا ہو) اور شہر کی بعض ضروریات اس مقام سے بہم پہنچتی ہوں۔ (کفایت المفتی ص ۱۸۶ ج ۳)

فناء مصر یعنی شہر کی حدود کے لیے میلوں کی تعداد معتبر نہیں ہے بلکہ فناء مصر وہ ہے جو مصالح مصر کے لیے اور کارہائے مصر کیلئے مہیا ہو، جیسے قبرستان، اصطبل چراگاہیں، اور چھاونیاں وغیرہ۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۴۴ ج ۵ بحوالہ رد المختار ۷۴۹ ج ۱)

فناء مصر (حدود شہر) وہ مقام ہے جو شہر کی ضروریات کے لیے متعین ہو، مثلاً قبرستان، کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ، گھوڑ دوڑ، یا جنگی مشق یا فوجی اجتماع وغیرہ کیلیے میدان، ہوائی اڈا اور ریلوے سٹیشن وغیرہ اور فناء کا شہر سے اتصال ضروری نہیں ہے اور نہ ہی اس کی مسافت اور وسعت کی کوئی تحدید ہے بلکہ شہر کی حیثیت کے مطابق اس کی فناء مختلف ہوا کرتی ہے۔

(احسن الفتاویٰ ص ۱۲۳ ج ۱ بحوالہ رد المختار ص ۷۴۹ ج ۱)

قلعہ میں نماز جمعہ

سوال:۔قلعہ کے میگزین میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس دلیل سے اس قلعہ میں بلا ٹکٹ کے کوئی بھی نہیں جا سکتا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جو حکم ہو اس سے مطلع فرمائیں اور جگہ کے علماء عدم جواز پر ہیں۔

جواب:۔ اقول و باللہ التوفیق اس مسئلہ کے متعلق روایۃ درمختار وردالمختار یہ ہے:۔"والسابع الاذن العام من الایام و یحصل بفتح ابواب الجامع للواردین کافی ولا یضر غلق باب القلعة لعدو او العادة قدیمه"

(حوالہ ردالمختار علی ھامشۃ الدر المختار ص۶۲ ۷ ج اص ۶۳ ۷ ج ا باب الجمعہ قلعہ)

پس عبارۃ مذکورہ سے صاحب بصیرہ کو اتنی بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اگر قلعہ کا دروازہ بسبب عادۃ مستمرہ (عام طور پر) بند رہتا ہیا ور قلعہ کے اندر رہنے والوں کو شرکت جمعہ (جمعہ میں شریک کرنے کی اجازت) ہے تو قلعہ کے اندر جمعہ صحیح ہے خصوصاً جب کہ علت عدم جواز فی الحصن (قلعہ کے اندر جمعہ کے جائز نہ ہونے کا سبب) جو کہ تفویت جمعہ (نماز جمعہ کا چھوٹ جانا، فوت ہو جانا) قلعہ سے باہر والوں کے لیے پائی نہیں جاتی ہو کیونکہ قلعہ سے باہر شہر میں چند جگہ جمعہ درست ہے۔اور حسب روایت مفتی بہ ایک شہر میں چند جگہوں پر جمعہ درست ہے۔"و تودی مصر واحد بمواضع کثیرة علی المذاهب و علیه الفتوی"۔

(تفصیل کے لیے فتاوی دار العلوم ص۱۰۶ ج ۵)

اگر پہلے سے نماز جمعہ قائم ہے تو بند نہ کریں

حنفی مذہب کے موافق دیہات (گاؤں) میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا۔اس لیے اگر کسی گاؤں میں پہلے سے جمعہ قائم نہیں ہے تو وہاں جمعہ قائم نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ حنفی مذہب کے موافق اس میں جمعہ صحیح نہ ہوگا۔اور فرض ظہر جمعہ پڑھنے سے ساقط نہ ہوگا لیکن اگر وہاں قدیم الایام سے جمعہ قائم ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا یہ کہ اسلامی حکومت میں مسلم بادشاہ کے حکم سے قائم ہوا تھا تو حنفی مذہب کی رو سے بھی وہاں جمعہ صحیح ہوتا ہے،اس لیے بند کرنا

درست نہیں، یا یہ کہ بادشاہ اسلام کے حکم سے قائم ہونا ثابت نہیں یا یہ معلوم ہو کہ مسلمانوں نے خود قائم کیا تھا مگر ایک زمانے دراز سے پڑھا جاتا ہے۔

اس صورت میں حنفی مذہب کے اصول کے موافق تو اسے بند کرنا چاہیے یعنی بن کرنا ضروری ہے لیکن چونکہ عرصہ دراز کے قائم شدہ جمعہ کو بند کرنے میں جو فتنے اور مفاسد پیدا ہوتے ہیں ان کے لحاظ سے اس مسئلے میں حنفیہ کو شوافع کے مذہب پر عمل کر لینا جائز ہے اور جبکہ شوافع کے مذہب پر عمل کر کے جمعہ پڑھیں گے تو ظہر ساقط نہ ہونے کے کوئی معنی نہیں۔

مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور مفاسد الازمہ عمل بمذہب الغیر کیلیے وجہ جواز ہیں۔

(کفایت المفتی ص۱۹۳ ج ۳)۔

حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ سے منقول ہے کہ جہاں نماز جمعہ کا سلسلہ جاری ہو وہاں اس کو روکنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جہاں پر جمعہ (کی نماز پہلے سے) ہوتی چلی آ رہی ہو وہاں اس کو بند کرنے میں بہت سے مفاسد کا اندیشہ ہے۔ اس لیے وہاں اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کے قول پر عمل کرنا جائز ہے، اس کو روکنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے جو شخص وہاں جمعہ پڑھے گا اس کا جمعہ صحیح ہوگا اور احتیاط ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں (یعنی جمعہ کی نماز کے مشکوک ہونے کی وجہ سے بعد جمعہ چار رکعت ظہر کی پڑھ لیتے ہیں، اس کی بھی ضرورت نہیں) معارف مدینہ ص۸۲ ج ۳)

پچاس آدمیوں میں نماز جمعہ

سوال:۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا قول "حجۃ اللہ البالغۃ" میں قابل عمل ہے یا نہیں، وہ یہ کہ جس قریہ میں پچاس آدمی مرد مسلمان ہوں اس میں نماز جمعہ درست ہے؟

جواب:۔ یہ حنفیہؒ کا مذہب نہیں، حنفیہؒ کو اپنے مذہب کی فقہ کی کتابوں کے موافق عمل کرنا چاہیے۔ حضرات محققینؒ کے کلام سے حجت نہ لانا چاہیے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۵۵ ج ۵)۔

☆

جمعۃ الوداع کی جماعت عیدگاہ میں

سوال :۔ نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جامع مسجد میں اس قدر وسعت نہیں کہ جو تمام نمازیوں کیلیے کافی ہو، اگر عیدگاہ میں نماز جمعہ پڑھی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ بصورت موجودہ نماز عیدگاہ میں درست ہے اور یہ بھی مسئلہ ہے کہ شہر میں چند مسجدوں میں جمعہ صحیح ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۰۰ ج ۵)

جمعۃ الوداع کے لیے سفر کرنا

سوال :۔ عام لوگ اپنے گاؤں کی مسجد کو چھوڑ کر آخیر جمعہ رمضان المبارک میں جامع مسجد دہلی جاتے ہیں کیا ان کو زیادہ ثواب ملتا ہے؟

جواب :۔ اس کی کچھ ضرورت نہیں، جامع مسجد میں اگر چہ ثواب زیادہ ہے لیکن اپنے محلّہ اور اپنے گاؤں (جہاں پر جمعہ جائز ہو) کی مسجد کا بھی حق ہے، اس کو نہ چھوڑنا چاہیے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۲۳ ج ۵ بحوالہ درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ص ۶۱۷ ج ۱)۔

اگر اس قصد سے کہ فلاں جگہ کی مسجد میں ثواب زیادہ ہوگا سفر کر کے جائے تو سوائے تین مساجد کے بیت المقدس، مسجد حرام، مسجد نبویؐ) ایسا کرنا واقعی جائز نہیں۔ اور حدیث سے ثابت ہے۔ بالخصوص جمعۃ الوداع پڑھنے کے لیے دہلی وغیرہ جانا۔ یہ تو بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے، اول تو جمعۃ الوداع کو ایسی اہمت دینا جو دوسرے جمعات میں نہ سمجھی جائے، یہ ایک خودساختہ خیال اور بدعت ہے۔ دوم اس کام کے لیے سفر کرنا فضول خرچی ہے، سوم حدیث کے خلاف ہے۔ چہارم بسا اوقات روزہ میں بھی سفر کی وجہ سے خلل آتا ہے۔ وغیرہ ذٰلک۔ (جواہر الفقہ ص ۱۲۱ ج ۴)۔

جمعہ الوداع میں قضاء عمری پڑھنا

سوال :۔ رمضان شریف کے آخری جمعہ میں قضائے عمری بارہ رکعت با جماعت پڑھتے ہیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:۔ یہ قضائے عمری کی نماز بے اصل ہے اور جماعت سے پڑھنا ناجائز ہے۔

(کفایت المفتی ص ۳۴۸ جلد ۳)۔

رمضان شریف میں آخری جمعہ میں قضاء عمری بطریق مخصوص پڑھنا ثابت نہیں ہے شامی میں ہے کہ امام صاحب کی طرف اس کو منسوب کرنا صحیح نہیں ہے اور فخر الاسلام اور قاضی خاں سے اس کی کراہت نقل کی ہے لہٰذا اس کو چھوڑنا چاہئے۔

(فتاوی دار العلوم ص ۳۴۶ جلد ۴۔ بحوالہ درمختار ص ۶۵۴ جلد اول)۔

(مطلب یہ ہے کہ قضائے عمری کے لیے جماعت اور رمضان شریف کے آخری جمعہ کو خاص کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جس وقت چاہے بلا جماعت پڑھ لیا کریں۔

(مرتب محمد رفعت قاسمی)۔

عید و جمعہ کا اجتماع

سوال:۔ عید و جمعہ اگر ایک دن میں جمع ہو جائیں تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ نہ پڑھا جائے اور صحیح مسلم کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ نماز جمعہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

جواب:۔ اس حدیث کو مسلم شریف میں تلاش کیا مگر پتہ نہیں چلا، بیشک ابوداود شریف میں عبداللہ بن زبیر کا فعل نقل کیا گیا ہے۔ مگر ذرا غور کرنا چاہیے کہ ایک صحابیؓ کے فعل سے نبی کریم ﷺ کے قول اور فعل کو چھوڑ دینا خلاف انصاف ہے۔ حضرت محمدؐ کے زمانے میں بھی یہ اتفاق پیش آیا مگر آپؐ نے جمعہ ادا کیا اور آپؐ نے گاؤں کے لوگوں کو کہہ دیا کہ "تم جانا چاہو تو چلے جاؤ ہم جمعہ ادا کریں گے"۔

ابوداود وغیرہ میں موجود ہے اور عبداللہ بن زبیرؓ کے فعل کی علماء نے تاویل کی ہے لہٰذا جمعہ ضرور ادا کرنا چاہیے، دوسری بات یہ ہے کہ جمعہ کی نماز قرآن شریف سے ثابت ہے اس کو ایک صحابیؓ کے فعل سے ترک کر دینا یا تخصیص کرنا عقل سلیم کا کام نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۴۵ ج ۵)۔

اور آپ ﷺ کا فرمان گاؤں والوں سے کہ "تم جانا چاہو تو چلے جاؤ ہم جمعہ ادا

کریں گے" یہ اس لیے تھا کہ گاؤں والے عید میں صبح ہی سے شریک ہو گئے تھے اور ان پر جمعہ واجب نہیں ہے اگر پڑھ لیں گے تو جمعہ صحیح تو ہو جائے گا یعنی ظہر کی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں لیکن جمعہ تک انتظار کرنا وہ بھی عید کے دن؟ اس لیے آپؐ نے اجازت صرف گاؤں والوں کو دی تھی۔ (واللہ اعلم) محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ

نماز جمعہ میں قنوت نازلہ پڑھنا

سوال:۔ جمعہ میں قنوت نازلہ (حوادث کے وقت عام طور پر حنفیہؒ کے نزدیک فجر کی نماز میں پڑھی جاتی ہے) جمعہ میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بعض روایات کے موافق جن میں تمام جہری (زور سے قرات پڑھی جانے والی) نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھنے کو جائز لکھا ہے، جمعہ کی نماز میں بھی درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۹۵ ج ۴ بحوالہ ردالمختار باب الوتر والنوافل ص ۶۲۸ ج ۱)

قنوت نازلہ کے مسنون ہونے میں چاروں امام متفق ہیں۔ پانچوں نمازوں میں جائز ہے مگر جہری نمازوں میں (یعنی جن نمازوں میں قرات زور سے ہوتی ہے) متعدد اور اکثر سلف سے ہونا ثابت ہے۔ (کفایت المفتی ص ۴۰۳ ج ۳)

نماز جمعہ میں لقمہ دینا

سوال:۔ نماز جمعہ یا کسی اور فرض نماز میں امام اگر کوئی سورت غلط پڑھے یا پڑھتے ہوئے بھول کر خاموش کھڑا ہو جائے تو کیا مقتدی امام کو صحیح بتا سکتا ہے اور نماز میں مقتدی کے بتانے سے فرق تو نہیں آئے گا؟

جواب:۔ امام کو لقمہ دینے میں اور بتلانے میں جلدی کرنا مکروہ ہے جیسا کہ امام کیلیے یہ مکروہ ہے کہ وہ مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور کرے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ اگر واجب قرات نہ کی ہو تو دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے، بہر حال لقمہ دینے سے نماز میں کچھ نقص نہیں آتا ہے۔

(عزیز الفتاویٰ قدیم۔ فتاویٰ دار العلوم ص ۱۸۲ ج ۷)

نماز جمعہ میں سجدۂ سہوہ

جماعت اگر بڑی نہ ہو اور گڑ بڑ کا خوف بھی نہ ہو تو جمعہ وعیدین مین بھی سجدہ سہوۂ کر لیا جائے۔ البتہ کثرت جماعت ک وجہ سے گڑ بڑ کا خوف ہو تو سجدہ سہوۂ ترک کر دینا مباح ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۷۳ ج۳)۔

عیدین اور جمعہ کی نماز میں جبکہ مقتدیوں کی بہت بڑی جماعت شریک نماز ہو اور سجدہ سہوۂ کرنے سے تلبس کا قوی اندیشہ ہو سجدہ سہوۂ کرنا اولیٰ ہے تا کہ نماز اختلال و انتشار سے محفوظ رہے۔ (کفایت المفتی ص۲۷۴ ج۳)

مذہب مختار متاخرین یہ ہے کہ جمعہ وعیدین میں جبکہ مجمع زیادہ ہو سجدہ سہوۂ نہ کرے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۴۱ ک۴ بحوالہ درمختار باب سجود السہو ص۱۰۷ ج۱)

جمعہ اور عید کی نماز میں اگر واجب ترک ہو جائے یا فرض میں تاخیر ہو جائے تو سجدہ سہوہ واجب نہیں ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۱۲۷ ج۷)

نماز جمعہ میں اگر امام کو سہو ہو جائے اور اژدحام اس قدر ہو کہ متقدیوں کو معلوم نہ ہو سکے کہ یہ سلام ختم نماز کا ہے یا سجدہ سہوہ کے لیے ہے اور اس سے متقدیوں کو تشویش پیدا ہو جائے تو امام کو سجدہ سہوہ نہیں کرنا چاہیے

اگر اژدحام اس قدر نہ ہو بلکہ امام سمجھتا ہے کہ مقتدیوں کو تشویش نہ ہوگی۔ اور سب کو بسہولت معلوم ہو جائے گا کہ یہ سلام سجدہ سہوہ کے لیے ہے تو امام کو سجدہ سہوہ کرنا چاہیے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص۱۸۶ ج۷ بحوالہ مراقی الفلاح ص۲۷۹)

جمعہ کے دن احتیاط الظہر

سوال:۔ بعض لوگ نماز جمعہ (کی نوافل وسنت) کے بعد چار رکعت احتیاط الظہر بھی پڑھ لیتے ہیں۔ شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:۔ احتیاط الظہر پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ بلاد ہندوستان میں مذہب مفتی بہ کے موافق شہروں میں جمعہ جائز ہے۔ پس احتیاط الظہر کی کوئی معنیٰ نہیں اور یہی راجح ہے۔
(کفایت المفتی ص۲۷۱ ج۳)

احتیاط الظہر جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے نہ فرض ہے نہ سنت، بلکہ بعض فقہاء نے اس وجہ سے کہ جمعہ کی بعض شرطوں میں شبہ تھا۔ محض احتیاط کے طور پر استحباباً یہ حکم دیا تھا کہ ظہر کی نماز احتیاطاً پڑھ لی جائے۔ اور ظاہر ہے کہ احتیاط وہاں متصور ہوسکتی ہے جہاں شک و شبہ ہو۔ متعدد مساجد میں جمعہ ایک شہر میں، یا مسلم بادشاہ کا نہ ہونا، یا شہر کے تعین میں جو اختلاف پیدا ہوا ہے وہ فقہاء کرامؒ کے فیصلے سے طے ہوگیا، یعنی متعدد مساجد میں جمعہ ہونا، ایک ہی شہر میں جائز ہے اور مسلم بادشاہ کا ہونا شرط نہیں ہے اور حد مصر میں جو اختلاف تھا اس میں امام ابوحنیفہؒ کی تعریف صحیح ہے۔

پس جب ان مسئلوں میں قوت دلیل سے وہی جانب راجح اور متعین ہوگئی جس میں جمعہ کی صحت یقینی ہے۔ تو اب احتیاط الظہر کے باقی رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

شہر اور قصبہ میں جمعہ کی نماز درست اور صرف جمعہ کی فرض ہے اور چونکہ بقول صحیح اور مفتی بہ جمعہ پڑھنا ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں جائز ہے اس لیے احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں۔ اور چونکہ اکثر عوام کے لیے احتیاط الظہر یعنی جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت ظہر کی نماز اس لیے پڑھنا کہ ہوسکتا ہے جمعہ کی فرضیت ادا نہ ہوئی ہو) موجب فساد عقیدہ ہے (یعنی عقیدہ خراب ہو جائے گا) اس لیے احتیاط الظہر کا فتویٰ دینا جائز نہیں۔ البتہ (چھوٹے) گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں۔ دیہات میں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنی چاہیے۔ (کفایت المفتی ص ۱۷۱ ج ۳)

نماز جمعہ نہ پانے والوں کے لیے حکم

سوال:۔ اگر چند آدمی جمعہ کی جماعت نہ پائیں تو ظہر کی نماز باجماعت پڑھیں یا علیحدہ علیحدہ؟

جواب:۔ علیحدہ علیحدہ ظہر پڑھیں جماعت سے نہ پڑھیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۸۲ ج ۵)

اور یہی حکم مسافروں کیلیے ہے، یعنی اگر جمعہ کے روز چند مسافر جمع ہو جائیں تو ان کے لیے ظہر کی نماز باجماعت سے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۶۳۹ ج ۱)

جن مساجد میں جمعہ (دیر میں) ہوتا ہے اگر ان میں سے کسی مسجد میں جمعہ مل سکے تو

وہاں پڑھ لیں اور اگران میں سے نہ ملے تو الگ الگ ظہر کی نماز پڑھیں، نئی جگہ جمعہ نہ کریں۔
(امداد الفتاویٰ ص ۶۵۴ ج بحوالہ در مختار ص ۸۵۶ ج ۱)

صاحب ترتیب کے لیے نماز جمعہ کا حکم

اگر صاحب ترتیب ہے تو پہلے فجر کی قضاء پڑھے، اس کے بعد جمعہ مل جائے تو بہتر ہے ورنہ ظہر کی نماز پڑھے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۲ ج ۴ بحوالہ رد المختار ص ۶۸۱ ج ۱)

دیہات میں شہری کی نماز جمعہ کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں؟

(۱) شہر کا رہنے والا ملازمت یا کاروبار کے سلسلے میں روزانہ دیہات میں آمدورفت کرتا ہے۔ اپنا کام چھوڑ کر شہر میں نماز جمعہ کیلیے حاضر ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) شہری کسان جس کا کھیت فناء مصر سے باہر ہو اس کے لیے نماز جمعہ کا کیا حکم ہے۔ مدلل جواب سے ممنون فرمادیں۔

جواب:۔ (۱) شہر کا رہنے والا جب بسلسلہ ملازمت یا کاروبار ایسے دیہات میں ہو جس دیہات میں نماز جمعہ پڑھنا جائز نہ ہو تو اس کو نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے شہر میں حاضر ہونا ضروری نہیں ہے۔ باقی اگر کوئی شخص آسانی سے اپنا انتظام کر کے جمعہ کیلیے میں شہر آجائے تو یہ اعلیٰ بات ہوگی۔

(۲) شہری کسان کا بھی جس کا کھیت فناء مصر سے باہر ہو یعنی ایسی جگہ ہو جہاں پر ادائے جمعہ کا حکم متوجہ نہیں یعنی وہاں جمعہ پڑھنا جائز نہ ہو تو اس کو بھی نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے شہر میں آنا ضروری نہیں رہے گا۔ اور اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر ا کے جواب میں مذکور ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (کتبہ العبد نظام الدین غفرلہ، مفتی دارالعلوم دیوبند) (۱۹-۴-۱۴۱۱ھ)

<u>نوٹ</u>:۔ شہری پر نماز جمعہ کا حکم متوجہ اس وقت ہوتا ہے جب وقت نماز جمعہ شہر میں ہوتے ہوئے باہر جائے اب اس کے بعد باہر جانا ہو تو پھر جمعہ پڑھنے کے لیے شہر میں آنا پڑھے گا ورنہ نہیں۔ (کمافی المراقی مع الطحطاوی ص ۲۷۶) احقر نے یہ سوال دستی اپنے محترم استاذ صاحب کی خدمت میں پیش کر کے معلوم کیا ہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

باب چہارم:

جمعہ کے دن فجر میں قرات مسنونہ

سوال:۔ کیا جمعہ کے دن فجر میں سورہ الم سجدہ اور سورہ دھر پڑھنا مسنون ہے؟

جواب:۔ احادیث میں بے شک ایسا آیا ہے لیکن حنفیہؒ اس کو بعض اوقات پر محمول کرتے ہیں اور مواظبت (پابندی) اس کے ساتھ پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ تعیین سورت کو کسی بھی نماز کے لیے منع کرتے ہیں لہٰذا کبھی کبھی ایسا کر لے تو کوئی حرج نہیں، دوام اس پر نہ کرے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۱۷ ج ۴ بحوالہ رد المختار ص ۵۰۸ ج ۱)

فجر کی نماز میں جمعہ کے دن پہلی رکعت میں سورہ الٓم سجدہ اور دوسری رکعت میں سورہ دہر پڑھنا مستحب ہے، لیکن اس پر مداومت مکروہ ہے (مستقل پابندی کرنا) تا کہ عوام اسکو واجب نہ سمجھنے لگے۔

آج کل ائمہ مساجد نے اس مستحب امر کو بالکل ہی ترک کر رکھا ہے، یہ غفلت ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۸۱ ج ۳)۔

یہ سورتیں گاہے گاہے پڑھنا مسنون اور مستحب ہیں۔ سنت موکدہ نہیں ہے، لہٰذا اس پر مداومت نہ کرے کہ عوام اس کو واجب اور سنت موکدہ نہ سمجھ لیں۔

درمختار میں ہے کہ خاص سورتوں کو مقرر کر لینا، جیسے یہ مقرر کر لینا کہ جمعہ کے روز صبح کی نماز میں سورہ سجدہ اور سورہ ھل اتیٰ (سورہ دہر) کو پڑھے، یہ مکروہ ہے مستحب یہ ہے کہ کبھی کبھی ان کو بھی پڑھ لیا کرے، شامی میں ہے کہ نمازوں میں آنحضرت ﷺ سے جو سورتیں پڑھنی ثابت ہیں، کبھی کبھی برکت اور ثواب کی نیت سے ان کا پڑھنا مستحب ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۵۹ ج ۳)

جمعہ کے علاوہ اور دنوں میں کوئی خاص عذر نہ ہو تو طوال مفصل (سورہ حجرات سے سورہ بروج تک) کی سورتوں میں سے دو سورتیں پڑھی جائیں، آیات کی تعداد کے اعتبار سے خواہ ان کی تعداد چالیس آیتوں سے کم ہو یا زائد مقتدیوں کا خیال کرتے ہوئے طوال مفصل

کی چھوٹی سورتیں پڑھی جائیں، اگر طویل سورت پڑھے تب بھی مقتدیوں کا خیال کرے اور چالیس سے ساٹھ آیتوں پر اکتفاء کرے، لیکن رعایت ہر حال میں مقتدیوں کی ضروری ہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۶۰ ج ۶)

جمعہ کے دن صلوٰۃ التسبیح

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے فرمایا اے عباسؓ! اے میرے محترم چچا! کیا میں آپ کی خدمت میں ایک گراں قدر عطیہ اور قیمتی تحفہ پیش کروں؟ کیا میں آپ کو خاص بات بتاؤں؟ کیا میں آپ کے دس کام اور آپ کی دس خدمتیں کروں (یعنی آپ کو ایک ایسا عمل بتاؤں جس سے آپ کو دس عظیم الشان منفعتیں حاصل ہوں وہ ایسا عمل ہے کہ (جب آپ اس کو کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے سارے گناہ معاف فرمادے گا اگلے اور پچھلے بھی، پرانے بھی اور نئے بھی بھول چوک سے ہونے والے بھی اور دانستہ ہونے والے بھی، صغیرہ بھی اور کبیرہ بھی، ڈھکے چھپے بھی، اور علانیہ ہونے والے بھی (وہ عمل نماز التسبیح ہے)۔ (میرے چچا) اگر آپ سے ہو سکے تو روزانہ یہ نماز پڑھا کریں اور اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہر جمعہ کے دن پڑھ لیا کریں، اور اگر آپ یہ بھی نہ کرسکیں تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم زندگی میں ایک بار ہی پڑھ لیں۔ (ابوداود ابن ماجہ)

اس نماز میں ایک خاص نکتہ ہے

حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز التسبیح کے بارے میں ایک خاص نکتہ لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نمازوں میں (خاص کر) نفلی نمازوں میں) بہت سے اذکار اور دعائیں ثابت ہیں۔

اللہ کے جو بندے ان اذکار اور دعاؤں پر قابو یافتہ نہیں ہیں کہ اپنی نمازوں میں ان کو پوری طرح شامل کرسکیں اور اس وجہ سے ان اذکار ودعوت والی کامل ترین نماز سے وہ بے نصیب رہتے ہیں ان کے لیے یہی صلوٰۃ التسبیح اس کامل ترین نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہے،

کیونکہ اس میں اللہ کے ذکر اور تسبیح و تحمید کی بہت بڑی مقدار شامل کر دی گئی ہے۔ اور چونکہ ایک کلمہ بار بار پڑھا جاتا ہے اس لیے عوام کو اس نماز کا پڑھنا مشکل نہیں۔

صلوٰۃ التسبیح کی خاص تاثیر

نماز کے ذریعہ گناہوں کے معاف ہونے اور معصیات کے گندے اثرات کے زائل ہونے کا ذکر تو اصولی طور پر قرآن شریف میں بھی فرمایا گیا ہے۔ **اقم الصلوٰۃ طرفی النہار وزلفاً من اللیل ان الحسنٰت یذھبن السیات** "(سورۃ ھود، پارہ نمبر ۱۲)

لیکن اس تاثیر میں "صلوٰۃ التسبیح" کا جو خاص مقام اور درجہ ہے وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے یعنی اس کی برکت سے بندہ کے اگلے پچھلے، پرانے، نئے، دانستہ، صغیرہ، کبیرہ، پوشیدہ، علانیہ، سارے ہی گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابی (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) کو "صلوٰۃ التسبیح" کی تلقین کرنے کے بعد اُن سے فرمایا: **فانک لو کنت اعظم اھل الارض ذنباً غفرلک بذالک**"

یعنی تم اگر بالفرض دنیا کے سب سے بڑے گنہگار ہو گئے تو بھی اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرما دے گا۔ (معارف الحدیث ص ۳۷۳ ج ۳)

بعض محققین کا قول ہے کہ اس قدر فضیلت معلوم ہو جانے کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس نماز کو نہ پڑھے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دین کی کچھ عزت نہیں کرتا۔ (شامی علم الفقہ ص ۴۹ ج ۲)

صلوٰۃ التسبیح کا ثواب عام ہے

سوال:۔ صلوٰۃ التسبیح کا ثواب رسول اللہ ﷺ نے جیسا کہ اپنے چچا حضرت عباسؓ کو فرمایا تھا کیا اور اُمتی کو بھی ایسا ہی ثواب ملے گا یا نہیں؟

جواب:۔ حدیث شریف میں ہے "**انما الاعمال بالنیات**"، (مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان)

پس مدار ثواب کا نیت پر ہے۔ اگر لوجہ اللہ خالص نیت سے کوئی شخص پڑھے گا، تو

ثواب بھی اسی قدر ملے گا۔ حضرت عباسؓ کو جو تعلیم فرمائی گئی تھی، وہ ان کی خصوصیت نہ تھی جیسے آپ کی دیگر ادعیہ (دعاؤں) اور اعمال کی تعلیم و بشارت ثواب عام تھی۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۳۱۳ ج ۴)

صلوٰۃ التسبیح کی جماعت

جماعت نوافل کی خواہ صلوٰۃ التسبیح ہو یا کہ کوئی دوسرے نوافل اگر بتداعی ہو (یعنی اگر باقاعدہ اہتمام کے ساتھ دو افراد سے زائد ہوں) مکروہ ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۳۱۳ جلد ۴ بحوالہ رد المحتار ص ۶۳ ۳ ج ا باب الوتر النوافل)

تعلیم کی غرض سے جماعت کرنا

سوال:۔ رمضان شریف کے آخری جمعہ میں صلوٰۃ التسبیح با جماعت پڑھائی جاتی ہے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ امام صاحب کہتے ہیں کہ جاہل لوگ صلوٰۃ التسبیح نہیں پڑھ سکتے، لہٰذا ان کو امام کی متابعت میں ثواب مل جائے گا۔

جواب:۔ اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ اس سے نماز فوت شدہ نمازوں کا کفارہ نہیں ہوتا یہ خیال غلط ہے اور امام کا خیال بھی غلط ہے۔ بدعت کا ارتکاب اس خیال سے درست نہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۳۱۴ ج ۴

نماز میں ہاتھ کی کفیت

سوال:۔ صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ باندھے رکھے یا کھلے رکھے؟

جواب:۔ کھلے رکھنا ہی معمول بہ ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۳۱۴ ج ۴)

نماز کا طریقہ

صلوٰۃ التسبیح کی چار رکعتیں نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں، بہتر ہے کہ چاروں ایک سلام سے پڑھی جائیں، اگر دو سلام سے پڑھی جائیں تب بھی درست ہے۔ یعنی ایک ساتھ چار رکعتیں بھی پڑھ سکتے ہیں اور دو دو رکعت کر کے بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ہر رکعت میں پچھتر مرتبہ تسبیح (سبحان اللہ) کہنا چاہیئے ، پوری نماز میں تین سو مرتبہ۔

نماز صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ نیت کرے:۔"نویت ان اصلی اربع رکعات صلوٰۃ التسبیح" یا اُردو میں یوں کہے"میں نے ارادہ کیا کہ چار رکعت نماز صلوٰۃ التسبیح پڑھوں (یا میں دل میں خیال کرلے زبان سے کہنا بھی ضروری نہیں) تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور "سبحانک اللھم" پوری پڑھ کر پندرہ مرتبہ (بغیر ہاتھ چھوڑے) کہے "سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" پھر "اعوذ باللہ" اور بسم اللہ پڑھ کر اَلْحَمْدُ شریف اور اس کے ساتھ اور سورت پڑھے، اس کے بعد دس بار وہی تسبیح رکوع میں پڑھے پھر رکوع سے اٹھ کر "سمع اللہ لمن حمدہ" اور "ربنالک الحمد" کے بعد دس بار وہی تسبیح پڑھے پھر سجدہ میں جائے اور دونوں سجدوں میں "سبحان ربی الاعلیٰ" کے بعد اور سجدوں کے درمیان میں دس دس مرتبہ وہی تسبیح پڑھے، پھر دوسری رکعت میں الحمد شریف سے پہلے پندرہ مرتبہ اور بعد الحمد اور دوسری سورت کے دس مرتبہ اور رکوع اور قومے اور دونوں سجدوں اور ان کے درمیان دس دس مرتبہ اسی تسبیح کو پڑھے اسی طرح تیسری رکعت میں بھی پڑھے۔

ایک دوسری روایت میں اس طرح بھی آیا ہے کہ "سبحانک اللھم" کے بعد اس تسبیح کو نہ پڑھے بلکہ الحمد اور سورت کے بعد پندرہ مرتبہ سجدے کے بعد بیٹھ کر دس مرتبہ اس طرح دوسری رکعت میں بھی الحمد اور سورت کے بعد دو مرتبہ اور التحیات کے بعد دس مرتبہ پھر اسی طرح تیسری رکعت میں بھی اور چوتھی رکعت میں بھی درود شریف کے بعد دس مرتبہ باقی تسبیحیں بدستور پڑھے یہ دونوں طریقے ترمذی شریف میں مذکور ہیں۔ اختیار ہے کہ ان دونوں روایتوں میں سے جس روایت کو چاہے اختیار کرے اور بہتر ہے کہ اس روایت کے موافق عمل کرے اور کبھی اس روایت کے، تاکہ دونوں روایتوں پر عمل ہو جائے۔ (شامی)

تسبیح کے شمار کا طریقہ

اس نماز کی تسبیحیں چونکہ ایک خاص عدد کے لحاظ سے پڑھی جاتی ہیں یعنی قیام (کھڑے ہونے) کی حالت میں پچیس یا پندرہ مرتبہ اور باقی حالتوں میں دس دس مرتبہ اس

لیے اس کی تسبیحوں کی شمار کی ضرورت ہوگی اور اگر خیال انکی گنتی کی طرف رہے تو نماز میں خشوع نہ ہوگا، لہٰذا فقہاء نے لکھا ہے کہ ان کے گننے (شمار) کے لیے کوئی علامت مقرر کر دے مثلاً جب ایک دفعہ کہہ چکے تو اپنے ہاتھ کی ایک انگلی کو دبالے، پھر دوسری کو، اسی طرح دبائے، اس طرح پورے دس عدد ہوجائیں گے۔ انگلیوں کے پوروں پر نہ گننا چاہیے۔ اگر کوئی شخص صرف اپنے خیال میں عدد یاد رکھ سکے بشرطیکہ پورا خیال اسی طرف نہ ہوجائے تو اور بھی بہتر ہے۔ (شامی علم الفقہ ص ۵ ج ۲)

ہر رکعت میں پچھتر مرتبہ تسبیح (سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر) ہونی چاہیے اس سے کم نہ ہونی چاہیے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۲ ج ۱)

اگر نماز تسبیح میں بھول ہوجائے؟

اگر بھولے سے کسی مقام کی تسبیحیں چھوٹ جائیں تو ان کو اس مقام میں ادا کرلے جو پہلے سے ملا ہوا ہو۔ بشرطیکہ یہ دوسرا مقام ایسا نہ ہو، جس میں دوگنی تسبیحیں پڑھنے سے اس کے بڑھ جانے کا خوف ہو، اور اس کا بڑھ جانا پہلے مقام سے منع، مثلاً قومے کا رکوع سے بڑھادینا منع ہے۔ پس رکوع کی چھوٹی ہوئی تکبیریں قومہ میں نہ ادا کی جائیں بلکہ پہلے سجدے میں اور اسی طرح دونوں سجدوں کی درمیانی نشست کا سجدوں سے بڑھادینا منع ہے لہٰذا پہلے سجدے کی چھوٹی ہوئی تکبیریں درمیان میں نہ ادا کی جائیں بلکہ دوسرے سجدے میں ادا کرے۔　(علم الفقہ ص ۵۰ ج ۲)

صلوٰۃ التسبیح میں اگر کسی موقع کی تسبیح بھول کر دوسرے رکن میں پڑھے لیکن رکوع میں اگر تسبیح رہ گئی ہے تو قومہ میں نہ پڑھے بلکہ پہلے سجدہ میں پڑھے، اسی طرح سجدہ کی فوت شدہ تسبیح جلسہ (دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے) میں نہیں بلکہ دوسرے سجدہ میں پڑھے کیونکہ قومہ (رکوع کے بعد) اور جلسہ مختصر رکن ہیں، ان میں پڑھے گا تو طوالت ہوجائے گی جو ان کی وضع کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۲ ج ۱)

☆

جمعہ کے دن آپ ﷺ پر درود شریف

حضرت ابو ہریرہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ”مجھ پر درود پڑھنا پل صراط پر گزرنے کے وقت نور ہے اور جو شخص جمعہ کے دن (۸۰) اسی دفعہ مجھ پر درود بھیجے اس کے اسی سال کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

اور ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے نقل کی ہے کہ ”جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے (۸۰) اسی مرتبہ یہ درود شریف پڑھے:۔ ”اللھم صل علیٰ محمد النبی الا می وعلیٰ اٰلہ وسلم تسلیمًا“۔اس کے اسی سال کے گناہ معاف ہوں گے اور اسی سال کی عبادت کا ثواب اس کے لیے لکھا جائیگا۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ سات جمعوں تک ہر جمعہ کو سات مرتبہ اس درود شریف کو پڑھے تو اس کے لیے میری شفاعت واجب ہے:۔

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد صلوٰۃ تکون لک رضاً ولحقہ اداء واعطہ الوسیلۃ والمقام المحمود الذی وعدتہ واجزہ عنا ماھو اھلہ واجزہ عنا من افضل ماجزیت نبیاً من امتہ وصل علیٰ جمیع اخوانہ من النبین والصالحین یا ارحم الراحمین .

کثرت درود سے زیارت ہو سکتی ہے

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں، کہ سب سے زیادہ لزیذ تر اور شریں تر خاصیت درود شریف کی یہ ہے کی اس کی بدولت عشاق کو خواب میں رسول اللہ کی دولت زیارت نصیب ہوتی ہے۔

بعض درودوں کو بالخصوص بزرگوں نے آزمایا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ شب جمعہ میں دو رکعت نماز نفل پڑھے اور ہر رکعت میں گیارہ بار آیت الکرسی اور گیارہ بار قل ھو اللہ احد پڑھے اور سلام پھرنے کے بعد سو مرتبہ یہ درود شریف پڑھے ان شا اللہ تین جمعے نہ گزرنے پائیں گے کہ زیارت حبیب نصیب ہوگی۔ وہ درود شریف یہ ہے۔

"اللھم صل علیٰ محمد ن النبی الامی و الہ واصحابہ وسلم"

نوٹ:۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہو جانا بڑی سعادت ہے لیکن قابل لحاظ بات وہی ہے جو مولانا تھانویؒ نے تحریر فرمائی ہے کہ جس کو بیداری میں یہ شرف حاصل نہیں ہوسکا اس کیلیے بجائے اس کے خواب میں زیارت سے مشرف ہو جانا سرمایہ تسلی اور فی نفسہ ایک نعمت عظمٰی اور دولت کبریٰ ہے اور اس سعادت میں اکتساب کا عمل دخل نہیں ہے محض فضل خداوندی ہے ہزاروں کی عمریں اس حسرت میں ختم ہو گئیں۔ البتہ غالب یہ ہے کہ کثرت درود شریف وکمال اتباع سنت وغلبہ محبت پر اس کا ترتب ہو جاتا ہے لیکن چونکہ لازمی وضروری نہیں اس لیے اس کے نہ ہونے سے مغموم ومحزون نہ ہونا چاہیے کہ بعض کیلیے اس میں حکمت اور رحمت ہے، سچے عاشق کو محبوب کی رضا سے کام ہے خواہ وصل ہو تب، ہجر ہو تب۔

(فضائل درود شریف ص ۵۳)

جمعہ کے دن کا خاص وظیفہ

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اَسی (۸۰) مرتبہ درود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے اَسی سال کے گناہ معاف کر دے گا" میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپؐ پر کس طرح درود بھیجا جائے؟ آپؐ نے فرمایا اس طرح "اللھم صل علی محمد عبدک ورسولک النبی الامی"

ایک اور روایت میں آپؐ نے فرمایا "جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، اسلیے کہ اس دن میری اُمت کا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے لہٰذا جو شخص مجھ پر کثرت سے درود بھیجے گا وہ قیامت کے دن میرے زیادہ قریب ہوگا۔ (غنیۃ ص ۴۶۴)

حضرت اوس بن اوس ثقفیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جمعہ کا دن افضل ترین دنوں میں سے ہے، اسی دن آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی دن وفات ہوئی، اسی میں قیامت کا صور پھونکا جائے گا، اور اسی دن (دن جمعہ) میں موت اور فناء کی بے ہوشی اور بے حسی ساری مخلوق پر طاری ہوگی۔ لہٰذا تم لوگ جمعہ کے دن مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے اور پیش ہوتا رہے گا"۔

صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ آپ ؐ کے وفات فرما جانے کے بعد ہمارا درود آپ ؐ پر کس طرح پیش ہوگا، آپ کا جسم مبارک تو قبر میں ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے جسموں کو زمین پر حرام کردیا ہے۔ (یعنی موت کے بعد ان کے اجسام قبروں میں بالکل صحیح سالم رہتے ہیں، ان میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرسکتی)۔ (سنن ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح:۔ اس حدیث شریف میں بھی جمعہ کے دن واقع ہونے والے اہم اور غیر معمولی واقعات کا ذکر کر کے جمعہ کی اہمیت وفضیلت بیان کی گئی ہے، اور مزید فرمایا گیا ہے کہ اس مبارک اور محترم دن میں درود شریف زیادہ پڑھنا چاہیے، گویا جس طرح رمضان المبارک کا خاص وظیفہ تلاوت قرآن پاک ہے اور اس کو رمضان المبارک سے خاص مناسبت ہے، اور جس طرح سفر حج کا خاص وظیفہ لبیک اللھم لبیک ہے، اسی طرح جمعہ کے دن کا خاص وظیفہ اس حدیث شریف کی رو سے درود شریف ہے، جمعہ کے دن کی خصوصیت سے اس کی کثرت کرنی چاہیے۔ (معارف الحدیث ص ۳۷۹ ج ۳)

جمعہ کے دن کی سورتیں

حضرت حسنؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "جو شخص جمعہ کی رات میں سورہ یٰسین اور سورہ حٰم الدخان پڑھے تو قیامت میں بخشا ہوا اُٹھے گا، جو شخص سورہ کہف پڑھے، وہ وہ اس طرح ہے گویا اس نے خدا کی راہ میں دس ہزار دینار صدقہ دیئے، جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن سورہ انعام، سورہ کہف، سورہ طٰہٰ، سورہ ملک کے ساتھ چار رکعت نماز (نفل) پڑھنی مستحب ہے۔ اگر قرآن شریف اچھی طرح یاد نہیں تو جتنا پڑھ سکتا ہے پڑھ لے، اگر قرآن بخوبی یاد ہو تو جمعہ کے دن پورا قرآن پڑھے۔ اگر سارے دن میں قرآن ختم نہ کر سکے تو جمعہ کی رات کو بھی ساتھ شامل کرلے اور دن رات میں قرآن ختم کردے، مگر دن میں ختم کردے تو زیادہ اچھا ہے ورنہ مغرب کی دو رکعتوں تک ختم کرے اور رات بھی ملالے تو صبح کی دو رکعت تک ختم کرے اگر یہ کر سکے کہ جمعہ کی اذان اور اقامت کے درمیان ختم کرلے تو زیادہ افضل ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۴۶۵)

افضل قرات

اگر جمعہ کے دن دس یا بیس یا اس سے زیادہ رکعتوں میں ہزار مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے تو یہ قرآن ختم کرنے سے افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر جمعہ کے روز ہزار درود شریف بھیجنا مستحب ہے، اسی طرح ایک ہزار بار تسبیح پڑھنا مستحب ہے۔ تسبیح کے چار کلمے یہ ہیں:۔

''سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر ''۔(غنیۃ ص ۴۶۵)

سورہ کہف کی خصوصیات

سورۂ کہف کی فضیلت کا بیان خصوصا اس کی اول و آخر دس آیتوں کی فضیلت (خاص) ہے یہ سورت فتنۂ دجّال سے محفوظ رکھنے والی ہے

مسند احمد میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے اس صورت کی تلاوت شروع کی، ان کے گھر میں ایک جانور تھا، اُس نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ صحابیؓ نے جب غور سے دیکھا تو ان کو سائبان کی طرح ایک بادل نظر پڑا جس نے ان پر سایہ کر رکھا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا ''پڑھتے رہو یہ وہ سکینہ ہے جو خدا کی طرف سے قرآن کی تلاوت پر نازل ہوتا ہے''

مسند احمد میں ہے کہ جو اس سورۂ کہف کا اول و آخر پڑھ لے، اس کے لیے اس کے پاؤں سے سر تک نور ہوگا، جو اس پوری سورت کو پڑھے اُسے زمین سے آسمان تک نور ملے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن جو شخص سور کہف پڑھ لے اس کے پیر کے تلوؤں سے لے کر آسمان تک نور ملے گا جو قیامت کے دن روشن ہوگا اور دوسرے جمعہ تک اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جس نے سورۂ کہف جمعہ کے دن پڑھ لی اس کے پاس سے لے کر بیت اللہ شریف تک نور ہو جاتی ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے جس نے سورۂ کہف جمعہ کو پڑھی اس کیلیے دو جمعہ کے درمیان تک نور کی روشنی رہتی ہے۔

جوشخص جمعہ کے دن سورۃ کہف کی تلاوت کریگا وہ آٹھ دن تک ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رہے گا یہاں تک کہ اگر دجّال بھی اس عرصہ میں نکلے تو وہ اس سے بھی بچادیا جائیگا۔

معارف القرآن جلد پنجم ص ۵۴۱ پر ہے کہ حضرت انسؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ کہف پوری کی پوری ایک وقت میں نازل ہوئی اور ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ آئے، جس سے اس سورت کی عظمت وشان ظاہر ہوتی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر پارہ پندرہ سورۂ کہف ص ۸۲)۔

سورۂ کہف بلند آواز سے

سوال:۔ جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے مسجد میں سورۂ کہف بلند آواز سے پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:۔ سورۂ کہف کا جمعہ کے دن پڑھنا مستحب ہے لیکن ایسا جہری (بلند آواز) نہ کرے کہ دوسرے پڑھنے والوں کے ساتھ آوازیں نہ ٹکرائیں۔ اسی وجہ سے فقہاء نے چندلوگوں کو ایک جگہ قرآن شریف بلند آواز سے پڑھنے سے منع کیا ہے کہ یہ آیت ''**واذاقرئی القران**،، یعنی جب قرآن شریف پڑھا جائے تو خاموش رہو اور سنو'' کے منافی ہے (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۳۰ ج ۵)

بلاشبہ جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ مسجد میں اذان کے بعد زور سے پڑھی جائے، جمعہ کے دن یا شب کے شروع میں اپنے گھر میں تنہا آہستہ آہستہ پڑھنے سے بھی فضیلت حاصل ہوتی ہے بلکہ دن یا شب کے شروع حصہ میں پڑھ لینا افضل ہے۔ (شامی ص ۷۷۳ ج ۱)۔

پس یہ صورت کہ مسجد میں اذان کے بعد اجتماعی طور پر بلند آواز سے سورۂ کہف پڑھی جائے اس کی پابندی کی جائے دوسروں کی عبادت اور وظیفہ میں خلل نہ ڈالا جائے، اس ہنگامہ اور فتنہ کی کیا ضرورت ہے پھر اس کو مسنون سمجھ کر اس پر مواظبت کرنا جہالت ہے، اس کا ترک کرنا ضروری ہے۔

پس سب سے بہتر تو یہ ہے کہ گھر میں پڑھ لے اور گر مسجد میں پڑھنا ہے تو اس طرح تنہا آہستہ پڑھے کہ دوسرے کی عبادت وغیرہ میں خلل نہ ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۸ ج ۱)

(جمعہ کے دن میں ذکر اللہ اور دعاء تلاوت اور درود شریف وغیرہ میں خوب کوشش

کرے، کیا بعید ہے کہ اس مشغولیت میں وہ قبولیت کی گھڑی آجائے جس کا ذکر احادیث میں مذکور ہے اور اس کی یہ عبادت اور دعاء قبول ہو جائے، خاص کر ہر جمعہ کو سورۂ کہف (جو پندرہویں پارہ کے نصف پر ہے) پابندی کے ساتھ تلاوت کرنی چاہیے کیونکہ اس سورت کو جمعہ کے دن کے ساتھ قوی مناسبت ہے اس لیے کہ اسی دن میں قیامت قائم ہوگی اور سورۂ کہف میں اصحاب کہف کا تین سو نو برس تک سونے اور پھر جاگنے کا تذکرہ ہے، اور احادیث میں اور بھی کافی فضائل آئے ہیں۔ (محمد رفعت قاسمی)۔

جمعہ کے دن صدقہ کرنا

جمعہ کے دن کثرت سے صدقہ و خیرات کرے، جمعہ کے دن صدقے کا دوہرا اجر ملتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس شخص کو صدقہ نہ دیا جائے جو امام کے خطبہ کے دوران مانگنا شروع کر دے یا امام کا خطبہ سننے کے بجائے بولتا رہے، ایسے شخص کو صدقہ دینا مکروہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جمعہ کے دن وظائف بکثرت پڑھے اور خیرات بھی کثرت سے کرے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اس سے بہترین اوقات میں بہترین کام لیتا ہے۔ اور جب کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو اچھے اوقات میں برے کام لیتا ہے تاکہ اس کے یہ اعمال بدترین اور دردناک عذاب کا سبب بن جائیں۔ (احیاء العلوم ص ۴۴۹ ج ۲)

کیا جمعہ کی چھٹی ہونی چاہیے؟

سوال:۔ ہمارے یہاں مسلمان جمعہ کی فضیلت و غسل و نماز کے لیے فجر کے بعد تک اپنی دو کانوں کو بند رکھتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے بلکہ حرام ہے کیونکہ اس میں عیسائیوں کی مشابہت ہوتی ہے۔ وہ لوگ بھی اتوار کے دن اپنے دو کانیں بند رکھتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ قرآن شریف میں سورۂ جمعہ میں آیت "اذا نودی للصلوٰۃ" میں فرمایا گیا ہے کہ جب اذان جمعہ ہو تو کاروبار بند کر دو، کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے؟

جواب:۔ جمعہ کے روز اذان جمعہ سے پہلے تجارت اور کاروبار کرنا جائز ہے۔ جمعہ

کی اذان سے پہلے کوئی کام ممنوع نہیں۔ پس اگر کاروبار بند کرنے والے اس خیال سے دوکانیں اور کاروبار بند کریں کہ جمعہ کی نماز سے پہلے ان چیزوں میں مشغول رہنا ناجائز ہے اور گناہ سمجھتے ہوں تو بے شک یہ خیال ناجائز اور بدعت ہے کیونکہ ایک مباح شرعی کو مکروہ یا حرام سمجھنا خود مذموم اور بدعت ہے، لیکن اگر وہ جمعہ کی اذان سے پہلے کاروبار کو ناجائز نہ سمجھتے ہوں بلکہ باوجود جائز اور حلال سمجھنے کے محض انتظام ضروریات نماز کے خیال سے دوکانیں بند رکھیں۔ کیونکہ غسل وغیرہ کے لیے اور نماز جمعہ میں تبکیر یعنی جلدی سے حاضری کے واسطے اس صورت میں آسانی ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ موجب اجر ہے۔ اور اس صورت میں یہ خیال کہ اس میں اہل کتاب کی مشابہت ہے اس لیے ناجائز ہونا چاہیے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کاروبار بند رکھنا عیسائیوں کے یہاں تمام دن کے لیے ہوتا ہے اور مسلمانوں کا صرف نماز تک اور دوسرے یہ کہ وہ اس کو مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں اور مسلمان صرف آسانی کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ تیسرے نفس مشابہت کسی فعل میں ممنوع نہیں بلکہ جو مشابہت امر مذموم میں ہو یا بقصد مشابہت ہو اور امر مختص میں ہو وہ مذموم ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے اور آیت قرآنی سے اذان کے بعد کاروبار کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے وہ اس صورت میں بھی بحالہ باقی ہے اور اس سے پہلے کاروبار کرنے کا آیت میں حکم نہیں ہے کہ نہ کرنے کی صورت میں اس کے خلاف ورزی ہو اذان جمعہ ہونے کے بعد خرید وفروخت کرنا منع ہے اس سے پہلے جائز اور پھر نماز کے بعد بھی جائز۔ (کفایت المفتی ص ۲۲۷ ج ۳)

جمعہ کے دن جمعہ کی نماز سے پہلے دوکان کھولنا، تجارت کرنا اذان اول سے پہلے تک جائز ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۲۷ ج ۳)

اس لیے کوئی ایسا قاعدہ مقرر کرنا جس میں کسی کو زبردستی ایک مشروع کام سے روکا جائے درست نہیں ہے ہاں اگر سب لوگ باتفاق نماز سے پہلے دوکانیں بند رکھنا منظور کر لیں تو جائز ہے ان کی اپنی مرضی پر منحصر ہے جبر واکراہ نہ ہونا چاہیے۔ (کفایت المفتی ص ۲۲۸ ج ۳)

جمعہ کے دن کھانا کس وقت کھایا جائے؟

سوال:۔ جمعہ کے دن اذان اول کے بعد کھانا جب کہ خطبے میں پہنچ سکتا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر کھانے کے رغبت غالب ہواور نماز سے فراغت تک کھانا بے لذلت ہونے کا خطرہ ہوتو کھانا کھاسکتا ہے۔ بشرطیکہ جمعہ وخطبہ کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

(احسن الفتاویٰ ص ۱۱۷ ج ۴ بحوالہ درمختار ص ۷۷۲ ج ۱)

احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ جلدی پڑھا جاتا ہے اور دوپہر کا کھانا قیلولہ (یعنی لیٹنا، سونا آرام کرنا) جمعہ کی نماز کے بعد میں ہوتا تھا یعنی جمعہ اول وقت میں پڑھا جاتا تھا کھانا اور قیلولہ بعد میں کیا جاتا تھا۔ (معارف مدینہ ص ۸۴ ج ۳)

حضرت سہل بن سعدؓ ساعدی انصاری مشہور صحابی تھے قول مشہور کے مطابق مدینہ طیبہ میں جس صحابی کی وفات سب سے آخری میں ہوئی وہ یہی ہے چنانچہ آپؓ ۹۱ھ میں فوت ہوئے حضور ﷺ کی رحلت کے وقت آپؓ پندرہ سال کے تھے یہ صحابی فرماتے ہیں "ما کنا نقیل و لا نتعدی الا بعد الجمعه" یعنی ہم لوگ قیلولہ نہ کرتے اور نہ صبح کا کھانا کھاتے مگر جمعہ پڑھنے کے بعد۔ (بخاری ومسلم)

قیلولہ دوپہر کے آرام کو کہتے ہیں (اشعۃ اللمعات ص ۶۳۸ ج ۲)

درمختار ص ۸۶۰ ج ۱ میں ہے کہ ہر وہ عمل (کام) جس میں مشغول ہونے میں جمعہ کی تیاری میں خلل پڑے وہ حکم بیع میں ہے۔ (یعنی جس خرید وفروخت ناجائز ہوجاتا ہے اذان کے بعد تو اس ہی طرح ہر وہ کام جو جمعہ کی تیاری میں مخل ہونا جائز ہوجائے گا۔

صحابیؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ نماز جمعہ کے لیے اول وقت میں پہنچنا کہ جمعہ فوت نہ ہوجائے، اس لیے نماز جمعہ سے پہلے نہ کھانا کھاتے نہ قیلولہ آرام کرتے تھے۔

(محمد رفعت قاسمی)

جمعہ کے دن خرید وفروخت کا حکم

و ذروا البیع ط یعنی چھوڑ دو بیع (خرید وفروخت صرف بیع کہنے پر اکتفاء کیا گیا۔ اور مراد بیع وشراء ہے (یعنی خرید وفروخت) دونوں ہیں۔ وجہ اکتفاء کی یہ ہے کہ ایک کے چھوٹنے سے دوسرا خود بخود چھوٹ جائے گا۔ جب کوئی فروخت کرنے والا فروخت نہ کرے گا تو خریدوالے کے لیے خریدنے کا راستہ ہی نہ رہے گا۔

مسئلہ:۔اس میں اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اذان جمعہ کے بعد خرید اور فروخت کو اس آیت نے حرام کردیا ہے اس پر عمل کرنا تو بیچنے والوں اور خریداروں سب پر فرض ہے مگر اس کا عملی انتظام اس طرح کیا جائے کہ دوکانیں بند کردی جائیں تو خرید وفروخت خود بخود بند ہو جائے گی۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ گاہکوں اور خریداروں کی تو کوئی حدوشمار ہوتی، ان سب کے روکنے کا انتظام آسان نہیں۔فروخت کرنے والے دوکان دار متعین اور محدود ہوتے ہیں، اُن کو فروخت سے روک دیا جائے تو سب خرید وفروخت سے خود رک جائیں گے۔اس لیے ذروالبیع میں صرف بیع چھوڑ دینے کے حکم پر اکتفاء کیا گیا۔(معارف القرآن ص۱۲ ج۸)

جمعہ کے دن گاؤں میں خرید وفروخت

سوال:۔جن جگہوں میں جمعہ جائز نہیں وہاں جمعہ کے دن ظہر کی اذان کے بعد خرید وفروخت بند کرنا کیا ضروری ہے؟

جواب:۔جن جگہوں میں جمعہ جائز نہیں، ایسی جگہوں مین ظہر کی اذان کے بعد خرید وفروخت میں کوئی مضائقہ نہیں ۔کیونکہ جمعہ کے دن اذان کے بعد خرید وفروخت کے مکروہ ہونے کی علّت (وجہ) خطبہ کا سننا ہے اور یہ علّت ظہر میں مفقود ہے (نہیں پائی جاتی)۔

(کفایت المفتی ص۲۳۶ ج۳)۔

خرید وفروخت کس وقت ناجائز ہے؟

سوال:۔ جمعہ کی اذان اول کے بعد خرید وفروخت اور دوسرے کام کا ناجائز ہوجاتے ہیں اگر کئی مسجدوں میں مختلف وقتوں میں اذان سنادے تو خرید وفروخت وغیرہ کس وقت ناجائز ہو گی؟ سب سے پہلی اذان پر یا آخری؟

جواب:۔اس کے متعلق کوئی صریح جزیہ نہیں ملتا، اس لیے کہ پہلے زمانے میں پورے شہر میں صرف ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا تھا لہٰذا اس کو عام نمازوں کی اذان پر قیاس کیا جائے گا عام اذان کے جواب کے لیے پہلی اذان کا اعتبار ہے، اور جواب کے لیے محلے کی اذان کا اعتبار ہے،

اس سے ثابت ہوا کہ وجوب سعی الی الجمعہ وکراہت بیع میں یعنی جمعہ کی تیاری اور خرید وفروخت کی کراہت میں واجب محلہ کی اذان معتبر ہے۔(احسن الفتاویٰ ص ۱۱۸ ج ۴)

جمعہ کی پہلی اذان سے جمعہ کی تیاری واجب ہوتی ہے اور بیع یعنی خرید وفروخت ممنوع ہو جاتی ہے اور یہ کہ جب سعی الی الجمعہ فوت نہ ہو تو بیع درست ہے (یعنی جمعہ کی تیاری میں فرق نہ آئے اور جمعہ فوت نہ ہو تو بیع درست ہے)۔(فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۹ ج ۵)

(یعنی جس مسجد میں جمعہ ادا کرے گا اسی کی اذان پر خرید وفروخت کا اعتبار کیا جائے گا)(مرتب محمد رفعت قاسمی)۔

مسافر کے لیے خرید وفروخت

سوال:۔ جمعہ کے دن اذان کے بعد مسافر کے لیے خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ فی نفسہ جائز ہے مگر تہمت سے بچنے کے لیے احتراز واجب ہے، کسی کو کیا معلوم کہ یہ مسافر ہے۔(احسن الفتاویٰ ص ۱۱۷ ج ۴)

جمعہ کی طرف جاتے ہوئے خرید وفروخت

سوال:۔ جمعہ کی اذان کے بعد نماز کے لیے جاتے ہوئے راستہ میں رکے بغیر چلتے چلتے کسی قسم کا کوئی سودا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ اس میں اختلاف ہے عدم جواز ارجح واحوط ہے۔(یعنی فروخت نہ کرنا ہی بہتر ہے اور مناسب ہے)(احسن الفتاویٰ ص ۱۱۸ ج ۴)

جمعہ کے دن عام کاروبار

جمعہ کے دن جملہ کاروبار خرید وفروخت وغیرہ اذان اول تک جائز ہے اور اس کے بعد مکروہ تحریمی ہے۔ پس اذان کے ہوتے ہی جملہ کاروبار چھوڑ کر جمعہ کے لیے حاضر ہونا چاہیے، اذان ل سے پہلے اہل پیشہ اپنا اور دوکانداران خرید وفروخت کریں تو اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اسی طرح نماز جمعہ سے فراغت کے بعد بھی کاروبار غیرہ میں لگ سکتے ہیں۔(فتاویٰ دارالعلوم ص ۷۷ ج ۵ بحوالہ ردالمختار باب الجمعہ ص ۷۷۰ ج ۱)

احادیث میں جمعہ کی دن کی اور جمعہ کی نماز کی بہت ہی فضیلت بیان کی گئی ہیں، یہ عید کے دن کے مثل ہے بلکہ اس سے بھی افضل ہے، لہٰذا بہتر تو یہ ہے کہ صبح ہی سے جمعہ کی تیاری میں مشغول ہو جائے، جلد سے جلد غسل کرے، عمدہ سے عمدہ کپڑے جو اس کے پاس ہوں پہنے، اگر ہو تو خوشبو لگائے، سورۂ کہف پڑھے اور جتنی جلدی ہو سکے اذان سے پہلے ہی جامع مسجد میں پہنچ کر نوافل، صلوٰۃ التسبیح، تلاوت قرآن، ذکر واذکار اور درود شریف پڑھنے میں مشغول رہے تو بڑی فضیلت کا مستحق ہوگا۔ بہت سی احادیث فضیلت کی ہیں، پھر نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کھانا کھائے اور اس کے بعد دوکان، کاروبار وغیرہ کھولے۔

اگر اس پر عمل کرنا اور صبح ہی سے دوکان بند کرنا مشکل ہو تو اذان اول سے اتنی دیر پہلے دوکان بند کردی جائے کہ سنت کے موافق غسل کر کے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر اذان اول کے وقت جامع مسجد پہنچ جائے۔

جمعہ کے دن کی جتنی عظمت کرو گے اور سنت کے موافق نماز جمعہ کا جتنا اہتمام کرو گے، اسی کے موافق برکات سے نوازے جاؤ گے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۷۶ ج ۵ بحوالہ درمختار مع شامی ص ۷۷۰ ج ۱)

کیا جمعہ کے دن مرنے والے سے سوال ہوتا ہے؟

سوال:۔ مشہور ہے کہ جو شخص جمعہ یا شب جمعہ میں مر جائے تو سوال و جواب سے محفوظ رہتا ہے۔ اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ جمعہ گزرنے کے بعد سوال و جواب ہوگا۔ یا قیامت تک سوال و جواب ملتوی رہتا ہے؟

جوب:۔ شامی میں لکھا ہے کہ آٹھ آدمیوں سے قبر میں سوال نہیں ہوگا، بجملہ ان کے وہ شخص بھی ہے جو جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرے۔ اور کچھ تفصیل نہیں لکھی۔ ظاہری یہ ہے کہ اُس سے قیامت تک سوال نہ ہوگا۔ (عزیز الفتاویٰ فتاویٰ قدیم دارالعلوم ص ۱۱۹ ج ۷)

مطلب یہ ہے کہ کسی خوش قسمت مسلمان کا جمعہ کے یا جمعہ کی شب میں انتقال ہو جانا درحقیقت اس کی سعادت اور آخرت کی بھلائی کی دلیل ہے، کیونکہ جمعہ کی مبارک ومقدس ساعتوں میں مرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمتوں اور اس کی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے،

چنانچہ جمعہ میں انتقال کرنے والے مسلمانوں کے حق میں بہت زیادہ بشارتیں منقول ہیں۔

مثلاً ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ’’جو مسلمان جمعہ کے دن مرجاتا ہے۔اسے عذاب قبر سے نجات دیا جاتا ہے اور قیامت کے دن اس حال میں آئے (میدان حشر میں) گا کہ اس کے اوپر شہیدوں کی مہر ہوگی‘‘

آپؐ نے فرمایا ’’جو جمعہ کے دن مرتا ہے اس کے لیے شہید کا اجر وثواب لکھا جاتا ہے اور قبر کے فتنہ سے بچایا جاتا ہے۔

اسیطرح ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ’’جس مسلمان مرد وعورت کا انتقال جمعہ کے روز یا جمعہ کی شب میں ہوتا ہے اور اسے فتنۂ قبر اور عذاب قبر سے بچایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی ملاقات اس حال میں ہوتی ہے کہ قیامت کے دن اس سے کوئی محاسبہ نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے ساتھ گواہ ہوں گے جو اس کی سعادت وبھلائی کی گواہی دیں گے یا اس پر شہدا کی مہر ہوگی۔ (مظاہر حق جدید ص ۲۴۶ ج ۲)

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن وفات پاتا ہے جو کچھ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے پردہ اٹھ کر اس کے سامنے منکشف ہوجاتا ہے کیونکہ جمعہ کے دن جہنم کو دھونکایا نہیں جاتا اور اس کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور موکل دوزخ اس دن وہ کام نہیں کرتے جو باقی دنوں میں کیا کرتے ہیں

پس حق تعالیٰ نے اپنے کسی بندہ کی روح قبض کی اور اس کی روح کا قبض ہونا جمعہ کے دن آپڑا تو یہ اس شخص کے خوش نصیب ہونے اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ ہونے کی دلیل ہے۔

اور اس دن (جمعہ) میں اس کا قبض روح ہوگا جس کا خوش نصیب ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک لکھا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ فتنۂ قبر کی وجہ سے منافق کو مومن سے متمیز کرنا ہے (اور وہ اس شخص کے لیے جمعہ کے دن موت آنے سے حاصل ہوگیا)

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں جو (جمعہ کے دن مرنے والے سے) سوال منکر ونکیر نہ ہونے پر دلالت کررہی ہیں، سوال قبر والی پہلی حدیثوں کے معارض نہیں ہیں ان کے لیے مخصوص ہیں اور بیان کرتی ہیں کہ کسی سے قبر میں نہ سوال ہوگا اور نہ امتحان۔

اور کون ہے جس پر سوال جاری ہوگا اور وہ ان خطرات وہول کو جھیلے گا اور یہ سب باتیں جن میں نہ قیاس کو دخل ہے اور نہ عقل وفکر کی گنجائش، بجز اس کے کہ سچے پیغمبر ﷺ کے قول کو تسلیم کیا جائے اور گردن جھکائی جائے۔ (الجواہر الزواہر ص ۱۸۸ باب نماز جمعہ کا بیان)

شب جمعہ میں دفن کی فضیلت

سوال:۔ اگر کوئی شخص جمعرات کے دن فوت ہو مگر اس کو دفن جمعہ کی شب کو کیا گیا تو کیا اس کو عذاب قبر معاف ہے؟

جواب:۔ یہ وعدہ جمعہ کے دن اور رات میں موت پر ہے، دفن پر نہیں، البتہ عذاب قبر چونکہ دفن کے بعد شروع ہوتا ہے اور میت پر شب جمعہ سے حشر تک عذاب قبر مرتفع ہو جاتا ہے، اس لیے ایسا شخص عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۹۹ ج ۴)

نماز جنازہ کو جمعہ تک موخر کرنا

میت کو محض اس لیے (اس عقیدہ سے روکے رکھنا کہ جمعہ میں نماز جنارہ کا زیادہ ثواب ہے) دیر تک روکے رکھنا مکروہ ہے۔ مستحب اور افضل یہ ہے کہ اس کے دفن میں جلدی کی جائے اگر ایسے وقت انتقال ہوا ہے کہ اس کے دفن کرنے میں جمعہ فوت ہونے کا اندیشہ ہے تو پھر نماز جمعہ تک موخر کر دیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۷۳ ج ۲ بحوالہ طحطاوی ص ۳۳۲)

نماز جنازہ مقدم کرنا

پہلے نماز جنازہ پڑھیں، سنتیں بعد میں پڑھیں۔ بعض نے سنتوں کی تقدیم کا حکم دیا ہے۔ (دونوں طرح جائز ہے)۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۷۴ ج ۲۔ بحوالہ شامی ص ۵۸۰ ج ۱)

جمعہ کے دن والدین کی قبر پر جانا

”عن محمد بن النعمان یرفع الحدیث الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من زار قبر ابویہ او احدھما فی کل جمعۃ غفر لہ و کتب برا،،

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلا۔ مشکوٰۃ ص ۱۰۴)

حضرت محمد بن النعمانؒ حدیث کو پیغمبر خدا ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ''جو شخص اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی قبر پر جمعہ کے دن جائے گا تو اس کی مغفرت کردی جائے گی اور اس کا شمار ماں باپ کے فرماں برداروں میں ہوگا۔ (بیہقی شعب الایمان بحوالہ مشکوۃ ص ۱۴۲)

مقصد کے اعتبار سے قبروں پر جانے کی کئی قسمیں ہیں (۱) محض موت کو یاد کرنا اور آخرت کی طرف توجہ کے لیے اس مقصد کے تحت صرف قبروں کو دیکھ لینا ہی کافی ہے خواہ قبر کسی کی بھی ہو، یہ ضروری نہیں کہ صاحب قبر کے بارہ میں یہ بھی معلوم کہ وہ کون تھا (۲) دعاء مغفرت اور ایصال ثواب وغیرہ کے لیے یہ ہر مسلمان کے لیے مسنون ہے۔ (۳) حصول برکت وسعادت کی خاطر۔ اس مقصد کے تحت اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی مزارات کی زیارت کی جاتی ہے۔ (۴) عزیز دوست کے ادائے حق کے لیے، یعنی کسی اپنے عزیز مثلاً والدین یا دوست کی قبر پر اس مقصد کے تحت جانا کہ وہاں پہنچ کر ان کے لیے دعاء مغفرت و ایصال ثواب کرنا کہ اپنے اوپر ان کا حق ہے چنانچہ حدیث ابو نعیم میں منقول ہے کہ جو شخص اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت جمعہ کے روز کرے تو اس کا یہ فعل حج کے برابر ہوتا ہے دوسرے دنوں کی بہ نسبت جمعہ کی روز خصوصاً دن کے ابتدائی حصہ میں قبر پر جانا افضل ہے۔ نیز منقول ہے، اس روز میّت کو زیادہ علم ادراک دیا جاتا ہے اور صاحب قبر قبر پر آنے والوں کو زیادہ پہچانتا ہے۔ (مظاہر حق جدید ص ۲۷۷ ج ۲)

امام وخطیب کی تقرری کا حق

اگر مسجد کا بانی معلوم اور موجود ہو تو امام اور موذن اور متولی مقرر کرنے اور مرمت وغیرہ کرانے کا اختیار خود بانی کو ہے۔ (قاضی خاں ص ۶۵ ج ۱ فتاویٰ ہندیہ ص ۱۱۷ ج ۱)

لیکن اگر بانی معلوم وموجود نہ ہو تو اس نے اگر کسی کو متولی بنا کر اختیارات مذکورہ اُسے دیئے ہوں تو اس کو امام کی تقرری وغیرہ کا اختیار ہوگا۔ اور اگر بانی مسجد نے کسی کو متولی

مقرر نہ کیا ہو تو متولی مقرر کرنے کا اختیار قاضی یعنی حاکم اسلام کو ہے۔ وہ جسے مناسب سمجھے متولی مقرر کرے۔ (الہندیہ ص ۳۲۸ ج ۳)۔

لیکن جس جگہ حاکم اسلام نہ ہو تو پھر اہل مسجد قائم مقام قاضی کے ہیں وہ متولی مقرر کر سکتے ہیں اور اسی طرح امام ومؤذن کے منصب کے اختیار رکھتے ہیں۔

(قاضی خاں ۳۴۲ ج ۳ ہندیہ)

لیکن بانی یا متولی یا اہل مسجد کا اختیار اسی وقت راجح ہوگا کہ لائق شخص مستحق امامت مقرر کریں ورنہ اگر بانی یا متولی کسی غیر مستحق کو امام بنانا چاہیے اور اہل مسجد کسی لائق شخص کو تو اہل مسجد کا راجح ہوگا۔ (قاضی خاں ص ۳۳۸ ج ۳ و فتح القدیر ص ۳۳۹ ج ۸ مصری)

اور اگر مسجد والے کسی کو امام مقرر کرنے میں دو فریق ہو جائیں تو جس فریق کا تجویز کردہ امام زیادہ لائق ہو وہ راجح ہوگا اور اگر دونوں فریق کے امام لائق ہوں تو بڑے فریق کا امام راجح ہوگا۔ (کفایت المفتی ص ۴۴ ج ۳ بحوالہ عالمگیری ص ۸۸ ج ۱)

امام جامع مسجد کے فرائض

امام اپنے منصب کے لحاظ سے صرف نماز پڑھانے کا ذمہ دار ہے۔ البتہ اگر امام سے وعظ یا تعلیم طلباء وغیرہ ہی کی شرط لی جائے اور وہ منظور کرلے تو اس کی ذمہ داری بھی اس پر عائد گی۔ یہ ضروری ہے کہ امام سے ایسے کاموں کیلیے شرط نہ کیا جائے۔ جو اس کی حیثیت امامت اور وقت کے خلاف ہوں۔ مؤن سے اگر مسجد کی خدمت کی شرط کی گئی ہو تو وہ ذمہ دار ہوگا کہ شرائط کے موافق کام پورا کرے۔ (کفایت المفتی ص ۴۶ ج ۳)۔

خطیب وامام کیسا ہو؟

امام پوری جماعت کی نماز کا ذمہ دار اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گویا ان سب کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ جس معاملہ میں وہ نمائندگی کر رہا ہے یعنی نماز، اس میں وہ سب لوگوں سے بہتر ہونا چاہیے۔ اور چونکہ وہ نبی اکرم ﷺ کا نائب ہے، اس لیے اس کی زندگی نبی کریم ﷺ کی زندگی سے جس قدر مشابہ ہوگی اور اتباع سنت میں وہ جتنا بڑھا ہوا ہوگا اسی

قدر اس منصب کا اہل ہوگا۔ ہر امام کو اپنی ذمہ داری کا احساس پوری طرح رہنا چاہیے، اگر امام ان صفات کا حامل ہے ثواب کا مستحق ہوگا، جس کی بشارت حضور ﷺ نے فرمائی ہے) ورنہ اس کے وبال کا بھی ذمہ دار ہے۔ (ترغیب ص ۴۰ ج ۲)

امامت کا مقصد

نماز جب جماعت کے ساتھ ادا کرنی ضروری ہے تو اس کے لیے امام بھی ضروری ہے وہ تمام اہم فوائد جو پاکی، نظام مساجد، جماعت وغیرہ کے ذریعہ پیدا کرنے مقصود ہیں کسی ایسے امام کی رہنمائی میں ہی وجود میں آسکتے ہیں جو ان کو سمجھتا ہو اور دوسروں کی ترتیب اور راہ نمائی کر سکتا ہو۔

اس لیے امام مقرر کرنے سے شریعت کا صرف یہ مقصد نہیں کہ دو چار رکعت پڑھا دے بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ ان تمام امور کو بروئے کار لانے کی ذمہ داری لے جو اس پورے نظام سے مقصود ہیں۔ چنانچہ مساجد، جماعت اور نماز کی ساخت ہی ایسی رکھی گئی ہے کہ مقتدی اور امام دونوں مذکورہ بالا اصول ماننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ گویا امام کو معلم، مربی، مشیر، اور رہنما ہونے کا اور مقتدیوں کو اس کے منصب کے تسلیم کرنے کا ذہنی تصور ہی نہیں دیا گیا بلکہ ساتھ ساتھ اس کی کچھ عملی مشق بھی کرادی جاتی ہے تاکہ یہ دونوں (امام و مقتدی) گروہ اسی طرح دیگر امور میں بھی کام کرنے کے عادی ہو جائیں۔

آپ دیکھتے ہیں کہ شروع سے آخر تک نماز میں جس طرح امام افعال ادا کرتا ہے، مقتدیوں کو اسی طرح ادا کرنا ضروری ہے، نماز سے پہلے صفیں سیدھی کرانے کا امام کو حکم دیا گیا ہے، نماز کے بعد تسبیحات اور دعائیں امام کی رہ نمائی میں ہی ہوتی ہیں۔

غرض یہ کہ نماز کے اندر ہی نہیں بلکہ باہر بھی امام کی رہ نمائی تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا گیا حضور ﷺ کی مقدس زندگی اور نظام مسجد نیز امامت کے بارے میں آپ کا طرز عمل، دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زندگی کی تمام انفرادی و اجتماعی شعبوں کی تعلیم و تربیت و اصلاح کا مرکز مسجد تھی امام اس کا نگراں، رہ نما اور ذمہ دار تھا۔ (معارف مدینہ ص ۴۸ ج ۲)

امامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہے

درحقیقت ایک لحاظ سے امامت کا منصب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حلقہ میں نیابت کا مقام ہے، ظاہر ہے اتنے اہم منصب اور ذمہ داری کو انجام دینے کے لیے خواہ وہ کتنے ہی محدود حلقہ اور قلیل طبقہ کے لیے کیوں نہ ہو۔ ایسے علم سمجھ اور دین رکھنے والے بے چین افراد کی ضرورت ہے جو اس منصب کے فرائض کو سمجھ کر کسی نہ کسی حد تک انجام دینے کی اہلیت رکھتے ہوں اور کم از کم اپنے حلقہ ہی میں اس اُسوۂ حسنہ پر عمل کریں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر پوری دُنیا کیلئے پیش فرماتے رہے۔

خلاصہ یہ کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رہے خود امامت فرماتے رہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رخصت ہونے لگے تو صحابہ کرامؓ میں سے سب سے زیادہ عالم و افضل شخص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم دیا، اسی طرح ان کے بعد ہوتا رہا کہ جو شخص سب سے زیادہ علم و فضل والا ہوتا اُسی کو امام اور اسی کو امیر بنایا جاتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امامت سے مقصود یہ ہے کہ دینی، دنیوی، انفرادی و اجتماعی امور میں امام مقتدیوں کی پیشوائی و رہنمائی کے فرائض کو سمجھ کر انجام دے۔ اس لیے جتنا زیادہ علم و فضل والا ہوگا، اتنا ہی صحیح طریقہ سے فرائض کو سمجھ کر انجام دے سکے گا اور دوسرے لوگ بھی آسانی سے اس کی رہنمائی کر سکیں گے۔ اسی وجہ سے ایسا امام مقرر کرنے سے منع کیا گیا ہے جس کی وجہ سے جماعت میں شرکت سے لوگوں کو رکاوٹ و کراہت یا نفرت ہو، یا اس کی بات لوگوں پر اثر انداز نہ ہو سکے، چنانچہ فاسق، بدکار، گمراہ، مبتدع اور اسی قسم کے دوسرے افراد کی امامت کو مکروہ و ممنوع قرار دیا گیا ہے کیونکہ اسی صورت میں وہ فوائد حاصل نہ ہو سکیں گے جو امامت سے مقصود ہیں۔

صحیح قسم کے امام ہوں تو محلہ دار بچوں کی تعلیم و تربیت، تعلیم بالغان، شبینہ مدارس، عورتوں کی تربیت، تبلیغ وغیرہ کا انتظام ان کی رہنمائی میں بڑی خوبی سے انجام پذیر ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ آئمہ مساجد کی تنخواہوں کا اور ان سے سلوک و احترام کا ایسا معیار رکھا جائے کہ اہل اور قابل افراد اس بار کو سنبھالنے پر بخوشی آمادہ ہو سکیں۔

امام کو محلّہ کا رہنما و پیشوا سمجھا جائے اور وہی کام اس سے لیا جائے جو اس کے لیے مناسب ہو اور جس سے پورے محلّہ کی اصلاح ہو خصوصاً قرآن شریف، حدیث شریف کا ترجمہ، دینیات، حکایات اور فضائل کی کتابوں کا کسی نماز کے بعد پڑھا جانا، نیز محلّہ میں گشت کرنا تو نہایت ضروری اور بنیادی کام ہے، جس کے کامیاب ہونے کے بعد دوسرے بہت سے فوائد بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ (معارف مدنیہ ص۴۹ ج۲)

جمعہ کی نماز پر اُجرت

سوال: عیدین جمعہ کی نماز کی اُجرت لے کر نماز پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: امامت پر اُجرت لینا فقہاءؒ نے جائز لکھا ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص۲۲۵ ج۵ بحوالہ ردالمختار، کتاب الاجارہ ص۵ ج۵)

مقررہ امام کا تنخواہ دار ہونا ضروری نہیں

سوال:۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جب تک امام تنخواہ دار مقرر نہ ہو جمعہ ادا نہیں ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو امام بلا تنخواہ نماز پڑھاتے ہیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟ کیونکہ ہمارے امام صاحب تنخواہ نہیں لیتے ہیں۔

جواب:۔ امام مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس کو کہہ دیا جائے کہ نماز جمعہ پڑھادو، وہ جمعہ پڑھا سکتا ہے اور نماز جمعہ اس کے پیچھے صحیح ہے۔ تنخواہ دار ہونا امام کا ضروری نہیں بلکہ تنخواہ نہ لینے والا امام زیادہ مستحق امامت کا ہے، اس کے پیچھے بلا شبہ نمازِ جمعہ وغیرہ صحیح ہے۔ جو امام صاحب نمازِ جمعہ وغیرہ بلا تنخواہ پڑھاتے تھے، ان کے پیچھے بھی جمعہ کی نماز صحیح ہے۔ غرض یہ ہے کہ جیسا اور نمازوں کا حکم ہے کہ جو شخص لائق امامت کے ہو وہ امام ہو جاتا ہے اور اس کے پیچھے نماز صحیح ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۳۰ ج۵)

خطیب نہ آئے تو کیا حکم ہے؟

سوال: نمازِ جمعہ میں وقت مقررہ پر نہ خطیب صاحب حاضر ہوئے اور نہ نائب خطیب ہی آجائے۔ انتظار کے بعد دوسرے شخص کو خطبہ اور نماز پڑھانے کا حکم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: حکم دے سکتے ہیں اور دوسرا شخص نماز پڑھا سکتا ہے اور وہ نماز صحیح ہے۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۳۱ ج ۵)

کیا مسافر جمعہ میں امام ہو سکتا ہے؟

سوال: کیا مسافر جمعہ کی نماز میں امام بنایا جا سکتا ہے؟
جواب: مسافر امام جمعہ ہو سکتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۴۸۹ ج ۴ بحوالہ ہدایہ ص ۱۵۲ ج ۱)
مسافر جمعہ کی نماز پڑھ سکتا ہے اور پڑھ سکتا ہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص ۵۷ ج ۵ بحوالہ شامی ص ۷۶۷ ج ۱)

نابینا کی امامت

سوال: کیا نابینا شخص امام جمعہ ہو سکتا ہے؟
جواب: حامداً و مصلیاً۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک اندھے پر جمعہ فرض نہیں۔ صاحبینؒ کے نزدیک فرض ہے بشرطیکہ اس کو جامع مسجد تک لے جانے والے موجود ہوں۔ اندھا چونکہ اکثر طہارت کا اہتمام نہیں کر سکتا اور نجاست سے نہیں بچ سکتا اس لیے اس کی امامت ہر نماز میں مکروہ ہے البتہ اگر وہ سب سے افضل ہے اور طہارت کا اہتمام کرتا ہے اور نجاست سے بچتا ہے تو اس کی امامت مکروہ نہیں اور جمعہ میں بھی اس کی امامت کا یہی حکم ہے۔
اندھے میں امامت کی اہلیت موجود ہے (کراہت عارضی کی وجہ سے) جمعہ کی فرضیت حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تخفیفاً ساقط ہے۔ پس جب عوارض نہ ہوں تو اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے اور جس وقت عوارض پائے جائیں تو مکروہ ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۱ ج ۷)

امامت سے متعلق چند مسائل

مسئلہ:۔ امام کو فجر کی دونوں رکعتوں میں اور مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں خواہ قضاء ہوں یا اداء اور جمعہ و عیدین اور تراویح کی نماز میں اور رمضان المبارک میں وتر کی نماز میں بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ ص ۱۰ ج ۱)

مسئلہ:۔ امام کو نماز میں زیادہ بڑی سورتیں پڑھنا جو مقدار مسنون سے بھی زیادہ ہوں یا رکوع سجدے وغیرہ میں بہت زیادہ دیر تک رہنا مکروہ تحریمی ہے۔ بلکہ امام کو چاہئے کہ اپنے مقتدیوں کی حاجت وضرورت اور ضعف وغیرہ کا خیال رکھے جو سب سے زیادہ صاحب ضرورت ہو اس کی رعایت کر کے قرأت وغیرہ کرے بلکہ زیادہ ضرورت کے وقت مقدارِ مسنون سے بھی کم قرأت کرنا بہتر ہے تا کہ لوگوں کا حرج نہ ہو جو قلت جماعت کا سبب ہو جائے۔(بہشتی زیور ص ۵۷ ج ۱۱ بحوالہ طحطاوی مع مراقی الفلاح ص ۱۶۵)

مسئلہ:۔ امام کو سلام بلند آواز سے کہنا سنت ہے امام کو اپنے سلام میں اپنے تمام مقتدیوں کی نیت کرنا خواہ مرد ہوں یا عورت یا لڑکے ہوں اور ساتھ رہنے والے فرشتوں کی نیت کرنا اور مقتدیوں کو اپنے ساتھ نماز پڑھنے والوں کی اور ساتھ رہنے والے فرشتوں کی اور اگر امام داہنی طرف ہو تو داہنے سلام میں اور بائیں طرف ہو تو بائیں سلام میں اور اگر سامنے ہو تو دونوں سلاموں میں امام کی بھی نیت کرنا سنت ہے۔

(بہشتی زیور ص ۷ اج ۱۱ بحوالہ فتاویٰ ہندیہ ص ۷۴ ج ۱)

مسئلہ:۔ نماز کی حالت میں اپنے امام کے علاوہ کسی کو لقمہ دینا یعنی قرآن شریف کے غلط پڑھنے پر آگاہ کرنا مفسد نماز ہے۔

مسئلہ:۔ صحیح یہ ہے کہ مقتدی اگر اپنے امام کو لقمہ دے تو نماز فاسد نہ ہوگی خواہ امام بقدر ضرورت قرأت کر چکا ہو یا نہیں۔ قدر ضرورت سے وہ مقدار قرأت کی مقصود ہے جو مسنون ہے البتہ ایسی صورت میں امام کے لیے بہتر یہ ہے کہ رکوع کر دے، مقتدیوں کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے (ایسا مجبور کرنا مکروہ ہے) اور مقتدیوں کو چاہئے کہ جب تک شدید ضرورت پیش نہ آئے لقمہ نہ دیں۔ (یہ بھی مکروہ ہے) اور ضرورت شدید سے مراد یہ ہے کہ مثلاً امام غلط پڑھ کر آگے پڑھنا چاہتا ہو یا رکوع نہ کرتا ہو یا سکوت کر کے کھڑا ہو جائے۔ اور اگر بلا ضرورت شدیدہ بھی بتلا دیا تب بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ مقتدی اگر کسی دوسرے شخص کا پڑھنا سن کر یا قرآن شریف میں دیکھ کر امام کو لقمہ دے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امام لقمہ لے گا تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

مسئلہ: اگر امام حدیث کے بعد (یعنی وضوٹوٹنے کے بعد) بغیر خلیفہ بنائے ہوئے مسجد سے باہر نکل گیا تو مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

مسئلہ: اگر امام نے کسی ایسے شخص کو خلیفہ کر دیا جس میں امامت کی صلاحیت نہیں مثلاً کسی مجنون یا نابالغ بچے کو یا کسی عورت کو تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(نماز میں خلیفہ بنانے کے مسائل تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہوں تو احقر کی کتاب، مکمل ومدلل مسائل امامت، کے صفحہ ؟؟ سے صفحہ ؟؟ تک دیکھیں)۔

مسئلہ: امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے، ہاں اگر محراب سے باہر کھڑا ہوا ور سجدہ محراب میں ہو تو مکروہ نہیں۔

مسئلہ: صرف امام کا محراب میں کھڑا ہونا بے ضرورت کسی اونچے مقام پر کھڑا ہونا جس کی بلندی ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ ہو، کروہ تنزیہی ہے۔ اگر اما مکے ساتھ چند مقتدی بھی ہوں ،تو مکروہ نہیں ہے۔ اگر امام کے ساتھ صرف ایک مقتدی ہو تو مکروہ ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اگر ایک ہاتھ سے کم ہو اور دوسری نظر سے اس کی اونچائی ممتاز معلوم ہوتی ہو تب بھی مکروہ ہے۔

مسئلہ: سب مقتدیوں کا امام سے بے ضرورت کسی اونچے مقام پر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے، ہاں اگر کوئی ضرورت ہو مثلاً جماعت زیادہ ہو اور جگہ کفایت نہ کرتی ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ یا بعض مقتدی امام کے برابر ہوں اور بعض اونچی جگہ ہوں تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ: مقتدی کو جبکہ امام قیام میں قرأت کر رہا ہو کوئی دعا وغیرہ یا قرآن مجید پڑھنا خواہ وہ فاتحہ ہو یا اور کوئی سورت ہو، مکروہ تحریمی ہے۔ (بہشتی زیور ص ۶۶ ج ۱۱ بحوالہ کبیری ص ۴۸)

مسئلہ: ایک شخص جمعہ کی نماز پڑھائے، دوسرا خطبہ پڑھے، جائز ہے بشرطیکہ نماز پڑھانے والا خطبہ میں حاضر ہوا ہو، خواہ کل میں یا بعض میں۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۱۱ ج ۴)

مسئلہ: اقامت سے پہلے امام کے لیے مختصر طور پر کوئی مسئلہ بتانا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر جائز ہے، طویل وعظ جائز نہیں ہے۔ (ردالمختار ص ۷۷۰ ج ۱)

مسئلہ: تین مرتبہ تسبیح رکوع وسجود سے سنت تسبیح ادا ہو جاتی ہے، فرائض میں تخفیف کا حکم ہے اس لیے برعایت مقتدیان زیادہ تطویل نہ کرنی چاہیے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۵۷ ج ۲)

مستحب یہ ہے کہ امام پانچ بار تسبیح پڑھے۔اگر تین بار کہے تو اس طرح کہے کہ مقتدیوں کو تین بار تسبیح کہنے کا موقع مل جائے۔(فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۷۱ ج ۴ بحوالہ شامی ۳۶۲ ج ۱)

مسئلہ:۔ خطیب کے لیے یہ شرط قرار دی گئی ہے کہ اس کے اندر امامتِ جمعہ کی اہلیت ہو، نیز خطیب کے لیے مسنون ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اقتداء کے خیال سے منبر پر خطبہ پڑھے۔مستحب یہ ہے کہ خطیب اونچی آواز کے ساتھ خطبہ پڑھے اور دوسرے خطبہ کے اندر اول خطبہ کے اعتبار سے جہر (بلند آواز) کم ہونا چاہئے، دوسرے خطبہ کی ابتداء اس طرح کرے کہ الحمد لله نحمده و نستعينه الخ مستحسن ہے کہ خطبہ کے اندر آنحضرت ﷺ پر درود پڑھے اور حضور ﷺ کا ذکرِ مبارک کیا جائے اور آپ ﷺ کے دونوں چچاؤں اور خلفائے راشدینؓ کا ذکر کیا جائے۔خطبہ میں مسلسل یہ معمول چلا آتا ہے۔

مسئلہ: خطیب کے لیے خطبہ کے دوران گفتگو باعثِ کراہت ہے مگر امر بالمعروف درست ہے۔خطیب کے علاوہ دوسرے شخص کو چاہئے کہ نماز نہ پڑھائے۔

مسئلہ:۔ خطبہ پڑھنے کے بعد اگر امام کا وضو جاتا رہا اور وہ کسی دوسرے کو اپنا قائم مقام بنادے، اگر وہ قائم مقام خطبہ میں موجود تھا تو درست ہے، اگر وہ خطبہ کے وقت موجود نہ تھا تو درست نہیں ہے۔اگر نماز کی ابتداء کرنے کے بعد وضو جاتا رہا تو کسی کو بھی قائم مقام بنانا درست ہے۔(فتاویٰ عالمگیری کتاب الصلوٰۃ ص ۱۴۶ ج ۱)

مسئلہ:۔ امام ثناء پڑھ کر قرأت شروع کردے، مقتدیوں کی ثناء (سبحانک اللهم الخ) کا انتظار نہ کرے۔(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۶۴ ج ۲)

بغیر عمامہ کے نماز مکروہ نہیں ہے۔

شرح منیہ کبیری میں ہے کہ بلا عمامہ کے نماز مکروہ نہیں ہے۔البتہ عمامہ کا ہونا مستحب ہے اور عمامہ نہ ہونے کی صورت میں باوجود میسر ہونے کے ترکِ استحباب ہے۔لیکن علامہ شامیؒ کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ مکروہ تنزیہی بھی نہ کہنا چاہئے، البتہ عمامہ کی وجہ سے زیادتی ثواب ہونا مسلم ہے جیسا کہ جملہ مستحباب کے اداء میں زیادتی ثواب ہے لیکن ان کے

ترک (چھوڑنے) میں کراہت نہیں جیسے صلوٰۃ ضحیٰ وغیرہ (چاشت وغیرہ کی نماز)۔
(فتاویٰ دار العلوم ص۱۲۱ ج ۴ بحوالہ غنیۃ المستملی ص ۳۳۷ ورد المختار ص ۱۱۵ ج ۱)

(۱) عمامہ مستحب ہے۔ (۲) عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا، بطور عادت ثابت ہے نہ کہ بطور عبادت۔ (۳) عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا اولیٰ اور مستحب ہے۔ (۴) بغیر عمامہ بھی نماز مکروہ نہیں ہے۔ (۵) حضور ﷺ سے بلا عمامہ بھی نماز ثابت ہے۔ (۶) امر واجب کا سا معاملہ امر مستحب کے ساتھ کرنا ناجائز ہے۔ (۷) جن شہروں میں بلا عمامہ کے معزز مجالس میں جانا عار کی بات ہو، وہاں نماز بلا عمامہ مکروہ ہے۔ (۸) کبھی کبھی مستحب کے مقابلہ میں رخصت یعنی محض مباح پر بھی عمل کرنا چاہئے خاص کر ایسی جگہ جہاں مستحب پر اصرار کیا جاتا ہو کہ اس سے مندوب کراہت کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے فساد پر آمادہ ہونا تو بڑی جہالت اور گناہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۵۶ ج ۷)

عمامہ کے ساتھ نماز افضل ہے اور اس میں ثواب زیادہ ہے۔ لیکن بغیر عمامہ کے نماز پڑھنا یا نماز پڑھانا بھی جائز ہے یعنی اس میں کوئی کراہت نہیں۔ حضور ﷺ کے عمامہ باندھے کے متعلق عادۃً یا عبادۃً کا سوال بے کار ہے کیونکہ عمامہ کی فضیلت اور زیادتی اجر نماز مع العمامہ میں کلام نہیں ہوسکتا۔ لوگوں کا انکار اس بناء پر کہ ترکِ عمامہ کو مکروہ سمجھتے ہیں تو غلط ہے۔ اور اگر فضیلت حاصل کرنے کے لیے ہے تو مضائقہ نہیں، مگر اس کے لیے لازم ہے عمامہ نہ باندھے پر امام کو برا نہ کہیں اور نہ اس کو مجبور کریں کہ عمامہ ضرور باندھے۔ امام کو بھی فضیلت کے لیے عمامہ باندھ کر نماز پڑھانے میں اعتراض نہ ہونا چاہئے۔ اور بیان جواز کے لیے کبھی بغیر عمامہ کے نماز پڑھا دے تو مقتدیوں کو اعتراض نہ کرنا چاہئے۔ (کفایت المفتی ص ۵۵ ج ۳)

جگہ کی تنگی کی وجہ سے امام کیساتھ کھڑا ہونا

سوال: جمعہ کے دن اگر دو آدمی (امام صاحب کے ساتھ) محراب کے اندر کھڑے ہو جائیں؟
جواب: اگر جگہ کی تنگی ہو تو ایسی صورت میں جائز ہے اور اگر جگہ ہو تو امام کے ساتھ کھڑا نہ ہونا چاہئے۔ (کفایت المفتی ص ۲۱۷ ج ۳)

نماز جمعہ میں عورتوں کی شرکت

رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ میں عورتیں مسجد میں آکر نمازیں ادا کیا کرتی تھیں، مسجد میں عورتوں کی حاضری پر کسی قسم کوئی روک ٹوک نہیں تھی، جماعت سے نماز ادا کرنے کیلئے کلیۃً آزاد تھیں۔

لیکن اسی زمانہ میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ ''عورتوں کے لیے مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں اور گھر کے کھلے صحن میں نماز پڑھنے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ کوٹھری کے کسی گوشہ میں نماز پڑھیں۔ (الحدیث)

مردوں کی نماز جس طرح مسجد میں صحیح ہو جاتی ہے اسی طرح گھر میں بلاشبہ صحیح ہو جاتی ہے۔ لیکن مرد کی وہ نماز نسبتاً افضل اور اعلیٰ قرار دی گئی ہے جو مسجد میں ادا کی جائے اور گھر ادا کی جانے والی نماز کو ثواب کے لحاظ سے ناقص قرار دیا گیا ہے اگر چہ اس کی ادائیگی وصحت میں کوئی نقص موجود نہ ہو، کیونکہ حضور پرنور ﷺ کا تاکیدی فرمان تھا کہ نماز باجماعت مسجد میں آکر ادا کی جائے۔ لہٰذا اس حکم اور تاکید سے روگردانی کرنے کے بعد جو نماز بغیر کسی عذر شرعی کے گھر میں پڑھی جائے خواہ وہ نماز خشوع وخضوع اپنے اندر کیوں نہ رکھتی ہو، اس کو ثواب کے اعتبار سے ناقص ہی کہیں گے اگر چہ بظاہر کوئی نقص محسوس نہ ہوتا ہو۔

اسی طرح عورتوں کی نماز مسجد میں بھی درست ہو جاتی ہے اور گھر میں بھی لیکن عورتوں کی اس نماز کو افضل اور اعلیٰ متصور کیا گیا ہے جو گھر اور گھر کی کوٹھری میں ادا کی جائے۔ عورتوں کا گھروں سے نکل کر مسجدوں میں جا کر نماز پڑھنے کو افضل اور ارفع قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ جو عمل رسول اللہ ﷺ کے نزدیک افضل نہیں ہے وہ خدا کے نزدیک بھی یقیناً غیر افضل ہی ہوگا۔

عورت فی نفسہٖ فتنہ نہیں ہوتی اور مرد بھی فی نفسہٖ بدکار نہیں ہوا کرتا، لیکن مرد و عورت کا صنفی تعلق ایک دوسرے کی طرف کشش فطری ہے، جب موانع نہ ہوں اور مواقع میسر آجائیں اور عورت و مرد یکجا اور مجتمع ہو جاتے ہیں تو فتنے اور خرابیاں بالکل اسی طرح اُبلنے لگتے ہیں جس طرح برسات کے زمانہ میں حشرات الارض یعنی کیڑے مکوڑے

نمودار ہوا کرتے ہیں۔ یا خودرو ہریائی وغیرہ۔

آج ہر جگہ عورت و مرد کی اجتماعیت عام ہے، صرف ایک مسجد و عیدگاہ ہی ایسی جگہ ہیں جہاں صرف مرد نظر آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ اجتماعیت ابھی تک فتنوں اور خرابیوں کی غلاظت سے پاک ہیں۔

یہ صحابہ وصحابیات ؓ کا دور نہیں جن کی خواہشات اور فطری تحریکات پر خداترسی اور خوفِ آخرت غالب تھا وہ مساجد میں کیا بازاروں میں کبھی کسی نامحرم کی طرف نظر بھر کر دیکھنے کا گناہ نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے دل آئینوں کی طرح بالکل صاف تھے۔ اور ہمارے زمانے میں اکثر و بیشتر مسلمان خوفِ خدا اور خوفِ آخرت سے بے گانہ نظر آتے ہیں۔ ہمارے آئینہ قلوب پر تو نفس پرستی کا زنگ چڑھا ہوا ہے ہمارے زمانے کے مرد اور عورتوں میں حیا اور خداترسی کا فقدان ظاہر و باہر ہے، اسے باور کرانے کیلئے کسی احتیاج کی ضرورت نہیں۔

عورتوں کو مردوں کے پیچھے اور مسجد میں جا کر با جماعت نماز ادا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، البتہ مصلحت اور دور اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ عورتیں مسجدوں میں آنے سے گریز کریں اور گھروں سے باہر نکل کر ان مصلحتوں کا خون کرنے پر نہ اُتر جائیں جن کا خون کرنے کے بعد خرابیوں اور بدکاریوں کی ولادت ناگریز ہے۔

اسلام نے عورتوں پر جمعہ اور عیدین کی نماز فرض قرار نہ دے کر ان کے لیے سہولت اور آسانی پیدا کی تھی، اب عورتوں کا جمعہ و عیدین وغیرہ میں شرکت کرنا اپنے اوپر خود مشکلات اور دشواریوں کو مسلط کرنے کے مصداق ہے۔

وعظ و تبلیغ کی مجلسیں گھروں کے اندر بھی منعقد ہو سکتی ہیں، یہ کیا ضروری ہے کہ مرد اور عورت مل جل کر تقریر سنیں کیونکہ اسلام نے ہدایت کی ہے کہ نگاہ پست رکھی جائے اور اجنبی عورت پر بلاوجہ نگاہ نہ ڈالی جائے۔ اگر ایسا کیا جائے تو اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔

(احقر محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ)
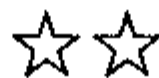
شرکت کی شرعی حیثیت

مرد ہونا جمعہ کے واجب ہونے کی شرط ہے۔ لہٰذا عورت پر جمعہ واجب نہیں لیکن اگر ظہر کی بجائے (عورت جمعہ کی نماز میں شریک ہو) جمعہ کی نماز پڑھ لی ہے تو جمعہ صحیح ہوگا۔ یعنی ظہر کے قائم مقام ہو جائے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا عورت کے لیے جمعہ کی نماز کو جانا بہتر ہے یا اپنے گھر میں ظہر کی نماز پڑھ لینا بہتر ہے؟

حنیفہؒ کے نزدیک بہتر یہ ہی ہے کہ عورت اپنے گھر میں ظہر کی نماز ادا کرے، خواہ عورت عمر رسیدہ ہو یا جوان، کیونکہ ان کے لیے جماعت مشروع نہیں ہے۔

(کتاب الفقہ ص ۶۱۴ ج ۱)

عورتوں کو جمعہ کی نماز میں شرکت کی تلقین وترغیب اس حدیث کے خلاف ہے کہ ابو عمر وشیبانیؒ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو دیکھا کہ جمعہ کے روز عورتوں کو مسجد سے باہر نکالتے تھے اور فرماتے تھے کہ اپنے گھروں کو جاؤ یہ تمھارے لیے بہتر ہے یعنی عورتوں کے لیے گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں جانے اور جمعہ پڑھنے سے بہتر ہے۔

صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ان کا یہ طرز عمل تھا۔ پھر آج فتنہ وفساد کے زمانہ میں اس کے خلاف مسجد میں آنے کی ترغیب دینا ظاہر ہے کہ غلط ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۵ ج ۳)

عورتوں کے لیے احتیاط اور پردہ کی زیادہ ضرورت ہے اور جلب نفع سے دفع مضرت مقدم ہے۔ اس لیے فقہاء نے عورتوں کو جماعت وجمعہ وعیدین اور وعظ کی مجالس میں شامل ہونے کو مکروہ فرمایا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۱۵ ج ۵ بحوالہ درمختار ص ۵۲۹ ج ۱)

مریض کا حکم

جس مریض کو پیدل چل کر نمازِ جمعہ پہنچنا ضرر رساں ہو تو اس کے ذمہ سے نمازِ جمعہ ساقط ہو جاتی ہے یعنی اگر ایسی معذوری ہو تو نماز ساقط ہو جاتی ہے اگر چہ کوئی ایسا شخص دستیاب ہو سکے جو اس کو اُٹھا کر لے جائے۔ جس مریض کو نماز کے لیے جانا نقصان دہ ہو تو

اس پر واجب نہیں، اگر چہ سواری پر جا سکے یا کوئی اُٹھا کر لے جائے۔

البتہ اگر جانے کی قدرت ہے یا قابل برداشت اُجرت دے سکتا ہے تو ایسے شخص پر جمعہ واجب ہے اور اَپاہج آدمی کا حکم بھی مریض ہی کی طرح ہے۔ نیز یہ کہ نمازی بینا ہو، اندھے پر جمعہ واجب نہیں اگر چہ کوئی رہبر مل سکے۔

نہایت شدید گرمی یا سردی یا بارش اور کیچڑ ہو، یا بے گناہ پکڑے جانے کا یا اس طرح کسی اور بات کا خطرہ ہو (بشرطیکہ کوئی مظلوم ہو، ظالم نہ ہو) اور یا مال کے نقصان یا عزت یا جان کا خطرہ ہو، (ان تمام صورتوں میں جمعہ واجب نہیں ہے) لیکن (مال کے نقصان کی صورت میں) جمعہ اس حال میں واجب رہے گا جبکہ قابلِ برداشت نقصان مال کا اندیشہ ہو۔

(کتاب الفقہ ص ۶۱۲ ج ۱)

بیمار کے حکم میں تیمار دار بھی ہے۔ (رکن دین ص ۱۳۴)

اگر کوئی مریض اپنے گھر ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد مرض میں کمی پائے اور جمعہ کے لیے جائے اور جمعہ پڑھے تو اس کی ظہر کی نماز نفل بن جائیگی۔ (عالمگیری ص ۷ ج ۳)

جذامی سے جمعہ اور جماعت ساقط اور معاف ہے، اسی وجہ سے کہ وہ مسجد میں نہ آئے۔ پس جذامی (کوڑھ کا مریض) کو چاہئے کہ جماعت میں شریک نہ ہو۔ اور جو لوگ جذامی شخص سے علیحدہ رہیں اور احتراز کریں۔ ان پر کچھ ملامت نہیں ہے اس لیے کہ جذامی سے بھاگنے اور بچنے کا حکم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۶۵ ج ۳ بحوالہ در مختار احکام المسجد ص ۲۱۹ ج ۱)

دیہاتی کے لیے نمازِ جمعہ کا حکم

مسئلہ: دیہاتی جب شہر میں داخل ہو اور جمعہ کے دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو اس پر جمعہ لازم ہو جائیگا۔ اس لیے کہ اس دن وہ بھی شہر کے رہنے والوں کے حکم میں ہے، لیکن اگر یہ نیت ہو کہ وہ جمعہ کا وقت داخل ہونے سے پہلے یا بعد میں چلا جائے گا تو اس پر جمعہ واجب نہ ہوگا لیکن اگر جمعہ پڑھ لے گا تو اجر پائے گا۔

دیہاتی اور جنگل کے رہنے والے جن پر جمعہ واجب نہیں ہے، ان کے لیے جائز

ہے کہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت واذان اور اقامت سے ادا کریں۔

(فتاویٰ عالمگیری کتاب الصلوٰۃ ص۲۶ ج۳)

شہر کے قرب وجوار کے دیہات والوں کو جمعہ کے لیے شہر میں آنا ضروری نہیں ہے اور نہ آنے سے وہ گنہگار نہ ہوں گے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص۱۶۴ ج۵ بحوالہ ردالمختار باب الجمعہ ص۶۲ ۷ ج۱)

مسافر کے لیے نمازِ جمعہ کا حکم

مسافر اگر جمعہ کے دن شہر میں نماز پڑھیں، تو الگ الگ نماز پڑھیں، یہی حکم شہر والوں اور مریضوں کا بھی ہے، ان کے لئے جماعت مکروہ ہے۔ (یعنی جمعہ کی جماعت نہ ملے تو الگ الگ نماز ظہر پڑھیں) قیدی اور مریضوں کا بھی یہی حکم ہے۔ ان کے لیے جماعت مکروہ ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری کتاب الصلوٰۃ ۲۶ جلد۳)۔

مریض، مسافر اور قیدیوں کو امام کے جمعہ سے فارغ ہونے تک ظہر کی نماز میں تاخیر کرنا مستحب ہے، اگر تاخیر نہ کی تو صحیح قول کے مطابق ان کی نماز مکروہ (تنزیہی) ہوگی۔

اگر ظہر کی نماز ادا کر چکا، پھر جمعہ کے لیے چلا، اگر امام کے سات مل گیا تو ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی، خواہ معذور ہو، جیسے مسافر، مریض یا غلام یا غیر معذور ہو، اگر جمعہ نہ ملا تو دیکھا جائے گا کہ اگر یہ شخص اس وقت گھر سے نکلا تھا جب امام نماز سے فارغ ہو چکا تھا تو بالا جماع ظہر کی نماز باطل نہ ہوگی۔ اور اگر گھر سے نکلتے وقت امام نماز میں تھا اور اس کے پہنچنے سے پہلے فارغ ہو گیا تو اس کی ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی۔

اور اگر وہ شخص گھر سے جمعہ کے ارادہ سے نہیں نکلا تو بالا جماع ظہر کی نماز باطل نہ ہو گی۔ اور اگر جمعہ کے ارادہ سے نکلا اور اسی وقت امام فارغ ہوا، تو ظہر کی نماز باطل نہ ہوگی۔ اگر ظہر کی نماز اپنے گھر میں ادا کی۔ پھر نمازِ جمعہ کی طرف نکلا اور ابھی تک امام نے جمعہ نہیں پڑھا لیکن دور ہونے کی وجہ سے اس کو جمعہ ملنے کی توقع نہیں ہے تو اس کی ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی، اگر جمعہ کی طرف نکلا اور ابھی تک امام نے کسی عذر کی بناء پر، یا بلا عذر نماز جمعہ نہ پڑھی تو اس کی ظہر کی نماز کے باطل ہونے میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ باطل نہیں ہوتی، اگر جمعہ کی

طرف نکلا اور لوگوں نے جمعہ شروع کر دیا تھا، لیکن وہ لوگ جمعہ کی نماز پوری ہونے سے پہلے کسی حادثہ کی وجہ سے نکل گئے تو اس میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ نمازِ ظہر اس کی باطل ہو جائے گی۔

جمعہ کے واسطے چلنے میں معتبر یہ ہے کہ اپنے گھر سے جدا ہو جائے اور اس سے پہلے صحیح قول کے مطابق ظہر باطل نہیں ہوتی۔

اگر ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں بیٹھا ہوا ہو تو بالاتفاق یہ حکم ہے کہ جب تک امام کے ساتھ جمعہ کی نماز شروع نہ کرے ظہر کی نماز باطل نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۷ ج ۳)

جمعہ کے دن پہلی اذان ہونے کے بعد نماز پڑھنے سے پہلے (سفر کیلئے) نکلنا، بقول صحیح مکروہ ہے، ہاں زوال سے پہلے سفر کے لیے جانا مکروہ نہیں ہے۔ (کتاب الفقہ ص ۶۳۹ ج ۱)

معذورین کے لیے نمازِ جمعہ کا حکم

مسئلہ: شہر میں معذور لوگ جیسے قیدی اور مسافر یا غیر معذور اگر امام کے نمازِ جمعہ سے فارغ ہونے سے پہلے ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں تو مکروہ ہے اور جمعہ کے بعد شہر والے جو کسی وجہ سے نمازِ جمعہ میں نہ حاضر ہو سکے اگر ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں تو مکروہ ہے، دیہات والوں کے لیے اذان واقامت سے ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ (عالمگیری کتاب الصلوٰۃ ص ۱۷ ج ۳)

ضعیف کے لیے نمازِ جمعہ کا حکم

کوئی بوڑھا شخص بہت کمزور ضعیف ہو تو اس کا حکم مریض کا سا ہی ہوگا۔ اور اس پر جمعہ کا وجوب نہ ہوگا (اگر پڑھ لے تو ظہر کا قائم مقام ہوگا یعنی ظہر کی نماز کی ضرورت نہیں) اسی طرح اگر بڑے زور شور کی بارش ہو رہی ہو یا کوئی آدمی ظالم بادشاہ کے ڈر سے روپوش ہو گیا تو جمعہ کے ساقط ہونے کا حکم ہوگا۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۶۰ ج ۱ کتاب الصلوٰۃ)

غلام کے لیے نمازِ جمعہ کا حکم

آقا غلام کو نمازِ جمعہ اور نماز عیدین سے روک سکتا ہے۔ مکاتب یعنی وہ غلام جس

نے اپنے مالک سے طے شدہ رقم کی ادائیگی پر حلقہ غلامی سے آزادی کا معاملہ کیا ہو، اس غلام پر جمعہ کا وجوب ہوتا ہے۔ اسی طرح جس غلام کا بعض حصہ آزاد ہوگیا، اور بقیہ کی آزادی کی کوشش میں ہو تو اس پر بھی جمعہ کا وجوب ہوگا۔

اور عبدِ ماذون (یعنی وہ غلام جسے اپنے مالک کی طرف سے خرید وفروخت وغیرہ کے معاملات میں اجازت نامہ حاصل ہو) وہ غلام جو روزانہ مالک کو کچھ دیا کرتا ہو ان پر نمازِ جمعہ کا وجوب نہ ہوگا۔

جامع مسجد کے دروازہ پر جانور کی حفاظت کی خاطر مالک کی طرف سے مقرر کردہ غلام کو نمازِ جمعہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ اس میں مختلف رائیں ہیں، زیادہ صحیح قول کے مطابق اگر جانور کی نگہداشت میں خلل پیدا نہ ہوتا ہو تو جمعہ کی نماز پڑھنی چاہئے۔ جمعہ کا وجوب جس پر نہ ہوا گر وہ نمازِ جمعہ پڑھ لے تو اس وقت کا فرض ادا ہوگیا۔ (فتاویٰ عالمگیری کتاب الصلوٰۃ ص۱۶۱ ج۱)

نوکر کے لیے نمازِ جمعہ کا حکم

غلام کو اگر اس کا مالک اجازت دیدے تو بھی غلام کو اختیار ہے چاہے نمازِ جمعہ پڑھے یا نہ پڑھے۔ برخلاف مزدور کے کہ اس پر جمعہ واجب ہے اور مزدور کی مزدوری ساقط ہوجائیگی، یعنی اگر مسجد اتنی دور ہے کہ آنے جانے میں ایک پہر لگتا ہو تو اس دن کی اُجرت اور مزدور کی مزدوری اجرت کے حساب سے چوتھائی اجرت کاٹ دی جائیگی اس کا مطالبہ مالک سے مزدور نہیں کرسکتا ہے، اور اگر مسجد اتنی دور نہیں ہے تو مزدوری ساقط نہیں ہوسکتی (یعنی نہیں کاٹی جائیگی)۔ (رکن دین ص۱۳۴)

شہر میں جمعہ ادا کرنے والے کا حکم

الجواب:۔ حامداً ومصلیاً۔ جس شخص پر جمعہ فرض نہیں خواہ گاؤں میں رہنے کی وجہ سے خواہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے، وہ اگر ایسی جگہ جمعہ پڑھ لے کہ جہاں جمعہ صحیح ہوتا ہے تو اس کو جمعہ پڑھنے کا ثواب ملے گا اور اس کے ذمہ سے فریضہ ادا ہوجائیگا خواہ وہ امام ہو یا مقتدی۔ حضور ﷺ کے ساتھ جمعہ پڑھنے کے لیے کئی کئی کوس گاؤں سے نمبر وار بعض حضرات مدینہ شریف میں آیا کرتے تھے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۹۶ ج۲ بحوالہ ابوداؤد شریف ص۱۶۴ ج۱)

دیہاتی معتکف کے لیے نمازِ جمعہ کا حکم

الجواب:۔ حامداً و مصلیاً ۔ اعتکاف کے لیے شہر یا شرائط جمعہ کا پایا جانا ضروری نہیں بلکہ وہ ہر جگہ شہر ہو یا گاؤں مسنون علی الکفایہ ہے، البتہ مسجد ایسی ہو جس میں جماعت ہوتی ہو۔

گاؤں والے پر نہ جمعہ فرض ہے نہ سنت مؤکدہ، لہذا اس کو جمعہ کے لیے شہر میں آنا جائز نہیں، اگر آئے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائیگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۹۹ ج ۷)

گاؤں میں جمعہ پڑھنے والے کا حکم

چھوٹے گاؤں میں نمازِ جمعہ ادا کرنے سے ظہر ساقط نہیں ہوتی (یعنی ظہر کی نماز کا فریضہ ادا نہیں ہوتا) اور ایسا کرنا یعنی چھوٹے گاؤں میں نمازِ جمعہ ادا کرنا درمختار میں مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۵۲ ج ۵ بحوالہ درمختار باب الجمعہ ص ۴۸ے ج ۱)

پنجگانہ نماز نہ پڑھنے والے کا حکم

سوال: جو لوگ پنجگانہ نماز نہیں پڑھتے صرف نمازِ جمعہ ادا کرتے ہیں، ان کی نمازِ جمعہ کیا صحیح ہوگی؟

جواب: نمازِ جمعہ بلا شبہ صحیح ہے اگر چہ وہ شخص بڑا گنہگار ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم صفحہ ۵ے ج ۵ بحوالہ ہدایہ باب قضاء الفوائت ص ۱۳۸ ج ۱)

نمازِ جمعہ سے غیر حاضر رہنے والے کا حکم

سوال: جس شخص پر نمازِ جمعہ واجب ہے اور وہ بلا عذر نمازِ جمعہ سے غیر حاضر رہا تو اس کے لیے نماز ظہر جمعہ کی نماز سے پہلے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حنفیہؒ کے نزدیک ایسا عذر نہ ہونے کے باوجود، جو نمازِ جمعہ کی غیر حاضری سے مانع ہو، اگر کسی نے نمازِ جمعہ ہونے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی تو اس نماز کا صحیح ہونا اس بات پر موقوف ہوگا کہ اس نے ارادۃً نمازِ جمعہ سے انحراف کیا ہو۔ یہ نماز (ظہر) اگر چہ صحیح ہو جائے گی لیکن اس کا جمعہ کو چھوڑنا فعل حرام ہی متصور ہوگا۔

اگر ارادۃً نمازِ جمعہ سے انحراف نہیں تھا بلکہ (ظہر پڑھنے کے بعد) جمعہ کے لیے چل پڑا اور امام نمازِ جمعہ سے فارغ ہوا تھا تو وہ ظہر گھر سے نکلتے ہی باطل ہو جائے گی اور وہ ظہر نفلی نماز ہو جائیگی۔ اس پر واجب ہے کہ امام کے ساتھ نمازِ جمعہ میں شامل ہو جائے۔

اگر جماعت نہ پا سکا تو ظہر کی نماز دوبارہ پڑھے۔ ہاں اگر (اس وقت روانہ ہوا کہ) امام نماز ختم کر چکا تھا تو اس سے نمازِ ظہر باطل نہ ہوگی۔ یہی مسئلہ اس صورت میں ہے کہ جب کہ امام کے نماز سے فارغ ہوتے ہی چل پڑا ہو یا اقامتِ جمعہ سے پہلے چلا ہو۔

البتہ کوئی شخص ایسا ہے جس پر نمازِ جمعہ واجب ہی نہیں ہے۔ مثلاً مریض وغیرہ تو اس کیلئے (جمعہ کے بجائے) ظہر کی نماز پڑھ لینا درست ہے، اگر چہ امام جمعہ کی نماز پڑھ رہا ہو، اگر معذوری دور ہو جانے کی توقع ہو تو نمازِ ظہر میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔

(کتاب الفقہ ص ۶۴۱ ج ۱)

معذورین کے لیے جماعت کا حکم

شہر میں معذورین کے لیے نمازِ ظہر کی جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس لیے الگ الگ نماز (ظہر) پڑھیں اور تنہا میں بھی اذان واقامت نہ کہیں۔

جس شخص کی نمازِ جمعہ کسی معذوری سے یا بلا عذر رہ گئی ہو، اسے شہر کے اندر ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔ ہاں اہلِ بادیہ (یعنی صحرا نشین) جنکی موجودگی سے جمعہ کی شرائط پوری نہیں ہوتیں، جمعہ کے روز ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں تو جائز ہے کیونکہ ایسے اشخاص کیلئے جمعہ کا دن ایسا ہی ہے جیسے اور دن ہوتے ہیں۔ (کتاب الفقہ ص ۶۴۲ ج ۱)

عورتیں نمازِ ظہر جمعہ سے قبل پڑھ سکتی ہیں

سوال: عوام میں مشہور ہے کہ جب تک جمعہ کی نماز ختم نہ ہو جائے عورتیں گھروں میں ظہر کی نماز نہ پڑھیں، کیا اس کی شرعاً کوئی اصل ہے؟

جواب: اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۲۹ ج ۴)

(یعنی نمازِ ظہر جمعہ کی جماعت سے قبل بھی پڑھ سکتی ہیں کیونکہ جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا ہے۔ (رفعت)

باب ششم:

بغیر کسی عذر کے نمازِ جمعہ چھوڑنا

((عن ابن مسعودؓ ان النبی ﷺ قال لقوم یتخلفون عن الجمعة لقدهممت ان امر رجلا یصلی بالناس ثم احرق علیٰ رجال یتخلفون عن الجمعة بیوتهم))۔(مسلم شریف والحاکم)

ترجمہ:۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں جو جمعہ کی نماز میں نہیں آتے یہ فرمایا کہ "میرے دل میں آتا ہے کہ میں کسی کے نماز پڑھانے کے لئے کہہ جاؤں اوران لوگوں کے گھروں کو جو جمعہ میں نہیں آتے اُن آدمیوں سمیت آگ لگادوں۔"

تشریح:۔انسان جوبھی بھلائی اور نیکی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کرتا ہے، جب توفیق الٰہی شامل ہوجاتی ہے تب انسان اپنی خداداد صلاحیتوں اور قوتِ عمل کوکام میں لاکر نیک کام انجام دیتا ہے۔

اس فرمانِ نبوی ﷺ کا منشاء یہ ہے کہ جولوگ بار بار مسلسل یہ غفلت اورکوتاہی کرتے رہتے ہیں وہ رفتہ رفتہ اس صلاحیت اوراستحقاق سے محروم کردیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے توفیقِ الٰہی شامل حال ہوتی ہے اور جس کی بناء پر کسی نیکی کا کرنا آسان ہوتا ہے۔

اگر انسان خوداپنے ہاتھوں سے اپنے آئینہ قلب پر غفلت وتاریکی کے پردے اس قدرتہ بہ تہ لگالے کہ توفیقِ الٰہی کی شعاع سے روشن ہونے کی صلاحیت ہی ختم ہوجائے توغلطی وقصورخودانسان ہی کے علاوہ اور کس کا ہے؟(الترغیب ص ۱۵۱ جلد۲)

خدا کی پناہ! کس قدر وعید ہے اور کتنا غصہ ہے رسول اللہ ﷺ کوان لوگوں پر جو بغیر کسی مجبوری کے جمعہ کی نماز سے رک جاتے ہیں،اورارشاد کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مجسم رحمت وشفقت نبی ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہورہے ہیں جس کی مسلمانوں سے شفقت ومحبت کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ

میں کی: ﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ الرَّحِيمُ﴾ (التوبہ آیت ۱۲۸)

مسلمان تو مسلمان، خود اپنی جان کے دشمن کافروں کیلئے جو نبی ﷺ بددعا گوارا نہ کرے، ایسے رحیم نبی ﷺ نے اتنے سخت الفاظ یقیناً بہت ہی زیادہ غصہ اور ناپسندیدگی کی وجہ سے فرمائے ہیں۔ (الترغیب ص ۲۷ جلد ۲)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "جس نے تین جمعے سستی کی بناء پر بلا عذر چھوڑے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر مہر لگا دیتے ہیں۔"

تشریحات:۔ اگر کوئی اہانت وتحقیر کے طور پر جمعہ چھوڑتا ہے تو کافر ہو جائے گا اور اگر بلا عذر سستی اور لا پرواہی کی بناء پر چھوڑتا ہے تو فاسق اور سخت گنہگار ہوگا، اگر تین جمعے مسلسل چھوڑ دیئے تو اس کے قلب پر مہر لگا دی جائے گی جیسے منافقین کے قلوب پر مہر لگا دی گئی تھی۔

یا یہ مراد ہے کہ اس کے دل سے خیر کی صلاحیت ختم ہو جائے، نعوذ باللہ۔ دوسری احادیث میں اس سے بھی زیادہ سخت وعیدیں مذکور ہیں۔ (معارف مدنیہ ص ۲۷ ج ۳)۔

نمازِ جمعہ کا وقت

جمعہ کا وہی وقت ہے جو ظہر کا ہے، یعنی آفتاب ڈھلنے سے اس وقت تک کہ ہر شے کا سایہ ظلِ استواء یعنی زوال کے علاوہ دوگنا ہو جائے۔

نمازِ جمعہ کے وقت کا ثبوت اس حدیث شریف سے ہوتا ہے جو امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جبکہ سورج ڈھل جاتا تھا۔

نیز امام مسلمؒ نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے اخراج کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ "کنا نجمع مع رسول اللہ ﷺ اذا زالت الشمس ثم نرجع نتبع الفیٔ" (الظل)۔ یعنی جب سورج ڈھل جاتا تھا تو ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس اکٹھے ہوتے اور سایہ کو دیکھنے میں لگ جاتے تھے۔ (کتاب الفقہ ص ۵۹۹ جلد اول)

☆☆

جمعہ کا وقت معلوم کرنے کا طریقہ

نمازِ جمعہ کا وقت وہ ہی وقت ہے جو ظہر کا ہے، یعنی آفتاب ڈھلنے سے اس وقت تک کہ ہر شے کا سایہ ظل استواء (یعنی زوال) کے علاوہ دوگنا ہوجائے اس کی تفصیل اوقات نماز کے بیان ص ۲۹۰ جلد اول میں اس طرح ہے۔ ظہر کا وقت سورج کا زوال شروع ہوتے ہی آجاتا ہے یعنی سورج جس وقت بھی وسطِ آسمان سے جھکا اسی وقت ظہر کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ ہر چیز کا سایہ اس کی بلندی کے برابر نہ ہوجائے۔ اس کو جاننے اور سمجھنے کے لئے چاہئے کہ ایک سیدھی لکڑی یا ایسی ہی کوئی اور چیز دوپہر سے پہلے زمین پر سیدھی گاڑدی جائے۔ قدرتی طور پر اس کا سایہ ہوگا اور وہ سایہ آہستہ آہستہ کم ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ وہ سایہ بہت تھوڑا رہ جائے گا۔ اس وقت سایہ (کا گھٹنا) ٹھہر جائے گا اب اگر کچھ بھی سایہ باقی ہے تو جہاں تک وہ سایہ ہے اس پر نشان لگادیا جائے، اگر سایہ بالکل نہ ہو تو جہاں لکڑی گڑی ہے وہ ہی نشان ہے۔ یہ کیفیت استوائی علاقوں میں ہوتی ہے (جہاں دوپہر کو سایہ بالکل چھپ جاتا ہے) غرض جہاں پر (دوپہر کے وقت) سایہ ٹھہر جائے (یعنی کم سے کم ہو) وہی استواء کا وقت ہے۔ اب پھر سایہ بڑھنے لگے تو جان لینا چاہئے کہ سورج ڈھلنے لگا، یعنی آسمان کے وسط سے جھک گیا۔ یہیں سے ظہر (اور جمعہ) کا وقت شروع ہوتا ہے۔ جب لکڑی کا سایہ علاوہ اس سایہ کے جو استواء کے وقت تھا لکڑی کی لمبائی کے برابر ہوجائے تو ظہر کا وقت ختم ہوجائے گا۔ (کتاب الفقہ صفحہ ۵۹۹ جلد اول)

نمازِ جمعہ کا مستحب وقت

جمعہ کی نماز کا وقت بھی وہ ہی ہے جو ظہر کی نماز کا ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ ظہر کی نماز گرمیوں میں کچھ تاخیر کرکے پڑھنا بہتر ہے خواہ گرمی کی شدت ہو یا نہ ہو، اور سردیوں کے زمانہ میں جلد پڑھنا مستحب ہے۔ اور جمعہ کی نماز ہمیشہ اول وقت میں پڑھنا سنت ہے۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ (بہشتی زیور ص ۱۲ جلد ۱۱ بحوالہ عالمگیری ص ۱۴۶ ج ا و ص ۵۲ ج ۱)

حنیفہؒ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ جمعہ میں تعجیل (جلدی کرنا) مستحب ہے، تاخیر جو ک

ظہر کی نماز میں موسم گرما میں مستحب ہے، وہ جمعہ میں نہیں ہے۔ بلکہ جمعہ کو جلد ادا کرنا مستحب ہے اور احادیث سے بھی جمعہ کی تعجیل (جلدی) ہی ثابت ہوتی ہے۔ پس اگر زوال کے بعد مثلاً ساڑھے بارہ بجے اذانِ جمعہ ہونا چاہئے، پھر دس پندرہ منٹ بعد خطبہ اور اس کے بعد نماز ہونی چاہئے، مثلاً ایک بجے تک یہ سب کام ہو جائیں یا کسی قدر کم وبیشی ہو۔ ایسے امور میں امام کو خود اوقاتِ مستحبہ کی رعایت کرنی چاہئے۔ متولی وغیرہ کی ہدایت پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے اور متولی کو ہدایات دینے کی حاجت بھی نہیں ہے۔ جو اوقات نمازوں کے مستحب ہیں امام خود ان کی رعایت رکھے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۴۲ جلد ۵ بحوالہ شامی ص ۲۴۵ جلد اول)

کیا ڈھائی بجے تک جمعہ کا وقت ہے؟

جمعہ کا وقت مثل ظہر کے ہے زوالِ آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور ایک مثل یا دو مثل تک علیٰ اختلاف القولین باقی رہتا ہے۔ لیکن جمعہ جلدی پڑھنا مستحب اور بہتر ہے مثلاً ساڑھے بارہ بجے اگر زوالِ آفتاب شروع ہوتا ہے تو ایک بجے تک یا کچھ کم وبیش جمعہ کی نماز ادا کر لینی چاہئے۔

لیکن ڈھائی بجے تک بھی وقت رہتا ہے۔ البتہ قصداً اس قدر تاخیر پسندیدہ اور مشروع نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۴۱ جلد ۲ بحوالہ رد المختار ص ۳۴۰ جلد اول)

پونے چار بجے، جمعہ ثابت نہیں

آنحضرت ﷺ جمعہ کی نماز زوال کے بعد متصل یعنی فوراً پڑھتے تھے، یعنی زیادہ تاخیر نہیں فرماتے تھے، سردی کی موسم میں زوال کے بعد متصل (فوراً) نماز پڑھنا اولیٰ اور افضل ہے اور گرمی کے موسم میں زوال کے بعد ایک گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ کی تاخیر کرنے میں مضائقہ نہیں، مگر پونے چار بجے جمعہ کی نماز پڑھنا کسی طرح ثابت نہیں۔

(کفایت المفتی ص ۲۸ جلد ۳)

جماعت کے بغیر نمازِ جمعہ درست نہیں

اس امر پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ جمعہ کی نماز بغیر جماعت کے درست نہیں ہے

لہٰذا اگر نمازِ جمعہ تنہا پڑھی گئی تو صحیح نہ ہوگی اور حنیفہؒ کے نزدیک جماعت کے لئے یہ شرط ہے کہ امام کے علاوہ کم از کم تین اشخاص ہوں، گو وہ سب خطبہ میں موجود نہ ہوں، اس کے بغیر جمعہ نہیں ہوسکتا۔ (کتاب الفقہ ص ۶۰۶ و ص ۶۱۸ جلد اول)

جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں جماعت شرط ہے یعنی یہ نماز تنہا صحیح نہیں ہوتی ہیں اور پنجوقتی نمازوں میں جماعت ہو چکا ہو، اور اسی طرح نمازِ کسوف کے لئے اور رمضان کے وتر میں جماعت مستحب ہے اور رمضان کے علاوہ وتر میں جماعت مکروہ تنزیہی ہے۔ یعنی جبکہ پابندی کی جائے اگر پابندی نہ کی جائے بلکہ کبھی کبھی دو تین آدمی جماعت سے پڑھ لیں تو مکروہ نہیں، اور نمازِ خسوف میں اور تمام نوافل میں جبکہ نوافل اس اہتمام سے ادا کی جائیں جس اہتمام سے فرائض کی جماعت ہوتی ہے تو مکروہ تحریمی ہے۔

(بہشتی زیور ص ۵۴ جلد ۱۱ بحوالہ فتاوی ہندیہ ص ۴۶ و طحطاوی ص ۱۶۶)

نمازِ جمعہ کے لیے کب چلنا چاہیے

جس شخص پر جمعہ کی نما واجب ہے اسے چاہیے کہ خطیب کے سامنے کہی جانے والی اذان سنتے ہی (نماز جمعہ کے لیے) چل پڑے اور اس قوت خرید و فروخت حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ **"یایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ و ذروا البیع"**

غرض اللہ تعالیٰ نے اذان کی آواز پر نماز کے لیے چل پڑنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت رسول ﷺ کے زمانہ میں اس اذان کے سوا اور کوئی اذان لوگوں کو معلوم نہ تھی۔ جب آنحضرت ﷺ منبر پر تشریف لے جاتے تھے تو آپؐ کے سامنے مؤذن اذان دیتا تھا۔ (بخاری و ابوداؤد)

نسائی اور ترمذی میں اسی طرح روایت آئی ہے۔ اور جب لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو حضرت عثمانؓ نے ایک اور اذان کا (جو کہ زوال کے بعد ہوتی ہے) اضافہ کیا۔ کیونکہ جماعت کثیر ہوگئی تو دوسری اذان کا حاضرین کی جماعت کے خیال سے اضافہ کیا گیا، لہذا جب ہجوم زیادہ ہوا تو ان سب کو نماز کے وقت سے آگاہ کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ (یاد رہے کہ حضرت عثمانؓ اُن مجتہدین کبار صحابہؓ میں سے تھے جو دین کے اصولوں کو جانتے اور آپ ﷺ

کے ارشادات کو نقل فرماتے تھے۔
واضح ہو کہ تین امام اس پر متفق ہیں کہ جو لوگ جمعہ کی نماز کے مکلّف ہیں اُن پر واجب ہے کہ اس اذان کو سنتے ہی جو خطیب کے سامنے دی جاتی ہے نماز کے لیے چل پڑیں کیونکہ قرآنِ کریم میں جس اذان کا ذکر ہے اس سے یہی مراد ہے۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ سورج ڈھلنے کے بعد جمعہ کے روز جو اذان دی جاتی ہے اس کو سنتے ہی نماز کو چل پڑنا واجب ہے۔ کیونکہ وہ اذان مشروع ہے اور آیت کا مفہوم عام ہے، لہذا اسی اذان کو جو خطیب کے سامنے دی جاتی ہے اس حکم کو خاص نہیں کیا جا سکتا ہے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں۔
رہا خرید وفروخت کا معاملہ اس مسئلہ پر حنفیہ اور شافعیہ متفق ہیں کہ جمعہ کی اذان کے بعد یہ معاملہ حرام ہو جاتا ہے اگر چہ معاملہ بذاتِ خود صحیح ہے۔ البتہ اذان سے شافعیہ وہ اذان مراد لیتے ہیں جو خطیب کے سامنے دی جاتی اور حنفیہ اس سے وہ اذان مراد لیتے ہیں جو اس سے پہلے (زوال کے بعد) کہی جاتی ہے۔ اس وقت سے لیکر نماز کے ختم ہونے تک یہ امور ممنوع ہیں۔
یہ حکم اس کے لیے ہے جس پر نمازِ جمعہ واجب ہے لیکن جن پر نمازِ جمعہ واجب نہیں ہے ان کو نماز کے لیے جانا بھی واجب نہیں ہے اور نہ خرید وفروخت حرام ہے۔
اگر معاملہ کرنے والوں میں سے ایک شخص ایسا ہے (جس پر نمازِ جمعہ واجب ہے) اور دوسرا (شخص ایسا ہے جس پر نمازِ جمعہ واجب) نہیں ہے تو خرید وفروخت دونوں پر حرام ہے اس لیے کہ جس پر نمازِ جمعہ واجب نہیں ہے اس نے گناہ کے کام میں اس کی اعانت کی جس پر نماز واجب تھی۔

اختلاف کا فائدہ!

ان تفصیلات سے یہ معلوم ہوا کہ اذان سے پہلے، مذکورہ اختلافِ مسلک کے ساتھ نہ نماز کے لیے سعی کرنا واجب ہے اور نہ خرید وفروخت حرام ہے، البتہ اس شخص کو نمازِ کے لیے سعی کرنا (تیاری کرنا) واجب ہے، جس کا مکان اتنے فاصلہ پر ہو کہ نمازی وہاں سے چل کر ادائے نمازِ فرض کے لیے شامل جماعت ہو سکتا ہو۔ (کتاب الفقہ ص ۶۰۲ جلد اول)

نمازِ جمعہ کے لیے دوڑنا

جمعہ کی نماز کے لیے تیز چلنا اور مسجد کی طرف دوڑنا نہ ہمارے نزدیک اور نہ عامۂ فقہاء کے نزدیک واجب ہے۔ اس کے مستحب ہونے میں اختلاف ہے، زیادہ صحیح یہ ہے کہ اطمینان اور سکون اور وقار کے ساتھ چلنا چاہئے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۷ ج ۳)

مسجد میں جُوتے رکھنے کا طریقہ

اگر کوئی ایسی جگہ ہو جہاں جُوتیاں رکھی جاسکیں تو جوتو کا مسجد میں لے جانا مناسب نہیں اور نہ ہوتو مسجد میں لے جانے میں مضائقہ نہیں۔ لیکن اس طرح رکھے کہ مسجد ملوث (خراب) نہ ہو۔ (کفایت المفتی ص ۱۵۰ جلد ۳)

مسجد میں پہنچ کر کسی کو تکلیف نہ دینا

"عن عبدالله بن بسرؓ قال جاء رجل يتخطىٰ رقاب الناس يوم الجمعة والنبي ﷺ يخطب فقال النبي ﷺ اجلس فقد آذيت وانيت"۔ (ابوداؤد)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن بُسرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا (مسجد میں) آیا۔ حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "بیٹھ جاؤ، تم نے دیر بھی کی اور نمازیوں کو بھی ستایا"

تشریح:۔ جمعہ کے دن مجمع کو چیرتے ہوئے گزرنے اور گردنیں پھلانگنے کی ممانعت متعدد حدیثوں میں آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے اہتمام کے سلسلہ میں اس حدیث کے اندر کہ کسی کو تکلیف نہ دے، یہ بات خاص طور پر اس لیے ارشاد فرمائی کہ جمعہ کے دن مسجدوں میں دوسرے دنوں کی بہ نسبت مجمع زیادہ ہوتا ہے اور بعد میں پہنچنے والے بسا اوقات کاندھوں پر سے پھلانگتے، پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کے کاندھوں کا سہارا لیتے اور بوجھ دیتے، کپڑوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کیا کرتے ہیں جس سے لوگوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اسی طرح صفِ اول کے "نادان شوقین" پہلے سے تو آتے نہیں اور عین وقت پر پہنچ کر صفوں کو چیرتے پھاڑتے پہلی صف میں پہنچتے ہیں، چنانچہ متعدد احادیث میں

کاندھوں پر سے پھلانگ کر جانے پر صراحۃً نکیر آئی ہے، اس لیے بعض حساس طبیعتوں پر تو ان حرکتوں کا اتنا اثر ہوتا ہے کہ پوری نماز میں اس کی وجہ سے بے لطفی سی رہتی ہے۔

(الترغیب ص۳۳۲ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس نے صفِ اول اس خیال سے چھوڑ دی کہ کسی کو تکلیف پہنچے گی، تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر بڑھا کر صفِ اول ہی کے برابر کر دے گا''

صفِ اول کا ثواب حاصل کرنے اور خالی جگہ کو پُر کرنے کے خیال سے بعض لوگ پہلی صف میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے بعض اوقات خود اس شخص کو بھی پریشانی ہوتی ہے اور دوسرے لوگ بھی پریشان ہوتے ہیں، اسلیئے گھسنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آرام سے کھڑے ہونے کے قابل جگہ ہے بھی یا نہیں؟ اگر جگہ تنگ ہے تو پیچھے ہی کھڑا رہنا بہتر ہے، اور جب اگلی صف کے شوق کے باوجود جذبہ یہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ اس جذبہ کی قدر کرتے ہوئے پچھلی صف میں بھی اگلی صف کا ثواب عنایت فرمائے گا۔ (الترغیب ص ۵۱ ج اوص ۱۵۷ ج ۲)

جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں پر سے گزرنا

''عن معاذبن انسؓ قال قال ﷺ من تخطی رقاب الناس یوم الجمعة اتخذ جسراً الیٰ جهنم''

ترجمہ:۔ حضرت معاذ ابن انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں پر سے گزر کر جائے گا اس کو جہنم کے راستہ میں پل بنایا جائے گا''

اور مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ (گردنوں کو پھلانگنے والا) دوزخ میں جائیگا۔

(معارف مدنیہ ص ۹۳ جلد ۳)

جمعہ کے روز مسجد میں آنے والوں کے لیے مناسب نہیں کہ ایک دوسرے کو روندتے ہوئے داخل ہو، امام یا مؤذن کو بھی ایسے راستے سے گزرنا چاہئے کہ اس کے گزرنے سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو، اگر اگلی صفوں میں جگہ خالی ہو تو وہاں چلے جانے میں کوئی حرج نہیں

بشرطیکہ وہاں جانے سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ (غنیۃ الطالبین ص ۴۶۰)

ضرورت کے وقت صفیں چیر کر جانے کا حکم

سوال:۔ امام و مؤذن جامع مسجد و عیدگاہ کے اگر امور متعلقہ ضروریہ متعلق نماز کی وجہ سے اول وقت منبر اور مصلے پر نہ جا سکیں بلکہ بعد میں نمازیوں کی صفوف کو چیر کر اور گردنوں کو پھلانگ کر مصلّے پر جانا درست ہے یا نہیں

جواب:۔ درمختار میں ہے اگر کسی کو ایذا نہ ہو تو پھلانگنا درست ہے، خصوصاً بضرورت مذکور امام و مؤذن کو آگے جانا صفوف کو چیر کر درست ہے۔" **الا ان لا یجد الفرجة امامه فتخطی الیها للضرورة**،، (فتاویٰ دارالعلوم ص ۵۵ ج ۵ بحوالہ ردالمختار باب صلاۃ عیدین ص ۵۷۷ جلد اول)

(کیونکہ یہاں پر ضرورت ہے کہ امام وغیرہ کا پہنچنا ضرورت ہے۔ محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ:۔ حنفیہؒ کے نزدیک جمعہ کے روز (مسجد میں) صفوں کے پھلانگنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ یہ دونوں باتیں ملحوظ رہیں:۔ ایک تو یہ کہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، یعنی گزرنے اور پھلانگنے سے کسی کا لباس کچلا نہ جائے اور نہ کسی کے بدن پر رگڑ لگے۔ دوم یہ کہ اس وقت تک امام صاحب نے خطبہ شروع نہ کیا ہو۔ یہ نہ ہو تو یہ عمل مکروہ تحریمی ہے۔ اس حکم سے ایسی صورت مستثنٰی (الگ ہے) کہ جہاں پلانگ کر جانا ضروری ہو جائے مثلاً یہ کہ بغیر پھلانگے بیٹھنے کی جگہ دستیاب نہ ہو سکے، اس صورت میں (پھلانک کر جانا) مطلقاً مباح ہے۔

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۲۳۸ جلد اول)

نمازِ جمعہ میں جگہ روکنے کا حکم

شامی ص ۶۲۰ جلد اول میں ہے کہ اگر کوئی شخص خطبہ سے پہلے آ کر مسجد میں بیٹھا اور پھر کسی ضرورت کی وجہ سے مثلاً وضو وغیرہ کے لیے وہاں سے اٹھا اور اس جگہ اپنا کپڑا رکھ کر گیا تو وہ مستحق ہے اس جگہ کا۔

پس اگر کوئی دوسرا شخص بیٹھ جائے تو وہ اس کو اٹھا سکتا ہے بغیر اس حالت مذکورہ کے کسی جگہ رومال وغیرہ رکھنا اور قبضہ کرنا اچھا نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۵۱ ج ۳)

ایک رسم یہ ہے کہ اکثر لوگ عیدین یا جمعہ میں یا اور نمازوں میں پہلے سے خود یا کسی نوکر، خادم، دوست آشنا کی معرفت مسجد میں اپنا کپڑا یا تسبیح جگہ روکنے کے لیے رکھ دیتے ہیں اور آزادی و بے فکری سے جب دل چاہتا ہے تشریف لے جاتے ہیں۔ سو یہ بات بالکل شریعت کے خلاف ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ ہم حضورؐ کیلیے منیٰ میں پہلے خیمہ وغیرہ لگادیں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں! کیونکہ وہاں ٹھہرنے کا استحقاق اس کو حاصل ہے جو پہلے پہنچ جائے۔

البتہ کسی جگہ جب آدمی بیٹھ گیا اور نماز ہونے تک بیٹھے رہنے کا ارادہ کرلیا، اگر اتفاقاً درمیان میں عارضی طور پر اٹھنا پڑے۔ مثلاً وضو ٹوٹ گیا، کھنکار نے (ناک وغیر صاف کرنے) گیا، اس وقت یہی شخص اس جگہ کا مستحق ہے۔ دوسرے شخص کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ ایک حدیث شریف اس مضمون کی بھی آئی ہے۔ (اصلاح الرسوم ص ۱۶۵)

جو شخص نماز کی صف میں پہلے سے بیٹھا ہو۔ اس کو ہرگز نہ اُٹھایا جائے اور نہ ہی دوسرے آدمی کی جگہ بیٹھنا چاہئے کیونکہ حضور پرنور ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ:۔

''اپنے بھائی کو بیٹھنے کے لیے اس کی جگہ سے نہ اٹھاؤ''

حضرت ابن عباسؓ کا دستور تھا کہ کوئی شخص اپنی جگہ سے اُٹھ کر چلا جاتا تو آپؓ کبھی اس کی جگہ نہ بیٹھا کرتے تھے۔ (غنیۃ ص ۴۶۰)

نمازِ جمعہ میں بیٹھنے کا ایک غلط طریقہ

رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن خطبہ کے دوران ''احتباء'' سے منع فرمایا ہے، اور احتباء کے معنی یہ ہیں کہ گھٹنوں کو کھڑا کرکے پیٹ سے ملالیا جائے، کمر اور ٹانگوں کو ایک کپڑے سے باندھ لیا جائے، یا ہاتھوں سے حلقہ بنالیا جائے، اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ آرام کا سبب ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خطبہ نماز کے حکم میں ہے جو چیز بھی نماز کی حالت میں ناپسند ہے وہ خطبہ میں بھی ناپسند ہے، اور تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ بعض کے نزدیک ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے۔ (معارف مدنیہ ص ۹۴ جلد ۳)

''احتباء'' ایک خاص نشست اور بیٹھنے کے ایک مخصوص طریقے کو کہتے ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اُکڑوں بیٹھ کر کپڑے یا ہاتھوں کے ذریعے دونوں گھٹنے اور رانیں پیٹ کے ساتھ ملالی جاتی ہیں۔

خطبہ کے وقت اس طرح بیٹھنے سے منع فرمایا گیا کیونکہ ایسی حالت میں نیند آجاتی ہے جسکی وجہ سے خطبہ کی سماعت نہیں ہوسکتی بلکہ بسااوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس طرح بیٹھنے والا غنودگی کے عالم میں ایک پہلو پر گر جاتا ہے یا بیٹھے ہی بیٹھے اسکا وضوٹوٹ جاتا ہے اور اسکو احساس بھی نہیں ہوتا ہے۔ (مظاہر حق جدید ص ۲۵۷ ج ۲)

جمعہ میں اُونگھنے کا حکم

''عن ابن عمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا نعس احدکم یوم الجمعة فلیتحول عن مجلس ذالک.''

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی جمعہ کے روز اُونگھنے لگے تو اس کو مجلس (جگہ) بدل دینی چاہئے۔

خطبہ میں نیند آنے کے وقت ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلنے میں حکمت یہ ہے کہ نیند اور کسل وسستی دور ہوجائے اور خطبہ کے ثواب سے محرومی نہ رہے۔

(معارف مدنیہ ص ۱۰۱ جلد ۳)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کی حالت میں اُونگھنے لگے تو اس چاہئے کہ سورہے یہاں تک کہ نیند جاتی رہے کیونکہ جب تم میں سے کوئی اُونگھتا ہوا نماز پڑھتا ہے تو نیند کے غلبہ کی وجہ سے اسے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مغفرت کا طالب ہو مگر (اونگھنے کی وجہ سے) اپنے نفس کیلئے (اسکی زبان سے) بددعا نکل جائے (بخاری ومسلم)

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ نیند کے غلبہ اور اونگھنے کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے۔ مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اس پر نیند کا غلبہ ہے اور اونگھ رہا ہے جس کی وجہ سے اس کے دل ودماغ اور زبان پر غفلت وسستی کا قبضہ ہے اب

وہ اس حالت میں کہنا چاہتا ہے کہ:۔

اللھم اغفرلی اے اللہ! میری مغفرت فرما۔

مگر نیند کی غفلت سے اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں:۔

اللھم اعفرلی اے اللہ! مجھے خاک آلودہ کردے۔

دیکھئے نیند کی غفلت نے صرف (غین) کے نقطہ کے فرق سے کیا گل کھلا دیا ہے۔ کہاں تو اپنی مغفرت اور آخرت میں اپنی عزت اور کامیابی کی دعاء مانگنا چاہتا تھا اور کہاں اپنے نفس کے لیے بددعاء کے الفاظ نکل رہے ہیں۔ اسی لیے نیند اور اُونگھ کا جب غلبہ ہو تو نماز نہ پڑھنی چاہئے۔ (مظاہرحق جدید ص ۱۶۲ جلد دوم)

بابِ ہفتم:

جمعہ کی اذان

رسول اللہ ﷺ اور حضرات ابوبکر وعمرؓ کے زمانہ میں دو اذانیں تھیں۔ ایک جب امام نکل آتا تھا اور دوسری نماز شروع کرنے کے وقت جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو انھوں نے تیسری اذان کا اضافہ کیا۔

تشریح:۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ کی لوگ جمعہ کے لیے زوال سے پہلے ہی آجاتے تھے، اور جو لوگ رہ جاتے تھے وہ اذان سن کر (خطبہ کی) پہنچ جاتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں آبادی بہت بڑھ گئی تھی۔ اس کی وجہ سے لوگوں کو جمع ہونے میں دشواری ہوتی تھی، اس لیے انھوں نے ایک اذان جمعہ میں بڑھادی تاکہ سب لوگ جمعہ ہو جائیں۔ یہ اذان مشروعیت کے اعتبار سے تیسری ہے لیکن فضیلت کے اعتبار سے پہلی ہے۔

دوم:۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فارغ البالی زیادہ ہوگئی تھی، جب فارغ البالی آتی ہے تو اپنے لوازم بھی ساتھ لاتی ہے، اس کے لوازم میں ایک تکاسل وسستی بھی ہے، اس لیے اس زمانہ میں لوگوں کے مزاج وغیرہ میں تھوڑی سی تبدیلی آگئی تھی، اس لیے حضرت عثمانؓ نے تیسری اذان کا اضافہ کیا۔

اس کا اضافہ اگرچہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہوا، لیکن اس کو بدعت نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ تیسرے خلیفۃ المسلمینؓ کے اجتہاد سے ثابت ہوا، پھر اس پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہو گیا، کیونکہ اس پر کسی کا انکار واختلاف نہیں ہوا ہے۔

اور ائمہ مجتہدین امام اور ابو حنیفہؒ وامام شافعیؒ کے موافق ایک وقت میں متعدد مؤذن اور کئی اذانوں کی اجازت ہے۔ اس کو کوئی بدعت نہیں کہتا، پس صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کا اجتہاد بدرجۂ اولیٰ بدعت قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

اور اس وجہ سے بھی کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ''**علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین**۔

اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ خلفاء راشدین کا جاری کردہ طریقہ اگرچہ نبوتؐ کے زمانہ میں نہ ہو، پھر بھی وہ سنت ہے، بدعت نہیں۔ لہذا اس پر عمل کیا جانا چاہئے۔ دوم یہ کہ ان کی سنت حقیقت میں حضور ﷺ کی سنت ہے۔ لیکن اس کا ظہور ان کے زمانہ میں ہوا ہے، بہرصورت اس کو بدعت نہیں کہا جا سکتا۔

محققینؒ کے نزدیک خلفاء راشدینؓ کا مقام مجتہدین سے بڑھا ہوا ہے، آپؐ کے بعد خلفاء راشدینؓ کا درجہ ہے اور اس کے بعد مجتہدین کا درجہ ہے، لہذا جن کاموں میں مجتہدین کے لیے اجتہاد کی گنجائش نہیں ان میں خلفاء راشدینؓ کو کوئی فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے، کیونکہ کسی مجتہد کی پیروی تمام اُمت پر لازم نہیں کی گئی، لیکن حدیث میں خلفاء راشدین کی پیروی تمام اُمت پر ضروری کر دی گئی ہے، اور اس کی وہی حیثیت قرار دی گئی ہے جو سنتِ نبویؐ کی ہے، یہ اس کی واضح دلیل ہے کہ خلفاء راشدین کا درجہ مجتہدین سے اُوپر ہے۔

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ جب جمعہ میں لوگوں کی تعداد کم ہوتی تھی تو رسول اللہ ﷺ انتظار فرماتے تھے، اور کئی مؤذن یا اعلان کرنے والے اذان دیتے یا اعلان کرتے تھے تا کہ لوگ آ جائیں، اس کے بعد خطبہ ہوتا تھا۔

اس حدیث سے بھی حضرت عثمانؓ کے فعل کی تائید ہوتی ہے، کہ اگر ایک اذان اور مؤذن کافی نہ ہو تو متعدد اذانیں جائز ہیں۔ پہلی اذانیں غائبین کی اطلاع کیلئے ہے اسلئے

مسجد سے باہر خارجِ مسجد ایسی جگہ ہونی چاہئے جہاں سے دور تک آواز جا سکے، اور دوسری اذان حاضرین کی اطلاع کیلئے اسلئے خطیب کے سامنے مسجد ہی میں ہونی چاہئے۔

(معارف مدنیہ ص ۹۶ ج ۳)

جمعہ کی اذان زوال کے وقت

وقت سے پہلے اذان درست نہیں ہے، اس لئے فقہاء لوٹانے کا حکم فرماتے ہیں اور جمعہ کا وقت ظہر کی طرح زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، لہٰذا جمعہ کی اذان زوال کے بعد ہونی چاہئے۔ زوال سے پہلے درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۹۶ جلد دوم بحوالہ ردالمحتار ص ۳۴۰ جلد اول)

جمعہ میں تثویب

سوال:۔ بعض شہروں میں ایسا کرتے ہیں کہ اول نماز جمعہ کے لئے اذان، اس کے بعد دو مرتبہ باآواز بلند "الصلوٰۃ" کہہ کر پکارتے ہیں اور پھر اس کے بعد خطبہ کی اذان ہوتی ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب:۔ یہ تثویب ہے جو کہ مختلف فیہ ہے اور احادیث میں اس پر بدعت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور بعض فقہاء نے اس کو جائز فرمایا ہے اور امام ابو یوسفؒ اس تثویب (نماز کی اطلاع کرنے) کو خاص قاضی اور مفتی وغیرہ کے لئے جائز رکھتے ہیں اور اسی کو قاضی خانؒ نے اختیار کیا ہے۔ پس اَحوط ترک ہے۔ (احتیاط اسی میں ہے کہ نہ کیا جائے)۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۹۱ جلد ۲ بحوالہ ہدایہ ص ۸۴ جلد اول باب الاذان)

تثویب کیا ہے؟

شریعت نے مسجد سے باہر کے لوگوں کو نماز کی اطلاع دینے کے لئے اذان مقرر فرمائی ہے اور جو لوگ مسجد کے اندر موجود ہیں ان کے لئے اقامت۔

اب اس سلسلہ میں عام کوتاہی یہ رائج ہے کہ اذان کے بعد بھی لوگوں کو مختلف طریقوں سے نماز کے لئے بلایا جاتا ہے جس کو دینی زبان میں تثویب کہا جاتا ہے۔ اس کی

دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک مسنون۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اذانِ فجر میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کا اضافہ کیا جائے، جیسا کہ اذانِ فجر میں معمول ہے۔

(۲) دوسری مکروہ۔ اس سے مراد اذان کے بعد نماز کے لئے بلانے کا وہ معروف طریقہ ہے جیسے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق اختیار کرلیں، چنانچہ ہر زمانے میں اس کی صورتیں مختلف رہی ہیں۔ آج کل بھی اس کی چند سورتیں رائج ہیں۔ مثلاً:

بعض جگہ اس مقصد کے لئے اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام ہوتا ہے۔

بعض جگہ وعظ وتقریر شروع کردی جاتی ہے، خواہ بذریعہ ٹیپ ریکارڈ ہی ہو۔ بعض جگہ حمد ونعت اور مختلف اشعار بلند آواز سے پڑھ کر متوجہ کیا جاتا ہے۔ بعض جگہ صاف صاف اعلان ہوتا ہے کہ بھائیو! جماعت تیار ہے نماز کے لئے تشریف لے آؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔

یاد رکھئے! قولِ راجح کے مطابق یہ دوسری قسم اور اس کی مختلف صورتیں اور طریقے مکروہ ہیں، ان سے بچنا چاہئے۔ جتنا دین سے ثابت ہے اس سے آگے بڑھنا دین میں اضافہ ہے۔ جو درست نہیں ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ جمعہ کے دن خطبے کی اذان کا اکثر نمازی جواب دیتے ہیں، اور اذان کے بعد باقاعدہ دعاء وسیلہ بھی پڑھا کرتے ہیں۔ حالانکہ جمعے کے دن خطبے کی اذان کا زبان سے جواب نہیں دینا چاہئے اور دعا وسیلہ بھی زبان سے پڑھنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح بہت سے لوگ خطبہ کی اذان میں یا خطبہ کے دوران جب آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی سنتے ہیں تو زبان سے درود شریف پڑھتے ہیں، یہ بھی درست نہیں ہے۔ اگر اذان کا جواب دینا ہو یا دعا وسیلہ یا درود شریف پڑھنا ہو تو دل میں پڑھنا چاہئے۔

(درمختار، القول المتین فی الاقامت والتاذین ص ۴۶)

جمعہ کی پہلی اذان کس جگہ دی جائے؟

مسجد کے اندر اور مسجد کے باہر اذان دینا برابر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے اب تک جاری ہے، خطبہ کی اذان مسجد میں ہوتی ہے۔ اور باقی نمازوں کی اذان مسجد سے باہر

اور مسجد کے اندر جائز ہے، اور منارہ پر اذان کا ہونا فقہاء نے مشروع لکھا ہے، اور ظاہر ہے کہ منارہ مسجد سے خارج ہوتا ہے، اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۹۸ جلد ۲ بحوالہ غنیۃ المستملی ص ۵۲۰)

سوائے خطبہ کی اذان کے باقی پنجگانہ نمازوں کے لئے اذان کسی بلند جگہ پر کہنا افضل ہے اور مسجد سے خارج بہتر ہے۔ اگرچہ مسجد میں بھی جائز ہے چنانچہ خطبہ جمعہ کی اذان مسجد میں پیش منبر ہونا اس کی دلیل کافی ہے۔ اور بلند جگہ ہونا اذان کا اس لئے مشروع ہے کہ آواز دور تک پہنچ جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں اذانِ پنجگانہ مسجد سے خارج ہوتی تھی اور وجہ یہی تھی کہ بلند جگہ پر کہنے کی وجہ سے متصل مسجد بعض مکانات کی چھت پر اذان ہوتی تھی، پس اس زمانہ خیر کے اس فعل سے اذانِ پنجگانہ مسجد سے خارج ہونا افضل معلوم ہو۔ لیکن ممانعت مسجد میں اذان کہنے سے بھی نہیں ہے اور کوئی وجہ بھی ممانعت کی نہیں ہے کہ مسجد اللہ کے ذکر کے لئے بنائی گئی ہے، اور اذان بھی ذکر اللہ ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۰۰ جلد ۲ بحوالہ سورۂ بقرہ رکوع ۱۴)

کلمہ "محمد رسول اللہ" سن کر انگوٹھوں کو آنکھوں پر لگانا

سوال:۔ اذان میں "اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ" پر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ علامہ شامیؒ نے قہستانی وغیرہ کے حوالہ سے تقبیل (چومنے) کا استحباب نقل کرنے کے بعد جراحی سے نقل کیا ہے کہ کسی حدیث سے اس کا ثبوت نہیں، لہٰذا اس کی سنیت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور چونکہ عوام اس کو سنت سے بھی بڑھ کر ضروری سمجھ کر تارک تقبیل (یعنی محمد رسول اللہ پر انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں کو نہ لگانے والے) کو ملامت کرتے ہیں، لہٰذا اس کا چھوڑنا ضروری ہوگیا۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۷۹ جلد اول)

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ "اشھد ان محمدا رسول اللہ" سن کر "قرۃ عینی بک یارسول اللہ" کہنا مستحب ہے، اور بعض روایات اس بارہ میں نقل کی ہیں جو ثابت

نہیں ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام قول وفعل سے یہ عمل منقول نہیں ہے۔ پس اس کو نہ کرنا اور چھوڑ دینا زیادہ احتیاط رکھتا ہے۔

اذان کے وقت جو کلمات منقول ہیں ان کو معمول بہ بنانا چاہئے۔ دین میں زیادتی نہ کرے۔ اس سوال کے متعلق یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ بعض احادیث موقوفہ بھی اس باب میں آئی ہیں۔ قطع نظر صحت سند کے اس میں دو امر قابل لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ ان روایات میں یہ عمل بطور علاج وحفاظت آنکھ دکھنے کے مرض کے آیا ہے، جو ایک امر دنیوی ہے۔ اس میں کوئی فضیلت وغیرہ یا ثواب نہیں، اور اب لوگ اس کو ثواب و تعظیم نبوی ﷺ کہ امرِ دینی ہے سمجھ کر کرتے ہیں اور تداوی (علاج) کو عبادت سمجھنا بدعت ہے اس لئے یہ اس اعتقاد سے بدعت ہوگا۔ دوم یہ کہ کرنے والے اس کا التزام عملی واعتقادی کرتے ہیں اور نہ کرنے والے کو مطعون سمجھتے ہیں۔ فقط کتبہ اشرف علی تھانوی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۲۶ جلد دوم)

سنت سمجھ کر یہ فعل کرنا صحیح نہیں ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ اس کو سنت سمجھ کر کرتے ہیں اور نہ کرنے والے کو مطعون کرتے ہیں اس لئے اب اس کو (یعنی انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگانے کو) علمائے محققین نے متروک قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۹۰ ج ۲)

اذان اول کے بعد دینی کام کرنا

سوال:۔ جمعہ کی پہلی اذان کے بعد دینی کتب کا مطالعہ کرنا یا مسائل وحدیث کا لکھنا کیسا ہے؟

جواب:۔ جمعہ کے دن پہلی اذان کے بعد جمعہ کی تیاری کے سوا کوئی کام بھی جائز نہیں، خواہ وہ دینی کام ہی کیوں نہ ہوں۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۴۱ جلد ۴ بحوالہ ردالمحتار ص ۷۷۰ جلد ۱)

یہ جب ہے کہ اگر خطبہ میں شریک نہ ہو سکے اور پورا خطبہ سننے کو نہ مل سکے۔ (رفعت)

اذان جمعہ کے بعد غیر مسلم کو دوکان پر بٹھانا

سوال:۔ جمعہ کی اذان سے پہلے میں مسجد چلا جاتا ہوں مگر دوکان کھلی رہتی ہے، غیر مسلم ملازم مال فروخت کرتا ہے، کیا اس میں کوئی قباحت ہے؟

جواب:۔ غیر مسلم ملازم جس پر اذانِ جمعہ سن کر تیاری واجب نہیں ہے، وہ آپ کی

دوکان کھلی رکھے تو ناجائز نہیں ہے۔
لیکن احتیاط اور جمعہ کی فضیلت کا تقاضہ یہ ہے کہ اذان اول کے ساتھ دوکان بند کردی جائے، تا کہ غافل قسم کے لوگوں کو اس سے غلط فہمی نہ ہو۔ دوکان بند رکھنے میں جمعہ کے دن کی عظمت اور شان وشوکت میں اضافہ ہوگا، مدارسِ اسلامیہ بند رہتے ہیں، تو اگر ایک گھنٹہ دوکان بند رہے تو کیا نقصان ہو جائے گا۔ ﴿ذَالِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۂ جمعہ پارہ ۲۸ فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۹ جلد پنجم)

پہلی اذان کے بعد امام کہاں بیٹھے؟

امام کے لئے مستحب ومسنون یہ ہے کہ خطبہ سے پہلے اپنے کمرہ میں رہے، اگر کمرہ نہ ہو تو منبر کے دائیں طرف کسی مخصوص جگہ میں بیٹھے، یا جہاں سکون ہو وہیں سنت وغیرہ پڑھے اور خطبہ کے وقت منبر پر آئے۔

حضور پر نور ﷺ عین خطبہ کے وقت اپنے حجرۂ مبارک سے (جو منبر کے دائیں جانب تھا) نکل کر منبر پر تشریف لاتے تھے اور حضور ﷺ کے خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی عمل تھا۔

روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنیؓ کے زمانۂ مبارک میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت تمیم داریؓ خطبہ سے پہلے منبر کے قریب وعظ فرماتے تھے۔ جب امیر المؤمنین خطبہ کے لئے اپنے کمرہ سے نکلتے تھے تو فوراً وعظ بند کر دیتے۔

(مستدرک حاکم ص ۱۰۸ جلد اول)

اسی لئے فقہاء کرام تحریر فرماتے ہیں کہ خطیب کیلئے مسنون یہ ہے کہ منبر کے دائیں جانب حجرہ (کمرہ) میں بیٹھے (درمختار) اگر حجرہ ن نہ ہو تو اس طرف کے کونے میں بیٹھے، اگر دائیں جانب سکون کی جگہ نہ ہو تو جہاں سکون ہو وہاں بیٹھے۔ خطیب کے لئے خطبہ سے پہلے کی سنتیں محراب میں پڑھنا مکروہ ہے۔ (شامی ص ۶۰ جلد اول)

دوسری اذان کا مسجد میں ہونے کا ثبوت

سوال:۔ابوداؤد میں حدیث ہے:''کان یؤذن بین یدی رسول اللہ علیہ وسلم صلی اللہ،، سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کی دوسری اذان بھی مسجد سے باہر ہونا چاہئے، علاوہ ازیں مسجد کے اندر اذان کی کراہت کا بھی یہ تقاضا ہے، اس کے باوجود اذان منبر کے قریب ہونے کا عام دستور کیوں ہے؟

جواب:۔''بین یدی'' قریب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، یہ معنی اس قدر معروف اور متبادر ہیں کہ اس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔

حاصل یہ کہ یہ اذان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے قریب ہوتی تھی۔اور سامنے کی طرف مسجد کا دروازہ بھی قریب ہی تھا کیونکہ اول تو مسجد ہی زیادہ وسیع نہ تھی اور پھر یہ کہ دروازہ بھی صحن کا نہ تھا بلکہ مسقف (چھپا ہوا) حصہ تھا، اس لئے کہ مسجد کے صحن میں احاطہ نہیں تھا جس میں دروازہ ہوتا۔

بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ اذان مسجد سے باہر ہوتی تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس وقت جمعہ کے لئے صرف یہی ایک اذان تھی۔اس لئے آواز پہنچانے کی خاطر مسجد سے باہر ہوتی تھی۔حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں جب اذانِ اول کا اضافہ ہوا تو اذانِ ثانی میں غائبین تک آواز پہنچانے کی ضرورت نہیں رہی بلکہ اس سے مقصد صرف تنبیہ حاضرین رہ گیا، چونکہ حاضرین مسجد کے اندر ہیں اس لئے ان کی خاطر اذان بھی مسجد کے اندر متعین کر دی گئی۔

حدیث مذکور میں:''بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،، کے الفاظ نص ہیں۔کہ اذان ''بین یدی الخطیب'' (خطیب کے سامنے اذان) کا توارث وتعامل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اگر یہ الفاظ حدیث سے نہ بھی ثابت ہوتے تو بھی امت کا عمل متوارث ہی اس کے ثبوت پر دلیل ہے۔(احسن الفتاویٰ جلد۴ص ۱۲۶ بحوالہ مفردات۱۴۲جلد اول وعمدۃ القاری ص ۳۵۸ جلد۲ واعلاء السنن ص ۴۹ جلد ۸)

اس اذان کا حال اقامت کی طرح ہے یعنی یہ حاضرینِ مسجد کی اطلاع کے لئے

ہے کہ اب خطبہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ نفل، تسبیح، تلاوت ختم کردو۔

پس یہ اذان خطیب کے مقابل پہلی صف میں یا نمازیوں کی قلت و کثرت (کمی وزیادتی) کے اعتبار سے جس میں مناسب ہو کہ سب تک آواز پہنچ جائے، مسجد ہی میں دی جائے، یہ ہی متوارث ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۵۸ جلد ۲)

خطبہ کی اذان مسجد میں کیوں ہوتی ہے؟

الجواب:۔ اذان کے معنی لغت میں اعلام کے اور اصطلاح شرح میں مخصوص اعلام کے ہیں جس کو شرع میں اذان کہتے ہیں (شامی ص ۳۹۷ جلد اول)۔

(اعلام کے معنی اطلاعِ عام کے ہیں)

اذان کی وجہ مشروعیت کتب احادیث سے اسی قدر ثابت ہے۔ کہ نمازیوں کو اوقاتِ نماز کی اطلاع ہو جائے، اور مسجد میں حاضر ہو کر با جماعت نماز ادا کریں۔

اذان کے کلمات پر اگر غور کریں تو یہ صرف ذکر اللہ ہے یا ذکر اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے، ان کلماتِ اذان کو نہ مسجد سے کسی قسم کی منافات نہ خارج مسجد سے خاص مناسبت بلکہ بظاہر تو معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک کہ "مساجد کی بناء نماز و ذکر اللہ کے لئے ہے۔"

لیکن چونکہ اذان سے مقصود اعلام اور اطلاع عام ہے اس لئے بلند جگہ پر اذان دینا اولیٰ ہوا، چنانچہ حضور ﷺ کے زمانہ میں بلندِ مقام پر اذان دینے کا اہتمام تھا لیکن مسجد یا خارج مسجد کا کوئی التزام نہ تھا۔ آپ ﷺ کے زمانہ مقدس میں دونوں جگہ اذان دینا ثابت ہے۔

(دیکھئے شامی ص ۴۰۲ جلد اول)۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر سے پیشتر اُمِ زید کے مکان پر جو متصل مسجد تھا اذان ہوتی رہی اور مسجد کی تعمیر کے بعد مسجد کی چھت پر ہونے لگی اور چھت پر اذان کے لئے کچھ اور بلندی بھی کرادی۔ حضرت بلالؓ نے مسجد کے اندر ہی اذان سیکھی۔ سب سے پہلی اذان حضور ﷺ کے حکم سے مسجد میں ہی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں اذان مسجد اور مسجد کی چھت پر ہوئی اور ظاہر ہے کہ مسجد کی چھت جملہ احکام میں مسجد کے حکم میں ہے۔

الغرض چونکہ اذان اطلاع عام کے لئے ہے اس لئے بلند جگہ پر ہو تو زیادہ مناسب ہے خواہ مسجد میں ہو یا خارجِ مسجد۔ فقہاءؒ نے جو اذان کو مسجد میں مکروہ یا نامناسب فرمایا ہے۔ یہی مطلب ہے کہ اذان میں اعلان تام ہونا چاہئے۔ مسجد میں اذان دینے سے اعلام (اطلاع عام) کافی نہ ہوگا۔ لہٰذا مسجد کی کسی اونچی جگہ پر یا خارجِ مسجد میں ہونی چاہئے۔

میرے خیالِ ناقص میں تو یہ بات نہیں آتی کہ فقہاءؒ نفسِ اذان کو مسجد میں مکروہ فرمائیں کیونکہ اذان دنیا کی باتیں نہیں ہیں، لہو ولعب نہیں ہاں اذان سے جو غرض ہے وہ پست جگہ کہنے سے ناقص رہتی ہے اس لئے مناسب نہیں ہے۔

اذانِ خطبۂ جمعہ (مسجد کے اندر کیوں ہوتی ہے؟) غور سے سنئے۔ اذان خطبہ کو اور اذانوں سے بچند وجوہ امتیاز ہے، تمام احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ایک ہی اذان جمعہ کے لئے ہوتی تھی جبکہ حضور ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوتے تھے۔

جب آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جمعہ کے لئے یہی ایک اذان تھی۔ اسی سے اطلاع وقت، اسی سے جمعہ کی تیاری اور خطبہ سننے کے لئے حاضر ہونا، اور اسی ہی اذان سے بیع وشراء یعنی کاروبار کو چھوڑ کر نماز کے لئے حاضری تھی۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ پنج وقتہ اذانوں میں تو بلند جگہ پر ہونے کا اہتمام ہو اور اس میں نہ ہو۔

میرے نزدیک تو جمعہ کی اذان اور بھی زیادہ ہونا چاہئے، کیونکہ اور اذانوں سے تو اطلاع وقت ہی مقصود ہے۔ اور اس اذان سے علاوہ اطلاع عام کے وجوب سعی و ترکِ بیع وشراء بھی متعلق ہے۔ (جمعہ کی تیاری اور کاروبار بند کرنا) مگر چونکہ اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے لہٰذا اِدھر اُدھر منارہ پر تو ہو نہیں سکتی، دروازہ مسجد کا عادۃً مسقّف حصہ کے در کے سامنے ہوتا ہے اور اُسی پر اذان ہوتی ہو تو اطلاع عام بھی کامل اور محاذات خطیب بھی حاصل۔

ایک امتیاز اس اذان کو اور اذانوں سے یہ بھی ہے کہ اس اذان سے علاوہ اطلاع غیر حاضرین مسجد کو بھی اطلاع کرنی تھی کہ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہو گئے ہیں کہ نماز و کلام ترک کرو اور خطبہ سننے کے لئے متوجہ ہو جاؤ کہ "اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ و لا کلام"

منشاء ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے منبر پر تشریف لانے کے وقت یہ اذان ہوتی تھی ورنہ مثل اور اذانوں کے پہلے کیوں نہ ہوتی۔ (فتاویٰ دار العلوم قدیم عزیز الفتاویٰ ص ۷۵ جلد دوم)

خطبہ کی اذان کے دو مقصد ہیں

خطبۂ جمعہ کی اذان سے دو اطلاع عام مقصود ہیں۔

(۱)　اطلاع غیر حاضرین کہ کاروبار چھوڑ کر مسجد میں آجائیں۔

(۲)　دوسری اطلاع ان کیلئے ہے جو مسجد میں ہیں کہ نماز و کلام وغیرہ ترک کر کے خاموش ہو۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ اور شیخینؓ کے زمانہ تک جمعہ کے لئے ایک ہی اذان رہی، جس سے دونوں کام ہوتے رہے، جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مدینہ طیبہ کی آبادی وسیع ہوگئی اور یہ اذان اطلاع عام کے لئے کافی نہ ہوئی تو حضرت عثمانؓ نے اس اذان سے پہلے ایک اور اذان ''زوراء'' پر جو مسجد سے قریب بازار میں ایک بلند مقام تھا بڑھائی، چونکہ اس اذان کی زیادتی صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ہوئی لہٰذا اس اذانِ اول پر اجماع ہوگیا اور یہ اذان بھی سنت ہوگئی۔ حسبِ اشارہ: ''علیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدین''۔

اور جو احکام اذانِ خطبہ سے متعلق تھے اکثر اس سے متعلق ہوگئے اور اطلاع عام جو غیر حاضرین کے لئے تھا اس سے حاصل ہوگیا، اکثر فقہاء کا یہی مذہب ہے کہ جو اذان حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بڑھائی گئی تھی۔ اس سے متعلق ہوگئے اور اس اذان سے جو منبر کے سامنے ہوتی تھی نہیں رہے۔ اس اذانِ اول سے اطلاع عام ہوچکی اور اذانِ خطبہ کا کام یہ اذان اول دے چکی گویا یہ اذانِ اول امور بالا میں اذانِ خطبہ کے قائم مقام ہوگی۔ اذانِ خطبہ کے متعلق کیا رہا وہی اطلاع حاضرین مسجد کو کہ امام منبر پر آگئے نماز و بات چیت ترک کرو اور خطبہ سننے کے لئے مستعد ہو جاؤ۔ اذانِ خطبہ سے اطلاع کامل مقصود نہیں رہی بلکہ یہ کام اس کی نائب اذانِ اول سے حاصل ہوگیا اور اذانِ خطبہ سے آس پاس والوں کو اور حاضرین مسجد کو اطلاع مقصود رہ گئی، اور یہ بات پہلے بتائی جاچکی کہ اذان کا بلند جگہ پر ہونا صرف اطلاعِ عام ہی کے لئے تھا اور جب اذانِ خطبہ سے یہ اعلام (اطلاع) نہیں رہا تو فرمایئے کہ یہ اذان مسجد میں کیوں مکروہ ہو؟، حالانکہ کلماتِ اذان میں عبادت ذکر اللہ مسجد کے مناسب

ہیں۔امام ابوحنیفہؒ اور جملہ فقہاء کے زمانہ میں اذانِ خطبہ منبر کے پاس ہوتی تھی اور آج تک تمام عرب وعجم کے شہروں میں توارث چلا آتا ہے۔

اطلاعِ عام کا کام اذانِ اول سے حاصل ہوگیا تو اذانِ خطبہ کو بلند مقام پر مسجد یا خارجِ مسجد میں کہنے کی کوئی ضرورت نہ سمجھ کر منبر کے سامنے منتقل کردیا اور اسی پر اُمت کا علمدرآمد چلا آرہا ہے۔خلفاء راشدین کے زمانہ سے توارث اس کا اس طرح ثابت ہے تو اس کی سنت ہونے میں کیا شبہ رہا اور مقلدین کے لئے یہی دلیل کافی ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم قدیم عزیز الفتاویٰ ص ۵۸ جلد دوم)

جمعہ کی دوسری اذان اقامت کی طرح ہے

اذان دو مقاصد کے لئے کہی جاتی ہے:

(۱) عام اور غائبین لوگوں کے لئے۔

(۲) خاص حاضرین کے لئے، پہلی اذان عام، اعلان ہے تاکہ غائبین مطلع ہوں۔ یہ اذان مسجد میں کہنا مکروہ ہے اور دوسری اذان جو خطیب کے سامنے کہی جاتی ہے اور اقامت جو نماز کے وقت کہی جاتی ہے۔ یہ دونوں خاص حاضرین کے لئے ہیں ان کا مسجد میں کہنا ہرگز مکروہ نہیں۔

مراقی الفلاح ص ۱۰۳ میں دوسری اذان کو جو خطبہ کے وقت منبر کے پاس خطیب کے سامنے دی جاتی ہے اس کو اقامت کی مانند قرار دیا ہے، جس طرح اقامت مسجد میں اور عموماً صف اول میں دی جاتی ہے اور اس کو کوئی مکروہ نہیں کہتا، اسی طرح یہ اذان بھی مسجد میں خطیب کے سامنے کہی جاتی ہے اور سلف وخلف کا یہی معمول اور طریقہ چلا آرہا ہے۔ دونوں (اذان واقامت) کا مقصد ایک ہی ہے، یعنی حاضرین کو متوجہ اور مطلع کرنا، غائبین سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۵۷ جلد ۵ بحوالہ عینی شرح ہدایہ ص ۱۱۴)

کیا دوسری اذان پہلی صف میں ہونا ضروری ہے؟

پہلی صف کی قید تو کہیں نہیں ملتی، البتہ کتبِ فقہ کے الفاظ: ''امام المنبر عند المنبر'' اور ''بین یدی المنبر'' سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اذان منبر کے سامنے اور قریب

ہونا چاہئے۔ منبر سے قریب ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ صف اول ہی میں ہو۔
(احسن الفتاویٰ ص ۱۲۶ جلد ۴، بحوالہ جامع الرموز ص ۱۸ جلد ۱)

لازم نہیں کہ خطبہ کی اذان منبر کے پاس کہی جائے بلکہ منبر سے دور امام کے سامنے دو چار صفوں کے بعد یا تمام صفوں کے بعد بھی کہنی جائز ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۲۵ ج ۲)

اذانِ ثانی کے جواب کا حکم

سوال:۔ جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا اور اذان کے بعد دعا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حامداً ومصلیاً۔ زبان سے نہ جواب دے نہ دعا پڑھے بلکہ دل سے جواب دے، دل میں ہی دعا پڑھے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۸ ج ۷، بحوالہ درمختار ص ۴۱۵ ج ۱)

زبان سے جواب (خطبہ کی اذان کا) جائز نہیں البتہ دل دل میں دینا بہتر ہے۔
(امداد المفتین ص ۲۲۰ ج ۲)

جمعہ کی دوسری اذان کے بعد دعا

سوال:۔ جمعہ کی دوسری اذان کے بعد عا پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:۔ حامداً ومصلیاً۔ علماء کی بڑی جماعت زبان سے اذان کے جواب کو واجب کہتی ہے۔ لیکن درمختار میں منع کیا ہے اور یہ ممانعت صاحبِ درمختار کے نزدیک بھی متفقہ ہے۔ (درمختار ص ۴۱۵ جلد اول)

اسی طرح حضور ﷺ کا نامِ مبارک سن کر درود شریف پڑھنا واجب ہے لیکن خطبہ کی حالت میں نامِ مبارک بلکہ صیغۂ امر سن کر بھی یہ حکم نہیں ہے۔ درمختار میں ہے کہ جس وقت آپ ﷺ کا نام مبارک خطبہ میں سنے تو زور سے درود نہ پڑھے بلکہ دل دل میں پڑھے اور اسی ہی پر متفقہ فتویٰ ہے۔ (درمختار ص ۸۵۷ جلد اول)

اور اذان منبر پر بیٹھنے کے بعد ہوتی ہے، پس جزئیاتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ دعا دل میں مانگ لی جائے زبان سے نہ مانگی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۹ ج ۷)

اذانِ ثانیہ کے بعد عائے اذان نہیں پڑھنی چاہئے۔ لیکن اگر کوئی شخص دل ہی دل

میں بغیر ہاتھ اُٹھائے امام کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے پڑھ لے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اگر چہ نہ پڑھنا ہی بہتر ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۲۰ جلد سوم)

اقامت کہنے کا افضل طریقہ

امام کے پیچھے محاذاۃ میں کھڑے ہو کر تکبیر کہنے کا تعامل ہے اس لئے یہی افضل ہوگا البتہ حسب ضرورت اور حسبِ موقع جس طرف اور جس موقع پر مکبر کھڑا ہو کر تکبیر کہے درست ہے، شرعی ضرورت کے بغیر اِدھر اُدھر کنارے پر کھڑے ہو کر تکبیر کہنے کی عادت خلافِ اولیٰ ہوگی مگر تکبیر قابلِ اعادہ نہ ہوگی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۳۵ جلد ۴)۔

نمازی کم ہوں اور صفِ اول میں تکبیر کہنے سے سب کو آواز پہنچتی ہو تو تکبیر (اقامت) صفِ اول میں کہنا بہتر ہے، ہاں اگر سب کو آواز نہ پہنچے اور درمیان کی کسی صف میں تکبیر کہی جائے کہ جس کی وجہ سے آگے پیچھے سب نمازی سن سکیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۹۱ جلد چہارم)

کیا دوسرا شخص اِقامت کہہ سکتا ہے؟

سوال:۔ کیا دوسرا شخص اقامت کہہ سکتا ہے؟

جواب:۔ بے شک افضل یہی ہے کہ جو اذان کہے وہی اقامت کہے، اقامت کا حق مؤذن کو ہے، البتہ مؤذن کی غیر حاضری میں یا اس کی اجازت سے کوئی دوسرا تکبیر کہے تو بغیر حرج اور بلا کراہت جائز ہے اس میں نمازِ مغرب کی کوئی خصوصیت نہیں۔

حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے قبیلۂ صداء کے ایک صاحب کو جن کا نام زیادؓ بن حارث تھا، صبح کے وقت اذان پڑھنے کا حکم دیا، حضرت زیاد نے اذان پڑھی۔ جب تکبیر کا وقت ہوا تو حضرت بلالؓ نے تکبیر پڑھنے کا ارادہ کیا، حضور ﷺ نے فرمایا صدائی نے (حضرت زیادؓ نے) اذان پڑھی تھی، جو اذان پڑھیں وہی تکبیر پڑھیں۔

(ترمذی ص ۲۸ جلد اول)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان پڑھنے والے ہی کو تکبیر پڑھنے کا حق ہے

لیکن یہ حق لازمی ہے یا استحبابی یا اختیاری؟ اسکی تشریح دوسری حدیثوں سے ہوتی ہے۔ مثلاً ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم پر حضرتِ بلالؓ نے اذان پڑھی اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے تکبیر پڑھی۔ (شرح معانی الآثار ص ۸۵ جلد اول)

دوسری روایت میں ہے کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ نے اذان پڑھی اور حضرت بلالؓ نے تکبیر کہی یا حضرت بلالؓ نے اذان پڑھی اور حضرت عبداللہ ابن مکتومؓ نے تکبیر پڑھی۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۴۱۹ جلد اول)

اسی بناء پر حنفی علماء وفقہاء رحمہم اللہ کا اجماع ہے کہ مؤذن دوسرے شخص کے اقامت کہنے سے ناراض نہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ افضل یہی ہے کہ جو اذان کہے وہی اقامت بھی کہے۔ اگر کسی نے اذان دی اور دوسرے نے اقامت کہی، اگر مؤذن حاضر نہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے اگر حاضر ہو اور دوسرے کے اقامت کہنے سے ناراض ہوتا ہو تو مکروہ ہے۔ اگر راضی ہو تو ہمارے نزدیک مکروہ نہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۵۴ جلد اول)

امام مصلے پر آنے سے پہلے تکبیر جائز ہے بشرطیکہ امام مصلے کے قریب ہوتا کہ فصل مزید لازم نہ آئے، مگر بہتر یہ ہے کہ آنے کے بعد تکبیر ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۰ جلد ۷)

جمعہ کی تکبیر کہنے کا حق

سوال:۔ جمعہ کے روز اذانِ اول ایک شخص نے کہی اور اذانِ جمعہ منبر کے سامنے دوسرے نے۔ تو تکبیر کہنا کس کا حق ہے؟

جواب:۔ دونوں میں جو چاہئے تکبیر کہہ دے، تب بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ اور اگر اذان یا تکبیر غلط کہے تو اسے لوٹائی جائے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۲۰ بحوالہ بحر الرائق ص ۲۷۰ ج ۱)

”حیّ علی الصلوٰۃ“ کے وقت کھڑا ہونا

سوال:۔ ہمارے یہاں اقامت کی یہ صورت ہے کہ مؤذن تنہا کھڑا ہو کر اقامت صلوٰۃ شروع کرتا ہے، تمام مصلی بیٹھے رہتے ہیں: ”حی علی الصلوٰۃ“، پر امام اور مقتدی سب

کھڑے ہوتے ہیں۔اور ''قد قامت الصلوٰۃ،، پر امام نیت باندھتا ہے،شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:۔حامداً ومصلیاً۔طحطاوی علی الدر المختار جلد اول ص ۲۱۵ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ ''حی علی الصلوٰۃ ۔یا۔حی علی الفلاح'' کے وقت قوم کا کھڑا ہونا صرف آداب میں سے ہے،واجبات میں سے نہیں کہ اس کے ترک پر گناہ ہو،اور یہ بھی اس وقت ہے کہ امام مصلے پر یا اس کے قریب پہلے سے موجود ہو،اگر امام وہاں موجود نہ ہو بلکہ کسی دوسری جگہ سے سامنے سے آئے،تو جس وقت امام پر نظر پڑے اسی وقت سب کو کھڑا ہونا چاہئے۔ اگر مصلے کے سامنے نہیں ہے بلکہ مقتدیوں میں ہو کر دوسری جانب سے یعنی پیچھے سے آئے تو جس صف میں پہنچ جائے وہ صف کھڑی ہوتی جائے یہاں تک کہ مصلے پر پہنچنے کے وقت تک سب صفیں کھڑی ہو جائیں۔

نیز ''حی علی الصلوٰۃ ۔یا۔حی علی الفلاح'' کے وقت کی تعیین اس لئے ہے کہ اس کے بعد تک بیٹھے رہنا نہیں چاہئے۔یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا منع ہے،امام کو ''قد قامت الصلوٰۃ،، کے وقت نماز شروع کر دینا بھی واجب نہیں،پس اگر تکبیر ختم ہونے کا انتظار کیا اور ختم ہونے پر امام نے نماز شروع کی تو بالاتفاق اس میں کوئی گناہ نہیں بلکہ بہت سے فقہاء نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔پس ان چیزوں پر اتنا تشدد کرنا مسائل سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔اس تشدد سے روکنا واجب ہے۔نہ مقتدیوں کو ابتداء اقامت میں کھڑا ہونا گناہ ہے کہ اس کو جبراً بٹھایا جائے۔نہ امام کو ''قد قامت الصلوٰۃ،، کے وقت نماز شروع کرنا واجب ہے کہ ختم کے انتظار کو گناہ کہا جائے۔جو چیز بالاتفاق مستحب ہو اس کے ساتھ واجب کا سا معاملہ کرنا بھی ناجائز ہے۔ہر شئے کو اس کی حد پر رکھنا چاہئے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۴ جلد ۷)

مکبر کا اونچی آواز سے تکبیر کہنا

تبلیغ کا تعلق تکبیر کے مسائل سے ہے۔تبلیغ سے مراد یہ ہے کہ مقتدیوں میں سے کوئی شخص امام کے ساتھ اپنی آواز بھی (تکبیرات میں) بلند کرے،تاکہ دوسرے مقتدیوں تک امام کی تکبیر پہنچائی جا سکے۔

ایسا کرنا جائز ہے، بشرطیکہ تکبیر کہنے والا جب تکبیر تحریمہ کے لئے آواز بلند کرے تو ساتھ ہی ساتھ نماز کی نیت باندھنے کا ارادہ ہو۔ اگر محض دوسروں تک آواز پہنچانے کی نیت ہو تو یہ نماز میں شامل ہونا نہ ہوگا۔

اگر تکبیر تحریمہ کے ساتھ مکبر اپنی آواز دوسروں تک پہنچانے کا ارادہ کرے یعنی نماز میں داخل ہونے اور آواز سنانے دونوں چیزوں کی نیت ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ (دونوں اُمور کی نیت کرنے میں)۔ (کتاب الفقہ ص ۴۰۱ جلد اول)

جو تکبیرات کا اعلان کرتا ہے اس کی پیروی اسی حالت میں درست ہوگی جبکہ تکبیر تحریمہ کی غرض محض اطلاع دینا نہ ہو کیونکہ اگر صرف اعلانِ تکبیر مقصود ہو (یعنی نماز میں شامل ہونے کی نیت نہ ہو تو) اس کی خود نماز باطل ہوگی لہٰذا جو اس کی اقتداء (پیروی) کرے گا اس کی نماز بھی باطل ہوگی۔ (کتاب الفقہ ص ۶۶۳ جلد اول)۔

مکبر کہاں کھڑا ہو؟

شرعاً اس میں کوئی تحدید نہیں ہے، یعنی اقامت (اور مکبر) کے لئے شرعاً کوئی جگہ خاص امام کے پیچھے یا دائیں یا بائیں معین نہیں ہے، حسب موقع وضرورت جس طرف اور جس موقع پر مکبر کھڑا ہو کر تکبیر کہے درست ہے۔ اور فقہاء کا اقامت کے لئے کوئی جگہ معین نہ کرنا ہی دلیل ہے، عدمِ تعین وعدم تحدید کی۔ کسی فقہ کی کتاب میں دائیں بائیں یا خاص امام کے پیچھے مکبر کے لئے تخصیص نہیں کی گئی اور جو کچھ عوام میں مشہور ہے کہ اذان بائیں جانب اور تکبیر داہنی جانب ہو یہ بے اصل ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۸۶ جلد ۲)

مکبر کے لئے اجازت ضروری نہیں ہے

سوال:۔ جمعہ وعیدین میں امام کی اجازت کے بغیر تکبیر پکار کر رکوع وسجدہ میں کہنا تاکہ نمازیوں کو سہولت ہو جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ امام صاحب کہتے ہیں کہ بغیر اجازت امام کے تکبیر پکارنے سے مکبر کی نماز نہیں ہوتی، صحیح کیا ہے؟

جواب:۔ نمازیوں کی سہولت اور اطلاع کے لئے تکبیر پکار کر کہنا درست ہے، اس

میں امام کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔اس امام مذکورہ کا قول غلط ہے۔
(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۵۰ ج ۵)

توجہ دِلانے پر تکبیر کہنا

سوال:۔جس وقت نماز شروع ہوئی اس وقت مکبر کی ضرورت نہیں تھی،اس لئے تکبیر نہیں کہی،ایک رکعت ہونے کے بعد کسی نے پیچھے سے کہا امام صاحب کی آواز نہیں آرہی ہے اس پر کوئی شخص تکبیر کہنا شروع کردے تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔کسی نے کہا''آواز نہیں آرہی ہے''اس پر کسی شخص کو خیال آیا واقعی مکبر کی ضرورت ہے،اور اپنے اس خیال سے تکبیر کہنا شروع کردے تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی کہ وہ اپنے خیال پر عمل کررہا ہے کہ جس طرح سے کوئی شخص باہر سے نمازی کو لقمہ دے اور نمازی کو اپنی غلطی کا احساس ہوجائے اور اپنی یاد پر صلاح کرلے تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۵۲ جلد ۶)

آج کل کے برقیاتی دور میں یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کہ لاؤڈاسپیکر کی آواز امام کی آواز کی نقل ہے اور اس کا چربہ نہیں ہے بلکہ بعینہٖ امام کی وہی آواز ہے جو اس کی زبان سے نکلتی ہے۔اس لئے اب علماء کرام کا متفقہ فتویٰ لاؤڈاسپیکر کے جواز پر ہے۔لیکن لاؤڈاسپیکر پر اعتماد کرتے ہوئے بڑی جماعت (جمعہ وعیدین میں) مکبرین کا انتظام نہیں کیا جاتا،حالانکہ اکثر یہ بات پیش آجاتی ہے کہ نماز میں لائٹ چلی گئی یا مائک خراب ہوگیا۔جس کی وجہ سے مجمع کو پریشانی لاحق ہوجاتی ہے۔اور دور کے افراد ایک دوسرے کو دیکھ کر ہی اپنی نماز قائم کرتے ہیں۔

اس لئے ایسے مواقع پر شروع ہی سے مکبرین (تکبیرات کہنے والوں) کا تعین ضرور کرلیا جائے یا ازخود بعض حضرات اس خدمت کو انجام دے لیں کیونکہ اس میں امام وغیرہ کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے،تا کہ اجتماع باعثِ تشویش نہ ہو۔(محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

بابِ ہشتم:

سُنت و نوافل کے فوائد

رات اور دن میں پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جو اسلام کا عظیم الشان رکن اور آدمی کے ایمان کی علامت ہیں، جن کا مضبوطی سے پکڑے رہنا اور ان کی پابندی کرنا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ان کے علاوہ جو فرائض کہ آگے پیچھے یا دوسرے اوقات میں کچھ سنتیں اور نوافل پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، وہ درحقیقت فرائض کی حفاظت کے لئے باڑھ یا حفاظتی دیوار کے درجہ میں ہیں، جو شخص فرائض کے ساتھ سنت و نوافل کی بھی پابندی کرتا ہے، اور وہ یہ جانتا ہے کہ فرائض کی کیا اہمیت ہے اور ان کا کیا درجہ ہے، تو اس شخص سے اس بات کا بالکل اندیشہ نہیں ہے، کہ اس سے کبھی فرائض ترک ہو سکتے ہیں۔ جو مالی اپنے باغ کے کناروں پر کھڑے ہوئے باندھ باڑھ کے درختوں تک بھی کسی جانور کو نہ پہنچنے دے کیا اس سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کوئی جانور اس کے باغ میں گھس آئے گا؟

باغ کی باڑھ پر کوئی قیمتی درخت نہیں لگایا جاتا، اور ملک کی سرحدوں پر ملک کا قیمتی سرمایہ نہیں رکھا جاتا بلکہ ایسی جگہوں پر وہ چیزیں رکھی جاتی ہیں اگر ان پر کوئی آفت حفاظت کے باوجود بھی آجائے تو زیادہ نقصان نہ ہو، اور تھوڑے نقصان کے بعد ہی فوراً قابو پالیا جائے۔

بالکل یہی صورت نفل نمازوں اور تمام نفل عبادات کی ہے کہ ہر فریضہ اسلامی کے ساتھ شریعت نے اسی جیسی کچھ نفل عبادتیں بھی رکھی ہیں اور ان کے کرنے کی بھی ترغیب دی ہے۔ اب اگر حالات کی گردش سے نفس اور شیطان کے حملوں سے آدمی کے عبادتی نظام پر کچھ زوال شروع ہوگا تو پہلی زد ان نفل عبادتوں پر ہی آئے گی اور ایک دو نفل عبادت کچھ دن کے لئے چھوٹ جائے گی، لیکن چونکہ مومن ان نوافل کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں پابندی کے ساتھ نباہتا ہے اس لئے اس کی قوتِ ایمانی اس زوال اور پستی کو گوارا نہ کرے گی اور اس کا ضمیر اس کو ملامت کرے گا، اور آخر اس کو تنبیہ ہوگا اور چونکے گا اور قبل اس کے کہ اس کے

فرائض پر کوئی خراب اثر پڑے وہ پھر سنن ونوافل اور مستحبات کی پابندی شروع کرے گا۔

یہی وہ حکمت ہے، جس کے تحت فرض نمازوں کے ساتھ نفل نمازیں اور فرض روزوں کے ساتھ نفل روزے اور فرض زکوٰۃ کے ساتھ صدقاتِ نافلہ اور فریضۂ حج کے ساتھ نفل حج اور عمروں کی ترغیب دی گئی ہے۔

اس کے علاوہ نفل عبادتوں کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے، کہ انسان کا دل ان کی وجہ سے عادی ہو جاتا ہے۔ اور پھر ان جیسی فرض عبادتیں اس پر شاق نہیں گزرتیں۔

اسی طرح فرض عبادتوں میں آدمی سے جو کچھ کوتاہی رہ جاتی ہے، نوافل کے ذریعے ان کی تلافی کردی جاتی ہے، چنانچہ حدیث شریف میں نفل عبادتوں کے اس خاص فائدہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ پھر بھی انسان بشر ہے کوتاہیاں کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتی ہیں۔ اس کوتاہی اور خامی کی تلافی کے لئے نوافل وسنن کا بھی کچھ ذخیرہ جمع رکھنا چاہئے۔

(الترغیب ص ۴۵ وص ۷۷ جلد دوم)

سُنت ونوافل کی حکمتیں

شب وروز میں پانچ نمازیں تو فرض کی گئی ہیں، اور وہ گویا اسلام کا رکن رکین اور لازمۂ ایمان ہیں، ان کے علاوہ ان ہی کے آگے پیچھے اور دوسرے اوقات میں بھی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب وتعلیم رسول اللہ ﷺ نے دی ہے، پھر ان میں سے جن کے لئے آپ ﷺ نے تاکیدی الفاظ فرمائے تھے، یا دوسروں کو ترغیب دینے کے ساتھ جن کا آپ ﷺ نے عملاً بہت زیادہ اہتمام فرمایا۔ اُن کو عرفِ عام میں ''سنت'' کہا جاتا ہے، اور ان کے ماسوا کو ''نوافل''۔

(نوافل کے اصل معنی زوائد کے ہیں اور حدیثوں میں فرض نمازوں کے علاوہ باقی سب نمازوں کو ''نوافل'' کہا گیا ہے)۔

پھر جن سُنتوں یا نفلوں کو فرضوں سے پہلے پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ بظاہر اُن کی خاص حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ فرض نماز جو اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی کی خاص الخاص حضوری ہے (اور اسی وجہ سے وہ اجتماعی طور پر مسجد میں ادا کی جاتی ہے) اس میں مشغول ہونے سے

پہلے انفرادی طور پر دو چار رکعتیں پڑھ کر دل کو اس دربار سے آشنا اور مانوس کرلیا جائے، اور ملا اعلیٰ سے ایک قرب اور مناسبت پیدا کرلی جائے۔

اور جن سنتوں یا نفلوں کو فرضوں کے بعد پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، اُن کی حکمت اور مصلحت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرض نماز کی ادائیگی میں جو قصور و کمی رہ گئی ہو اس کا کچھ تدارک بعد والی ان سنتوں اور نفلوں سے ہوجائے۔

فرضوں کے آگے یا پیچھے والے سنن ونوافل کے علاوہ جن نوافل کی مستقل حیثیت ہے مثلاً دن میں چاشت اور رات میں تہجد، یہ دراصل تقرُّبِ الی اللہ کے خاص طالبین کے لئے ترقی اور تخصص کا مخصوص نصاب ہے۔ (معارف الحدیث ص ۳۲۰ جلد ۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور پر نور ﷺ فرماتے تھے کہ "قیامت کے دن بندوں کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور ان کی نماز جانچی جائے گی۔ پس اگر وہ ٹھیک نکلی تو بندہ فلاح یاب اور کامیاب ہوجائے گا، اور اگر وہ خراب نکلی تو بندہ ناکام ونامراد رہ جائے گا، پھر اگر اس کے فرائض میں کسر ہوئی تو رب کریم فرمائے گا کہ دیکھو کیا میرے بندے کے ذخیرۂ اعمال میں فرائض کے علاوہ کچھ نیکیاں (سنتیں اور نوافل) ہیں؟ تاکہ اُن سے اُس کے فرائض کی کمی کسر پوری ہوسکے، پھر نماز کے علاوہ باقی اعمال کا حساب بھی اسی طرح ہوگا۔ (جامع ترمذی سنن نسائی)

تشریح:۔ سنن ونوافل کی افادیت اور اہمیت کے لئے تنہا یہ حدیث کافی ہے۔

(معارف الحدیث ص ۳۷۵ ج ۳)

جمعہ کی سنتوں کی نیت

جمعہ سے قبل اور بعد والی سنتیں جمعہ کی کہلائیں گی یا ظہر کی۔ زید عالم ہے کہتا ہے کہ یہ ظہر کی ہیں، جمعہ کے صرف دو فرض ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب:۔ جمعہ اور ظہر کی علیحدہ مستقل سنتیں مذکور ہیں، البتہ ان کی نیت میں ظہر یا جمعہ کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہے، سب سنتوں اور نفلوں کا یہی قاعدہ ہے کہ اُن میں وقت کی نیت کی ضرورت نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص ۴۸۷ جلد ۳ بحوالہ ردالمختار ص ۶۳۰ ج ۱)

سنتوں اور نفلوں میں وقت کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ اور "سنت رسول اللہ ﷺ کی" یہ لفظ کہنے کی بھی ضرورت نہیں، صرف یہ کہنا چاہئے کہ "نیت کی میں نے دو رکعت (یا چار) نمازِ سنت واسطے اللہ کے۔" (کفایت المفتی ص ۲۶۷ جلد ۳)

جمعہ کی سنتوں کی تعداد

"عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یرکع قبل الجمعۃ اربعاً و بعدھا اربعاً"۔ (طبرانی)۔

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے اور جمعہ کے بعد چار رکعت۔

تشریح:۔ کتب حدیث میں نمازِ جمعہ کے بعد کی سنتوں کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں دو رکعت کا بھی ذکر ہے، چار کا بھی اور چھ کا بھی۔ امام ترمذیؒ نے خود حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے بارے میں نقل کیا ہے، کہ وہ جمعہ کے بعد چھ رکعت پڑھتے تھے۔

(معارف الحدیث ص ۳۹۴ جلد ۳)

جمعہ کی پہلی اذان کے بعد خطبہ کی اذان سے پہلے چار رکعت سنت پڑھے، یہ سنتیں مؤکدہ ہیں۔ پھر خطبہ کے بعد دو رکعت فرض امام کے ساتھ جمعہ کی پڑھے۔ پھر چار رکعت سنت پڑھے۔ یہ سنتیں بھی مؤکدہ ہیں۔ پھر دو رکعت سنت پڑھے، یہ دو رکعت بھی بعض حضرات کے نزدیک مؤکدہ ہیں۔ (بہشتی زیور ص ۹۷ جلد ۱۱)

جمعہ کے بعد چار رکعتیں جو احتیاط الظہر کی نیت سے پڑھتے ہیں یہ صحیح نہیں ہیں۔ نمازِ جمعہ کے بعد جو نماز پڑھی جائے وہ سنت یا نفل کی نیت سے پڑھی جائے۔ ظہر کی نماز کی نیت یا ارادہ نہ ہو۔

اب سوال یہ باقی رہتا ہے کہ جمعہ کے بعد سنتوں کی کتنی رکعتیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تعداد رکعت میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک صرف چار رکعتیں ہیں۔ اور بعض کے نزدیک صرف دو، اور فقہاء نے دونوں قولوں کو جمع کر کے چھ رکعتیں اسلئے بتائی ہیں کہ چار والوں کا قول بھی پورا ہو جائے اور دو والوں کا بھی۔

اس سے آپ کی سمجھ میں یہ بات آ جائے گی کہ یہ چھ رکعتیں خالص سنت کے ارادہ سے پڑھنی چاہئیں اور اگر کوئی صرف چار رکعت پڑھ لے تو وہ بھی قابلِ گرفت نہیں ہے اور جو صرف دو پڑھ لے وہ بھی ملامت کا مستحق نہیں ہے اور جو چھ رکعتیں پڑھے، وہ افضل واُولیٰ پر عمل کرنے والا ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۷۳ جلد ۳)

فقہاء حنفیہؒ جمعہ کے بعد چار رکعت سنتِ مؤکدہ لکھتے ہیں اور بعض روایات میں چھ رکعت آتی ہیں۔ لہٰذا احتیاط یہ ہے کہ چھ رکعت (جمعہ کے بعد) پڑھیں ورنہ چار ضرور پڑھیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۶۹ جلد ۵)

شرح وقایہ باب الوتر والنوافل ص ۲۰۰ جلد اول میں ہے کہ ظہر وجمعہ سے پہلے اور بعد میں چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہیں یعنی چاروں رکعتیں ایک ساتھ ہیں۔ دو، دو کو کے نہیں ہیں۔ (محمد رفعت قاسمی غفا اللہ عنہ)

جمعہ کی نماز کی کیفیت اس طرح ہے: اول چار رکعت سنت پھر دو فرض جمعہ کے امام کے ساتھ، پھر چار رکعت سنت جمعہ کے بعد پڑھے اور اگر دو رکعت بعد چار رکعت سنت کے پڑھے یعنی کل چھ رکعت سنت بعد جمعہ کے پڑھے تو یہ اچھا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۱۸ جلد ۴)

جمعہ کے بعد کی سنتیں

سوال:۔ جمعہ کے بعد جو چھ سنتیں ہیں یہ ظہر کی سنتیں ہیں یا جمعہ کی؟

جواب:۔ یہ جمعہ کی سنتیں ہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۳۶ ج ۵)

جمعہ کی سنتوں کے لئے مؤذن کا آواز دینا

سوال:۔ (۱) ہمارے یہاں جمعہ کی سنت پڑھنے کے لئے مسجدوں میں مؤذن بلند آواز سے کہتا ہے، ((الصلوٰۃ سنت قبل الجمعۃ الصلوٰۃ رحمکم اللہ))۔
اس کے کہے بغیر لوگ جمعہ کی پہلی سنتیں نہیں پڑھتے۔ اگر بغیر پکارے مؤذن کے سنت وجمعہ وغیرہ پڑھ لے تو کیا غیر مقلد وغیرہ بن جاتا ہے؟

(۲) کیا تثویب (نماز کے لئے آواز لگانا) وہ نمازوں کے لئے مخصوص ہے یا جمعہ

کی سنت کے لئے بھی؟

جواب:۔(۱)"صلوٰۃ سنت قبل الجمعہ،، پکارنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے بلکہ جس وقت زوال ہو جائے اور اذانِ اول جمعہ کی ہو جائے، نمازیوں کو چاہئے کہ خود سنت جمعہ سے پہلے ادا کرلیں اور جب سنتوں کا وقت (بعد زوال) ہو جائے تو بغیر پکارے "صلوٰۃ سنت قبل الجمعہ" الخ۔ کے اگر کوئی شخص سنت قبل الجمعہ پڑھ لے گا سنت ادا ہو جائے گا۔ اور اس سے غیر مقلد وغیرہ نہیں بنتا یہ جاہلوں کے خیالات ہیں۔

(۲) تثویب جس کو بعض فقہاء نے بعض نمازوں میں بعض اشخاص کے لئے منتخب فرمایا تھا وہ فرائض کے ساتھ مخصوص ہے اور تثویب بھی۔ (بعض نماز میں بعض اشخاص کو پکارنے کے لئے آواز لگانا) متروک (چھوڑنا) ہے خلافِ سنت ہونے کے، اس لئے کہ صحابہؓ نے اس پر انکار فرمایا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۱۲۸ جلد دوم بحوالہ ہدایہ باب الاذان ص ۸۴ جلد اول)

نمازِ جمعہ سے پہلے "الصلوٰۃ قبل الجمعہ" پکارنا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے مبارک زمانہ میں نہیں تھا اور نہ ائمہ مجتہدینؒ نے اس کا حکم دیا، اس لئے کہ یہ رواج سنت کے خلاف ہے۔ اس کو چھوڑنا لازم ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۳ ج ۳)

بیٹھنے سے پہلے سنت پڑھ سکتے ہیں

سوال:۔ جمعہ میں اگر کوئی شخص جائے تو پہلے کچھ دیر بیٹھ کر سنت وغیرہ پڑھنا چاہئے یا فوراً جانے کے ساتھ ہی سنت وغیرہ پڑھنا چاہئے؟

جواب:۔ حدیث شریف میں ہے: "اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس"۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۶۸ جلد اول باب المساجد)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص تم میں سے مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھے اور یہ دو رکعت تحیۃ المسجد ہیں جو کہ مستحب ہیں۔

بہر حال اس سے یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں جا کر بیٹھنے سے پہلے نوافل یا سنتیں پڑھنی چاہئیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۸۳ جلد ۵)

بغیر سنتوں کے فرض ادا کرنا

سوال:۔ جو امام فرضوں سے پہلے کی سنتیں ادا نہ کرے اور نماز کے لئے کھڑا ہو جائے اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اس کے پیچھے نماز تو ہو جاتی ہے، مگر اُسے ایسا بلا ضرورت کے کرنا نہیں چاہئے۔ (کفایت المفتی ص ۸۴ جلد ۳)

جمعہ کی سنت کے لئے اذان کا انتظار

سوال:۔ ہمارے یہاں اکثر اصحاب جمعہ کے لئے مسجد میں آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ جب ایک بجتا ہے تو اذانِ جمعہ ہوتی ہے، اس کے بعد سنت کے لئے اٹھتے ہیں، کیا حکم ہے؟

جواب:۔ سنتوں کو اذانِ (جمعہ) کے لئے مؤخر نہیں کرنا چاہئے۔ زوال کے بعد مسجد میں آنے والے آتے ہی سنتیں پڑھ لیں بلکہ بیٹھنے سے پہلے سنتوں کو شروع کر دینا چاہئے یہی مسنون ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۱۶ جلد ۳)

سنت پڑھنے کے واسطے اذان کا انتظار ضروری نہیں ہے۔ جمعہ اور ظہر اور فجر کی سنتیں اذان سے پہلے پڑھی جا سکتی ہیں۔ (کفایت المفتی ص ۲۶۷ جلد ۳)۔

(یعنی سنت وقت ہونے پر پڑھ سکتے ہیں، اذان کا انتظار ضروری نہیں ہے۔

(محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ)

جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل

سوال:۔ جمعہ کے دن کے نصف النہار (زوال) کے وقت نفل نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے موافق صحیح نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ صحیح کہتے ہیں۔ لیکن احوط قول امامِ اعظمؒ کا ہے۔ یعنی جمعہ کے دن بھی زوال کے وقت نفل نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے) عین زوال کے وقت قرأت قرآن (قرآن مجید کا پڑھنا) جائز ہے، اور نوافل امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں ناجائز ہیں۔

(فتاوی دار العلوم ص ۱۷۱ ج ۲، وص ۳۷ ج ۲ بحوالہ درمختار کتاب الصلوٰۃ ص ۳۴۸ جلد اول)

جمعہ کی پہلی سنت زوال کے وقت

سوال:۔ جمعہ کی سنتیں نصف النہار (زوال) میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ نہیں پڑھ سکتے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۷۲ جلد ۲ بحوالہ درمختار ص ۳۴۰ ج ۱)

اگر پہلی سنتیں رہ جائیں تو کس وقت پڑھے؟

سوال:۔ جمعہ کی نماز سے پہلے جو چار سنتیں ہیں وہ رہ گئیں اور نمازِ جمعہ کا خطبہ شروع ہو گیا، ان چار رکعتوں کو کس وقت پڑھے؟

جواب:۔ خطبہ شروع ہو جانے کے بعد سنتیں نہ پڑھے، نمازِ جمعہ کے بعد پڑھے۔ دوسرے خطبہ کے وقت بھی نہ پڑھے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۵۵ جلد ۵)۔

جو سنتیں جمعہ کے اول پڑھی جاتی ہیں، اگر ان کو نہ پڑھ سکا تو جمعہ کی نماز کے بعد پڑھے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۰۳ جلد ۴۔ بحوالہ ردالمختار باب ادراک الفریضہ ص ۶۷۲ ج ۱)

سنت خطبہ کے وقت پڑھنا کیسا ہے؟

حنفیؒ مذہب میں خطبہ کے وقت نماز پڑھنی مکروہ ہے۔ اس میں پہلے خطبہ اور دوسرے خطبہ کا حکم ایک ہے یعنی جس وقت سے خطبہ شروع ہو بلکہ امام خطبہ کے لئے منبر پر جانے کے لئے اُٹھا، اس وقت سے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں جن لوگوں نے امام کے اُٹھنے سے پہلے سنت یا نفل یا کسی نماز کی نیت باندھ رکھی ہے وہ اپنی نماز پوری کر لیں۔ اور کوئی شخص امام کے اٹھنے کے بعد سنت یا نفل کی نیت نہ باندھے۔ یہ حنفی مذہب ہے۔

(کفایت المفتی ص ۲۳۴ جلد ۳)

ایسی حالت میں سنتیں شروع کرنا جائز نہیں بلکہ جب خطیب منبر پر جانے کے لئے اُٹھے اسی وقت سے ہر قسم کی نماز اور کلام ناجائز ہے۔ البتہ اس سے قبل (خطبہ) سنتیں شروع کر چکا ہو تو دو رکعت پر سلام پھیر دے، اور اگر تیسری رکعت شروع کر چکا ہو تو چاروں رکعت پوری کرے۔ خطبہ کی حالت میں سنت شروع کرنا گناہ ہے، توبہ کرے اور بعد میں اعادہ کرے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۳۱ ج ۴)۔

پہلے کونسی سنت پڑھے؟

سوال:۔(۱)جمعہ کی چارسنت اگر کسی کی رہ گئیں تو فرض کے بعد اس کو ادا کرے یا اس سنت کو پہلے ادا کرے جو فرض کے بعد پڑھی جاتی ہیں؟(۲)اسی طرح ظہر کی سنتوں کا کیا حکم ہے؟
جواب:۔(۱)جمعہ سے پہلے کی چار رکعتیں نماز کے بعد پڑھ لے،اور اگر چاہے انہیں پہلے پڑھے یا بعد والی پہلے پڑھے دونوں طرح جائز ہیں۔
(۲)یہ بھی دونوں طرح جائز ہے۔(کفایت المفتی ص ۲۶۸ ج ۳)
سنت اور نفل نماز کی نیت میں تعین وقت کی ضرورت نہیں،اس لئے فرض کے بعد مطلقاً آٹھ رکعت پڑھ لینا کافی ہے،پہلے اور بعد کی تعین کی ضرورت نہیں،اگر تعین ہی کرنا چاہے تو پہلے بعد والی کی نیت کرے اور پھر پہلی کی۔(احسن الفتاویٰ ص ۴۸۵ ج ۳)

خطبہ کی اذان کے بعد گھر میں سنت پڑھنا

سوال:۔اگر کوئی خطبہ کی اذانِ ثانی کے وقت اپنے گھر میں چار سنتیں پڑھ لے اور پھر خطبہ میں شریک ہو جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟
جواب:۔دوسری اذان کے بعد گھر میں بھی سنتیں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، یہ سنتیں بطریق غیر مشروع ادا کی گئی ہیں۔اس لئے قاعدہ کا تقاضہ یہ ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کے بعد پہلے والی چار سنتیں پھر دوبارہ پڑھے۔(احسن الفتاویٰ ص ۱۲۲ ج ۴)
(مطلب یہ ہے کہ خطبہ کی اذان کے بعد گھر میں بھی سنت ادا نہیں کر سکتے کیونکہ خطبہ کا سننا نکل جائے گا۔ویسے پہلی اذان کے بعد تو پڑھ سکتے ہیں۔محمد رفعت قاسمی)

سنت کی ترتیب بدل جانے کا حکم

سوال:۔چار سنت جو کہ فرض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں،جماعت کے فوت ہونے کی وجہ سے نہ پڑھ سکا تو فرض کے بعد ان چار سنتوں کی نیت قضا کی کی جائے یا ادا کی؟
جواب:۔ان سنتوں میں ادا کی نیت ہوگی کیونکہ وقت ظہر باقی ہے صرف ترتیب بدل ہے۔(امداد الفتاویٰ ص ۶۴۱ جلد اول)

سنت پڑھتے ہوئے خطبہ شروع ہوجانے کا حکم

دو رکعت پر سلام پھیر دے یا چار رکعت مختصر قرأت وغیرہ کے ساتھ پڑھے تو دونوں صورتیں جائز ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ دو رکعت پڑھے ہاں اگر تیسری رکعت شروع کردی ہو تو اختصار کے ساتھ چار رکعت پوری پڑھے۔ (شامی ص ۶۶۸ ج ا فتاوی رحیمیہ ص ۲۵۵ ج ۱)۔

باب نہم:

خطبہ کیا ہے؟

لفظ ''خطبہ''، 'خا' کے پیش سے مصدر ہے اس کا اطلاق اس کلام پر ہوتا ہے جس سے کسی کے ساتھ ہم کلام ہو اور عرفِ شرع میں اس کلام سے عبارت ہے جو ذکر، تشہد، درود اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہو۔

خطبہ نماز جمعہ میں شرط اور فرض ہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس کی ادنیٰ مقدار فرض اتنے الفاظ ہیں جو تسبیح و تحمید پر مشتمل ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**فاسعوا الی ذکر اللّٰہ**'' کہ اس آیت میں مطلق ذکر فرمایا۔ لمبی مقدار کلام میں جیسے خطبہ کہا جائے اور مختصر کلام میں جیسے خطبہ نہ کہا جائے، کوئی فرق نہ کیا تو ثابت ہوا کہ مطلق ذکر شرط ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ سے خطبہ کے نام سے جو منقول و ماثور ہے اور جسے آپ ﷺ نے ہمیشہ پڑھا اور اسکا پڑھنا واجب ہے یا سنت ہے۔ صحت جمعہ کیلئے اس کا پڑھنا شرط نہیں کہ اس کے بغیر کوئی ذکر کفایت نہ کرے۔ البتہ صاحبینؒ یہ کہتے ہیں کہ خطبہ کیلئے ذکر طویل ہونا شرط ہے جسے خطبہ کہا جائے اور عرف میں صرف **سبحان اللّٰہ** اور **الحمد للّٰہ** کو خطبہ نہیں کہتے ہیں۔

(مظاہر حق جدید، ج ۲ ص ۲۶۰)

جمعہ کی نماز بھی بے شک فرض ہے مگر عام فرائض سے کچھ زیادہ اسمیں خصوصیت ہے اور یہ خطبہ عام خطبوں سے بڑھ کر ایک نئی شان رکھتا ہے جو امتیازی شان ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ ظہر کے چار فرض ہیں، جمعہ کے دو ہوجاتے ہیں، دو فرضوں کے قائم مقام یہ دو خطبے ہوتے ہیں جو امام دیتا ہے، اسی لیے ان خطبوں کے آداب عام خطبات سے

زائد ہیں کہ امام کو دیکھو تو تلاوت قرآن مت کرو، عبادت بھی مت کرو، بڑی عبادت یہ ہے کہ خطبہ سنو اور امام کو دیکھو، گویا بمنزلہ نماز کے ہیں، یہ دو خطبے تو چار رکعتیں ہو جاتی ہیں اس شان سے کہ دو رکعتیں جمعہ کی اور دو رکعتیں قائم مقام ان دو خطبوں کے، اسلیے ان خطبوں کے آداب زیادہ رکھے گئے ہیں۔ (فضائل جمعۃ المبارک ص ۱۶)

شرائط خطبہ

واضح ہو کہ جمعہ کے دونوں خطبوں کیلئے چند شرائط ہیں۔

۱) ایک تو یہ کہ خطبات نماز سے پہلے ہوں۔ لہذا اگر نماز کے بعد ہوئے تو ان کو خطبہ نہ قرار دیا جائے گا۔

۲) دوسرے خطبہ کی نیت۔ چنانچہ حنفیہؒ اور حنابلہؒ کے نزدیک اگر خطبہ کی نیت کے بغیر پڑھا گیا تو اسکو اس نماز کا خطبہ شمار نہ کیا جائیگا۔

۳) تیسرے یہ کہ خطبے عربی زبان میں ہوں۔

۴) چوتھے یہ کہ دونوں خطبے وقت کے اندر ہوں۔ اگر خطبے پہلے پڑھ لئے گئے اور نماز وقت آنے پر ہوئی تو بالاتفاق نماز درست نہ ہوگی۔

۵) پانچویں یہ کہ خطبہ کو خطیب اونچی آواز سے پڑھے تاکہ حاضرین سن سکیں۔ حنفیہؒ کے نزدیک خطبہ کا اونچی آواز سے ہونا شرط ہے تاکہ حاضرین اسکو سن سکیں بشرطیکہ سننے سے مانع کوئی امر نہ ہو۔ پس اگر کوئی امر مانع موجود ہو، مثلاً بہرہ پن یا خطیب سے بہت فاصلہ پر ہونا وغیرہ تو یہ شرط نہیں کہ وہ لوگ خطبہ کو سنیں، کیونکہ حنفیہؒ کے نزدیک صحت خطبہ کیلئے صرف لا الہ الا اللہ یا الحمد للہ یا سبحان اللہ کہہ دینا کافی ہے اگر یہ الفاظ اونچی آواز سے کہہ دیئے گئے تو خطبہ ہو گیا، گو اس کو کسی نے نہ سنا ہو، لیکن ان ہی الفاظ پر اکتفا کرنا مکروہ ہے اور بہرحال خطبہ سننے کیلئے کم سے کم ایسے ایک شخص کا موجود ہونا ضروری ہے جس سے جمعہ ہو سکتا ہے یعنی وہ شخص مرد اور بالغ و عاقل ہو، گو سفر یا مرض کے باعث معذور ہو۔

(کتاب الفقہ ص ۶۲۴ ج ۱ و ص ۶۲۶ ج ۱)

خطبہ کا رکن

حنفیہؒ کے نزدیک خطبہ میں صرف ایک چیز رکن ہے، یعنی ذکر الٰہی مطلقاً کم ہو یا زیادہ، لہٰذا خطبہ کا فرض ادا ہونے کیلئے صرف ایک بار تحمید (الحمد للہ کہنا) یا تسبیح (سبحان اللہ کہنا) یا تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ کہنا کافی ہے۔ البتہ محض اسی پر اکتفا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک صرف ایک خطبہ شرط ہے اور دوسرا خطبہ سنت ہے۔ (کتاب الفقہ ص ۶۲۳ ج ۱)

خطبہ جمعہ میں فرض دو ہیں۔ ایک وقت جمعہ، دوسرا مطلق ذکر اللہ (جواہر الفقہ ص ۳۴۵ ج ۱)

خطبہ کے صحیح ہونے کی شرط

حنفیہؒ کے نزدیک خطبہ کے صحیح ہونے کی چھ شرائط ہیں۔ (۱) خطبہ نماز سے پہلے ہو۔ (۲) خطبہ ہی کی نیت سے خطبہ پڑھا جائے۔ (۳) وقت کے اندر ہو۔ (۴) کم سے کم ایک شخص اسکو سننے والا موجود ہو۔ (۵) یہ شخص ان میں سے ہو جن کے ساتھ نماز جمعہ ہو سکتی ہو۔ (۶) خطبہ اور نماز کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو۔ (کتاب الفقہ: ص ۶۲۸ ج ۱)

خطبہ کی سنتیں

خطبہ میں پندرہ سنتیں ہیں۔ (۱) طہارت: اسلیئے کہ بے وضو اور ناپاک کا خطبہ پڑھنا مکروہ ہے۔ (۲) کھڑے ہونا: اگر بیٹھ کر یا لیٹ کر خطبہ پڑھا، تب بھی جائز ہے۔ (۳) قوم کی طرف متوجہ ہونا۔ (۴) خطبہ سے پہلے اپنے دل میں اعوذ باللہ پڑھنا۔ (۵) لوگوں کو خطبہ سنانا: اگر لوگوں کو خطبہ نہ سنایا تو بھی جائز ہے۔ (یعنی آہستہ پڑھنا) (۶) الحمد سے شروع کرنا۔ (۷) اللہ کی ایسی تعریف کرنا جو اسکے لائق ہو۔ (۸) اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمد ارسول اللّٰہ پڑھنا۔ (۹) نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا۔ (۱۰) وعظ ونصیحت کا ذکر کرنا۔ (۱۱) قرآن شریف پڑھنا: اسکا چھوڑنا برا ہے، خطبہ میں پڑھنے کی مقدار چھوٹی تین آیتیں یا بڑی ایک آیت ہے۔ (۱۲) اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور نبی کریم ﷺ پر درود، دوسرے خطبہ میں پڑھنا۔ (۱۳) مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے دُعا کی زیادتی کرنا۔

(۱۴) خطبہ میں تخفیف کرنا یعنی طوال مفصل میں سے کسی سورۃ کے برابر رہے، اس سے زیادہ خطبہ پڑھنا مکروہ ہے۔ (۱۵) دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا، دونوں خطبوں میں بیٹھنے کی مقدار تین آیتوں کی مقدار ہے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ یہ بیان کی ہے کہ خطیب اپنے بیٹھنے کی جگہ پر اطمینان سے بیٹھ جائے، اور اسکے سب اعضاء اپنی اپنی جگہ ٹھہر جائیں اس سے زیادہ نہ بیٹھے اور کھڑا ہو جائے۔) عالمگیری کتاب الصلوٰۃ: ص ۶۸ ج ۳)

خطبہ کے مستحبات

بلند آواز، دوسرے خطبے میں پہلے خطبہ سے کم جہر کرنا، خطبہ ثانیہ الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ سے شروع کرنا، منبر پر خطبہ دینا، دوسرے خطبہ میں نبی ﷺ کے آل واصحاب، ازواج مطہرات، خصوصاً خلفاء راشدین اور حضرت حمزہ وعباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیلئے دعا کرنا، خطبہ میں بادشاہ اسلام کیلئے دعا کرنا جائز ہے لیکن اس کی غلط تعریف یا اس میں مبالغہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (شامی معارف السنن، معارف مدینہ: ص ۸۷ ج ۸)

خطبہ میں ہاتھ چلانا

خطبہ میں ہاتھ اٹھانا یا چلانا (جیسا کہ آج کل مقررین کا طریقہ ہے) مکروہ ہے، نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے، اگر آپ ﷺ کبھی اشارہ فرماتے تو شہادت کی انگلی سے فرماتے (معارف مدینہ: ص ۹۴ ج ۳)

خطبہ کے وقت بیٹھنے کا طریقہ

سوال: خطبہ کے وقت یا دوسری نماز کے وقت گھٹنے پر پاؤں رکھ کر بیٹھنا جیسے کہ امراء بیٹھتے ہیں، شرعاً کیسا ہے؟

جواب: اس طرح کی نشست میں تکبر اور گھمنڈ نہ ہو، محض ضرورۃً ہو تو جائز ہے مگر اس کی عادت بنانا بالخصوص مسجد میں اور وہ بھی خطبہ کے وقت، اس کی عادت مناسب نہیں۔ مسجد میں عاجزی اور خشوع کیساتھ بیٹھنا چاہئے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ص ۲۵۴ ج ۱)

خطبے کے وقت چہرے کا رُخ

خطبہ کے وقت نمازیوں کا امام کی طرف چہرہ کا رُخ کرنا مستحب ہے بشرطیکہ استقبال قبلہ باقی رہے، ورنہ قبلہ کی طرف رُخ کرنا چاہیے، کیونکہ قبلہ کی طرف پشت کرنے کی صورت میں صفیں سیدھی کرنا دشوار ہوجائیں گی۔ نیز حلقہ پیدا کرنے کا اندیشہ ہے جس کی ممانعت ہے۔ امام ابوحنیفہؒ خطبہ کے وقت اپنے چہرے کا رُخ امام کی طرف کرلیا کرتے تھے۔
(معارف مدینہ: ص ۸۸ ج ۸)

خطبہ کے مسائل

خطبہ میں چند امور سنت ہیں۔ بعض کا تعلق خطیب سے ہے اور بعض امور کا تعلق خطبہ سے ہے۔ خطیب کیلئے سنت یہ ہے کہ وہ حدث اصغر (باوضو) وحدث اکبر (جنابت سے پاک ہو) دونوں سے پاک ہو۔ ایسا نہ ہو تو گو خطبہ ہوجائیگا لیکن مکروہ ہوگا۔ اگر حالت جنابت (غسل ضروری ہونے) میں خطبہ دیا تو مستحب یہ ہے کہ دوبارہ خطبہ پڑھا جائے اور یہ کہ خطیب خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر بیٹھ جائے اور خطبہ کھڑے ہوکر دیا جائے بیٹھ کر یا لیٹ کر خطبہ دینا مکروہ ہے۔

اور سنت یہ ہے کہ خطبوں کے دوران امام کا رُخ حاضرین کی جانب رہے، دائیں بائیں متوجہ نہ ہو۔ دو خطبے پڑھے جائیں۔ دونوں میں سے ایک سنت ہے اور دوسرا جمعہ کے صحیح ہونے کی شرط ہے اور یہ کہ دونوں خطبوں کے درمیان اتنی دیر کیلئے بیٹھ جائے کہ جس میں تین آیتیں پڑھی جاسکیں (یعنی اپنے بیٹھنے کی جگہ پر اطمینان سے بیٹھ جائے اور اسکے سب اعضاء اپنی اپنی جگہ ٹھہر جائیں) نہ بیٹھنا ناپسندیدہ عمل ہے۔

پہلا خطبہ شروع کرنے سے پہلے دل میں اعوذ باللہ آخیر تک کہہ کر اونچی آواز سے پڑھنا شروع کیا جائے اور خطبہ میں اللہ کی حمد و ثنا جو اس کی شان کے شایاں ہے کلماتِ شہادت، آں حضرت ﷺ پر درود و سلام اور گناہوں کی مذمت پر مشتمل وعظ، اللہ تعالیٰ کے غضب اور اسکے عذاب سے بچنے اور اس سے ڈرنے کی تلقین ہو اور اپنے اعمال کا بیان

ہو جو نجات دنیوی واُخروی کے باعث ہیں، نیز قرآن کریم کی کوئی آیت بھی پڑھی جائے۔

دوسرا خطبہ حمد وثنائے الٰہی اور رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام سے شروع کیا جائے، اسمیں ایمان دار مردوں اور عورتوں (آل واصحاب وازواج مطہرات خصوصاً خلفائے راشدین اور حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے لیے دُعائے مغفرت مانگی جائے۔ نیز بادشاہ (مومن) کے حق میں فتح مندی، تائید الٰہی اور توفیق عمل وغیرہ کی دعا مانگنا مستحب ہے جس میں اس کی رعایا کی بھلائی ہو کیونکہ حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خطبہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے دُعاء کیا کرتے تھے اور اس پر اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ (کتاب الفقہ: ص۶۳۲ ج۱)

دوسرے خطبے میں پھر ان سب چیزوں اعادہ کرنا، خطبہ کو زیادہ طول نہ دینا بلکہ نماز سے کم رکھنا۔ خطبہ منبر پر پڑھنا، اگر منبر نہ ہو تو کسی لاٹھی وغیرہ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا، ہاتھ کا ہاتھ پر رکھ لینا جیسا کہ بعض لوگوں کی ہمارے زمانے میں عادت ہے منقول نہیں۔ دونوں خطبوں کا عربی زبان میں ہونا کسی اور زبان میں خطبہ پڑھنا یا اسکے ساتھ کسی اور زبان کے اشعار وغیرہ ملا دینا جیسا کہ ہمارے زمانے میں بعض عوام کا دستور ہے سنت مؤکدہ کے خلاف ہے، خطبہ سننے والوں کو قبلہ رو ہو کر بیٹھنا۔ (علم الفقہ: ص۱۴۸ ج۲)

مسئلہ:۔ سنت یہ ہے کہ خطبہ بلند آواز سے پڑھا جائے تا کہ سب لوگ سنیں، آہستہ پڑھنا مکروہ ہے۔ (بحر، عالمگیری)

مسئلہ:۔ سنت ہے کہ خطبہ مختصر پڑھا جائے، زیادہ طول نہ ہو اور اسکی حد یہ ہے کہ طوالِ مفصل کی سورتوں میں سے کسی سورت کے برابر ہو۔ اس سے زیادہ طویل پڑھنا مکروہ ہے۔ (شامی، بحر، عالمگیری: ص۶۸ ج۳ کتاب الصلوٰۃ)

مسئلہ:۔ خطبہ مختصر پڑھنا جو دس چیزوں پر شامل ہو۔ (۱) حمد سے شروع کرنا۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی ثناء کرنا۔ (۳) کلمہ شہادتیں پڑھنا۔ (۴) نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا۔ (۵) وعظ ونصیحت کے کلمات کہنا۔ (۶) کوئی آیت قرآن مجید کی پڑھنا۔ (۷) دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑا سا بیٹھنا۔ (۸) تمام مسلمان مرد وعورت کے لیے دعاء مانگنا۔ (۹) دوسرے خطبہ میں دوبارہ

الحمد للہ اور ثناء اور درود پڑھنا۔ (۱۰) دونوں خطبوں کو مختصر کرنا، اس طرح کہ طوالِ مفصل کی سورتوں سے نہ بڑھے۔ (جواہر الفقہ: ص۷۶ ج۱)

مسئلہ:۔ خطبہ کی سنتوں میں سے کسی سنت کا چھوڑنا مکروہ ہے۔ خطبہ کی ان سنتوں میں سے جس نے کوئی سنت چھوڑی اس نے فعل مکروہ کیا۔ (کتاب الفقہ: ص۶۳۲ ج۱)

مسئلہ:۔ جو سنتیں جمعہ کے خطبہ کیلئے ہیں، ان کے خلاف کرنا مکروہ مگر خطبہ ادا ہو جاتا ہے اور نماز جمعہ صحیح ہو جاتی ہے۔ (بحر، جواہر الفقہ: ص۳۵۰ ج۱)

مسئلہ:۔ جب سب لوگ جماعت میں آجائیں یعنی وقت ہو جائے تو امام کو چاہیئے کہ منبر پر بیٹھ جائے اور موذن اس کے سامنے کھڑے ہو کر اذان کہے، اذان کے فوراً بعد امام کھڑے ہو کر خطبہ شروع کر دے۔

مسئلہ:۔ خطبہ پڑھنے والے کا بالغ ہونا شرط نہیں، اگر کوئی نابالغ خطبہ پڑھ دے تب بھی جائز ہے۔ (درمختار)

مسئلہ:۔ خطبے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا فرض ہے، اگر نہ کیا جائے تو وہ خطبہ معتبر نہ ہوگا اور نماز جمعہ کی شرط ادا نہ ہوگی۔ یا اگر صرف الحمد للہ یا سبحان اللہ کہہ لیا جائے مگر خطبہ کی نیت نہیں کی، خطبہ ادا نہ ہوگا۔ (علم الفقہ: ص۴۷ ج۲)

مسئلہ:۔ خطبے کا کسی کتاب وغیرہ سے دیکھ کر پڑھنا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ رمضان کے اخیر جمعے کے خطبے میں وداع فراق رمضان کے مضامین پڑھنا اگرچہ جائز ہے لیکن نبی کریم ﷺ اور ان کے اصحابؓ سے منقول نہیں ہے، نہ کتب فقہ میں کہیں اس کا پتہ ہے، لہٰذا اس پر ہمیشہ پابندی کرنا جس سے عوام کو اس کے سنت ہونے کا خیال پیدا ہونے لگے، نہ کرے۔ (علم الفقہ: ص۱۴۱ ج۲)

مسئلہ:۔ خطبہ ختم ہوتے ہی فوراً اقامت (تکبیر) کہہ کر نماز شروع کر دینا مسنون ہے۔ خطبے اور نماز کے درمیان میں کوئی دنیاوی کام کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر درمیان میں فصل زیادہ ہو جائے تو اسکے بعد خطبے کے اعادہ کی ضرورت ہے۔ ہاں کوئی دینی کام مثلاً کسی کو کوئی شرعی مسئلہ بتائے یا وضو نہ رہے اور وضو کرنے جائے یا خطبہ کے بعد معلوم ہو کہ اس کو غسل کی

ضرورت تھی اور غسل کرنے جائے تو کچھ کراہت نہیں ہے۔

(بہشتی زیور: ص ۸۴ ج ۱۱ بحوالہ شامی ص ۷۷۰ ج ۱)

مسئلہ:۔ جمعہ کا خطبہ شرط نماز ہے بغیر خطبہ کے نماز جمعہ ادا نہیں ہوتی اور یہ شرط صرف ذکر اللہ سے ادا ہو جاتی ہے۔ (جواہر الفقہ: ص ۳۶۶ ج ۱)

مسئلہ:۔ چند امور میں خطبہ جمعہ اور عیدین میں فرق ہے۔ (۱) خطبہ عیدین جمعہ کی طرح نماز کیلئے شرط نہیں ۔ بلکہ بغیر خطبہ بھی نمازِ عیدین صحیح ہو جاتی ہے۔ (۲) عیدین کا خطبہ فرض واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ خطبہ عیدین بعد نماز عید پڑھا جائے پہلے نہیں۔

(جواہر الفقہ: ص ۳۶۵، ج ۱)

مسئلہ:۔ خطبہ سننے والوں کو قبلہ رخ ہو کر بیٹھ جانا چاہیے۔ (فتاویٰ ہندیہ، ص: ۱۴۵، ج ۱)

مسئلہ:۔ خطبہ شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ آہستہ سے پڑھے، بسم اللہ نہ پڑھے، اعوذ باللہ زور سے نہ پڑھے۔ اور کسی نے بھی خطبہ سے قبل بسم اللہ پڑھنے کو نہیں لکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ خود بسم اللہ پڑھنا مطلوب نہیں ہے۔

(امداد الفتاویٰ، ص: ۶۸۰، ج: ۱، بحوالہ بحر الرائق، ص: ۱۵۹، ج: ۲)

مسئلہ:۔ سنت یہ ہے کہ (نماز جمعہ سے پہلے) خطیب اپنے گوشہ خلوت میں رہے امام کا لوگوں کو سلام کرنا، خطبہ سے پہلے محراب میں نماز کا ادا کرنا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر (یعنی نیک کام کا حکم اور بری بات سے روکنے) کے علاوہ کچھ اور کہنا مکروہ ہے۔

(کتاب الفقہ، ص: ۶۳۲، ج: ۱)

مسئلہ:۔ بہتر یہ ہے کہ جو شخص خطبہ پڑھے وہی نماز بھی پڑھائے اور اگر کوئی دوسرا پڑھائے تب بھی جائز ہے (درمختار) اگر کوئی دوسرا شخص امام بنایا جائے تو وہ ایسا شخص ہو جس نے خطبہ سنا ہو، اگر کوئی ایسا شخص امام بنا دیا جائے جس نے خطبہ نہیں سنا تو نماز نہیں ہوگی، اور اگر وہ کسی دوسرے کو امام بنالے تب بھی جائز نہیں ۔ ہاں! اگر نماز جمعہ شروع کر دینے کے بعد امام کو حدث (وضو کا نہ رہنا) ہو جائے اور وہ اس وقت کسی کو امام بنائے تو اسمیں یہ شرط نہیں، جس نے خطبہ نہیں سنا، اسکا امام بنانا بھی درست ہے۔ (علم الفقہ: ص ۱۵۴ ج ۲)

مسئلہ:۔خطبہ پڑھنے کے بعد اگر خطیب کا وضوٹوٹ جائے اور کسی دوسرے شخص کو خلیفہ بنایا، اگر وہ شخص خطبہ میں حاضر تھا تو جائز ہے اور اگر وہ خطبہ میں حاضر نہ تھا تو جائز نہ ہوگا، اگر نماز شروع کرنے کے بعد وضوٹوٹا، تو کسی بھی شخص کو خلیفہ بنانا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ (یعنی بیٹھ جانا) کا چھوڑنا برا ہے، خطبہ سے پہلے بیٹھنا سنت ہے۔

مسئلہ:۔خطیب کیلئے یہ شرط ہے کہ اسمیں جمعہ کی امامت کی صلاحیت ہو۔

مسئلہ:۔خطیب کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی نیت سے منبر پر خطبہ پڑھنا سنت ہے۔

مسئلہ:۔خطیب کا بلند آواز سے پڑھنا مستحب ہے اور دوسرے خطبہ میں پہلے خطبہ کے لحاظ سے کم جہر کرے یعنی آواز کو زیادہ بلند نہ کرے۔

مسئلہ:۔دوسرا خطبہ اس طرح شروع کرنا چاہیئے "الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ الخ" خطبہ میں رسول اللہ ﷺ کے دونوں چچا اور خلفاء راشدین کا ذکر مستحسن ہے، اسی طرح برابر معمول چلا آرہا ہے۔(عالمگیری، کتاب الصلوٰۃ:ص ۶۹ ج ۳)

مسئلہ:۔آدھی آستین کی قمیص پہن کر خطبہ پڑھنا یا نماز پڑھانا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ وضع مسلمان کی عبادت کی وضع نہیں ہے۔(کفایت المفتی:ص ۶۶ ج ۳)

مسئلہ:۔خطبہ جمعہ وعیدین میں خالص عربی نثر میں خطبہ پڑھنا مسنون ومتوارثہ ہے اسکے سوا کسی اور زبان میں خطبہ پڑھنا یا عربی نظم میں پڑھنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے گو خطبہ تو ادا ہو جائے گا لیکن خلاف متوارث ہونے کی وجہ سے کراہت ہوگی.(کفایت المفتی:ص ۲۲۲ ج ۳)

مسئلہ:۔دونوں خطبوں کے درمیان اگر دعا مانگے تو دل سے مانگنے، زبان سے اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا اس حالت میں درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم:ص ۱۵۷ ج ۵ بحوالہ ردالمختار:ص ۷۶۹ ج ۱)

جمعہ پڑھنے کے بعد دوسری جگہ خطبہ دینا

سوال:ایک شخص جو کہ خود جمعہ پڑھ چکا ہو، دوسری جگہ خطبہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:اس بارے میں صریح جزئیہ نہیں ملا، البتہ چونکہ صحت خطبہ کیلئے یہ شرط نہیں کہ خطیب پر

جمعہ فرض ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا شخص (صرف) خطبہ پڑھ سکتا ہے۔
(احسن الفتاوئ: ص ۱۴۸ ج ۴ بحوالہ ردالمختار: ص ۷۷۱ ج ۱)

نماز سے پہلے خطبہ

جمعہ کی ادائیگی کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ نماز سے قبل خطبہ پڑھا جائے، اگر خطبہ کے بغیر نماز جمعہ پڑھ لیں یا وقت سے پہلے خطبہ پڑھ لیں تو جائز نہیں ہے۔ خطبہ میں کچھ چیزیں فرض ہیں اور کچھ سنت ہیں۔ نماز جمعہ کے خطبہ میں فرض صرف دو چیزیں ہیں، ایک ''وقت'' ہے اور وہ زوال کے بعد نماز سے پہلے ہے پس اگر زوال سے پہلے یا نماز کے بعد خطبہ پڑھا تو جائز نہ ہوگا۔ (عینی شرح کنز)

اور دوسرا فرض ذکر اللہ ہے (بحرالرائق)۔ الحمد للہ یا لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ پڑھنا کافی ہے، اور یہ جب ہے کہ خطبہ کی نیت سے پڑھے لیکن اگر چھینک آئی، اور الحمد للہ یا سبحان اللہ پڑھا یا کسی چیز پر تعجب کرتے ہوئے لا الہ الا اللہ پڑھا تو بالا جماع خطبہ کے قائم مقام نہ ہوگا۔
مسئلہ:۔ اگر خطیب نے تنہا پڑھا یا (صرف) عورتوں کے سامنے پڑھا تو صحیح یہ ہے کہ جائز نہ ہوگا۔ اگر ایک یا دو آدمیوں کے سامنے خطبہ پڑھا اور تین آدمیوں کے سامنے نماز پڑھائی تو جائز ہے اگر خطیب کے خطبہ کے وقت سب لوگ سو رہے ہیں یا بہرے ہیں تب بھی خطبہ جائز ہوگا۔ (عالمگیری: ص ۶۸ ج ۳ کتاب الصلوٰۃ)

دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا

''عن ابن عمر ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یخطب یوم الجمعۃ ثم یجلس ثم یقوم یخطب قال مثل ما یفعلون الیوم۔''

ترجمہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز ایک خطبہ دے کر بیٹھ جاتے تھے، پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ دیتے تھے۔ جیسا کہ آج کل دستور ہے۔
مسئلہ: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درمیان میں بیٹھنا سنت ہے۔ (معارف مدنیہ، ص ۸۶ ج ۸)

☆

خطبہ میں اختصار کرنا

"عن جابر بن سمرة قال كنت أصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم فكانت صلوته قصداً و خطبه قصداً" (بخاری)

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں نماز پڑھتا۔ آپ ﷺ کا خطبہ اور نماز دونوں معتدل ہوتے تھے۔

تشریح:۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آدمی کی نماز کا طویل اور خطبہ کا مختصر ہونا اس کے فقیہہ ہونے کی علامت ہے، پس نماز کو طویل اور خطبہ کو مختصر کرو۔ (مسلم)،

(معارف القرآن، ص۸۶ ج۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ اور نماز میں نہ بہت طول ہوتا تھا، نہ بہت زیادہ اختصار، بلکہ دونوں کی مقدار معتدل اور متوسط ہوتی تھی۔ (معارف الحدیث، ص۳۹۰ ج۳)

خطبہ میں آپ ﷺ کا معمول

"عن جابر قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خطب احمرت عيناه وعلاصوته واشتد غضبه حتى كانه منذر جيش يقول صبحكم ومساكم ويقول بعثت انا والساعة كهاتين ويقرن بين صبعيه السبابة الوسطى" (مسلم شریف)

ترجمہ:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو آپ ﷺ کی آنکھیں مبارک سرخ ہو جاتی تھیں، آواز بلند ہو جاتی تھی اور سخت غصہ اور جلال کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی حالت اُس شخص کی سی ہو جاتی تھی جو دشمن کے لشکر کو خود دیکھ کر آیا ہو اور اپنی قوم کو بچاؤ پر آمادہ کرنے کیلئے اُس سے کہتا ہو کہ دشمن کا لشکر قریب ہی آ پہنچا ہے (اپنی پوری تباہ کاریوں کیساتھ) پس وہ صبح یا شام تم پر آ پڑنے والا ہے اور آپ ﷺ یہ بھی فرماتے تھے کہ میر بعثت اور قیامت کی آمد، ان دو انگلیوں کی طرح (قریب ہی قریب) ہیں، اور آپ ﷺ (سمجھانے کے طور پر) اپنی

دوانگلیوں یعنی کلمہ والی اور اسکے بعد کی بیچ والی انگلی کوملا دیتے تھے۔ (صحیح مسلم شریف)

تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا خطبہ پر جوش اور پُر جلال خطبہ ہوتا تھا، اور آپ ﷺ کا حال کہنے کے بالکل مطابق ہوتا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ آپ ﷺ خطبہ میں قیامت کے قرب اور اسکی ہولنا کیوں کا ذکر بکثرت فرماتے تھے، اور کلمہ والی انگلی اور اسکے بیچ والی انگلی کو باہم ملا کر فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح یہ دونوں قریب قریب ہیں، اسی طرح سمجھو کہ میری بعثت کے بعد قیامت بھی قریب ہی ہے، اب درمیان میں کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے، میرے ہی دور میں قیامت آنے والی ہے اس لیے اس کی تیاری کرو۔

(معارف الحدیث، ص ۳۹۱ ج ۳)

حاصل یہ ہے کہ جس طرح اپنی قوم اور اپنے لشکر کی غفلت شعاریوں اور کوتاہیوں کو دیکھ کر اس کو دشمن کے خطرناک ارادوں اور منصوبوں سے ڈرانے والا اپنی آواز کو بلند کرتا ہے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور غصہ تیز ہو جاتا ہے، اسی طرح اپنی امت کی غفلت شعاریوں کے پیشِ نظر خطبہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت وحالت ہوتی تھی۔ (مظاہر حق جدید، ص ۲۶۳ ج ۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جوش مقرروں کی طرح ہاتھ تو نہیں پھیلاتے تھے البتہ سمجھانے یا آگاہ کرنے کے مواقع پر شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا کرتے تھے، لہٰذا اگر عالم خطیب حسبِ موقع حاضرین کو خطاب کرے اور خطبہ کو ترغیب وترہیب کے انداز میں پڑھے تو جائز اور مسنون ہے لیکن دائیں بائیں رُخ پھیرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

"بدائع صنائع، ص ۲۶۴ ج ۱) میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے وقت قبلہ پشت ہو کر اور لوگوں کی طرف رُخ کر کے کھڑے رہتے تھے۔ اس لیے علامہ ابن حجرؒ وغیرہ محققین دائیں بائیں رُخ کرنے کو بدعت کہتے ہیں۔ (شامی، ص ۷۵۹ ج ۱)

ہاں رُخ سامنے رکھ کر دائیں بائیں نظر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(ردالمحتار، ص ۷۵۹ ج ۱)

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ ترغیب وترہیب کے مضامین وہی شخص صحیح انداز میں ادا کر سکتا ہے جو معنی ومضمون سے واقف ہو، ناواقف شخص ایسی غلطی کر سکتا ہے جو واقف کی نظر میں

مضحکہ خیز ہو۔ خطبہ میں جو انداز اختیار کیا جائے وہ سمجھ کر اختیار کیا جائے۔

(فتاوی رحیمیہ، ص۲۶۴ ج۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جب لوگ جمع ہو جاتے، اس وقت آپ منبر پر تشریف لاتے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہتے اور جب اذان ختم ہو جاتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے اور فوراً خطبہ شروع فرما دیتے تھے۔

جب تک منبر نہ بنا تھا کسی لاٹھی یا کمان سے ہاتھ کو سہارا دے لیتے تھے اور کبھی کبھی اس لکڑی کے ستون سے جو محراب کے پاس تھا جہاں آپ خطبہ پڑھتے، ٹیک لیتے تھے، منبر بن جانے کے بعد پھر کسی لاٹھی وغیرہ سے سہارا دینا منقول نہیں ہے۔ دو خطبے پڑھتے تھے اور دونوں کے درمیان میں کچھ تھوڑی دیر بیٹھ جاتے تھے اور اس وقت کچھ کلام نہ کرتے نہ دُعا مانگتے، جب دوسرے خطبے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فراغت ہوتی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ تکبیر کہتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے۔ (علم الفقہ، ص۱۵۰ ج۲)

خطبہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی وضاحت

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، ایک گاؤں والا آیا اور اس نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا مال تباہ و برباد ہو گیا، میرے اہلِ وعیال بھوکے ہیں، ہمارے لیے دعا کیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں اپنے ہاتھ اُٹھائے اور دعا فرمائی۔

یا اسی طرح بعض روایتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ کی حالت میں بات چیت کرنا ثابت ہے۔ تو ان روایتوں کے بارے میں کئی احتمال ہیں، اول تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا میں مشغول ہونا یا بات چیت کرنا خطبہ کی حالت میں نہیں تھا بلکہ یا تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے یا خطبہ ختم ہونے کے بعد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا یا بات چیت میں مشغول ہوئے، ایک احتمال یہ ہے کہ ان روایتوں کا تعلق اس زمانہ سے ہے جبکہ خطبہ کی حالت میں اس قسم کی مشغولیت ممنوع نہیں تھی، یا پھر یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔

(مظاہر حق جدید، ص۲۵۹ ج۲)

آپ ﷺ کا خطبہ میں بچوں کو اُٹھانا

سوال:۔ آنحضرت ﷺ نے خطبہ کی حالت میں امام حسنؓ و حسینؓ کو گرتے دیکھ کر خطبہ قطع کر کے ان کو اُٹھایا۔ اب ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ خصوصیت ہے آنحضرت ﷺ کی۔ یا یہ کہ ایسی حالت ہو کہ بچہ کے چوٹ لگنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں اب بھی خطیب کو ایسا کرنا درست ہے۔ جیسا کہ درمختار میں بعض مواقع میں نماز قطع کر دینے کا حکم ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم، ص ۱۴۵ ج ۵ بحوالہ درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ، ص ۹۳ ج ۱)

خطیب کے سامنے ترقیہ کرنا

بعض لوگوں میں یہ بدعت جاری ہے کہ خطیب کے آگے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ "ان اللّٰہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی". الایۃ (یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ لہٰذا اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجو) یہ کہہ کر لمبی چوڑی بات شروع کر دیتے ہیں۔ پھر جب مؤذن خطیب کے سامنے اذان سے فارغ ہوتا ہے تو یہ حدیث بیان کرتا ہے کہ "اذا قلت لصاحبک یوم الجمعۃ انصت والامام یخطب، فقدلغوت الحدیث". (یعنی اگر تم نے امام کے خطبہ پڑھنے کے دوران اپنے ساتھ والے سے یہ کہا کہ خاموش رہو تو یہ لغو بُری حرکت کی)۔ اس حدیث کو بیان کر کے وہ کہتا ہے "انصتوا تؤجدوا" (یعنی خاموش رہو ثواب ہوگا) یہ تمام باتیں بدعت ہیں اور نہ اس کے لیے کوئی امر متقاضی ہے اور نہ یہ لازم ہے، اس لیے کہ جب مؤذن اس طرح اعلان کرے تو یہ حدیث سے ناواقفیت کے باعث ہوگا، اس واسطے کہ ایک طرف تو وہ خاموش رہنے اور کلام نہ کرنے کو کہتا ہے اور پھر خود ہی کہہ کر بولتا ہے کہ "خاموش رہو ثواب ہوگا" سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی بات بڑھانے کی کیا ضرورت پیش آئی جس کا حکم مذہب میں نہیں ہے اور اصولِ دین کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ موقع اللہ عزوجل کے سامنے خضوع وخشوع کے اظہار کا ہے، لہٰذا خطیب کی تقریر کے سوا جو بات چیت یا گڑبڑ کی جاتی ہے وہ لغو

اور واہیات ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ (کتاب الفقہ، ص ۶۴۳ ج ۱)

(دین کی جس قدر بھی ضروری باتیں تھیں اُن کی رسول اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا اور عمل کر کے بھی دکھلا دیا، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ اور اس کے بعد اسلاف اس پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں، اس لیے کہ انکو ثواب حاصل کرنے اور دین کا کام کرنے اور چھوٹی سے چھوٹی سنت ادا کرنے کا ہم سے زیادہ شوق وجذبہ تھا، جس چیز کو انہوں نے دین سمجھا اہتمام کے ساتھ اس پر عمل کیا۔

یقیناً وہ دین ہے اور قابل عمل ہے اور جن چیزوں کو قدرت ہونے کے باوجود نہیں کیا تو معلوم ہوا وہ دین میں سے نہیں ہے یا ضروری نہیں ہے۔

اور عبادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ادا کیا جائے تو جبھی عبادت میں شمار ہوگی اور ثواب کے مستحق ہوں گے ورنہ گناہ وعذاب ہوگا۔

بعض علاقوں میں جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں میلا د وغیرہ کا دستور چلا آرہا ہے، اس کو بعض لوگ سنت یا دین کا جزء سمجھتے ہیں اور جو اس میں شریک نہیں ہوتا، اس کو مخالفِ رسول ﷺ گردانا جاتا ہے۔ حالانکہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ بلند آواز سے ذکر اللہ کرنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو، یا سونے والوں کو تکلیف وپریشانی ہو، ممنوع ہے، اور اسی طرح قرآن شریف کی تلاوت جیسی عبادت کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو تو زور سے نہ پڑھے۔ (شامی، ص ۲۹۱ ج ۱)

حدیث شریف میں خطیب کے سامنے ترقیہ یا جمعہ کی نماز کے بعد مصافحہ یا میلاد وغیرہ پڑھنے کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا ہے، صحابہ کرامؓ کو سنتِ نبوی ﷺ سے عشق تھا، ان کے یہاں یا ان کے بعد اسلاف کے عمل سے ان کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔

شریعت نے جو عبادات کا محل مقرر کر دیا ہے اس کو اسی کے مطابق کیا جائے تو ثواب ہوگا ورنہ عدولِ حکمی کے تحت عذاب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی صحیح سمجھ اور عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں اور جو باتیں ہم نے دین میں داخل کر لی ہیں اس سے بچنے کی بھی توفیق عنایت فرمائے امین۔ (محمد رفعت قاسمی)۔

منبر کی تاریخ

سنہ ۸ ہجری میں منبر بنایا گیا، منبر بنانے کا قصہ یہ ہے کہ مدینہ میں ایک انصاریہ تھیں جن کا غلام نجار (بڑھئی) تھا، ان کے پاس حضور ﷺ کا ارشاد پہنچا کہ بہتر ہوتا اگر تم اپنے غلام سے میرے لیے ایک منبر بنوا دیں حسب الارشاد انہوں نے ایک منبر گز لکڑی سے جس میں تین سیڑھیاں تھیں بنوا کر مسجد شریف میں بھیج دیا، جس مقام پر اب منبر ہے وہیں وہ منبر رکھ دیا گیا، جب آپ ﷺ اس منبر پر خطبہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے، وہ ستون جس سے آپ ﷺ سہارا لگاتے تھے حضرت ﷺ کے فراق محبت سے فریاد کرنے لگا اور ایسی آواز سے رویا کہ جیسے اونٹنی بولتی ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ جیسے روتا ہوا لڑکا چپ کیا جائے، تمام صحابہؓ اس کے حال سے رونے لگے، آپ ﷺ منبر سے اتر پڑے اور اس ستون کو اپنے سینے سے لگالیا، یہاں تک کہ اس کا رونا بند ہو گیا۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے اس مقدس منبر کو اپنے زمانہ خلافت میں ملک شام لے جانا چاہا مگر جیسے ہی وہ منبر اپنی جگہ سے اُٹھایا گیا، آفتاب میں سخت گہن پڑ گیا کہ ستارے نظر آنے لگے اور اس حالت کو دیکھ کر وہ اپنے ارادہ سے باز رہے ۶۵۴ھ میں جب مسجد شریف میں آگ لگی تھی وہ منبر بھی جل گیا تھا۔ (علم الفقہ حاشیہ، ص ۱۵۰ ج ۲ بحوالہ شرح سفر السعادۃ)

منبر پر خطبہ دینے کا بیان

"عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یخطب الی جذع فلما اتخذ المنبر حن الجذع حتیٰ اتاہ فالتزمہ فسکن." (بخاری)

(معارف مدنیہ، ص ۵۷ ج ۸)

ترجمہ:۔ نبی کریم ﷺ کھجور کے ایک تنہ پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ نے منبر بنوالیا تو اس تنہ سے رونے کی آواز آئی۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر اسکو سینے سے لگالیا۔ اس کے بعد وہ آواز بند ہو گئی۔

تشریحات:۔ منبر پر خطبہ دینا مسنون ہے۔ منبر نہ ہو تو زمین پر یا کسی اور چیز پر خطبہ

دینا جائز ہے۔ منبر قبلہ کی دائیں جانب ہونا چاہئے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا یہی طریقہ تھا۔ منبر شریف کے تین درجات تھے۔ آپ ﷺ اوپر کے درجہ پر بیٹھتے تھے اور دوسرے درجہ پر قدم مبارک رکھتے تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اوپا دوسرے درجہ پر بیٹھتے تھے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تیسرے درجہ پر بیٹھتے اور قدم زمین پر رکھتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مزید نیچے اترنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے وہ اوپر کے درجہ پر بیٹھنے لگے، اس سے امت کیلئے آسانی ہوگئی ورنہ نزول کا عمل جاری رہتا تو بعد والوں کیلئے بڑی دشواری ہو جاتی۔ (معارف مدنیہ، ص۷۶ ج۸)

آپ ﷺ کے منبر کی کیفیت

آنحضرت ﷺ کے منبر کی تین ہی سیڑھیاں تھیں، اس لیے اب بھی ایسا ہی بنانا مسنون ہے۔ آنحضرت ﷺ تیسری سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے، پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے زمانۂ خلافت میں آپ ﷺ کے ادب کی وجہ سے اس کے نیچے سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے، پھر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ادب کی وجہ سے سب سے نیچے کی سیڑھی اختیار کی۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد پھر یہی دستور ہوگیا کہ اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہوکر خطبہ دیتے تھے، یہی اولیٰ ہے۔

اور اگر کوئی نیچے کی سیڑھی پر کھڑا ہو جائے تو بھی کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں، کیونکہ وہی خلفائے راشدین کا عمل ہے۔ (عزیز الفتاویٰ دار العلوم، ص۱۷۵ ج۷)

منبر کی وجہ سے صف میں فصل

سوال:۔ مسجد میں پہلی صف میں منبر حائل رہتا ہے، اس وجہ سے پہلی صف میں تقریباً دو ہاتھ بقدر منبر جگہ رہتی ہے تو یہ فاصلہ باعث کراہت ہے یا نہیں؟ اور پوری صف ہٹادی جائے تو بعضوں کا سجدہ اس منبر پر ہوگا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ یہ فصلِ ضروری باعثِ کراہت نہیں ہے، اور اگر سجدہ کی جگہ نصف ذراع کے مقدار

بلند ہو تو یہ بھی درست ہے اور ضرورت کے وقت اس سے زیادہ بلندی میں بھی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص ۳۴۴ ج ۷ بحوالہ درمختار، ص ۷۰ ۴ ج ۱)

منبر کا درمیانِ صف میں رکھنا

سوال:۔ یہاں نمازیوں کی کثرت اور مسجد کی تنگی کی غرض سے اور آواز دور تک پہنچانے کی غرض سے منبر دیوارِ قبلہ سے ہٹا کر رکھا جاتا ہے، جس سے بعض صفیں خطیب کی پشت (کمر) کے پیچھے ہو جاتی ہیں کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ سنت یہ ہے کہ جمعہ کے روز منبر محراب کے پاس ہو اور خطیب اس پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھے اور تمام مقتدیان اس کے سامنے ہوں، جیسا کہ بدائع میں ہے کہ خطیب کا چہرہ لوگوں کے سامنے ہو اور قبلہ کی طرف پشت ہو، لوگوں کو سنانے کی وجہ سے اس سنت کو چھوڑنا نہ چاہئے کہ سب کا سننا ضروری نہیں ہے۔ اور کثرت نمازیان کی صورت میں سب کو سنانا دشوار ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص ۱۰۰ ج ۵ بحوالہ بدائع صنائع فصل فی الجمعہ، ص ۲۶۳ ج ۱)

منبر پر خطبہ ہونا سنت ہے

خطبہ منبر پر پڑھنا سنت ہے فرض اور واجب نہیں ہے، اگر بلا کسی عذر کے خطیب نے نیچے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا تو اس نے خلافِ سنت کیا اور ترکِ سنت کی وجہ سے مستحق ملامت ہوا، لیکن خطبہ اور نماز صحیح ہو گئی۔

اور اگر کسی عذر کی وجہ سے خطبہ منبر پر نہ پڑھا اور نیچے کھڑے ہو کر پڑھا تو اس پر کچھ ملامت بھی نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص ۱۲۶ ج ۵ بحوالہ شامی، ص ۱۵۳ ج ۱)

منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا سنت ہے۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا۔ (احسن الفتاویٰ، ص ۱۴۲ ج ۴)

اذان کے وقت منبر پر بیٹھنا

سوال:۔ خطبہ کی اذان کے دوران خطیب منبر پر بیٹھتا ہے اگر خطیب اس وقت بیٹھنے کو ختم کر دے تو کیا گنہگار ہو گا؟

جواب:۔ اذان کے وقت (خطیب کا) منبر پر بیٹھنا مسنون ہے۔ ابوداؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب خطبتین کا یجلس اذا صعد المنبر حتیٰ یفرغ انتھٰی۔ اور سنت مؤکدہ کو چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاویٰ عبدالحیٔ، ص۲۲۴)

منبر کے درجات کی تعداد

سوال:۔ منبر کے درجے (سیڑھیاں) تین سے کم یا زیادہ کیے جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حضور اکرم ﷺ کے منبر کے تین درجات تھے، اس سے موافقت اولیٰ ہے، اور کمی وزیادتی بھی جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ، ص۱۲۰ ج۴)

منبر کے کس زینہ سے خطبہ دے؟

سوال:۔ منبر کے کس درجہ (زینہ) سے خطبہ دینا چاہئے؟

جواب:۔ اس میں شرعاً کچھ تحدید نہیں ہے، چاہے جس درجہ (سیڑھی) پر کھڑا ہو جائے جائز ہے۔ اور سنت منبر پر کھڑے ہونے کی ادا ہو جائے گی۔ پس اس سے زیادہ اس میں کچھ قید نہیں ہے، دوسرے یا تیسرے جس درجہ پر کھڑا ہو جائے درست ہے، اور اس میں کچھ سوائے اب کسی کی نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص۱۱۶ ج۵ بحوالہ ردالمختار باب الجمعہ، ص۷۷۰ ج۱)

کیا عورت خطبہ دے سکتی ہے؟

سوال:۔ یہاں پر جمعہ کے دن کوئی شخص خطبہ پڑھانے والا نہ تھا مجبوری کی وجہ سے عورت نے خطبہ پڑھایا اور مرد نے نماز جمعہ پڑھائی، کیا حکم ہے؟

جواب:۔ عورت کا خطبہ صحیح نہیں ہوا اور خطبہ شرائط صحت جمعہ میں سے ہے تو جمعہ بھی صحیح نہیں ہوا۔ ان سب لوگوں کو ظہر کی نماز کی قضا پڑھنی چاہئیے۔

اگر کوئی خطبہ پڑھنے والا نہ تھا تو جس نے نماز پڑھائی ہے وہی کچھ ذکر اللہ یا کچھ قرآن پڑھ دیتا یا صرف سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر ہی کہہ لیتا تو فرض ادا ہو جاتا جس سے فرض نماز ادا ہو جاتی۔ (امداد الفتاویٰ: ص۷۰۹ ج۱)

کیا خطیب سنت پڑھنے والوں کا انتظار کرے؟

خطیب کو انتظار کرنا سنت پڑھنے والوں کی فراغت کا لازم نہیں ہے جس وقت کہ مقررہ وقت ہو جائے تو خطیب خطبہ کیلئے کھڑا ہو سکتا ہے، اس پر کچھ مواخذہ اور گناہ نہیں ہے کیونکہ خطیب متبوع ہوتا ہے تابع نہیں۔ مقتدیوں کو تو یہ حکم ہے کہ جس وقت خطیب خطبہ کیلئے منبر پر جائے نوافل وسنن نہ پڑھیں لیکن خطیب کو یہ حکم نہیں ہے کہ وہ فراغت کا انتظار کرے، اور اگر دو چار منٹ وہ انتظار کرلے تو اس میں کچھ حرج بھی نہیں ہے لیکن انتظار نہ کرنے سے گنہگار نہ ہوگا۔ (فتاویٰ دار العلوم: ص ۶۷ ج ۵ بحوالہ رد المختار باب الجمعہ: ص ۷۶۵ ج ۱)

بیٹھ کر خطبہ دینا

قیام خطبہ کا سنت مؤکدہ ہے اور اگر واجب بھی ہوتا تب بھی عذر میں ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قیام الصلوٰۃ (نماز میں کھڑے ہونا) اور عیدین کا خطبہ مثل خطبہ جمعہ کے احکام میں ہے، پس عذر میں خطبہ جمعہ اور عیدین بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ص ۶۴۱ ج ۱)

خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے، کسی وقت اگر عذر سے بیٹھ کر پڑھا جائے تو درست ہے مگر اس پر مداومت (دائمی طور پر ترکِ سنت) کی اجازت نہ ہوگی (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۷ جلد ۵)

درمیان میں کھڑے ہو کر خطبہ دینا

سوال:۔ امام صاحب نے منبر کے بجائے باہر کے درجہ میں خطبہ جمعۃ الوداع پڑھا اور عذر یہ کیا کہ تاکہ سب لوگ سن سکیں۔ یہ کہاں تک جائز ہے؟

جواب:۔ عالمگیری ص ۹۴ جلد اول پر اس کی تصریح ہے کہ تمام قوم کا خطیب کے سامنے ہونا سنت ہے، پس بعض کا پشت پر ہونا بدعت ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا اتفاقاً نہیں کیا گیا بلکہ اس کو سنتِ استقبال پر ترجیح دی گئی، اور اس کے مقابلہ میں مستحسن سمجھا گیا۔ خطیب پر واجب ہے کہ اس بدعت کے چھوڑنے کیساتھ ساتھ اپنی غلطی کا اعلان بھی کرے تاکہ آئندہ اس کا بالکلیہ انسداد ہو جائے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۱۰۷ ج ۱)

نماز فجر پڑھے بغیر خطبہ دینا

سوال:۔ اگر کسی نے نمازِ فجر پڑھے بغیر خطبہ دیا تو درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ درست ہو جائے گا لیکن نمازِ جمعہ نہ پڑھائے، اگر صاحبِ ترتیب ہو تو دوسرے سے نمازِ جمعہ پڑھوائے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۶۳۳ جلد اول)

خطبہ سے قبل یہ کلمات کہنا

سوال:۔ خطبہ کے وقت اذان سے پہلے "استووا رحمکم الله،، کہنا کیسا ہے؟

جواب:۔ وقتِ خطبہ جو اذان خطیب کے سامنے ہو اس کے شروع میں اس لفظ کے کہنے کی ضرورت نہیں، البتہ اگر امام تکبیر تحریمہ کے وقت ایسا کہے تو مضائقہ نہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۸۷ جلد ۵)

خطبہ میں عصا لینا

جب آں حضرت ﷺ نے لاٹھی پر سہارا دے کر خطبہ پڑھا تو سنت ہو گیا۔ کسی چیز کے سنت ہونے کیلئے مواظبت شرط نہیں۔ اور جس سنت پر ہمیشگی ہو وہ سنت مؤکدہ ہو جاتی ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم: ص ۸۷ اج ۵)

حدیث سے سہارا لگانا عصا یا قوس پر ثابت ہے اور قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے کہ عصا کا لینا سنت ہے۔ پس شاید تطبیق کی یہ صورت ہو کہ ضرورت ہو تو عصاء (لاٹھی بید وغیرہ) ہاتھ میں رکھ لے تو کچھ حرج نہیں ہے اور اگر ضرورت نہ ہو تو نہ لیوے۔

(فتاویٰ دار العلوم: ص ۲۶ ج ۵ بحوالہ رد المختار باب الجمعہ: ص ۷۷۲ ج ۱)

عصاء ہاتھ میں لے کر خطبہ پڑھنا ثابت تو ہے لیکن بغیر عصاء کے خطبہ پڑھنا اس سے زیادہ ثابت ہے۔ پس حکم یہ ہے کہ عصاء ہاتھ میں لینا بھی جائز ہے اور نہ لینا بہتر ہے اور حنفیہؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے پس اس کو ضروری سمجھنا اور نہ لینے والے کو طعن و تشنیع کرنا درست نہیں اسی طرح لینے والے کو بھی ملامت کرنا درست نہیں ہے۔

(کفایت المفتی: ص ۲۱۴ ج ۳)

عصاء کس ہاتھ میں پکڑے؟

دونوں صورتیں جائز ہیں جس کو جو صورت موافق ہو اس پر عمل کرے اگر خطبہ ہاتھ میں نہ ہو تو عصاء سیدھے ہاتھ میں پکڑنا اولیٰ ہے اور اگر خطبہ ہو تو عصاء کو سیدھے ہاتھ میں نہ لے اور عصاء کو بائیں ہاتھ میں لینا (اس وقت) اولیٰ ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ص ۸ ج ۳ بحوالہ مراقی الفلاح: ص ۲۹۸ ج ۲)

بغیر خطبہ کے نماز جمعہ

سوال: اگر کسی مسجد میں خطبہ کی کتاب موجود نہ ہو اور نہ زبانی یاد ہو تو بغیر خطبہ نماز جمعہ پڑھی جائے یا نمازِ ظہر؟

جواب: خطبہ جو فرض ہے وہ ایک دفعہ سبحان اللہ یا الحمدللہ یا اللہ اکبر کہنے سے بھی خطبہ ادا ہو جاتا ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک بقدر تین آیت یا بقدر تشہد سے خطبہ ادا ہو جاتا ہے۔ پس اگر خطبہ معروفہ یاد نہ ہو تو قدر مذکور پر اکتفاء کر کے جمعہ کی نماز ادا کی جائے اور جس جگہ واجب ہے (جمعہ) یعنی شہر اور قصبہ اور قریہ کبیرہ میں جمعہ چھوڑا نہ جائے۔

(فتاویٰ دارالعلوم: ص ۸۲ ج ۵ بحوالہ غنیۃ المستملی: ص ۵۱۵، ۵۰۸)

خطبہ کی جگہ قرآن پڑھنا

سوال: اگر بجائے خطبہ کے کوئی قرآن شریف کا رکوع پڑھ دیا جائے تو جمعہ درست ہے یا نہیں؟

جواب: خطبہ کیلئے کافی ہے کہ ایک دفعہ الحمدللہ پڑھنا یا لا الہ الا اللہ پڑھنا یا سبحان اللہ پڑھنا۔ درمختار باب الجمعہ: ص ۸۰۷ ج ۲ میں کہ کافی ہے خطبہ کیلئے تحمید یا تسبیح وغیرہ۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کا رکوع پڑھنے سے خطبہ فرض ادا ہو جاتا ہے لیکن اس پر اکتفاء کرنا خلاف سنت ہے۔ سنت یہ ہے کہ دو خطبے پڑھے جائیں۔

(فتاویٰ دارالعلوم: ص ۳۵ ج ۵)

کیا خطیب لوگوں کو بٹھا سکتا ہے؟

سوال: خطیب کا خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر سے لوگوں کو یہ کہنا کہ پہلی صف میں آجایئے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اسمیں کچھ حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ص۱۱۶ ج ۵ بحوالہ ردالمحتار باب الجمعہ: ص ۷۶۸ ج ۱)

خطبہ کے شروع میں بسم اللہ کا حکم

خطبہ سے پہلے جہراً (بلند آواز سے) اعوذ باللہ اور بسم اللہ نہ پڑھے، یہ منقول اور معمول نہیں ہے۔ (درمختار باب الجمعہ: ص ۷۵۹ ج ۱) میں ہے کہ سراً (یعنی آہستہ) پڑھ سکتا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم: ص ۱۲۶ ج ۵)

کسی خطبہ سے پہلے بسم اللہ زور سے نہ پڑھے بلکہ آہستہ پڑھے۔ حنفیہؒ کے نزدیک یہی سنت ہے اور جہر کرنا خلاف سنت ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ص ۱۱۲ ج ۵)

شروع خطبہ میں دو مرتبہ الحمد للہ کہنا

خطبہ میں الحمد للہ دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے، اسمیں کوئی مضائقہ نہیں ہے جبکہ اسکو ضروری نہ سمجھا جائے، بزرگانِ دین کا یہ طریقہ رہا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ص ۸۰ ج ۵)

خطبہ میں جہر کرنا

خطبہ میں اس قدر جہر (بلند آواز سے پڑھنا) شرط ہے کہ پاس بیٹھنے والا شخص سن سکے۔ (احسن الفتاویٰ: ص ۱۳ ج ۴)

ہر جمعہ کو نیا خطبہ ضروری نہیں ہے

خطبہ عربی میں پڑھا جاتا ہے، حاضرین عموماً عربی سے ناواقف ہوتے ہیں، سمجھ نہیں پاتے، اسلیے بھی ہر جمعہ نیا خطبہ پڑھنا کیا مفید ہوگا؟

امام صاحب کو پانچ چھ خطبے اگر یاد ہوں تو کافی ہے، نماز میں کسی قسم کی کراہت نہیں آتی۔ اگر نیا خطبہ سننے کا شوق ہو تو عربی زبان سیکھیں اور اچھے عالم، حافظ، قاری کو رکھا جائے۔

لوگ مسجد کی عمارت پر تو ہزاروں، لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں مگر امام اور مؤذن پر خرچ کرنے میں ہاتھ تنگ کر لیتے ہیں۔ یہ بات مناسب نہیں ہے کیونکہ عمدہ عمدہ عمارت مقصود نہیں ہے، البتہ قابل امام اور مؤذن مطلوب شرعی ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ص۹۰ ج۵)
ہر ماہ الگ الگ خطبہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ص۱۳۹ ج۵)

خطبہ میں افراد کی تعداد

جمعہ کے خطبہ کیلئے امام کے علاوہ کم از کم تین مردوں کا ہونا ضروری ہے۔ جن سے جماعت قائم ہو سکے۔ (احسن الفتاوی ص،۱۲۳ ج۴)

خطیب کو لقمہ دینا

چونکہ خطبہ میں کوئی متعین مضمون پڑھنا ضروری نہیں، اگر ایک مضمون میں خطیب رُک گیا چل نہ سکا تو اور کچھ پڑھ سکتا ہے، لہذا لقمہ دینے کی ضرورت نہیں اور خطبہ کی حالت میں ہر قسم کا تکلم (بولنا) ناجائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ص۱۴۱ ج۴)

خطبہ کی غلطی کا حکم

جمعہ میں خطبہ فرض ہے اور خطبہ کی غلطی ہو جانے سے نماز میں کچھ خلل نہیں آتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ص۱۰۴ ج۵ بحوالہ ردالمختار باب الجمعہ: ص۷۵۷ ج۱)

اگر خطبہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر نہ آئے؟

ذکرِ خلفائے راشدین وآل اطہار رضی اللہ عنہم خطبہ میں مستحب ہے، اس کے ترک سے خطبہ تو ادا ہو جاتا ہے لیکن مستحب کو چھوڑنا لازم آتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ذکرِ خلفائے راشدین وآل اطہار بھی کرے۔ (فتاوی دار العلوم ص،۵۳ ج۵ بحوالہ ردالمختار باب الجمعہ ص،۷۵۹ ج۱)

خطبہ کے وقت قیام تعظیمی

سوال:۔ اگر خطبہ پڑھتے وقت حاکمِ وقت آجائے، اس کے لیے تعظیمی قیام کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ کسی کے لیے قیامِ تعظیمی کرنا، اس میں بھی چونکہ خطبہ سننے میں خلل آتا ہے ناجائز ہے۔ (عزیز الفتاویٰ دار العلوم ص،۹۷ ج ۱)

مقامی زبان میں خطبہ احتیاط کے خلاف ہے

خطبہ چونکہ سوائے عربی زبان کے کسی زبان میں سلفؒ سے ثابت نہیں، اسلیئے غیر زبان عربی کو اسمیں محققین نے مکروہ اور بدعت کہا ہے۔

اور عید الفطر وعید الاضحیٰ میں چونکہ احکام عیدین بتلانے مقصود ہوتے ہیں تو وہ خطبہ سے خارج سمجھے جاتے ہیں گویا خطبہ عربی علیحدہ ہوگیا اور یہ احکام خطبہ سے علیحدہ بتلائے جاتے ہیں اور جمعہ کے خطبہ کے اندر نماز کی بھی حیثیت ملحوظ ہوتی ہے اور نماز میں ترجمہ قرآن شریف کا اور معتبر مذہب اور راجح قول کے مطابق درست نہیں ہے اور قول ضعیف کمزور و مرجوح کا اعتبار نہیں ہے۔

بہرحال احتیاط اسمیں ہے کہ ایسے مختلف فیہ مسائل میں احتیاط کی جائے اور غیر عربی کو ترک کیا جائے باقی جو کوئی جیسا کرے اسکی رائے ہے، دوسروں پر حجت نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۵۲ ج ۵ بحوالہ عمدۃ الرعایۃ ص ۲۴۲ ج ۱)

قرآن مجید اور خطبہ دونوں کا اصلی مقصد ایک ہی ہے چنانچہ خطبہ کو قرآن مجید میں ذکر اللہ فرمایا ہے، یہی لفظِ ذکر، قرآن کیلیئے فرمایا "انا نحن نزلنا الذکر الخ" بلکہ قرآن شریف کیلیئے ذکریٰ، بمعنی تذکر بھی ہے۔.. ان ھو الا ذکریٰ للعلمین،، پس اگر لفظِ ذکر اس پر دال ہے کہ اس سے لوگوں کو ان کی زبان میں نصیحت کی جائے تو چاہیئے کہ قرآن شریف کی جگہ بھی یا اس کیساتھ نماز میں حاضرین کی زبان میں ترجمہ پڑھا جائے بلکہ لفظِ ذکریٰ اس پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔

اور اگر قرآن شریف سے تفہیم ناس (لوگوں کو سمجھانا) کو خارج نماز کیساتھ مخصوص کیا جائے اونماز میں محض تلاوت کا حکم کیا جائے تو خطبہ سے تفہیم ناس کو بھی خارج ہیئت خطبہ کہا جائے (یعنی خطبہ کو بھی تلاوت کی طرح کیا جائے)

اور پھر لوگوں کو سمجھانے کے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہم سے زیادہ

جانتے تھے اور روم وفارس اس وقت فتح ہو چکا تھا اور حضرات صحابہؓ میں انکی زبانوں کے جاننے والے بھی موجود تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس وقت نہیں کیا گیا؟ پھر اگر خطبہ سننے والوں میں آٹھ دس زبانوں والے ہوں تو کیا خطیب کیلئے یہ شرط ہوگی کہ وہ سب زبانوں کا ماہر ہو؟ اگر نہیں تو پھر دوسری زبان والوں کی کیا رعایت ہوئی؟ (امداد الفتاوی ص ۶۵۷ ج ۱)

احکام شریعت کا دارومدار

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد۔(۱) یہ امر تو سب کے نزدیک مسلمہ ہے کہ احکام شریعت کا دارومدار کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت، پھر عمل صحابہؓ وتابعین اور قیاس صحیح پر ہے کسی رواج پر نہیں خواہ کتنا ہی قدیم ہو، پس خطبہ کے معاملہ میں رواج سے کوئی حکم ثابت نہ ہوگا، جب تک وہ اُصول شریعت سے مؤید نہ ہو۔ خطبہ کے بارے میں قرآن کریم نے فاسعوا الیٰ ذکر اللہ الایہ سے اشارہ فرمایا ہے۔ پس جبکہ قرآن کریم نے خطبہ کو لفظ ذکر سے تعبیر فرمایا تو ثابت ہوا کہ خطبہ کی حقیقت صرف ذکر اللہ ہے وعظ وتذکیر نہیں ہے۔ لہذا نفس اداء خطبہ یا ذکر اللہ میں سامعین کی تفہیم یا عدم تفہیم (یعنی سننے والوں کا سمجھنا یا نہ سمجھنا) کا کوئی دخل نہیں ہے۔ حنفی المذہب اہل سنت والجماعت کی تحقیق میں خطبہ کی حقیقت صرف ذکر اللہ ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں جیسا کہ تمام کتب احناف میں اسکی تصریح موجود ہے پس خطبہ کو وعظ قرار دے کر حاضرین کی زبان میں پڑھنے پر اصرار کرنا بالکل بے بنیاد اور فقہاء سلف صالحین کی تحقیقات کے خلاف ہے۔

قرآن کریم کے بعد حجت شرعیہ سنت اور اسوہ رسول اللہ ﷺ ہے اور خطبہ کے بارے میں آپ ﷺ کی سنت مواظبہ (ہمیشگی) یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ عربی زبان میں خطبہ دیا کبھی بھی کسی دوسری زبان میں نہ خود خطبہ دیا نہ کسی سے دلوایا نہ ترجمہ کرایا۔

حضور ﷺ کی ہر سنت کا اتباع خصوصاً عبادات میں ضروری ہے۔ لہذا دوسری دلیل سے بھی خطبہ خالص عربی ہی میں ہونا چاہیئے۔

(۲) حضور ﷺ کی سنت کے بعد طریقہ صحابہؓ وسنت خلفاء راشدین واجماع صحابہؓ

وتابعینؒ سے بھی یہی ثابت ہے کہ ان حضرات نے ہمیشہ خطبہ خالص عربی میں دیا ہے کبھی کسی عجمی زبان میں خطبہ نہیں دیا جبکہ دوسرے ممالک فتح ہو چکے تھے اور صحابہؓ میں عجمی زبان سے واقف حضرات بھی موجود تھے۔ پس ان سب حضرات کے طرزِ عمل سے بھی یہی ثابت ہوا کہ خطبہ خالص عربی میں ہونا چاہئے۔

(۳) اور جب خلفاء راشدین کے زمانے میں ہمیشہ خطبہ عربی زبان میں ہوتا رہا، باوجود ضرورت تبلیغ واحکام عجمی زبان اختیار نہ کی گئی اور کسی صحابیؓ نے ان کے طرزِ عمل پر اعتراض بھی نہیں کیا۔ تو اب اجماعِ امت (یعنی اجماعِ صحابہؓ) سے بھی ثابت ہوا کہ خطبہ کی زبان عربی ہونی چاہئے۔

(۴) یہ تو سب کو تسلیم ہے کہ سنت مؤکدہ چھوڑنے سے کراہت تحریمی پیدا ہو جاتی ہے اور سنت مؤکدہ کی تعریف یہ ہے کہ ''جس کام کو حضورﷺ نے ہمیشہ کیا ہو، لیکن اتفاقاً کبھی چھوڑ بھی دیا ہو، ایسا کام سنت مؤکدہ ہے''۔

اب ظاہر ہے کہ آپﷺ نے عربی پر مواظبت (پابندی) کی ہے اور مواظبت بھی ایسی کہ اتفاقاً بھی کبھی نہیں چھوڑا۔ پس خطبہ کا خالص عربی ہونا سنت مؤکدہ ہوا، جس کے چھوڑنے سے کراہت تحریمی پیدا ہوگی لہذا غیر عربی میں خطبہ جائز نہ ہا گا۔ پھر کسی مکروہ تحریمی کام پر اصرار کرنا اور بار بار اسکا ارتکاب کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ لہذا اُردو نثر یا نظم میں خطبہ پڑھنے کا جو رواج ہو گیا ہے۔ اس غلط رواج کو بند کرنا اور رسول اللہﷺ کی سنت عالیہ متبرکہ کو جاری کرنا نہایت ضروری اور اس میں کوشش کرنا بڑا ثواب ہے۔

(۵) کتاب وسنت کے بعد فقہاء سلف کی تصریحات بھی اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خطبہ عربی میں ہونا چاہئے۔ (خطبات جمعہ وعیدین از، ص ۳۲ تا ۳۶، مفتی ابوالناصر عبیدیؒ مظاہری)

خطبہ کا اصلی مقصد

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مخاطب سمجھتے نہیں تو پھر خطبہ عربی میں پڑھنے سے کیا فائدہ؟ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ خطبہ جمعہ کا مقصود اصلی وعظ وتذکیر نہیں بلکہ ذکر اللہ اور ایک عبادت ہے۔ اور ایک جماعت فقہاء اسی وجہ سے اس کو دو رکعتوں کا قائم مقام کہتی

ہے تو اب یہ سوال سرے سے منقطع ہوگیا کہ جب مخاطب عربی عبارت کو سمجھتے نہیں تو عربی میں خطبہ پڑھنے سے کیا فائدہ؟

کیونکہ اگر یہ سوال خطبہ پر عائد ہوگا تو پھر صرف خطبہ پر نہ رہے گا بلکہ نماز اور قرأت قرآن اور اذان وقامت اور تکبیرات نماز وغیرہ سب پر یہی سوال عائد ہوجائیگا۔ بلکہ قرآت قرآن پر بہ نسبت خطبہ کے زیادہ چسپاں ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید کی غرض وغایت تو اول سے آخر تک ہدایت ہے اور تبلیغ احکام الٰہیہ ہی کیلئے نازل ہوا ہے اور پھر اذان واقامت اور تکبیرات جن کا مقصد محض لوگوں کو جمع کرنا یا کسی خاص عمل کا اعلان کرنا ہے، یہاں بھی یہ سوال خطبہ کی نسبت زیادہ وضاحت کیساتھ عائد ہوگا کہ ''حی علی الصلوۃ، حی علی الصلوۃ'' کو کون جانتا ہے۔ ''نماز کو چلو'' کی آواز دینی چاہئے۔ یا کم از کم ترجمہ کردینا چاہئے۔ اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اذان کے تو کلمات مقررہ ہیں، ایک اصطلاح سی ہوگئی ہے باوجود معانی نہ سمجھنے کے بھی اعلان حاصل ہے تو صحیح نہیں کہ نفس اعلان اور اصطلاح کیلئے تو چند کلمات مکبر وشہادتین بھی کافی تھے۔ ان سے اعلان کا مقصد حاصل ہوجاتا ہے تو پھر سرے سے باقی الفاظ کا کہنا ہی فضول ہوگا، لیکن غالباً کوئی سمجھ دار مسلمان اس کو تجویز نہ کرے گا کہ نماز قرآت وتکبیرات کے ساتھ اور اسی طرح تمام شعائر اسلامیہ اذان اور اقامت وغیرہ کو اُردو یا دوسری ملکی زبانوں میں پڑھا جایا کرے۔

بلکہ سب جانتے ہیں کہ قرآن شریف کی اصلی غرض اگرچہ تبلیغ احکام ہی ہے لیکن نماز میں اس کے پڑھنے کی غرض اصلی یہ نہیں ہے بلکہ وہاں صرف ادائیگی عبادت اور ذکر اللہ مقصود ہے اور نماز میں اسی حیثیت سے قرآن کی قرآت کی جاتی ہے۔ تبلیغ اور وعظ مقصود نہیں ہوتا اور اگر حاصل ہوجائے تو وہ ضمناً ہے۔

ٹھیک اسی طرح خطبہ جمعہ کو سمجھنا چاہئے کہ اس کا مقصد اصلی ذکر عبادت ہے اور وعظ ونصیحت جو خطبہ میں ہے تبعاً ہی حاصل ہوجائے تو بہتر ہے ورنہ کوئی حرج نہیں قرآن کی قرآت اور تکبیرات واذان وغیرہ کی طرح خطبہ جمعہ کو بھی خالص عربی میں پڑھنا چاہئے۔

دوسری زبان میں پڑھنا یا عربی میں پڑھ کر ترجمہ کرنا خلاف سنت بلکہ بدعت

ونا جائز ہے اور صاحبینؒ کے قول پر نماز جمعہ ہی ادا نہیں ہوگی۔

(خطبات جمعہ وعیدین بزبان عربی، ص۶۹، فتویٰ مولانا محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان)

خطبہ قرأت کی طرح ہے

یہ خطبہ کی حقیقت کا بیان ہے لیکن اس کی وجہ سے مخاطبین کی زبان کا اختیار کرنا لازم نہیں ہے، بھلا بتلائے تو سہی کہ جب حاضرین جمعہ مختلف زبانیں بولنے والے ہوں تو اس وقت بے چارہ خطیب کیا سبیل اختیار کریگا؟

اسکے علاوہ قرآن پاک کے متعلق ارشاد ربانی ہے کہ "وانہ لتذکرۃ للمتقین" (اور بلاشبہ قرآن متقیوں کیلئے نصیحت ہے) اور "ان فی ذلک لذکریٰ" وغیرہ وغیرہ بے شمار آیات ہیں تو پھر جب قرآن وعظ ونصیحت ہے اسلئے نماز میں عجمی مقامی غیر زبانوں میں قرأت کرنے کی اجازت دے دی جائیگی؟

مسئلہ کی (حقیقی) وجہ یہ ہے کہ خطبہ قرأت کی طرح تعبدی حکم ہے، لہذا اس میں نقل کی اتباع لازم ہے ورنہ صحابہؓ سے، جب اُنہوں نے فارس فتح کیا اور وہاں جمعہ قائم کیا اس وقت وہاں فارسی زبان میں خطبہ دینا ثابت ہوتا لیکن کسی صحابیؓ سے یہ منقول نہیں ہے پس اس وقت معاملہ ہر ماہر کیلئے ظاہر ہے۔ (امداد الفتاویٰ جدید، ص۶۵۶ ج۱)

اگر خطبہ مقامی زبان میں ہونے لگے تو گرمی محفل کے سوا کچھ نہ ہوگا

سوال: سامعین عموماً چونکہ عربی زبان نہیں سمجھتے، اسلئے خطبہ جمعہ اُردو میں پڑھنا چاہئے اور نثر کی بہ نسبت نظم زیادہ مؤثر ہوتی ہے اسلئے نظم زیادہ مناسب ہے۔ شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جمعہ کا خطبہ نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔ اسکے خاص خاص احکامات، خاص خاص لوازمات اور مخصوص شرطیں ہیں، وہ عام وعظوں اور تقریروں کی طرح نہیں کہ ہر زبان میں جس طرح سے چاہے کہہ دیا جائے۔ اسکی خصوصیت کے متعلق شریعت کے قطعی اعلانات موجود ہیں۔ حضرات فقہاء کا فیصلہ ہے کہ جو افعال وحرکات نماز کی حالت میں ممنوع ہیں خطبہ

میں بھی حرام ہیں۔ سامعین خطبہ کیلئے اس وقت کھانا، پینا، بولنا، یہاں تک کہ سلام کا جواب دینا اور ذکر و تسبیح پڑھنا بھی جائز نہیں۔ اس طرح کی قیودات بتارہی ہیں کہ خطبہ کی مجلس صرف وعظ و تذکیر نہیں بلکہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے نماز کی طرح ہے۔

پس یہ نہیں ہوسکتا کہ نماز کی شرطیں کسی محدث طریقے سے غیر عربی زبان سے ادا کی جائے۔ حجاز کے مخاطب عربی تھے اسلئے خطبہ ہی سے وعظ اور تذکیر کا بھی کام لیا جاتا تھا، لیکن اگر غیر عرب عربی نہیں سمجھ سکتے تو انکی خاطر خطبہ کی شرعی زبان نہیں چھوڑی جاسکتی۔ وعظ و نصیحت اور تفہیم خطبہ کے سوائے دسرے وقتوں میں بھی ہوسکتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کا بلاد عجم (عرب کے علاوہ ممالک) میں آنا ہوا مگر کسی ایک وقعہ سے بھی یہ ثابت نہیں کہ ان ممالک والوں کی خاطر جمعہ کے خطبہ کی زبان بدلی گئی ہو۔

اسی خصوصیت کے سلسلہ میں خطبہ کا اختصار بھی ہے، یعنی مختصر ہونا، مختلف احادیث میں صراحت کیساتھ موجود ہے کہ جہاں تک بھی ہو خطبہ کو مختصر کرنا چاہئے، اگر موجودہ وسعتِ نظم ونثر کو قبول کرلیا جائے تو اس شرط صلوۃ کی حقیقت ایک دو گھنٹہ کی گرمی محفل کے سوا کچھ نہ رہے گی، لہذا جمعہ کا خطبہ خالص عربی زبان میں اور مختصر و جامع الفاظ میں ہونا چاہئے۔ اُردو یا کسی اور دوسری زبان میں اگر کچھ کہنا ہو تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد کہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم، ص۱۲۹ ج۵ بحوالہ مسوی مصفی ص۱۵۴ ج۱)

(مطلب یہ ہے کہ خلاف سنت ہونے کے علاوہ اگر خطبہ کو مقامی زبان میں پڑھنے کی اجازت دے دی جائے تو عام مساجد میں جمعہ کے دن غیر متعین خطبہ کا سب سے بڑا یہ نقصان ہوگا کہ خطیب کسی خاص تقریر کا پابند ہوگا نہیں تو خطبہ میں سیاسی و غیر سیاسی اور آپس کے اختلاف کا بھی ذکر کرے گا۔ کسی ایک کی حمایت کی طرف مائل ہونا ہی مجلس میں (خطبہ کے وقت) گرما گرمی ہوکر جنگ و جدال شروع ہوگا اور خطیب صاحب جمعہ کی نماز کا انتظار ہی کرتے رہ جائیں گے اور نماز جمعہ کی جو حکمتیں (آپس میں اتحاد وغیرہ) مذکور ہوئی ہیں ان کا مقصد بھی فوت ہوجائیگا۔ احقر محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ)

خطبہ جمعہ سے قبل وعظ

حامداً ومصلیاً:۔ موضوعات کبیر صفحہ: ۲۰ کی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے بار بار درخواست کرنے پر جمعہ کی نماز سے پہلے وعظ کی اجازت دے دی تھی اور وہ وعظ فرمایا کرتے تھے اور خطیب کی آمد پر وعظ ختم کردیا کرتے تھے۔

اگر جمعہ کی نماز کے بعد مجمع ٹھہر جایا کرے تو اس وقت وعظ کہہ دیا جایا کرے ورنہ جمعہ سے قبل وعظ کہہ دیا جائے اور سامعین آکر شریک وعظ ہوتے رہیں اور خطبہ سے دس منٹ پہلے وعظ ختم کردیا جائے اور سب لوگ سنتیں پڑھ لیا کریں۔ اس صورت میں سنتوں میں بھی خلل نہیں آئیگا اور وعظ بھی ہوجایا کریگا۔ یا سنتیں مکان پر پڑھ کر آئیں تو زیادہ بہتر ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۸ ج ۲)

اذانِ اول ہوجانے اور سنتیں ادا کرنے کیلئے وقت چھوڑ کر خطبہ کی اذان سے پہلے اگر کچھ ضروری باتیں مسلمانوں کو مقامی زبان میں سنادی جائیں تو مضائقہ نہیں۔ لوگوں کا خیال رکھنا چاہئے کہ سنتیں پڑھ کر فارغ ہوجایا کریں یا علیحدہ جگہ میں سنتیں ادا کرلیا کریں۔

(کفایت المفتی ص ۲۴۴ ج ۳)

خطبہ سے پہلے بیان کردہ بدون حرج کے جائز ہے مگر اس کو لازم قرار نہ دیا جائے کبھی کبھی ترک بھی کردینا چاہئے، تاکہ لوگ ضروری نہ سمجھنے لگیں۔ بیان مختصر ہو اور ایسے وقت ختم کردیا جائے کہ خطبہ کی اذان سے پہلے چار سنتیں پڑھی جاسکیں۔ پھر جمعہ کا خطبہ بھی مختصر ہونا چاہئے تاکہ لوگ اُکتا نہ جائیں اور سنت بھی یہی ہے کہ خطبہ مختصر ہو۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۶۶ ج ۱)

(یعنی مقامی زبان میں بیان یا تقریر کی اجازت تو ہے لیکن پابندی نہ کی جائے تاکہ عوام اس کو ضروری یا خطبہ کی طرح لازم نہ سمجھنے لگیں اور تین خطبے نہ خیال کریں کیونکہ بعض جگہ اس بیان وتقریر کو بھی خطبہ ہی بولتے ہیں۔ لہذا سمجھا بھی دیا جائے کہ یہ اصل خطبہ نہیں ہے۔

(محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ)

وعظ کیلئے دو باتیں ضروری ہیں

اس کے متعلق کئی مرتبہ لکھ چکا ہوں کہ اگر خطیب مقامی زبان میں خطبہ کی اذان سے پہلے لوگوں کو وقتی ضروریات اسلامیہ سنادیا کرے۔ پھر خطبہ کی اذان کہلوا کہ عربی زبان میں خطبہ بقدر ادائیگی فرضیت خطبہ پڑھ دیا کرے تو مضائقہ نہیں، تاکہ ضرورتِ تذکیر بھی پوری ہو جائے اور خطبہ کی ہیئت مسنونہ متوارثہ بھی پوری طرح محفوظ رہے۔ بقدر ضرورت عربی میں زیادہ سے زیادہ پانچ چھ منٹ (دونوں خطبوں کیلئے) کافی ہونگے۔

مگر خطبہ کی اذان سے پہلے مقامی زبان میں تذکیر (وعظ) کیلئے دو باتیں لازم ہیں۔

(۱) لوگ اس وقت اس مقام پر سنتیں نہ پڑھتے ہوں بلکہ کوئی علیحدہ جگہ سنتیں پڑھنے کیلئے ہو۔

(۲) یہ لوگ اس تقریر کو رغبت سے سنیں کیونکہ یہ محض ایک تطوعانہ فعل ہے۔ یہ فرض خطبہ نہیں ہے کہ کوئی راضی ہو یا نہ ہو وہ پڑھا جائیگا۔

نیز اس تقریر میں صرف وہی باتیں بیان کی جائیں جن کا مذہبی لحاظ سے بیان کرنا ضروری ہو، تقریر میں طعن و تشنیع وغیرہ ہرگز نہ ہونی چاہئے کہ اس سے آپس میں اختلافات اور بغض وعناد پیدا ہوگا۔ (کفایت المفتی ص ۲۳۰ ج ۳)

خطبہ اور صحابہؓ کا عمل

حضرات صحابہ کرام راضی اللہ تعالیٰ عنہم، ایران، روم، حبش وغیرہ ممالک میں وہاں کی زبان جاننے کے باوجود خطبہ عربی میں پڑھتے رہے، وہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا، کثرت سے نو مسلم تھے اور وہ لوگ دورِ حاضر کے لوگوں کی بہ نسبت تعلیم و تبلیغ کے زیادہ حاجتمند تھے، کیونکہ اس زمانہ میں نہ اخبارات و رسائل تھے، نہ مطابع اور چھاپے خانے تھے، نشر و اشاعت کا طریقہ وعظ اور خطبہ ہی تھا اس کے باوجود سامعین کی زبان میں ایک بار بھی خطبہ نہیں پڑھا گیا جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خطبہ خالص عربی زبان میں ہونا ضروری ہے کیونکہ مشرق سے مغرب تک سب مسلمان ہمیشہ عربی میں خطبہ

پڑھتے رہے جبکہ سننے والے عجمی یعنی غیر عرب تھے جو زبان عربی نہیں جانتے تھے۔

(مصفی شرح موطا، ص۱۵۴ ج۱)

خطبہ وعظ و تقریر کی طرح نہیں ہے

اُردو میں خطبہ کا سوال عموماً اسلیئے پیدا ہوتا ہے کہ خطبہ کو وعظ اور تقریر سمجھ لیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ نہیں ہے، اگر خطبہ محض وعظ اور تقریر ہوتا تو اسکے لیے وہ شرطیں نہ ہوتیں جو حضرات فقہاء نے تحریر فرمائی ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) خطبہ جمعہ، جمعہ کے وقت یعنی زوال کے بعد ہونا ضروری ہے، اگر زوال سے پہلے خطبہ پڑھ لیا گیا تو وہ غیر معتبر ہوگا اس کا اعادہ ضروری ہوگا۔ اگر خطبہ صرف وعظ و نصیحت ہوتا تو زوال سے پہلے بلکہ خاص زوال کے وقت بھی جائز ہوتا، اس کے لوٹانے کا حکم نہ دیا جاتا۔

(۲) خطبہ نماز سے پہلے پڑھنا شرط ہے اگر جمعہ کی نماز کے بعد خطبہ پڑھا گیا تو جمعہ کی نماز ادا نہ ہوگی۔ دوبارہ خطبہ کیساتھ پڑھنی ضروری ہوگی، اگر خطبہ کا مقصد صرف وعظ ہوتا تو وہ نماز کے بعد پڑھنے سے بھی پورا ہوسکتا تھا۔

(۳) خطبہ کے وقت مردوں کا ہونا ضروری ہے اگر فقط عورتوں کے سامنے خطبہ پڑھا گیا تو وہ ناکافی ہوگا، مردوں کے آنے کے بعد خطبہ دوبارہ پڑھنا پڑے گا۔

(۴) شور شغب یا کسی اور وجہ سے سامعین سن نہ سکیں تب بھی خطبہ پڑھا جائیگا اور خطبہ معتبر ہوگا۔

(۵) اگر حاضرین سبھی بہرے ہوں یا سب سو رہے ہوں تب بھی خطبہ پڑھنا ضروری ہے، اگر اس حال میں خطبہ نہ پڑھا گیا تو جمعہ کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

(۶) خطبہ کے وقت اگر سامعین سب علماء وفضلاء ہوں، کوئی بھی جاہل نہ ہو تب بھی خطبہ پڑھا جائیگا ورنہ نماز جمعہ صحیح نہ ہوگی۔ اگر خطبہ کا اصلی مقصد صرف وعظ و نصیحت ہی ہوتا تو حضرات علماء کے سامنے اس کی ضرورت نہیں تھی نماز بغیر خطبہ کے درست ہو جاتی۔

اس طرح کے احکام و شرائط سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کی اصل حقیقت ذکر اللہ ہے، البتہ دوسرے درجہ میں اس کا مقصد وعظ و تذکیر بھی ہے، لہذا تکبیر تحریمہ، ثناء، تعوذ تسمیہ

تحمید، تشہد، درود، دعاء قنوت وغیرہ کے مانند خطبہ بھی عربی میں پڑھنا چاہئے اگر عربی میں خطبہ سمجھ میں نہیں آیا، تو نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ بھی کہاں سمجھ میں آتا ہے۔ قرأت بھی ہم کہاں سمجھ سکتے ہیں؟

تو کیا ان تمام کو اُردو کا جامہ پہنایا جائے؟

اس مرض کا اصلی علاج یہ ہے کہ عربی اتنی سیکھ لی جائے کہ خطبہ وغیرہ کا مطلب سمجھ سکیں۔ عبادت کی صورت مسخ (بگاڑنا) کرنا اس کا علاج نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ص۲۶۹ ج۱)

عربی خطبہ سے اسلامی اتحاد کی حفاظت ہے

عربی زبان میں خطبہ کی اہم مصلحت اسلامی اتحاد کی حفاظت بھی ہے، مسلمان دنیا کے کسی گوشہ میں پہونچ جائے اس کو دوسری عبادت کے مثل خطبہ میں بھی یہ محسوس نہ ہو کہ وہ اجنبی اور غریب الوطن ہے۔ اگر ہر جگہ وہاں کی مادری اور ملکی زبان میں خطبہ پڑھا جائیگا تو ایک مسلمان کو دوسرے ملک میں عبادات کے سلسلہ میں بھی غریب اور اجنبیت محسوس ہوگی، وہ نہ وہاں خطبہ پڑھ سکے گا، نہ اس کو سمجھ سکے گا اور اس طرح اسلامی اتحاد پارہ پارہ ہو کر رہ جائیگا۔

عربی کیساتھ اُردو ترجمہ کرنا بھی مفید نہیں ہے کیونکہ سامعین مختلف ممالک وزبان کے لوگ ہوتے ہیں۔ کس کس کی زبان میں ترجمہ کیا جائیگا؟ نیز اس طرح ترجمہ کرنے میں طوالت ہوتی ہے اور خطبہ میں اس طرح طوالت خلاف سنت اور مکروہ ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ، ص۲۷۰ ج۱)

عہد نبوی ﷺ اور خطبہ جمعہ

جس طرح آج تبلیغ احکام اور اس کی تعلیم واشاعت کی حاجت ہے اس وقت (عہد نبوی ﷺ میں) اس سے زیادہ تھی کیونکہ اب تو کتب ورسائل ہر قوم کی زبان میں ہزار ہا موجود ہیں۔ اس وقت سلسلہ طباعت وتصنیف بالکل نہ تھا۔ نیز یہ بھی نہ تھا کہ حضور پر نور ﷺ کے مخاطب ہمیشہ اہلِ عرب ہی ہوں، بلکہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ روم وفارس اور مختلف بلادِ عجم کے لوگ آں حضرت ﷺ کی مجلس خطبہ میں شریک ہوتے تھے۔ اب اگر یہ فرض کرلیا جائے

کہ آپ ﷺ بوجہ مادری زبان عربی ہونے کے دوسری زبان میں خطبہ نہ دیتے تھے تو اگر خطبہ وعظ تبلیغ ہی تھا اور تبلیغ سرور کائنات ﷺ کی ظاہر ہے کہ تمام اقوام عرب وعجم کیلئے عام ہے تو عجمیوں (غیر عرب) کی رعایت سے ایسا کیا جا سکتا تھا کہ کسی صحابی کو حکم فرماتے کہ جو خطبہ کے بعد ہی اسکا ترجمہ عجم کی زبان میں سنا دیتے، جیسا کہ بعض وفود وغیرہ سے مکالمہ کے وقت ترجمان سے کام لیا جاتا تھا لیکن تمام عمر نبوی ﷺ میں اس قسم کا ایک بھی واقعہ مروی نہیں۔

حضور ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک سیل رواں کی صورت میں بلادِ عجم میں داخل ہوئے اور دُنیا کا کوئی گوشہ نہ چھوڑا، جہاں اسلام کا کلمہ نہیں پہنچا دیا اور شعائر اسلام، نمازِ جمعہ وغیرہ قائم نہیں کر دیئے۔ ان حضرات کے خطبے تاریخ کی کتابوں میں آج بھی بالفاظہا مذکور و مدون ہیں، ان میں سے کسی ایک نے بھی کبھی بلادِ عجم میں اپنے مخاطبین کی ملکی زبان میں خطبہ نہیں دیا، حالانکہ وہ ابتداء فتح و اسلامی تعلیمات کی اشاعت کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا جبکہ تمام لوگ تبلیغ احکام کے آج سے کہیں زیادہ محتاج تھے۔

یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ ان کو عجمی زبان سے واقفیت نہ تھی۔ کیونکہ بہت سے صحابہؓ کا عجمی زبانوں فارسی یا رومی یا حبشی وغیرہ سے واقف ہونا بلکہ بخوبی تقریر کر سکنا ان کی سوانح اور تذکروں میں بصراحت مذکور ہے۔

حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ثابت ہے کہ وہ بہت سی مختلف زبانیں جانتے تھے اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روم کے باشندے تھے، اسی طرح بہت سے صحابہ ہیں جن کی مادری زبانیں عربی کے علاوہ دوسری تھیں۔ اس کے علاوہ اگر معانی خطبہ کو عجمیوں کے علم میں لانا خطبہ کے وقت ہی ضروری سمجھا جاتا اور خطبہ کا مقصد صرف تبلیغ ہی ہوتی تو جو سوال آج کیا جاتا ہے کہ خطبہ عربی میں پڑھنے کے بعد اس کا ترجمہ اُردو یا کسی ملکی زبان میں کر دیا جائے کیا یہ اس وقت ممکن نہ تھا؟ جیسا کہ دوسری ملکی و سیاسی ضرورتوں کے لئے ہر صوبہ میں عمال حکومت اپنے پاس ترجمان رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مستقل ترجمان انہیں ضرورتوں کیلئے اپنے پاس رکھا تھا (بخاری میں موجود ہے) لیکن اس کے باوجود نہ حضرت ابن عباسؓ سے نہ کسی دوسرے صحابیؓ

سے یہ غیر عربی زبان میں خطبہ دینا یا خطبہ کا ترجمہ کرانا یا خود کرنا بالکل منقول نہیں اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ خطبہ کیلئے سنت یہ ہی ہے کہ وہ صرف عربی زبان میں پڑھا جائے اور ضرورت کے وقت بھی اس کا ترجمہ وغیرہ نہ کیا جائے۔ (خطبات جمعہ وعیدین، ص ۶۲ تا ۶۴)

خطبہ جمعہ وعیدین میں فرق ہے

(۱) خطبہ عیدین جمعہ کی طرح نماز کیلئے شرط نہیں بلکہ بغیر خطبہ بھی نماز عیدین صحیح ہوجاتی ہے

(۲) خطبہ عیدین فرض وواجب نہیں بلکہ سنت ہے۔

(۳) خطبہ عیدین بعد نماز عید پڑھا جاتا ہے۔

علامہ شامی رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں کہ ’’فرق درمیان خطبہ جمعہ وعیدین کے یہ ہے کہ خطبہ عیدین میں سنت ہے شرط نہیں اور یہ کہ عیدین میں خطبہ نماز کے بعد ہے بخلاف جمعہ کے۔

بحرالرائق میں ہے کہ اگر عیدین میں بالکل خطبہ نہ پڑھا جائے تو نماز صحیح ہوجائیگی اگرچہ ترکِ سنت سے گنہگار ہونگے، اسی طرح نماز سے پہلے خطبہ پڑھنے میں خلاف سنت کا گناہ ہوگا مگر نماز درست ہوجائیگی۔

اُمورِ مذکورہ پر نظر کرتے ہوئے اگر خطبہ عیدین میں عربی خطبہ پڑھ کر اُردو (یا مقامی زبان میں) ترجمہ سنا دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اول تو اس خطبہ کی وہ شان نہیں کہ شرط نماز یا دو رکعت کے قائم مقام ہو۔ دوسرے چونکہ خطبہ عیدین نماز کے بعد ہوتا ہے تو جب خطبہ عربی سے فراغت ہوگئی تو نماز عید اور اس کی سنت ادا ہوگئی۔ اب خالی وقت ہے اس میں بطور تبلیغ احکام کے ترجمہ سنا دیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور تطویل خطبہ بھی لازم نہیں آتا کیونکہ ترجمہ کے وقت اگر کوئی شخص جانا چاہے تو کوئی حرج شرعی ان پر عائد نہیں ہوتا بخلاف خطبہ جمعہ کے کہ وہاں ابھی تک نماز نہیں ہوئی، نماز کا انتظار لامحالہ ضروری ہے۔

(خلاصہ ’’الاجوبہ فی عربیہ‘‘ از مفتی محمد شفیعؒ)

خطبہ کا عام حل

جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کے اجتماع عظیم اور اظہارت شوکت اسلامیہ کو بڑا دخل ہے۔اجتماع عظیم کے سامنے خطبہ دینے کا مقصدان کی دینی، اجتماع ضرورتوں کو رفع کرنا اور ان کے متعلق احکام اسلامیہ کی تبلیغ کرنا، ایک جم غفیر کا اجتماعی حیثیت سے رب العالمین کی بارگاہِ معلیٰ میں سربہ سجود ہونا ہے۔

ایک خطبہ ہمیشہ کیلئے متعین کر لینا اور ہر جمعہ کو وہی پڑھ دینا اگر چہ فرضیت کو پورا کر دیتا ہے۔لیکن اس میں شبہ نہیں کہ مقصد خطبہ سے دور ہے۔لیکن خطبہ میں نظم واشعار پڑھنا غیر ضروری باتیں کرنا، عربی نثر کے سوا اور کسی طرح خطبہ پڑھنا بھی سنت قدیمہ متوارثہ کے خلاف ہے۔بہتر صورت یہ ہے کہ اذان خطبہ سے پہلے مقامی زبان میں تمام ضروری باتیں بیان کر دی جائیں جن میں مسائل بھی ہوں اور دوسری ضروری باتیں بھی ہوں، اس کے بعد خطبہ کی اذان ہو اور زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ میں دونوں خطبے خالص عربی زبان میں ادا کر لیے جائیں، اس میں ضرورت بھی پوری ہو جائیگی اور خطبہ کی وضع مسنون بھی قائم رہے گی۔(کفایت المفتی، ص۲۲۰ ج ۳)

لوگوں کو وقتی ضروریات اور ضروری مسائل سے آگاہ تو کر دیا جائے لیکن تطویل نہ کی جائے۔تھوڑا سا وقت جو قابل برداشت ہو اس میں صرف کیا جائے (کفایت المفتی، ص۲۱۹ ج ۳)

تفہیم کی ضرورت سے انکار نہیں لیکن طریقہ ماثورہ کی حفاظت بھی ضروری ہے۔
(کفایت المفتی، ص۲۱۴ ج ۳)

خطیب پر یہ لازم نہیں کہ سامعین کو سمجھانے کیلئے غیر عربی میں خطبہ پڑھے۔یہ تو سامعین یعنی سننے والوں کی کمزوری ہے کہ عربی زبان سے نابلد ہیں (کفایت المفتی ص۲۱۲ ج ۳)

(اگر کسی کے پاس حکومت وقت یا کسی اور کے پاس سے دوسری زبان میں کوئی حکم یا پیغام آ جائے تو بتائیے کہ اسکو سمجھے بغیر کیسے چین آئیگا۔اسلیئے کم از کم کچھ تو عربی زبان کی سوجھ بوجھ ہونی چاہیئے۔محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ)

جمعہ کا خطبہ شرائط میں سے ہے

(۱) جمعہ کے خطبہ کو باتفاق فقہاء شرائط میں شمار کیا گیا ہے۔اگر خطبہ کا مقصد وعظ تبلیغ ہی تھا تو جمعہ کے شرائط میں داخل کرنے کے کوئی معنی نہ تھے کہ ادائے جمعہ اس پر موقوف ہو جائے۔

(۲) خطبہ کیلئے ظہر کا وقت ہونا شرط ہے۔(بحرالرائق ص ۱۵۸ ج ۱)

خطبہ کیلئے ظہر کا وقت شرط ہے، اگر قبل ظہر خطبہ پڑھ لیا اور نماز جمعہ ظہر کے وقت کے اندر پڑھی تو یہ خطبہ اور نماز دونوں صحیح نہیں ہوئے۔اگر خطبہ کا مقصد ذکر محض نہ تھا بلکہ وعظ وتبلیغ مقصد ہو تو ظہر کے وقت کی کیا تخصیص ہے۔اگر زوال سے پہلے کوئی خطبہ پڑھ لے اور نماز بعد زوال پڑھے تو کیا مقصد وعظ ادا نہ ہوگا کہ فقہاء اس صورت میں جمعہ کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔

(۳) ادائے خطبہ کیلئے صرف پڑھ دینا کافی ہے کسی کا سننا ضروری نہیں، اگر چند بہرے آدمیوں کے سامنے یا سوتے ہوئے لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھ دیا پھر نماز جمعہ پڑھی تو خطبہ ادا ہو گیا اور نماز صحیح ہو گئی، اگر مقصود خطبہ وعظ وتذکیر ہو تو مذکورہ کے جواز کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

(۴) اگر خطبہ پڑھنے کے بعد امام کسی کام میں مشغول ہو گیا اور نماز میں کوئی معتد بہ فصل ہو گیا تو قول مختار کے موافق خطبہ کا اعادہ کرنا ضروری ہے اگر چہ سننے والے دوبارہ بھی وہی ہونگے جو پہلے سن چکے ہیں۔اگر وعظ و پند ہی خطبہ کا مقصد ہوتا تو اس اعادہ سے کیا فائدہ متصور ہے۔

(۵) بہت سے فقہاءؒ نے خطبہ جمعہ کو دو رکعتوں کے قائم مقام قرار دیا ہے۔

(۶) خطبہ کی جو پندرہ سنتیں مذکور ہوئی ہیں وہ بھی یہی بتلاتی ہے کہ خطبہ کا اصلی مقصد ذکر اللہ ہے وعظ وتبلیغ اسکے مقاصد اصلیہ میں داخل نہیں ورنہ ان آداب اور سنن کا وعظ وتذکیر سے کوئی علاقہ معلوم نہیں ہوتا۔

امور مذکورہ سے یہ بات اچھی طرح روشن ہو گئی کہ خطبہ جمعہ کا مقصد اصلی شریعت کی نظر میں صرف ذکر اللہ ہے وعظ وتذکیر اس کی حقیقت ومقصد کا جزء نہیں۔البتہ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ خطبہ میں کلمات وعظ وتذکیر کا ہونا سنت ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوا کہ ان تمام کلمات کا خاص عربی زبان میں ہونا سنت ہے، تو جس طرح وعظ وتذکیر

وغیرہ کے کلمات کا خطبہ میں چھوڑ دینا خلاف سنت ہوا اسی طرح غیر عربی زبان میں پڑھنا یا عربی میں پڑھ کر اس کا ترجمہ سنانا یہ بھی خلاف سنت اور مکروہ ٹھہرا۔ (خطبات ماثورہ، ص۲۱ بحوالہ رسالہ الاجوبۃ فی عربیہ از مولانا مفتی محمد شفیع علیہ الرحمۃ مفتی اعظم پاکستان)

پہلا خطبہ جمعہ

الحمدلله الذی لم یزل ولا یزال حیاقیو ماً عالما قدیر ا مدبر سمیعا بصیر ا ० و نشهدان لااِله الا الله وحد ه لاشریک له له الملک وله الحمد و اکبر تکبیر ا ०و نشهد ان سید نا و مولانا محمدا عبد ه ورسوله الذی ارسل الی الناس کافة بشیر ا و نذیر اً و صلیّ الله علیه وعلی اله واصحابه و ازواجه و زریاته و سلم تسلیماً کثیر اً ०امابعد فیا ایها الناس ان لکم معالم فانتهوالی معالمکم وان لکم نهایة فانتهوا الی نهایتکم ०فان العبد المومن بین مخافتین ०بین اجل قد مضی لایدری ماالله صانع بهِ و بین اجل قد لقی لا یدری ماالله قاض بهِ فلیتزوّدِ العبد من نفسهِ لنفسهِ ومن حیاتهِ لموتهِ ०ومن شبابهِ لکبره ०ومن دنیا ه لا خرتهِ ०فان الدنیا خلقت لکم وانکم للا خرة فوالذی نفسی بیدهِ مابعد الموت من مستعتب ولا بعد الدنیا دار الا الجنة او النار ०اعوذ بالله من الشیطٰن الرجیم ०و اذا سالک عبادی عنی فانی قریب اُجیب دعوة الداع اذا دعان فلیستجیوالی ولیومنوا بی لعلهم یرشدون اقول قولی هذا وا ستغر الله ولکم اجمعین०

دوسرا خطبہ جمعہ

الحمد لله نحمد ه ونستعینه ونستغفره و نومن به و نتوکل علیه ०و نعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یهده الله فلامضل له ومن یضلله فلا هادی له ०ونشهد ان لااله الا الله وحده لا شریک له ०و نشهد ان محمداً عبده ورسوله ०اعوذبالله من الشیطٰن الرجیم ان الله وملٰئکته

یصلون علی النبی یایھاالذین امنو صلوٰاعلیہ وسلمو ا تسلیما ٥اللّٰھم صل علیٰ محمد بعد دمن صلیٰ و صام ٥وصل علیٰ محمد وعلی ال محمد بعد دمن قعد و قام ٥وصلی اللہ علیہ وعلی جمیع الا نبیا و المرسلین و الملئکۃ المقربین و الخلفا ء الراشیدین خصوصاًعلی خیر البشر بعد الانبیا بالتحقیق ٥امیر المومنین ابی بکر نِ الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٥وعلی مزین المنبر و المحراب٥امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٥ وعلیکامل الحیاء والایمان ٥امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٥وعلیٰ مظھر العجائب والغرائب ٥امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ ٥وعلیٰ الاما مین الھما مین السعیدین الشھدین ٥ابی محمد الحسن وابی عبداللہ الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنھما ٥وعلی اُمھما سید ۃ النساء فاطمۃ الزھرآء رضی اللہ تعالیٰ عنھا و علیٰ عمیہ المکرمین بین الناس ٥ابی عمارۃ حمزۃ وابی الفضل العباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما وعلیٰ الستۃ الباقیۃ من العشرۃ المبشرۃ و سائر المھاجرین والانصار ٥و التابعین الابرار الاخیار الیٰ یوم القرار ٥رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین ٥اللّٰھم اغفرلی ولوالدی ولجمیع المومنین والمومنا ت والمسلمین والمسلمات ٥انک سمیع مجیب الدعوات ٥اللّٰھم ایدالمسلمین بالامام العادل والخیر والطاعات ٥واتبا ع سنن سیدالموجودات ٥اللّٰھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منھم واخذل من خذ ل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ٥ولا تجعلنا منھم ٥عبا د اللہ ٥رحمکم اللہ٥ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون اذکرو اللہ یذکر کم وادعوہ یستجب لکم ولذکراللہ تعالیٰ اعلی واولیٰ واعذو اجل واتم واھم واکبر

(خطیب شہید ص ۵تا ۸)

(نوٹ):۔　　قارئین کرام کے لیے یہ ایک خطبہ نقل کیا جارہا ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اسی کو لازم وضروری سمجھیں۔ البتہ اگر جی چاہیے تو یہی خطبہ یا اسی جیسا کوئی بھی خطبہ پڑھ سکتے ہیں۔ کہ جسمیں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور حضورؐ پر درود اور آپکے صحابہؓ وخلفاء واہل بیت وغیرہ کا ذکر موجود ہو۔　　(محمد رفعت قاسمی)

دونوں خطبوں کے درمیان دعا مانگنا

سوال:۔ خطیب جمعہ وعیدین کے دو خطبوں کے درمیان جلسہ کرتا ہے (یعنی بیٹھتا ہے) اس وقت حاضرین ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگتے نیں کیا اس کا ثبوت ہے؟

جواب:۔ اس جلسہ میں کوئی دعاء آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ ابوداود میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ دو خطبے پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح کہ منبر پر چڑھ کر بیٹھتے جب تک موذن فارغ ہو، پھر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے اور کلام نہ کرتے اور پھر (دوسرے خطبہ کے لیے) کھڑے ہوتے اور خطبہ پڑھتے۔

طحطاویؒ نے کہا کہ اس خطبہ کے درمیان بیٹھنے میں کوئی دعاء آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہوئی۔ شمس الائمہ سرخیؒ نے شرح ہدایہ میں فرمایا کہ خطیب کو درمیان دو خطبوں کے جدائی کے لیے جلسہ (بیٹھنا) اتنا کرنا چاہیے کہ تمام اعضاء اس کے قرار پاجائیں اور اس جلسہ میں دعاء کرنا بدعت ہے۔ اور ہاتھ اٹھانا دعاء کے لیے دو خطبوں کے درمیان میں غیر مشروع ہے (فتاویٰ رحیمیہ ص ۵۰ جلد ۵)

دعاء زبان سے نہ کریں اگر دعاء کریں (بغیر ہاتھ اٹھاے) دل دل میں کرلیں ۔کیونکہ درمختار باب الجمعہ ص ۶۸ جلد اول میں ہے کہ جب امام خطبہ کے لیے نکلے تو نماز و کلام وغیرہ سب موقوف کردیئے جائیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۵۹ جلد ۵)

بیان وخطبہ کے وقت چندہ کرنا

سوال۔ جمعہ کے روز پہلی اذان کے بعد امام صاحب کچھ بیان کرتے ہیں، اس کے دوران مسجد کے لیے چندہ کی صندوقچی یا جھولی پھرائی جاتی ہے، بعض لوگ سنتیں پڑھنے میں مشغول ہوتے

ہیں اور بعض دفعہ تو خطبہ شروع ہو جاتا ہے مگر چندہ کا کام جاری رہتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟
جواب:۔ بیان کے دوران صفوں میں پھرنے کی اجازت نہیں کہ بیان سننے میں خلل ہوگا اور بیان کا مقصود فوت ہوگا۔ اور سنت پڑھنے والوں کو بھی خلل ہوگا۔

حضرت عمر فاروقؓ نماز میں تھے ایک شخص آیا اور اپنا سامان صف کے آگے ڈال دیا اور نماز میں شریک ہوگیا۔ حضرت عمرؓ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپؓ نے اس شخص کو سزا دی کہ تو نے نمازیوں کو تشویش میں ڈالا۔ اور یہی حکم خطبہ کے لیے بھی ہے بلکہ اس سے زیادہ ضروری ہے۔

روایت میں ہے کہ جب امام خطبہ کے لیے نکلے تو نہ نماز جائز ہے نہ بات چیت۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۸ جلد ۵)

خطبہ کے دوران مانگنا یا چندہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص ۱۲۶ جلد ۳)

خطبہ کے درمیان بچوں کو شرارت سے روکنا

سوال:۔ اگر خطبہ کے دوران بچے شرارت کرنے لگیں تو ان کو کیسے روکا جائے؟
الجواب:۔ سر اور ہاتھ کے اشارہ سے روکا جاسکتا ہے، زبان سے کچھ نہ کہے، زبان سے بولنا جائز نہیں حرام ہے۔ البتہ خطیب کو اجازت دے (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۸ ج ۵ بحوالہ درمختار ص ۵۵۲ ج اول)

خطبہ کے درمیان سلام کا جواب دینا

خطبہ کے وقت کلام اور سلام کا جواب امام اعظمؒ کے نزدیک فرض نہیں ہے کیونکہ آیت میں خاموش رہنے اور سننے کا حکم ہے امام صاحبؒ کے نزدیک خطبہ وقت کوئی سلام کرے تو قلب (دل) سے جواب دے اور حضورؐ کا نام مبارک آئے تو دل ہی دل میں درود پڑھ لے امام صاحب کے نزدیک خطبہ سے لیکر نماز کے ختم تک کلام اور نماز دونوں ممنوع ہیں
(معارف مدنیہ ص ۹۲ ج ۸)

امام احمدؒ نے مرفوعاً روایت کیا ہے مسلمان جب غسل کر کے مسجد میں آئے جمعہ کے دن اور کسی کو بھی ایذا اور تکلیف نہ دے اگر خطبہ شروع نہ ہوا ہو تو جس قدر چاہے نماز پڑھے

اور اگر امام خطبہ شروع کردے تو اس کو توجہ کے ساتھ سنے اگر تمام عمر کے نہیں تو ایک ہفتہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (معارف مدنیہ ص۹۰ ج۳)

آپؐ نے فرمایا جس نے جمعہ کے روز وضو کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے غسل کیا تو افضل ہے جس نے اچھی طرح وضو کیا پھر جمعہ میں آیا اور امام کے نزدیک ہو کر توجہ سے خطبہ سنا اور خاموش رہا تو جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے اس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔اور تین کے زائد اور جس نے کنکریوں کو چھوا اُس نے لغو کام کیا (معارف مدنیہ ص۷۲ ج۳)

خطبہ کے وقت گھڑی میں چابی دینا

سوال:۔ جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو، اسی دوران گھڑی میں چابی دینا اور خطبہ سننے میں خیال رہے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جائز نہیں۔ جو چیز نماز میں حرام ہے خطبے میں وہ حرام ہے۔

(احسن الفتاویٰ ص۱۲۳ ج۴ بحوالہ درمختار ۷۶۸ ج۱)

خطبہ کے وقت پنکھا کرنا

خطبہ کی حالت میں چُپ چاپ ساکت رہنا اور خطبہ کا سننا ضروری ہے حدیث شریف میں ہے کہ "جس نے کنکریوں کو ہاتھ لگایا اس نے بھی لغو کیا اور ثواب سے محروم رہا"۔ پس خطبہ کی حالت میں پنکھا کرنا اسی وجہ سے منع لکھا گیا ہے۔ اور درمختار میں ہے:۔ وکل ما حرم فی الصلوٰۃ حرم فیھا۔ "یعنی جو چیز حرام ہے نماز میں حرام ہے خطبہ میں۔ (فتاویٰ درالعلوم ص۱۳۴ ج۵)

خطبہ کی حالت میں امام کو پیسے دینا

سوال:۔ جب امام خطبہ پڑھتا ہے تو بعض آدمی منبر پر امام کے لیے پیسے وغیرہ پھینکتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور امام کو اس کا لینا جائز ہے یا کیا؟

جواب:۔ خطبہ کی حالت میں یہ فعل ناجائز ہے اور ان لوگوں کو روکنا اس حرکت سے لازم ہے باقی امام کے حق میں اس کا لینا جائز ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۳۵ ج۵)

جمعہ کا خطبہ سننا واجب ہے۔

جمعہ کا خطبہ فرض ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ جمعہ کی نماز سے پہلے خطبہ ضرور ہونا چاہیے۔ اور خطبہ کا سننا ان لوگوں پر واجب ہے جو کہ خطبہ کے وقت حاضر ہوں، پس اگر کوئی شخص خطبہ کے ختم کے بعد آیا اور جماعت میں شامل ہوگیا، اس کی نماز ہوگئی اور خطبہ میں حاضر نہ ہونے اور نہ سننے کی وجہ سے جو قصور ہوا اور تاخیر آنے میں ہوئی اس سے استغفار اور توبہ کرے اور آئندہ کو احتیاط رکھے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۲۸ ج ۵ بحوالہ رد المختار باب الجمعہ ص ۷۶۸ ج اول)

دونوں خطبوں کا حکم ایک ہی ہے

(۱) جمعہ کا خطبہ فرض ہے اور اسکے دو حصے ہونا سنت ہے۔ (۲) اول وثانی دونوں کے کچھ فرق نہیں۔ (۳) سننا سب خطبوں کا واجب ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ص ۶۷۶ ج ۱)

خطبہ کے دوران مسائل

"عن ابی هریرہ ؓ ان النبی ﷺ قال اذقلت لصاحبک یوم الجمعة انصت و الامام یخطب فقد لغو ت ". (رواه الستة وابن خزیمة)

ترجمہ:۔ حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جمعہ کے دن امام کے خطبہ دینے کے دوران اگر تم نے اپنے ساتھی سے یہ بھی کہا کہ "چپ رہو" تب بھی تم نے غلطی کی"۔

تشریح:۔ خطبہ کے دوران ہر وہ کام ممنوع ہے جس سے خطبہ سننے میں خلل ہو اور مجمع میں اس کی وجہ سے انتشار ہو۔ ایسے مواقع پر خدانخواستہ اگر کوئی ناواقف مسجد میں آکر زور سے بولنے لگے اور دوسرے لوگ بھی اس کو خاموش کرنے کے لیے ہر طرف سے بولنے لگیں تو بہت انتشار ہو جائے گا اور خطیب کی آواز ان کی آوازوں میں دب کر رہ جائے گی، اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ دوسروں کو خاموش کرنے کے لیے بھی نہ بولے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خطبہ کے دوران یا عام نمازوں کے وقت مسجد میں بچے یا کچھ ناسمجھ لوگ باتیں کرنے لگتے ہیں، تو اچھے خاصے سمجھ دار لوگ ان کو اتنی تیز آواز سے

روکتے ہیں کہ خود یہ آواز ان بچوں کی آواز سے بڑھ جاتی ہے اور اس طرح ان بچوں سے زیادہ یہ لوگ نماز میں خلل ڈالنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

نماز سے فارغ ہونے تک خاموش رہے، اس لیے کہ جمعہ کا دن عبادت اور توجہ الی اللہ کا خاص دن ہے۔ اس دن کے قیمتی لمحات کو ہرگز ضائع نہ کرنا چاہیے اور اگر کوئی غافل خود کچھ نہ کر سکے تو جو خدا کے بندے تلاوت ذکر درود شریف وغیرہ میں مصروف ہیں، ایسے بولنے، آواز بلند کرنے سے انھیں تکلیف ہوگی، اسی طرح خطبہ کے وقت بات کرنا حتیٰ کہ بات کرنے والوں کو منع کرنا گناہ بتایا گیا ہے، اس لیے بہت ہی خاموشی سے مسجد میں جا کر یا تو نماز میں مشغول ہو جانا چاہیے یا خاموش بیٹھ کر ذکر اور دعاء میں لگ جانا چاہیے۔

(الترغیب ص۱۵۹ ج۲ وص۳۳۳ ج۱)

مجمع جتنا زیادہ ہوتا ہے اتنے ہی اس میں قسم قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور اسی تناسب سے باہم ایذاء رسانی اور تکلیف کے امکانات بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اس دن صفائی ستھرائی، لباس کی پاکیزگی ونظافت اور حسب حیثیت خوشبو کے اہتمام کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ مسجد میں آتے جاتے لوگوں کے اوپر سے پھلانگنے اور تکلیف پہنچانے سے خاص طور پر منع کیا گیا ہے۔ (الترغیب ص۱۴۵ ج۲)

مسجد میں ہر اس چیز سے احتیاط اور بچنا ضروری ہے جس سے لوگوں کو ایذاء، پہنچے اور باہمی تعلقات خراب ہونے کا اندیشہ ہو، جیسے پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کے بیچ میں گھس کر بیٹھنا یا لوگوں کے اوپر پھلانگ کر جانا وغیرہ

مسئلہ:۔ خطبہ شروع ہو جائے تو تمام حاضرین کو خطبہ کا سننا واجب ہے، خواہ امام کے نزدیک بیٹھے ہوں یا دور، اور کوئی ایسا فعل کرنا جو خطبہ سننے میں مخل ہو مکروہ تحریمی ہے، کھانا پینا، بات چیت کرنا، چلنا پھرنا، سلام کرنا یا سلام کو جواب دینا، یا تسبیح پڑھنا یا کسی کو شرعی مسئلہ بتانا جیسا کی نماز کی حالت میں ممنوع ہے ویسا ہی خطبہ کے وقت بھی ممنوع ہے۔ ہاں خطیب کو جائز ہے کہ خطبہ پڑھنے کی حالت میں کسی کو شرعی مسئلہ بتا دے۔

مسئلہ:۔ خطبہ اگر سنت یا نفل پڑھتے میں شروع ہو جائے تو راجح یہ ہے کہ سنت موکدہ تو پوری

کرلے اور نفل میں دو رکعت پر سلام پھر دے۔ (بہشتی زیور ص ۸۲ ج ۱۱)

مسئلہ:۔ دونوں خطبوں کے درمیان میں بیٹھنے کی حالت میں امام کو یا مقتدیوں کو ہاتھ اُٹھا کر دعاء مانگنا، مکروہ تحریمی ہے ہاں بغیر ہاتھ اُٹھائے ہوئے اگر دل میں دعاء مانگی جائے تو جائز ہے لیکن آنحضرت ﷺ سے یا اصحاب سے منقول نہیں ہے۔

(علم الفقہ ص ۱۴۹ ج ۲ بحوالہ شامی ص ۷۷۲ جلد اول)

مسئلہ۔ خطبے میں جب نبی کریم ﷺ کا نام مبارک آئے تو مقتدیوں کو اپنے دل میں درود شریف پڑھ لینا چاہیے۔

مسئلہ:۔ جمعہ کے دن خطبہ کے درمیان کوئی شخص پہنچے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے لیے کوئی نفل (وغیرہ) درست نہیں۔ (معارف مدنیہ ص ۸۹ ج ۳)

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خطبہ کے دوران کلام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور بقول صحیح (کراہت سب کیلئے ہے) کوئی فاصلہ پر ہو یا قریب ہو، بات چیت امور دنیا کی یا ذکر الٰہی وغیرہ ہو، بقول مشہور (سب مکروہ تحریمی ہے) اور خواہ خطیب سے بیان میں کوئی مناسب بات سرزد ہوئی ہو اور یا نہ ہوئی ہو۔

جب حضور ﷺ کا نام مبارک (خطبہ میں) کوئی سنے تو اپنے دل میں درود پڑھے اور اگر (خطبہ کے دوران کوئی ناپسندیدہ بات پیش آجائے تو ہاتھ یا سر کے اشارے سے منع کیا جاسکتا ہے، واضح ہو کہ خطبہ کے دوران جس طرح کلام کرنا مکروہ ہے، اسی طرح نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ اس میں تمام مسالک کا اتفاق ہے۔ اور سلام کا جواب دینا بھی زبان سے ہو یا دل میں کلام مکروہ کے زمرہ میں ہے۔ اور خطبہ کے وقت یا بعد میں (جماعت کے وقت) سلام کرنا کسی پر لازم نہیں ہے، کیونکہ وہاں سلام میں پہل کرنے کا کوئی شرعی حکم نہیں ہے، بلکہ ایسا کرنا گناہ ہے۔ لہٰذہ (سلام کا) جواب دینا بھی لازم نہیں ہے۔ یہی حکم چھینک کے جواب کا ہے۔ امام کا بھی لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ البتہ سانپ بچھو سے بچانے یا نابینا شخص کو نقصان سے محفوظ رکھنے کے لیے آواز دینا کلام مکروہ نہیں ہے۔ (کتاب الفقہ ص ۶۳۵ ج ۱)

مسئلہ:۔ اگر زبان سے نہ بولے، اور ہاتھ سے یا آنکھوں سے اشارہ کردے مثلاً ایک شخص کو بُرا

کام کرتے دیکھا اور ہاتھ سے منع کر دیا، یا کوئی خبر سنی اور سر سے اشارہ کر دیا تو صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔اور جو شخص امام سے دور ہے وہ قریب شخص کے حکم میں ہے اس شخص کے لیے بھی خاموش رہنے کا حکم ہے۔

مسئلہ:۔امام کے قریب ہونے کیلئے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر نہ جائے، ابوجعفرؒ نے کہا ہے کہ جب تک امام خطبہ شروع نہ کرے اس وقت تک پھلانگنا جائز ہے اور جب امام خطبہ شروع کر دے تو مکروہ ہے، اس لیے کہ جب تک امام نے خطبہ شروع نہیں کیا ہر مسلمان کو آگے بڑھنا چاہیے اور محراب سے قریب ہو جائے تاکہ پیچھے آنے والے لوگوں کے لیے گنجائش باقی رہے۔اور امام سے قریب ہونے کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے اور اگر پہلے شخص نے ایسا نہ کیا یعنی آگے نہ بڑھا تو گویا اس نے بلا عذر اپنی جگہ ضائع کی، اور جو شخص بعد میں آیا اس کو اس جگہ کے لینے کا اختیار ہے، جو شخص امام کے خطبہ پڑھنے کی حالت میں آئے اس کو مسجد میں اپنی جگہ پر بیٹھ جانا چاہیے۔اس لیے کہ چلنا اور آگے بڑھنا خطبہ کے وقت عمل ہے۔

مسئلہ:۔لوگوں سے مانگنے کے لیے پھلانگ لگانا سب احوال میں بالا جماع مکروہ ہے۔سائل اگر نماز پڑھنے والوں کے سامنے سے نہ گزرے اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے اور لوگوں سے گڑگڑا کر نہ مانگے اور وہ چیز مانگے جس کا مانگنا ضروری ہو تو اس کے مانگنے اور اُسے دینے میں کوئی خرج نہیں اور اگر اس طریقہ کے موافق نہ ہو تو مسجد کے اندر مانگنے والے کو دینا جائز نہیں ہے۔(عالمگیری ص۷۰ ج۳)

لیکن خطبہ کے دوران مانگنا یا چندہ کرنا جائز نہیں ہے۔(کفایت المفتی ص۲۶ا ج۳)

مسئلہ:۔جو شخص خطبہ کے وقت حاضر ہو وہ خواہ گھٹنے اُٹھا کر بیٹھے، یا چار زانو، جس طرح چاہے بیٹھے، اس لیے کہ خطبہ حقیقت اور عمل میں نماز نہیں ہے لیکن جس طرح نماز میں بیٹھتے ہیں اسی طرح بیٹھنا مستحب ہے۔

مسئلہ: اگر ایک شخص نفل پڑھ رہا ہے اور امام نے خطبہ شروع کر دیا تو اگر اس نے سجدہ نہیں کیا ہے تو نماز توڑ ڈالے، اور اگر سجدہ کر لیا تو دو رکعتوں کے بعد نماز پوری کر دے۔

(عالمگیری کتاب الصلوٰۃ،ص۷۰ ج۳)

مسئلہ: خطبہ کے دوران اُس صورت میں بول پڑنا واجب ہو جاتا ہے جب کہ کسی نابینا شخص کو غلط راستہ سے ہٹانا یا کسی کو سانپ بچھو وغیرہ سے بچانا مقصود ہو۔ (کتاب الفقہ ص ۶۳۷ ج ۱)

مسئلہ: خطبہ کے وقت جب کہ نماز اور درود شریف پڑھنے کی بھی ممانعت حدیث شریف میں آئی ہے۔ تو اس وقت چندہ جمع کرنا اور ڈبہ لیے پھرنا اور نمازیوں کو مشغول کرنا بدرجۂ اولی ممنوع ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۳۱ ج ۵ بحوالہ ردالمختار باب الجمعہ، ص ۷۶۸ ج ۱)

خطیب کا خطبہ میں درود پڑھنا

سوال: خطبہ میں جہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک آئے تو خطیب کا آں حضرت رسول اللہ ﷺ کے نام کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم کہنا کیسا ہے؟

جواب: خطبہ میں جہاں نام آں حضرت ﷺ کا آئے خطیب درود شریف پڑھے (صلی اللہ علیہ وسلم) کہے اور سامعین یعنی خطبہ سننے والے دل دل میں درود شریف پڑھیں۔ حکم شرعی یہ ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۶۷ ج ۵ بحوالہ ردالمختار باب الجمعۃ ص ۷۶۸ ج ۱)

آیت ''ان اللہ و ملٰئکتہ الخ'' سن کر درود پڑھنا

سوال۔ خطبہ میں آیت ''ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی (الایۃ) سن کر مقتدی درود شریف پڑھتے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نام سن کر رضی اللہ عنہ زور سے یا آہستہ پکارنا، اور دوسری دعائیں سن کر آمین آہستہ یا زور سے کہنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: فقہا نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ جس وقت خطیب مذکورہ آیت پڑھے تو سامعین اپنے دل میں درود شریف پڑھیں زبان سے اور آواز سے نہ پڑھیں، پس سوائے درود شریف بکیفیت مذکورہ کے اور کچھ پڑھنا سامعین کو نہ چاہیے۔ نہ رضی اللہ عنہ زور سے کہیں اور نہ آمین جہر سے کہیں اور نہ زبان سے کہیں۔ اگر دل میں کہہ لیں بلا زبان کے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۸۴ جلد ۵۔ بحوالہ ردالمختار باب الجمعہ ۷۶۸ جلد اول)

☆

خطیب کی خطبہ کے وقت وضو ٹوٹ جانے کا حکم

خطبہ کا اعادہ ضروری نہیں تھا نماز صحیح ہوگئی۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ص ۲۵۷ ج ۱ بحوالہ کبیری، ص ۵۱۷)

خطیب خطبہ کے بعد بغرض وضو حوض پر جائے یا مکان پر جا کر وضو کر کے آئے تو خطبہ کا اعادہ ضروری نہیں۔ پہلا خطبہ کافی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ص ۲۷۶ ج ۱)

خطبہ و نماز جمعہ میں فصل ہونا

خطبہ اور جمعہ میں معتد بہ فصل ہو جانے سے خطبہ کا لوٹانا ضروری ہے۔

(احسن الفتاویٰ، ص ۱۲۲ ج ۴ بحوالہ ردالمحتار، ص ۷۷۱ ج ۱)

صحت خطبہ کی شرائط میں ایک یہ بھی ہے کہ خطیب کو خطبہ اور نماز کے درمیان کوئی عمل دیر طلب نہ کرنا چاہئے اور دیر کی مقدار مسالک کے لحاظ سے مختلف ہے۔

حنفیہؒ کے نزدیک یہ شرط صحت ہے کہ خطیب دونوں خطبوں کے درمیان اور خطبوں اور نماز کے درمیان کوئی غیر متعلقہ عمل مثلاً کھانا وغیرہ سے فاصلہ نہ ہونے دے، ہاں ایسا عمل جو اجنبی (غیر متعلقہ) نہیں، مثلاً فوت شدہ نمازوں کی قضا یا کسی امر مستحب کا خطبوں کے درمیان کرنے لگنا خطبہ کو باطل نہیں کرتا، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ (ایسی کوئی بات ہو تو) دوبارہ خطبہ پڑھا جائے۔

اگر جمعہ کی نماز فاسد ہوگئی اور صرف نماز کا اعادہ کیا گیا تو (پہلا پڑھا ہوا) خطبہ باطل نہ ہوگا۔ (کتاب الفقہ، ص ۶۲۷ ج ۱)

خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد کا حکم

حنفیہؒ کے نزدیک تحیۃ المسجد جب کہ خطبہ کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی واجب نہیں ہے تو خطبہ کے دوران بطریق اولیٰ واجب نہیں ہوگی۔ چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ نیز جمہور صحابہؓ اور تابعینؒ اس کے ہم نوا ہیں۔

(اس مسئلہ کی تائید میں) وہ قرائن اور صحیح احادیث ہیں جن سے خطبہ کے وقت نماز کی حرمت ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ:۔

''جب امام (خطبہ کے لیے) نکلے یعنی خطبہ پڑھنے کے لیے منبر کی طرف چلے تو اس وقت نہ بات چیت درست ہے اور نہ نماز ہی درست ہے''۔

حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ وہ بھی امام کے نکلنے کے بعد کلام اور نماز کو مکروہ جانتے تھے۔

لہٰذا قول صحابہؓ بھی حجت ہے اور ہمارے نزدیک اس کی تقلید واجب ہے اگر سنت سے کوئی چیز معارض نہ ہو۔

نماز جمعہ کی نیت

نیت میں دو رکعت نماز فرض جمعہ کہیں یا صرف دو رکعت نماز جمعہ تو اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ زبان سے کہنا لازم نہیں۔ خیال اور ارادے میں اس کو فرض سمجھ کر پڑھنا چاہئے۔ اور جمعہ کی نماز کے بعد جو لوگ چار رکعتیں بہ نیت ظہر احتیاطی پڑھتے ہیں۔ یہ بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں ہیں۔ (کفایت المفتی، ص۲۰۰ ج۳)

نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں، زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں اگر کہے تو بہتر ہے اور زبان سے کسی بھی زبان میں اردو، فارسی وغیرہ میں کہے تو کچھ حرج نہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم، ص۱۴۹ ج۲)

کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر نیت باندھیں اور ہاتھ زیر ناف باندھیں (فتاویٰ دار العلوم، ص۱۵۹ ج۲)

زبانِ عربی میں نیت اس طرح کریں۔ نویت ان اصلی للّٰہ تعالیٰ رکعتی الجمعۃ فرض اللّٰہ تعالیٰ متوجھا الی جھۃ الکعبۃ الشریفۃ اللّٰہ اکبر.

(فتاویٰ دار العلوم، ص۹۷ ج۵)

امام کس طرح نیت کرے؟

اس طرح نیت کرے کہ میں خالص خدا کے لیے نماز پڑھاتا ہوں (واجب وغیرہ ہو تو اس کا خیال کرے) جس وقت کی نماز ہو اس کا تصور کرے۔

امام کو امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ تنہا نماز پڑھنے والے کے پیچھے کوئی نیت باندھ رہا ہے تو اس کو امامت کی نیت کر لینی چاہئے تا کہ امامت کا ثواب مل جائے۔ ہاں! مقتدی کے لیے اقتداء کی نیت کرنا ضروری ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ، ص ۱۶۷ ج ۱ بحوالہ درمختار، ص ۳۹۴ ج ۱)

حنفیہؒ کے نزدیک نماز کی صحت کے لیے امام کا امامت کی نیت کرنا اس حال میں شرط ہے جب کہ وہ عورتوں کی (بھی) امامت کر رہا ہو۔ پس اگر عورتوں کا امام بننے کی نیت نہیں کی تو عورتوں کی نماز فاسد ہو گی۔ ہاں امام کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

(کتاب الفقہ، ص ۶۶۶ ج ۱)

اگر امامت کی نیت نہ کرے گا تو امامت کا ثواب نہ ملے گا، پس حصولِ ثواب امامت کے لیے تو امامت کی نیت ضروری ہے، رہا نماز کا صحیح ہونا مقتدی کی، پس اگر مقتدی مرد ہے تو ضروری نہیں، اور اگر عورت ہو تو اگر وہ کسی مرد کے محاذی ہے تب اس کی صحتِ نماز کے لیے نیتِ امامت ضروری ہے۔ اور اگر محاذی (برابر) نہیں تو اس میں اختلاف ہے۔ اور جنازہ میں بالاجماع اور جمعہ وعیدین میں صحیح قول کی بناء پر اس کے (عورت کے) اقتداء کی نیت شرط نہیں۔ (امداد الفتاویٰ، ص ۲۰۲ ج ۱)

نمازِ باجماعت

اداء جمعہ کی شرائط میں ایک جماعت بھی ہے، اس میں امام کے علاوہ کم از کم تین آدمی ہونے چاہئیں، یہ شرط نہیں کہ خطبہ میں سب لوگ حاضر ہوں، امام نے جمعہ کا خطبہ پڑھا ،لوگ بھاگ گئے اور پھر دوسرے لوگ آئے، امام نے ان کے ساتھ جمعہ پڑھا تو جائز ہے۔

جماعت کے لوگوں میں یک شرط یہ بھی ہے کہ ان میں امام بننے کی صلاحیت ہو، اگر ان میں امام بننے کی صلاحیت نہیں ہے، مثلاً عورتیں یا لڑکے ہیں تو جمعہ جائز نہ ہوگا، اگر وہ غلام ہیں یا مسافر ہیں یا مریض ہیں ان پڑھ (بالکل جاہل) ہیں، یا گونگے ہیں تو جمعہ صحیح ہو جائے گا۔

اور اگر امام نے تکبیر کہی اور جماعت کے لوگ حاضر تھے لیکن انھوں نے امام کے ساتھ نماز شروع نہیں کی تو اگر انہوں نے امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے تکبیر کہہ لی تو

جمعہ صحیح ہوجائے گا۔

اور اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے تکبیر نہ کہی تو از سرنو نماز شروع کرے، اس میں کچھ اختلاف مذکور نہیں ہے۔

اور اگر جماعت والوں نے امام کے ساتھ تکبیر (اللہ اکبر) کہی اور پھر بھاگ گئے اور مسجد سے نکل گئے، پھر امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے آئے اور تکبیر کہہ لی تو جمعہ جائز ہے۔ جب امام نے تکبیر کہی اور اس کے ساتھ کچھ باوضو تھے، لیکن انہوں نے امام کے ساتھ تکبیر نہ کہی یہاں تک کہ ان لوگوں کا وضو ٹوٹ گیا اور وہ لوگ چلے گئے اور دوسرے لوگ آگئے تو استحساناً جمعہ جائز ہوگا۔ اور اگر وہ لوگ شروع ہی سے بے وضو تھے اور امام نے تکبیر کہدی پھر اور لوگ آگئے تو امام از سرنو تکبیر کہے اگر جماعت کے لوگ نماز شروع کرنے کے بعد اور سجدہ کرنے سے پہلے بھاگ گئے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ کے نزدیک جمعہ صحیح ہو جائیگا۔ اور سجدہ کرنے کے بعد بھاگ گئے تو تینوں ائمہ یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ کے نزدیک جمعہ صحیح ہو جائیگا۔ (عالمگیری کتاب الصلوٰۃ، ص ۷۰ ج ۳)

عام اجازت

ادائیگی جمعہ کی شرائط میں ''عام اجازت'' بھی ہے۔، عام اجازت کا مطلب یہ ہے کہ مسجد کے دروازے کھول دیئے جائیں اور تمام لوگوں کو عام اجازت آنے کی ہو، اگر کچھ لوگ مسجد میں جمع ہوکر اسکے دروازے بند کرلیں، اور جمعہ پڑھیں تو جائز نہیں ہے، اور اسی طرح بادشاہ اپنے لوگوں کے ساتھ گھر میں جمعہ پڑھنا چاہے اور دروازہ کھول دے اور عام اجازت دے دیں تو نماز جائز ہوگی خواہ لوگ آئیں یا نہ آئیں، اگر بادشاہ گھر کا دروازہ نہ کھولے اور دربان مقرر کردے تو جمعہ جائز نہ ہوگا (یعنی عام اجازت نہ تو جمعہ جائز نہ ہوگا) (عالمگیری کتاب الصلوٰۃ ص ۷۱ جلد ۳)

جماعت میں ہجوم کا حکم

اگر کوئی ہجوم کی بناء پر زمین پر سجدہ نہ کر سکا تو لوگوں کے کھڑے ہونے کا انتظار کرے پھر اگر کچھ جگہ پائے تو سجدہ کرے اور اگر کسی دوسرے شخص کی پیٹھ پر سجدہ کیا تو جائز ہے۔

اور اگر سجدہ کی جگہ مل گئی تھی اور اس کے باوجود کسی دوسرے شخص کے پیٹھ پر سجدہ کیا تو جائز نہیں ہے۔ اور اگر لوگوں کی کثرت کی وجہ سے سجدہ نہ کر سکا اور اسی طرح کھڑا رہا، یہاں تک کہ امام نے سلام پھیر دیا تو وہ لاحق کے حکم میں ہے۔ اسی طرح قراءت کئے بغیر نماز پڑھتا ہے۔

اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز میں مسبوق ہو یعنی رکعت نکل گئی ہو تو جب اپنی رکعت پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو تو اسے اختیار ہے کہ قراءت زور سے کرے یا آہستہ پڑھے۔

(عالمگیری کتاب الصلوٰۃ ص۲۷ جلد۳)

جماعت میں صف بندی

نماز کے لئے اجتماعی نظام "جماعت" کی شکل میں تجویز کیا گیا ہے، اُس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا کہ لوگ صفیں بنا کر برابر کھڑے ہوں۔

ظاہر ہے کہ نماز جیسی اجتماعی عبادت کے لئے اس سے زیادہ حسین اور سنجیدہ اور اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی پھر اس کی تکمیل کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ صفیں بالکل سیدھی ہو۔ کوئی شخص ایک انچ نہ آگے ہو نہ پیچھے، پہلے اگلی صف پوری کر لی جائے، اس کے بعد پیچھے کی صف شروع کی جائے، بڑے ذمہ دار اور اصحاب علم و فہم اگلی صفوں میں اور امام سے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں، چھوٹے بچے پیچھے کھڑے ہوں اور اگر خواتین جماعت میں حاضر ہوں تو ان کی صف سب سے پیچھے ہو، امام سب سے آگے اور صفوں کے درمیان میں کھڑا ہوں۔

ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا مقصد جماعت کی تکمیل اور اس کو زیادہ مفید اور مؤثر بنانا ہے۔

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کا عملاً اہتمام فرماتے اور وقتاً فوقتاً امت کو بھی اس کی ہدایت اور تلقین فرماتے اور ان کا ثواب بیان فرما کر ترغیب دیتے، نیز ان امور میں بے پروائی کرنے کو سخت تنبیہ فرماتے اور عذاب سے ڈراتے۔ (معارف الحدیث ص۲۰۵ جلد۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھانے کھڑے ہوتے تھے تو پہلے داہنی طرف رُخ کر کے لوگوں سے فرماتے کہ ”برابر برابر ہو جاؤ اور صفوں کو سیدھا کرو“۔ پھر اسی طرح بائیں جانب رُخ کر کے ارشاد فرماتے ”برابر برابر ہو جاؤں اور صفوں کو سیدھا کرو“۔

اس حدیث سے اور اس کے علاوہ بعض دوسرے حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً نماز کے لئے کھڑے ہونے کے وقت اکثر و بیشتر یہ تاکید فرماتے تھے۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت بشیرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس طرح سیدھا اور برابر کرتے تھے گویا ان کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیروں کو سیدھا کریں گے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ ”حتیٰ کانما یسوی بها القداح“

گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کے ذریعہ تیر سیدھے کریں گے۔ اسکا مطلب سمجھنے کے لئے یہ جان لینا چاہیے کہ اہل عرب شکار یا جنگ میں استعمال کے لئے جو تیر تیار کرتے تھے ان کو بالکل سیدھا اور برابر کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی تھی، اس لئے کسی چیز کی برابری اور سیدھے پن کی تعریف میں مبالغے کے طور پر وہاں کہا جاتا تھا کہ وہ چیز اسقدر سیدھی ہے کہ اس کے ذریعے تیروں کو سیدھا کیا جا سکتا ہے، یعنی وہ تیروں کو سیدھا اور برابر کرنے میں معیار اور پیمانہ کا کام دے سکتی ہے، صحابیؓ روایت کرنے والے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس قدر سیدھی برابر کرنے کی کوشش فرماتے تھے کہ ہم میں کوئی سوت برابر بھی آگے یا پیچھے نہ ہو۔ (معارف الحدیث ص ۲۰۶ جلد ۳)

صف سیدھی کرنا

”تسویہ الصف“ سے مراد یہ ہے کہ نماز میں مل کر کھڑے ہوں۔ اپنے درمیان بالکل بھی فاصلہ نہ چھوڑیں اور آگے پیچھے نہ کھڑے ہوں، بلکہ سیدھے اور برابر کھڑے ہوں اور اگر صفیں زیادہ ہوں تو ایک سمت میں کھڑے ہوں۔ دونوں صفوں کا درمیانی فاصلہ خطوط متوازیہ کی طرح ہر جگہ سے برابر ہو۔ پھر ترتیب کو ملحوظ رکھیں۔ یہ صف کے ظاہری آداب ہے جن کو

نظر انداز کرنا باطن کے حالات میں خلل کا موجب ہے جسطرح دیوار بناتے وقت پتھر اینٹ کو ایک دوسرے سے ملا کر رکھتے ہیں بالکل اسی طرح نماز میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہو اور پوری نماز میں یہی حالت رہے، اس سے غفلت نہ کرنا۔ (اشعۃ اللمعات ص ۳۹۷ جلد ۲)

صفوں کو سیدھی کرنے کی ذمہ داری

"و عن النعمان بن بشير رضي الله عنهما قال ان رسول الله صلى الله عليه و سلم كان يسوى صفوفنا حتى كانما يسوى بها القداح حتى رانا قد غفلنا عنه الخ"(ابو دائود ، مسلم و ترمذی و نسائی)

ترجمہ:۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا کیا کرتے تھے گویا ان کے ذریعے آپ ﷺ تیروں کو سیدھا کریں گے، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نے اندازہ کرلیا کہ ہم آپ ﷺ کا منشاء سمجھ چکے ہیں۔

(ہم خود ہی صفوں کو بالکل درست و سیدھا کرنے کا اہتمام کرنے لگے) آپؐ نے فرمایا تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو نماز میں اپنی مونڈھے نرم رکھے۔

تشریح:۔ صفیں درست کرنے کے لئے اگر نمازی کے کاندھے پکڑ کر درست کرنے کی ضرورت پڑے تو اکڑ کر نہ کھڑا ہو جائے بلکہ امام یا کوئی دوسرا آدمی صف کو سیدھا کرنے کی خاطر اگر کسی طرف کو سرکائے تو سرک جانا چاہئے اور اس کو اپنی کسر شان یا کچھ توہین نہیں سمجھنا چاہیئے۔ (بلکہ ہر نمازی کے لئے ضروری ہے کاندھے سے کاندھا ملا کر بیچ میں جگہ نہ چھوڑ کر کھڑے ہو) تیر جتنا سیدھا ہوگا اسی قدر صحیح نشانہ پر پہنچے گا، اس لئے تیر کے نشانہ باز تیروں کو سیدھا کرنے کا انتہائی اہتمام کرتے ہیں۔ اس حدیث میں تشبیہ کا کمال یہ ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ ﷺ صفوں کو اس قدر سیدھا کیا کرتے تھے جیسے تیروں کو سیدھا کر رہے ہو، بلکہ یہ فرمایا" گویا ان صفوں کے ذریعہ تیروں کو سیدھا کیا جائیگا" یعنی آپ ﷺ تیروں کی درستی کا پیمانہ بھی صفوں کو بنانا چاہتے ہیں۔

آپ غور کیجئے کہ لائن کی سیدھ یا ٹیڑھ پن جانچنے کے لیے پیمانے کو رکھ کر دیکھا جاسکتا ہے، وزن کی کمی بیشی معلوم کرنے کے لیے باٹوں کے ذریعے تولا جاسکتا ہے، لیکن

جس چیز کے ذریعے خود پیمانے کی سیدھ بنائی جائے اور باٹوں کا وزن مقرر کیا جائے وہ کس قدر سیدھی اور واضح ہونی چاہیے۔

صفیں درست کرنے کے لیے کاندھے، گردنیں اور ایڑیاں دیکھنی چاہئیں، لوگ پیر کی انگلیاں دیکھ کر جو صفیں سیدھی کرتے ہیں اس سے صف سیدھی نہیں ہوتی۔ اور جب تک اگلی صف میں جگہ باقی ہو، پیچھے کی صف شروع نہ کی جائے۔ صفوں کی بے ترتیبی کا اثر انسانی دلوں پر یہ پڑتا ہے کہ ان میں بھی اختلاف وانتشار کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ صفوں کی ترتیب یا بے ترتیبی کا دلوں کے اتحاد یا افتراق سے ایک گہرا مگر مخفی رشتہ ہے۔ اور اسی کے ساتھ یہ نماز کی تکمیل کے لیے بھی ضروری ہے۔ (الترغیب، ص ۴۴ تا ص ۴۷ ج ۲)

امام کو چاہیے کہ صفیں سیدھی کرے یعنی صف میں لوگوں کو آگے پیچھے ہونے سے منع کرے سب کو برابر کھڑے ہونے کا حکم دے۔ صف میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا چاہیے درمیان میں خالی جگہ نہ رہنا چاہیے۔ (بہشتی زیور، ص ۵۸ ج ۱۱)

پہلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے دوسری صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ ہاں جب صف پوری ہو جائے تب دوسری صف میں کھڑا ہونا چاہیے۔ (مراقی الفلاح، ص ۲۱۱)

صف میں مل کر کھڑے ہونے سے آپس میں عداوت ختم ہو جاتی ہے اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"ہم نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ ذکر کے حلقوں میں مل کر بیٹھنے سے دل جمعی خوب ہوتی ہے، ذکر کی حلاوت معلوم ہوتی ہے اور خطرات بند ہو جاتے ہیں اور اس بات کو ترک کرنے سے یہ باتیں کم ہو جاتی ہیں اور ان میں سے جس قدر کسی بات میں کمی ہوتی ہے اس قدر شیطان کو دخل ہو جاتا ہے"۔ (معارف مدنیہ، ص ۴۵ ج ۲)

مل کر کھڑا ہونا چاہیے، درمیان میں خالی جگہ نہ رہنی چاہیے مگر مخنثوں کی صف میں البتہ ایک دوسرے سے مل کر نہ کھڑا ہونا چاہیے بلکہ درمیان میں کوئی حائل یا خالی جگہ جس میں ایک آدمی کھڑا ہو سکے چھوڑ دی جائے، اس لیے کہ مخنث میں مرد اور عورت دونوں کا احتمال ہے لہٰذا مل کر کھڑے ہونے میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ (علم الفقہ، ص ۹۴، ج ۲)

صف میں ہمواری کیسے ہو؟

ٹخنہ ٹخنے کے سیدھ میں ہونا چاہئے اور مونڈھا مونڈھے کی سیدھ میں ہونا چاہئے، اس سے صف سیدھی ہو جائے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم، ص ۳۳۷ ج ۳ بحوالہ رد المختار باب الامامت، ص ۵۳۱ ج ۱)

حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مونڈھوں کو ملانے اور صفوں کو برابر کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور ٹخنوں کو ایک سیدھ میں کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے بعض حضرات نے ٹخنہ سے ٹخنہ ملانے کا حکم سمجھ لیا ہے، یہ بظاہر ان سے غلط فہمی ہوئی ہے۔

اور اصل یہ ہے کہ مونڈھوں کو ملانے کا حکم صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے لہذا یہ سنت ہے اور جبکہ تمام آدمی مونڈھے ملا دیں گے تو سب کے ٹخنے نہیں مل سکتے جیسا کہ تجربہ اس پر شاہد ہے۔ اس لیے بعض صحابہؓ سے تو الحاق کعاب منقول ہے۔ اس کے معنی برابر اور سیدھا کرنے کے ہیں یعنی تمام صف کے آدمی ایک سیدھ میں ہوں، نہ یہ کہ قدم اور ٹخنہ آگے پیچھے ہوں۔ (فتاویٰ دار العلوم، ص ۳۵۵ ج ۳ بحوالہ مشکوٰۃ، ص ۹۷)

مل کر کھڑا ہونا اور بیچ میں جگہ خالی نہ چھوڑنا سنت ہے۔ قدم کا قدم سے ملانے کا مطلب یہ ہے کہ ایک سیدھ میں برابر رہیں، آگے پیچھے نہ ہوں۔ (فتاویٰ دار العلوم، ص ۳۳۷ ج ۳)

صف سیدھی کرنے کے لیے پکار کر کہنا

سوال:۔ جمعہ کے خطبہ کے بعد تکبیر تحریمہ سے پہلے زید نے آواز سے کہا ''صف سیدھی کرلو'' بکر کہتا ہے کہ زید کی نماز نہیں ہوئی۔ کیا صف سیدھی کرنے کے لیے کہنا مستحب اور درست ہے اور نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب:۔ صف سیدھی کرنے کے لیے کہنا مستحب و مسنون ہے، بکر کا قول غلط ہے نماز ہوگئی۔ (فتاویٰ دار العلوم، ص ۵۶ ج ۵ بحوالہ رد المختار باب الامامت، ص ۵۳۱ ج ۱)

جمعہ کی نماز کے لیے کس وقت کھڑے ہوں؟

سوال:۔ مقتدیوں کو جمعہ کی نماز کے لیے خطبہ ختم ہوتے ہی کھڑا ہونا چاہئے یا امام کے مصلے پر جانے اور مؤذن کے تکبیر کہنے کا انتظار کرنا چاہئے؟

جواب:۔اصل تو یہ ہے کہ جس وقت مکبر "حی علی الفلاح" کہے اس وقت کھڑا ہونا چاہیے، لیکن احادیث میں صفوں کو سیدھی کرنے کی نیز درمیان میں جگہ نہ چھوڑنے کی بہت تاکید آئی ہے اور عام طور سے لوگ مسائل سے نا آشنا ہیں، اس لیے تکبیر کے شروع ہونے سے پہلے ہی یعنی خطبہ جمعہ ختم ہوتے ہی کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کر لی جائیں تا کہ تکبیر سکون سے سن سکیں اور اس وقت کسی کا شور نہ ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ، ص ۳۴۴، ج ۲)

شروع اقامت سے کھڑے ہونے کی مصلحت

وہ خاص مصلحت یہ ہے کہ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے صفوں کو سیدھا کر لیا جائے، اگر "حی علی الفلاح" پر مقتدی کھڑے ہوئے اور "قدقامت الصلوۃ" پر امام نے تکبیر تحریمہ کہہ دی جیسا کہ روایات کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے۔ تو پہلے سے صفوف وغیرہ کو سیدھا کرنے کا انتظام نہ ہو سکے گا حالانکہ یہ اہم ہے۔ اور "حی علی الفلاح" پر کھڑے ہونے کا حکم استحبابی (مستحب) ہے اور اس میں تاویل بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ اس سے تاخیر نہ کریں، تقدیم میں کچھ حرج نہیں ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم، ص ۶۲ ج ۳ بحوالہ مشکوۃ شریف، ص ۹۷ ج ا باب تسویۃ الصفوف)

امام کو یہ ضروری ہے کہ مقتدیوں کو برابر کھڑا ہونے اور صف سیدھی کرنے کا حکم دے۔ پس امام کو چاہیے کہ تکبیر تحریمہ میں ایسی جلدی نہ کرے کہ صف پوری ہو یا نہ ہو اور صف سیدھی ہو یا نہ ہو اور سب نمازی برابر کھڑے ہوں یا نہ ہوئے ہوں فوراً نیت باندھ لے، ایسا ہرگز نہ کرے۔ اور درمختار و شامی وغیرہ نے یہ لکھا ہے کہ مکبر کی تکبیر ختم ہونے پر (امام) نیت باندھے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص ۲۱۶ ج ۲)

امام کو پیچھے کیسے لوگ کھڑے ہوں؟

امام کے پیچھے قریب میں اہلِ علم و عقل کا ہونا بہتر ہے لیکن اگر امام کے قریب دوسرے لوگ نمازی آ گئے تو ان کو ہٹانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ نماز ہر طرح ہو جاتی ہے لیکن اگر اہلِ علم کو پہلے آنے والے حضرات ترجیح دیں اور اپنی جگہ امام کے پیچھے کھڑا کریں تو یہ

فعل بھی درست بلکہ مطلوب ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، ۳۵۷ ج ۳ بحوالہ ردالمختار فی جواز الایثار ص ۵۳۲ ج ۱)

قرأت شروع ہونے کے بعد کا حکم

سوال:۔ امام کے قرأت شروع کرنے کے بعد اگر کوئی شخص نماز میں شریک ہو تو اس کو ثناء ''سبحانک اللھم الخ'' پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

جواب:۔ اس کو ثناء نہ پڑھنی چاہئے۔

(فتاویٰ دار العلوم، ص ۳۷۹ ج ۳، بحوالہ ردالمختار صفۃ الصلوٰۃ ص ۴۵۶ ج ۱)

بچوں کو کہاں کھڑا کریں؟

سوال:۔ نماز میں نابالغ بچوں کو کہاں کھڑا کیا جائے؟

جواب:۔ اگر صرف ایک ہی نابالغ لڑکا ہو تو اس کو بالغوں کے ساتھ ہی کھڑا کیا جائے، اگر نابالغ لڑکے زیادہ ہوں تو ان کو پیچھے کھڑا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔

مگر اس زمانہ میں لڑکوں کو مردوں کی صفوں ہی میں کھڑا کرنا چاہئے، کیونکہ دو یا زیادہ لڑکے ایک جگہ جمع ہونے سے اپنی نماز خراب کرتے ہیں بلکہ بالغین کی نماز میں خلل پیدا کرتے ہیں۔

چونکہ قول مطلق ہے، لہذا پہلی صف اور دوسری اور تیسری صف میں کوئی فرق نہیں، یہ حکم ان بچوں کے متعلق ہے جو نماز اور وضو وغیرہ کی تمیز رکھتے ہیں۔

زیادہ چھوٹے بچوں کو مردوں کی صف میں کھڑا کرنا مکروہ ہے، بلکہ مسجد میں لانا ہی جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۸۰ ج ۳ بحوالہ ردالمختار، ص ۴۷۳ ج ۱)

اگر صف میں ایک ہی لڑکا ہے تو وہ مردوں کی صف میں داخل ہو جائے، ہاں اگر متعدد لڑکے ہوں تو وہ مردوں کے پیچھے اپنی الگ صف بنالیں، اور مردوں کی صف کو اُن سے پُر نہ کیا جائے۔ (کتاب الفقہ، ص ۶۹۲ ج ۱)

نابالغ بچوں کے لیے حکم تو یہ ہے کہ اگر جماعت میں شامل ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں خواہ عیدین کی جماعت ہو یا دیگر نمازوں کی۔ اگر بوجہ مجبوری جیسا کہ عیدگاہ (وغیرہ) میں پیش

آتی ہے۔ بچے جماعت کے اندر کھڑے ہو جائیں یا نمازی کے آگے بیٹھ جائیں یا دائیں بائیں کھڑے ہو جائیں تو نماز ہو جاتی ہے، لیکن یہ خلاف سنت اور مکروہ تنزیہی ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم، ص ۱۹۶ ج ۵ بحوالہ رد المختار، ص ۵۳۴ ج ۱ باب الامامت)

اگر بچوں کی صف آگے جانے میں مخل ہو؟

اگر لڑکوں کے آگے کو جا کر یا صف چیر کر بالغوں کی جماعت میں مل سکے تو چلا جائے اور بالغوں کی جماعت شریک ہو جائے اور اگر کچھ ممکن نہ ہو اور لڑکوں کی ہی جماعت میں کھڑا ہو جائے تب بھی نماز صحیح ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، ص ۳۳۹ ج ۳ بحوالہ رد المختار باب الامامت، ص ۵۳۲ ج ۱)

نابالغ لڑکا اگر مردوں کی صف میں کھڑا ہو گیا اور دونوں طرف اسکے بالغین مرد کھڑے ہو گئے تو ان بالغین کی نماز میں کچھ فساد اور کراہت نہیں آتی ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم، ص ۳۴۲ ج ۳ بحوالہ رد المختار باب الامامت، ص ۵۳ ج ۱)

اگلی صف کی جگہ کو پُر کرنا

جو شخص آگے کی صف میں جگہ خالی دیکھ کر پھلانگ لگا کر وہاں جا کر بیٹھا اس پر کچھ گناہ نہیں ہے اور جس نے آگے جگہ خالی ہونے کے باوجود پیچھے بیٹھنا اختیار کیا اُس نے خلافِ اولیٰ کیا۔ (فتاویٰ دار العلوم، ص ۳۴۵ ج ۳ بحوالہ رد المختار باب الامامت، ص ۵۳۳ ج ۱)

(پھلانگنے میں اس کا خیال ضروری ہے کہ کسی کے کپڑے خراب نہ ہوں اور نہ ہی کسی کو کوئی اور تکلیف پہنچے۔ (محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ)

مسجد کے دَروں میں کھڑے ہونے کا حکم

سوال:۔ایک جامع مسجد میں چند در ہیں۔ جماعت کے وقت ہر در میں مقتدی کھڑے ہوتے ہیں۔ ثواب جماعت کے مستحق ہیں اور کیا نماز ہو جائے گی؟

جواب:۔شامی سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کو دو ستونوں کے درمیان کھڑا ہونا مکروہ ہے اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم درمیان دو ستونوں کے کھڑے ہونے سے بچتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ بلاضرورت ستونوں کے درمیان یعنی دَروں میں کھڑا ہونا مکروہ

ہے، مگر نماز ہو جاتی ہے اور جماعت کا ثواب بھی حاصل ہوگا، اور اگر ایک در میں چند آدمی کھڑے ہو سکتے ہیں کہ چھوٹی سی جماعت ان کی ہو جائے اور اس کی ضرورت ہو تو اس میں کراہت بھی بظاہر نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ دار العلوم، ص ۳۴۴ ج ۳)

سُترَہ کیا ہے؟

سُترَہ سین کے پیش اور تاء ساکن کے ساتھ۔ وہ چیز جس سے کسی چیز کو چھپایا جائے۔ یہاں وہ چیز مراد ہے جو نماز کے آگے کھڑی کی جاتی ہے۔ جس سے اس کے سجدہ کرنے کی جگہ متمیز اور واضح ہو جاتی ہے تاکہ گزرنے والا نمازی کے آگے سے نہ گزرے۔ یہ سترہ دیوار ستون اور لکڑی وغیرہ کا ہو سکتا ہے۔ سترہ کی لمبائی گز سے کم اور موٹائی انگشت سے کم نہ ہو۔ (اشعۃ اللمعات، ص ۲۵۴)

سترہ کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں نماز کھلی اور بے آڑ جگہ میں پڑھی جائے۔ اگر مسجد میں نماز پڑھنی ہو یا ایسے مقام پر جہاں لوگوں کا گزرنا نمازی کے سامنے نہ ہوتا ہو، تو اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ باجماعت کی صورت میں امام کا سترہ تمام مقتدیوں کی طرف سے کافی ہے، یعنی اگر امام کے آگے سترہ ہے تو مقتدیوں کے آگے سے گزرنے میں کچھ گناہ نہیں ہے خواہ ان کے آگے کوئی آڑ ہو یا نہ ہو۔ لیکن سترہ کے ورے سے گزرنا جائز نہیں۔

ہاں اگر جماعت میں شریک ہونے کے لیے اگر کوئی پہلی صف میں خالی جگہ دیکھے تو اس کو جائز ہے کہ دوسری صف کے آگے سے گزر کر پہلی صف میں اس خالی جگہ پہنچ کر جماعت میں شریک ہو جائے۔ اس صورت میں قصور دوسری صف والوں کا مانا جائے گا کہ انہوں آگے بڑھ کر پہلی صف میں خالی جگہ کو پُر کیوں نہیں کیا۔ (مظاہر حق جدید، ص ۶۴۵ ج ۱)

سُترَہ کیوں مقرر کیا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”**لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یقف اربعین خیراً لہ من ان یمر بین یدیہ**“۔ یعنی نماز پڑھتے ہوئے کے سامنے جو شخص گزرتا ہے اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس پر کیا وبال لازم آتا ہے تو

چالیس سال تک اس کو کھڑا رہنا اس کے آگے ہو کر گزرنے سے بہتر معلوم ہو۔

اس میں یہ راز ہے کہ نماز شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس کی تعظیم واجب ہے اور چونکہ نماز سے اس حالت کے ساتھ تشبیہ مقصود ہے جو غلام کو اپنے آقا و مولا کے سامنے سکون اور خاموشی کے ساتھ کھڑے ہوتے وقت ہوا کرتی ہے، اس لیے نماز کی ایک تعظیم یہ بھی مقرر کی گئی کہ کوئی گزرنے والا نمازی کے سامنے ہو کر نہ گزرے، کیونکہ آقا اور اس کے غلام کے درمیان سے جو دست بستہ اس کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں گزرنا سخت بے ادبی ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب تم میں سے نماز کے لیے کوئی کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے عرض و معروض کیا کرتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔

کیونکہ اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے سے اکثر نمازی کا دل بٹ جاتا ہے، اسی واسطے نمازی کو اس کے ہٹا دینے کا حق حاصل ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے جب کوئی اپنے سامنے کجاوے کے پشتے کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو پھر وہ نماز پڑھے اور اس سے آگے جو کوئی گزرے اس کی کوئی پرواہ نہ کرے"۔

اس میں راز یہ ہے کہ چونکہ مطلقاً گزرنے سے ممانعت کرنے میں حرجِ عظیم تھا، اس لیے آپ ﷺ نے سترہ کے کھڑا کرنے کا حکم دیا تاکہ ظاہر میں نمازی کی زمین اور زمین سے علیحدہ بھی ہو جائے، اور پاس سے گزرنا بھی ایسا معلوم ہو جیسے دور سے گزرنا۔

(حجۃ اللہ البالغہ، ص ۳۰۹)

سُترَہ کیا ہونا چاہیے؟

سوال:۔ نمازی کے آگے چادر یا چھتری سُترہ (آڑ) کے بجائے ہو تو کافی ہے یا نہیں؟ یا لکڑی کا ہونا ضروری ہے؟

جواب:۔ چادر یا چھتری نماز پڑھنے والے کے آگے ہو تو بجائے سترہ کے کافی ہے لکڑی کی خصوصیت نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص ۲۴۲ ج ۴)

سامنے سے گزرنے کی صورتیں

نمازی کے سامنے سے گزرنے کی تین صورتیں ہیں:۔

(۱) نمازی کے سامنے کے علاوہ گزرنے کا راستہ موجود تھا۔ اس کے باوجود ایک شخص جان بوجھ کر سامنے سے گزرتا ہے۔ اس صورت میں گزرنے والا گناہ گار ہے۔

(۲) نمازی ایسی جگہ نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے تو گزرنے والا سوائے سامنے سے جانے کے اور کہیں سے نکل ہی نہیں سکتا۔ اسی صورت میں نمازی گنہگار ہے۔

(۳) اور اگر نمازی ایک کونہ کی جگہ چھوڑ کر بیچ میں کھڑا ہو گیا مگر اب بھی گزرنے کے لئے راستہ موجود ہے اور اس کے باوجود گزرنے والا سامنے سے گزرتا ہے تو دونوں گنہگار ہیں۔

ایسی جگہ نماز پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی چیز اپنے سامنے رکھ لے جو کم از کم ایک انگلی کے برابر موٹی اور تقریباً ایک ہاتھ اونچی ہو۔ اور اگر نمازی کے سامنے کوئی چیز رکھی ہوئی نہیں ہے تو گزرنے والا اتنے فاصلے سے گزر سکتا ہے، کہ نمازی اگر سجدے کی جگہ پر نظر رکھے تو یہ گزرنے والا اس کو نظر نہ آئے۔ لیکن اگر سامنے اتنی جگہ نہ ہو تو یا تو لکڑی، کپڑا وغیرہ سامنے کر کے گزر جائے یا انتظار کرے جب وہ نمازی سلام پھیر لے تب گزرے۔

اور اس نادان نمازی کو سمجھایا جائے کہ اس طرح لوگوں کے راستہ میں دیواریں کھڑی نہ کیا کرو کہ چلنا پھرنا مشکل ہو جائے۔ (الترغیب ص ۶۸ جلد۲)

کتنے فاصلہ سے گزر سکتے ہیں

بڑی مسجد یا بڑا مکان یا میدان ہو تو اتنے آگے سے گزرنا جائز ہے کہ اگر نمازی اپنی نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے تو گزرنے والا اُسے نظر نہ آئے۔ (کفایت المفتی ص ۴۴۷ ج ۳)

پس اگر کوئی شخص باہر فرش پر نماز پڑھتا ہو تو اندر کے درجہ (حصہ) میں آگے کو گزر سکتا ہے۔ (فتاوی دار العلوم ص ۱۰۱ ج ۴ بحوالہ رد المختار ص ۵۹۳ ج ۱)

جماعت میں شرکت کا طریقہ

اگر کوئی شخص نماز کو آیا اور امام رکوع کی حالت میں ہے، اور سب سے پچھلی صف

میں کوئی جگہ خالی ہے تو صف میں شامل ہو کر نیت باندھے، صف کے باہر تکبیر تحریمہ نہ کہے، خواہ رکعت جاتی رہے۔

صف سے باہر ہی نیت باندھ لینا مکروہ ہے، لیکن اگر پچھلی صف میں جگہ نہ ہو بلکہ کسی اور صف میں جگہ خالی ہو تب بھی صف میں شامل ہو جائے بغیر تکبیر تحریمہ نہ کہے۔ ہاں اگر صفوں میں جگہ نہ ہو تو صف کے پیچھے ہی (جہاں پر جگہ ملے) تکبیر تحریمہ کہہ لے یعنی نیت باندھ لے۔ اور چاہئے کہ اگلی صف والوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے پیچھے کھینچ لے، بشرطیکہ اس میں عملِ کثیر زیادہ حرکت نہ کرنی پڑے جس سے نماز فاسد ہو جائے۔

اس طرح کرنے کی غرض یہ ہے کہ ایک اور صف بن جائے۔ صفوں کے پیچھے اکیلا (تین تنہا) کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر مقتدی کو نماز میں شامل ہونے کے بعد، اگلی صفوں میں جو محراب کے قریب ہے، خالی جگہ معلوم ہوئی تو مستحب یہ ہے کہ اس خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے بمقدار ایک صف کے فاصلے کے آگے بڑھے۔ لیکن اگر مقتدی تیسری صف میں ہے، اور خالی جگہ پہلی صف میں ہے تو وہاں تک نہ جائے اور اُسے پر کرنے کی کوشش نہ کرے۔ ایسا کرنے سے نماز جاتی رہے گی۔ کیونکہ یہ عمل کثیر ہوگا۔ (کتاب الفقہ ص ۲۹۲ ج ۱)

تنہا ایک شخص کا پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ بلکہ ایسی حالت میں چاہئے کہ اگلی صف میں سے کسی کو کھینچ کر اپنے برابر کھڑا کر لے لیکن کھینچنے میں اگر احتمال ہو کہ وہ اپنی نماز خراب کر لے گا یا برا مانے گا تو نہ شامل کرے۔ چونکہ اس میں بہت سے مسائل سے واقفیت ضروری ہے۔ اور اس زمانہ میں ناواقفیت زیادہ ہے اس لئے نہ کھینچے۔

(مراقی الفلاح ص ۲۱۱۔ بہشتی زیور ص ۵۸ ج ۱۱)

ایک عام غلطی کا ازالہ

بعض مرتبہ مقتدی بھی ایسی غلطی کر بیٹھتے ہیں جس سے ان کی نماز فاسد ہو جاتی ہے مثلاً امام کے تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہنے سے پہلے مقتدی اللہ اکبر کہہ دیتے ہیں یا امام کے لفظ اللہ ختم ہونے سے پہلے ہی لفظ اللہ کہہ دیتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں نماز کا شروع کرنا صحیح نہیں ہوتا ان مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ پھر سے دوبارہ اللہ اکبر کہہ کر امام کے پیچھے

نماز کی نیت باندھیں۔(مسائل سجدہ سہو،ص ۴۷ بحوالہ صغیری ص ۱۴۳)

اکثر مقتدیوں کو دیکھا جاتا ہے۔کہ اگر امام رکوع میں چلا گیا تو اس کے ساتھ رکوع میں شریک ہونے کے لئے سیدھے کھڑے ہوئے بغیر اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں چلے جاتے ہیں،اس طور پر کہ ان کی اللہ اکبر کی آواز رکوع میں پہنچ کر ختم ہوتی ہے۔اس طرح نماز میں شریک ہونا درست نہیں۔تکبیر تحریمہ کے فارغ ہونے تک کھڑا ہونا فرض ہے۔یعنی سیدھے کھڑے ہوکر اللہ اکبر کی آواز ختم ہو جائے اس کے بعد رکوع کے لئے جھکنا چاہئے۔

اگر تکبیر تحریمہ قیام(کھڑے ہونے) کی حالت میں نہ ہو تو اس کا نماز میں شمول صحیح نہیں ہوا۔(کفایت المفتی ص ۳۹۱ ج ۳)

مقتدیوں کو ہر رکن کا امام کے ساتھ ہی بلا تاخیر ادا کرنا سنت ہے۔تحریمہ بھی امام کے تحریمہ کے ساتھ ادا کریں۔رکوع بھی امام کے رکوع کے ساتھ،قومہ بھی امام کے قومے کے ساتھ،سجدہ بھی امام کے سجدہ کے ساتھ۔غرض ہر فعل امام کے فعل کے ساتھ ادا کرے۔ہاں اگر قعدہ اولیٰ میں امام مقتدی کی التحیات تمام کرنے سے پہلے کھڑا ہو جائے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ التحیات پوری کر کے کھڑے ہوں۔اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں اگر امام مقتدیوں کے التحیات الخ۔پوری کرنے سے پہلے سلام پھیر دے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ اپنی التحیات تمام کر کے سلام پھیر دیں۔ہاں رکوع اور سجدہ وغیرہ میں اگر مقتدیوں نے تسبیح نہ پڑھی (یعنی رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ بالکل نہ پڑھا ہو یا تین بار سے کم پڑھا ہو) تو بھی امام کے ساتھ ہی کھڑا ہونا چاہئے۔(بہشتی زیور ص ۶۱ جلد ۱۱ بحوالہ کبیری ص ۶۵۹)

رکوع میں امام کے ساتھ ذرا سی شرکت بھی کافی ہے،یہاں تک کہ اگر مقتدی اس حالت میں رکوع کے لئے جھکا کہ امام رکوع سے اُٹھ رہا ہے مگر امام ابھی اتنا سیدھا نہیں ہوا کہ اس کے ہاتھ یعنی مقتدی کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ سکتے ہوں تو اس کو یہ رکعت بھی مل گئی۔(اس لئے کہ ایک تسبیح کے برابر)بقدرِ تسبیحہ واحدہ) رکوع میں ٹھہرنا واجب ہے اس کے بعد بقیہ تسبیحات چھوڑ کر امام کی اتباع واجب ہے۔(احسن الفتاویٰ ص ۲۸۸ ج ۳)

اِقتداء کا بیان

مسئلہ:۔ حنیفہؒ کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں الگ الگ مکانوں میں ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی، قطع نظر اس کے کہ مقتدی پر امام کا حال مشتبہ ہو یا نہ ہو۔

اگر کسی نے اپنے گھر میں امام کی اقتداء کی جبکہ گھر کا دروازہ کسی راستہ وغیرہ سے مسجد سے منقطع ہو گیا ہو تو یہ اقتداء صحیح نہ ہوگی، کیونکہ دونوں مکان مختلف ہو گئے۔ ہاں اگر وہ گھر مسجد کیساتھ لگا ہوا ہو کہ مسجد کی دیوار کے علاوہ دونوں میں کوئی شے حائل نہ ہو تو مقتدی کی نماز درست ہوگی، بشرطیکہ امام کا حال مقتدی کے روبرو مشتبہ نہ ہو (یعنی امام جو کچھ کرتا ہے، اس کا علم پورے طور پر مقتدی کو ہوتا رہے) اسی طرح مقتدی اپنے گھر کی چھت پر جو مسجد کی چھت سے ملی ہو نماز پڑھے، نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں دونوں مکان الگ الگ متصور نہ ہوں گے۔ (مسجد سے مکان تک صفوں کا ملنا ضروری ہے) اگر مکان وسیع ہو جیسے کوئی بڑی مسجد ہو، تو اقتداء اسی صورت میں صحیح ہوگی جبکہ مقتدی کو امام کے اعمال (حرکات وسکنات) میں شبہ نہ رہتا ہو۔ خواہ امام کی آواز سن کر، یا مکبر کی آواز سے یا امام کو دیکھ کر، یا اس کے دوسرے مقتدیوں کو دیکھ کر (غرض یہ ہے کہ امام کی نماز کے افعال معلوم ہونے میں شبہ نہ رہے)

یاد رہے کہ مکبر یعنی جو تکبیرات کا اعلان کرتا ہے اس کی پیروی اسی حالت میں درست ہوگی جبکہ تکبیر تحریمہ کی غرض محض اطلاع دینا ہو کیونکہ اگر صرف اعلانِ تکبیر مقصود ہو (یعنی شمولیت نماز نہ ہو تو) اُس کی خود نماز باطل ہوگی۔ لہٰذا جو اس کے اعلان کی پیروی کرے گا اس کی نماز بھی باطل ہوگی۔

یاد رہے کہ بڑی مسجد میں اقتدا اسی صورت میں ہوگی جبکہ امام اور مقتدی کے درمیان کوئی چلتا راستہ نہ ہو جس میں پہیہ دار گاڑی وغیر گزرتی ہو (مطلب یہ ہے کہ صفیں اور مقتدی آپس میں ملے ہوئے ہوں، درمیان میں خلاء نہ ہو تو دور تک جماعت و اقتداء صحیح ہو جائے گی)۔

یا کوئی نہر ہو جس میں کشتی چلنے کی گنجائش ہو۔ اگر درمیان میں ایسا کوئی حائل خلاء ہو تو اقتداء درست نہیں ہے۔

میدان (کی نماز) میں اگر امام اور مقتدی کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ اُس میں دو صفیں کھڑی ہو سکیں تو اقتداء صحیح نہ ہوگی۔ بڑی مساجد جیسے بیت المقدس میں ان کا حکم بھی وہی ہے۔ جو میدان (میں نماز) کا ہے۔ یعنی درمیان میں خلاء نہ ہو تو اقتداء صحیح ہوگی۔

(کتاب الفقہ ص ۶۶۳ ج ۱)۔

قریب کے مکان میں سے اقتداء امام کی جو مسجد میں ہے، نہیں کر سکتا (یعنی جمعہ وغیرہ میں مسجد کے قریب مکان میں امام کی اقتداء نہیں کر سکتا) مگر صفوں کے ملنے کی صورت میں اقتداء درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۳۵۶ ج ۳، بحوالہ رد المختار باب الامامت ص ۵۴۸ ج ۱)

نماز جمعہ کی مدرسہ میں اقتداء کرنا

سوال:۔ جامع مسجد کے احاطہ میں دو کانیں ہیں اور اس کے اوپر مدرسہ ہے۔ مدرسہ مسجد کے فرش (چبوترہ) سے متصل ہے اور ایک کھڑکی محاذاۃ مسجد میں ہے۔ اس صورت میں بارش یا گرمی کی وجہ سے مسجد کے صحن کو چھوڑ کر مدرسہ میں نماز پڑھنے والوں کی اقتداء صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:۔ شامی میں اس مسئلہ کی تحقیق میں اختلافات کے بعد لکھا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اس صورت میں جو سوال میں معلوم ہو گئی ہے یعنی مدرسہ مذکورہ میں نماز پڑھنے والوں کی اقتداء صحیح ہے۔

اسی طرح سے اگر مسجد کے اندر پردے چھوٹے ہوئے ہوں تو باہر جو آدمی نماز کو کھڑے ہیں ان کی نماز صحیح ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۳۳۸ ج ۳ و ص ۳۶۷۔ بحوالہ رد المختار باب الامامت ص ۵۴۹ ج ۱)

جمعہ میں بلند آواز سے قرأت

جمعہ و عیدین میں بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے اور تراویح میں بھی واجب ہے۔ (کفایت المفتی ص ۴۱۰ ج ۳ بحوالہ درمختار ص ۳۹۲ ج ۱)

جمعہ میں قرأتِ مسنونہ

نبی کریم ﷺ سے نمازوں میں جن سورتوں کی قرأت منقول ہے ان کو پڑھنا

مستحب ہے، لیکن ان پر استمرار (پابندی کرنا) مناسب نہیں ہے تاکہ عوام اس قرأت (سورت) کو واجب نہ سمجھ لیں، باقی سورتوں کو ترک کرنے کا وہم نہ ہو۔

جمعہ میں تین طریقہ پر قرأت منقول ہے۔ پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ، دوسری میں سورۂ منافقون۔ یا پہلی میں سبح اسم، دوسری میں سورۂ غاشیہ۔ یا پہلی میں سورۂ جمعہ دوسری میں سورۂ غاشیہ (مسلم وغیرہ)۔ (بحوالہ معارف مدنیہ ص ۹۸ ج ۳)

رسول اللہ ﷺ نمازِ جمعہ کی دونوں رکعتوں میں علی الترتیب اکثر وبیشتر سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون یا سورۂ اعلیٰ وسورۂ غاشیہ پڑھا کرتے تھے۔ اور عیدین کی نماز میں بھی سورۂ اعلیٰ وسورۂ غاشیہ پڑھا کرتے یا سورۂ ق والقرآن المجید اور اقتربت الساعۃ تلاوت فرماتے۔

نمازِ پنجگانہ اور جمعہ وعیدین کی نمازوں میں قرأت سے متعلق جو حدیثیں لکھی گئی ہیں۔ اس سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

۱۔ آنحضرت ﷺ کا اکثر معمول یہ تھا کہ فجر میں قرأت طویل فرماتے تھے اور زیادہ تر طوال مفصل پڑھتے تھے۔ ظہر میں بھی کسی قدر طویل قرأت فرماتے تھے۔ عصر میں مختصر اور ہلکی پڑھتے تھے۔ اور اسی طرح مغرب میں بھی، عشاء میں اوساطِ مفصل پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا تھا۔

۲۔ کسی نماز میں ہمیشہ کسی خاص سورت کے پڑھنے کا نہ آپ نے حکم دیا اور نہ عملاً ایسا کیا۔ ہاں بعض نمازوں میں اکثر وبیشتر بعض خاص سورتیں پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ (معارف الحدیث ص ۲۶۱ ج ۳)

اگر کوئی کبھی ان کے علاوہ پڑھے تو سنت کے خلاف نہیں۔ بلکہ اس سے عوام کے مغالطہ سے بچنا زیادہ قریب ہے، اور اسی وجہ سے احناف کے یہاں تعیین سورت نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۶۰ ج ۲ بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۷۹ وص ۸۱)

نمازِ جمعہ میں چھوٹی بڑی سورت کا حکم

سوال:۔ سورۂ سبح اسم۔ الخ۔ اور دوسری رکعت میں ھل اتاک حدیث الغاشیہ۔ ان دونوں سورتوں میں سورۂ غاشیہ کی آیات سورۂ اعلیٰ سے زیادہ ہیں، نماز میں ان دونوں کو پڑھنے

میں کسی قسم کی کراہت تو نہیں؟

جواب:۔ یہ دونوں سورتیں ایک نماز میں پڑھنا جائز ہیں۔ (کفایت المفتی ص ۴۰۹ ج ۳)

چونکہ رسول اللہ ﷺ سے جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھنا ثابت ہے، لہٰذا کراہت نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ جدید ص ۲۶۲ ج ۱)۔

جمعہ کا خطبہ مختصر ہونا چاہئے اور قرأت سنت کے موافق ہونی چاہئے جیسے سورۂ سبح اسم ربک الاعلیٰ وغیرہ۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۹۲ ج ۴)

نماز میں ہنسی آجانے کا حکم

اگر ہنسی میں فقط دانت کھل گئے آواز بالکل نہیں نکلی، تو نہ وضو ٹوٹا، نہ نماز ہوگئی۔ اور اگر اتنی آواز نکلی کہ خود یا بالکل قریب والے شخص نے بھی سن لی تو نماز ٹوٹ گئی، وضو نہیں ٹوٹا۔ اور اگر اتنی آواز سے ہنسا کہ اہلِ مجلس نے آواز سن لی، تو وضو بھی جاتا رہا، بشرطیکہ بالغ ہو، نابالغ کا وضو نماز میں ہنسنے سے نہیں ٹوٹتا (احسن الفتاویٰ ص ۴۲۳ ج ۳ بحوالہ ردالمحتار ص ۱۴۴ ج ۱)

نماز میں کھنکارنا

اگر طبعی ضرورت سے بلا اختیار کھانسی آگئی یا کسی نے صحیح غرض سے کھنکارا مثلاً قرأت کے لئے آواز صاف کرنا، یا امام کو (غلطی) تنبیہ یا اطلاع مقصود ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (ردالمحتار ص ۵۷۸ ج ۱)

نماز میں لاحول پڑھنا

اگر امور دنیا سے متعلق کوئی وسوسہ آنے کی وجہ سے لاحول پڑھی تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور اگر امورِ آخرت سے متعلق پڑھی تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

ردالمحتار ص ۵۸۱ ج ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بلانیت ہی زبان سے الفاظِ مذکورہ نکل گئے تو نماز نہ ٹوٹے گی۔ (احسن الفتاویٰ ص ۴۲۱ ج ۳)

نماز میں ٹوپی گر جانے کا حکم

اگر اس قسم کی ٹوپی ہو جو عادۃً ایک ہاتھ سے سر پر رکھی جاتی ہو، نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر ایسی ٹوپی ہو جو عادۃً دونوں ہاتھوں سے پہنی جاتی ہو (اگر پہنی) تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔ (ردالمختار ص ۵۸۴ ج ۱)

نماز میں بیڑی سگریٹ جیب میں ہونا

سوال:۔ مسجد میں بیڑی سگریٹ یا نسوار (نشے کی چیز) بعض حضرات جیب سے نکال کر صحن میں رکھ دیتے ہیں۔ اس کا شرعاً کیا حکم ہے۔ بد بودار چیز کا مسجد میں یا جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:۔ ایسی بد بودار چیزوں کو مسجد میں لانا یا نماز کی حالت میں جیب میں رکھنا جائز نہیں۔ البتہ نماز صحیح ہو جائے گی۔ (احسن الفتاویٰ ص ۴۲۲ ج ۳)

تشہد میں شریک ہونے والے کا حکم

سوال:۔ جمعہ کے قعدہ آخری میں دو آدمی شریک ہوئے، سلام کے بعد انہوں نے دو رکعت جمعہ کی پڑھ لی۔ یہ صحیح ہے یا ان کو ظہر پڑھنی چاہئے؟

جواب:۔ صحیح یہی ہے کہ جو لوگ جمعہ کی نماز کے تشہد میں شریک ہوں وہ جمعہ کی نماز پوری کریں ظہر نہ پڑھیں۔ پس ان لوگوں کی نماز صحیح ہوگئی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۳۳ ج ۵)

جمعہ کی ایک رکعت بھی اگر مل گئی یا جو تشہد میں بھی شریک ہو جائے اس کو جمعہ مل گیا لہٰذا جمعہ کی نماز پوری کر لینی چاہئے۔ (معارف مدنیہ ص ۱۰۰ ج ۳)

مسئلہ:۔ اگر مقتدی امام کے ساتھ نماز کے کسی بھی حصہ میں شریک ہو جائے تو جماعت مل گئی۔ اگر چہ وہ صرف قعدۂ اخیرہ میں امام کے سلام پھیرنے سے پہلے شامل جماعت ہوا ہو۔ یعنی امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کسی نے تکبیر تحریمہ کہہ لی تو جماعت مل گئی اگر چہ امام کے ساتھ کھڑے ہونے کا موقعہ نہ ملا ہو۔

جو شخص جمعہ کی جماعت کے کسی حصہ میں بھی شریک ہو گیا، اس نے جمعہ پا لیا،

اگر چہ سجدۂ سہو میں (کوئی) پہنچا ہو، اُسے باقی نماز کو بطور جمعہ کے پورا کرنا چاہیئے۔
(کتاب الفقہ ص ۲۴۳ ج ۱، وص ۶۹۸ ج ۱)۔

اگر کوئی مسبوق (بعد میں شامل جماعت ہونے والا) قعدۂ اخیرۂ میں التحیات پڑھتے وقت یا سجدۂ سہو کے بعد آ کر ملے تو اس کی شرکت صحیح ہو جائے گی، اور اس کو جمعہ کی نماز تمام کرنی چاہئے۔ یعنی دو رکعت پڑھنے سے ظہر کی نماز اس کے ذمہ سے اُتر جائے گی۔
(بحر الرائق درمختار وغیرہ۔ علم الفقہ ص ۱۵۳ جلد دوم)۔

ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد شرکت

سوال:۔ امام کے ایک سلام پھیرنے کے بعد نمازِ جمعہ میں شریک ہونے سے جمعہ ادا ہوگا یا نہیں؟
جواب:۔ نمازِ جمعہ صحیح نہ ہوگی، وہ شخص ظہر کی نماز پڑھے۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۱۵ ج ۵ بحوالہ رد المختار باب صفۃ الصلوٰۃ ص ۴۹۰ جلد اول)

درمختار میں ہے: ''وتنقضی قدوہ بالاول قبل علیکم،،۔ الخ۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام نے جب لفظ السلام کہہ دیا اس کے بعد اقتداء درست نہیں ہے، اور وہ شخص (جس نے امام کے السلام پر نیت باندھی) شامل امام نہیں ہوا۔ وہ اپنی نماز علیحدہ پڑھے اور تحریمہ علیحدہ کہہ کر نماز شروع کر کے اپنے آپ کو مقتدی امام کا نہ سمجھے۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۳۸۴ ج ۳ بحوالہ درمختار ص ۴۳۶ ج ۱)

مسبوق کس سلام پر کھڑا ہو؟

سوال:۔ مسبوق (جس کی رکعت رہ گئی ہو) بقیہ رکعت کی ادائیگی کے لئے امام کے اول سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو یا دونوں سلام پھیرنے کے بعد؟

جواب:۔ دونوں سلام پھیرنے کے بعد اٹھنا بہتر ہے تا کہ اگر امام پر سجدۂ سہو ہو تو اس کو لوٹانہ پڑے۔ پہلے سلام کے بعد بھی اٹھ سکتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ دوسرے سلام کے بعد کھڑا ہو۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۳۹۴ ج ۳ بحوالہ درمختار تالیف الصلوٰۃ ص ۴۹۰ ج ۱)

سلام پھیرتے وقت اگر مقتدی کی دعا باقی ہو؟

سوال:۔ امام سلام پھیر دے اور مقتدی کی کچھ دعا باقی ہو تو فوراً سلام امام کے ساتھ پھیر دے یا ختم کر کے؟

جواب:۔ اگر تھوڑی سی دعا باقی رہی ہے تو جلدی سے پوری کر کے کچھ بعد میں سلام پھیر لے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ اور سابقہ بھی پھیر سکتا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۶۵ ج ۲ بحوالہ ردالمختار ص ۴۶۳ جلد اول)

مقتدی کا سانس اگر سلام میں پہلے ٹوٹ جائے؟

سوال:۔ مقتدی کا سانس سلام پھیرتے وقت السلام علیکم کہنے میں امام سے پہلے ٹوٹ جائے تو کیا نماز ہو جاتی ہے؟

جواب:۔ مقتدی کی نماز میں اس صورت میں کوئی خلل نہیں آیا۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۶۴ بلد دوم)

نماز میں صرف منہ پھیرنا دونوں سلام کے ساتھ کافی ہے، سینہ نہ پھرے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۰۷ جلد دوم)

نماز کے بعد بلند آواز سے کلمہ پڑھنا

سوال:۔ فرضوں کے سلام پھیرتے ہی ((لاالٰہ الا اللہ)) بآواز بلند کہنا کیسا ہے؟

جواب:۔ یہ بھی جائز ہے، لیکن آہستہ پڑھنا افضل ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۶۹ ج ۲ بحوالہ مشکوٰۃ شریف باب الذکر بعد الصلوٰۃ ص ۸۸)

بآواز بلند کلمہ شریف پڑھنا مباح ہے مگر اس کو لازم کر لینا درست نہیں۔

(کفایت المفتی ص ۲۸۴ ج ۳)۔

ذکر اللہ خاص کر ذکر ((لاالٰہ الا اللہ)) کی حدیث شریف میں بہت فضیلت آئی ہے ذکر بلا شبہ آہستہ اور زور سے ہر طرح پڑھنا جائز اور موجب ثواب ہے۔ مگر فرضوں کے بعد خصوصیت سے التزام کرنا اس کو واجب اور ضروری سمجھنا اور نہ کرنے والے پر ملامت کرنا شرعاً ثابت نہیں۔ لہٰذا نفسِ ذکر جائز ہے اور التزام منع ہے۔ بعض دفعہ مسجد میں مسبوق (یعنی

جن کی رکعت رہ گئی ہو) ہوتے ہیں، زور سے ذکر کرنے سے ان کو تشویش (پریشانی) لاحق ہوتی ہے اسلئے افضل اور بہتر ہے یہ ہے کہ آہستہ ذکر کیا جائے تاکہ ثواب حاصل ہو اور کسی کو تشویش واذیت بھی نہ ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۹ ج ۳)۔

سلام پھیرنے کے بعد چندہ کرنا

سوال:۔ جمعہ کی فرض نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد دعا مانگنے سے پہلے چندہ کیسا ہے؟
جواب:۔ سلام پھیرنے کے بعد دعا مانگنے سے پیشتر کسی مذہبی کام کے لئے چندہ کرنا جائز ہے۔ (کفایت المفتی ص ۱۲۶ ج ۳)

دعا مانگنے کا ثبوت

نمازِ پنجگانہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا سنتِ نبویہ ﷺ ہے۔ حصن حصین جو معتبر کتاب حدیث کی ہے۔ اس میں احادیث مرفوعہ دعا میں ہاتھ اٹھانے اور بعد دعا کے منہ پر ہاتھ پھیرنے کی موجود ہے۔ اور نمازوں کے بعد دعا کا مسنون ہونا بھی مذکور ہے۔ پس زید کا یہ فعل نمازوں کے بعد دعا نہ کرنا خلافِ سنت ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۹۹ جلد ۲، ترمذی شریف بحوالہ حصن حصین ص ۳۰)

اس بارے میں احادیث اور فقہ سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ فرائض کے بعد دعا مانگنے کا طریقہ نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔ اور اس دعا میں مقبولیت کی زیادہ امید ہے۔
(کفایت المفتی ص ۲۹۱ ج ۳)۔

احادیثِ صحیحہ اور روایاتِ فقہیہ سے نہایت واضح طور پر یہ بات ثابت ہو گئی ہے۔ کہ فرائض کے بعد سنتوں سے پہلے دعا مانگنا اور ادعیۂ ماثورہ کی مقدار تک دعائیں پڑھنا اور ذکر کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ بلکہ اس وقت دعا مانگنا افضل ہے اور اس دعا میں مقبولیت کی زیادہ امید ہے۔ (کفایت المفتی ص ۳۰۷ ج ۳)۔

دعا آہستہ یا زور سے؟

آہستہ دعا کرنا افضل ہے نمازیوں کا حرج نہ ہوتا ہو تو کبھی کبھی ذرا آواز سے (امام)

دعا کر لے تو جائز ہے۔ ہمیشہ زور سے دعا کرنے کی عادت بنانا مکروہ ہے۔ دعاؤں کی روایتوں سے بھی جہر (بآواز بلند) ثابت نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۸۳ ج۱)

دعا کی مقدار

دعا اتنی مانگی جائے کہ مقتدیوں پر شاق نہ ہو اور ان کو تطویل ناگوار نہ ہو۔
(کفایت المفتی ص۲۸۶ ج۳)۔

جن فرائض کے بعد سنن ہیں ان کے بعد امام اور مقتدیان مختصر دعا مانگ کر سنتیں ادا کریں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۹۷ ج۲ بحوالہ عالمگیری مصری ص۷۲ جلد اول)

کیا بغیر دعا کے جا سکتے ہیں؟

سوال:۔ نماز پڑھ کر امام سے پہلے دعا مانگ کر بھاگ جانا کیسا ہے؟

جواب:۔ بے شک یہ فعل اگر بلا ضرورتِ شرعی ہو تو خلاف سنت اور مکروہ ہے اور اس کی عادت کر لینا گناہ ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۶۸ جلد دوم)

دعا کے وقت الفاتحہ کہنا

سوال:۔ یہاں اکثر مقامات پر نمازِ جمعہ کی نماز کے بعد دعا کے وقت بآواز امام الفاتحہ کہتا ہے، اس کے بعد تمام حاضرین ہاتھ اٹھا کر سورۃ الفاتحہ (الحمد شریف) وسورۂ اخلاص اور درود شریف پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے تمام مرنے والوں کو، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ہاں نماز کے بعد الفاتحہ کہہ کر مذکورہ سوال عمل کا التزام طریقۂ سلفِ صالحین نہ تھا اور نہ کسی حدیث یا قولِ صحابیؓ یا قولِ مجتہدؒ سے ثابت ہے۔ اس لئے اس کو ترک کر دینا ہی لازم ہے۔ ہر شخص کو ہر وقت اختیار ہے وہ جس نفلی عبادت یا نیک کام کے ثواب کو پہنچانا چاہے وہ عمل کرے اور ثواب پہنچائے۔ لیکن اس کو ایک لازم طریقہ بنالینا اور پھر نہ کرنے والے کو طعن وتشنیع کرنا اس کو بدعت اور ناجائز بنا دیتا ہے۔

نماز فجر اور جمعہ کی نماز کے بعد بآواز بلند فاتحہ پڑھنے اور نماز کے بعد ایک دوسرے سے مصافحہ کرنے کا کوئی شرعی ثبوت نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۸۰ ج۳، وص۲۸۱ ج۳)

سنتوں کے بعد مزید اجتماعی دعا کرانا

یہ طریقہ رائج ہے نماز کے بعد امام صرف اللھم انت السلام۔الخ۔یعنی مختصر دعا مانگ کر کھڑا ہو جاتا ہے پھر سنتیں پڑھ کر لوگ امام کے ساتھ دوبارہ دعا مانگتے ہیں اگر امام سنن وغیرہ سے پہلے فارغ ہو جائے تو لوگ اگر نماز پڑھ رہے ہیں تو انتظار کرنا پڑتا ہے۔

سوال:۔تو یہ ہے کہ سنتوں اور نفلوں کے بعد لوگوں کا اجتماعی طور پر دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

جواب:۔جاننا چاہئے کہ احادیث وفقہ سے کہیں یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ قرونِ ثلثہ میں دعا کا یہ طریقہ تھا کہ سنتیں، نفلیں پڑھ کر ساری جماعت دعا مانگتی ہو۔اور جب اس پر یہ قیود اور بڑھ جائیں کہ امام لوگوں کے فارغ ہونے تک اُن کا انتظار کرے۔اور پھر الفاتحہ بلند آواز سے کہہ کر دعا شروع کرے تو اس طریقہ کا، طریقۂ جدیدو محدثہ ہونا اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔

پھر اگر اس پر اس التزام کا لحاظ بھی کر لیا جائے جو بعض اطراف میں مشاہدہ ہے کہ اس دعا کے طریقہ کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو ملامت کرتے ہیں۔تو پھر اس کے بدعت ہونے میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں رہتا۔کیونہ شریعت مقدسہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی امرِ مباح یا مستحب کو بھی ضروری سمجھ لیا جائے اور اس پر اصرار کیا جائے تو وہ بدعت ہو جاتا ہے۔

جبکہ ان اُمور میں جو اباحۃً یا استحباباً ثابت ہیں۔التزام کرنا اور ضروری سمجھنا اُن اُمور کو نا جائز اور بدعت بنا دیتا ہے، تو جن کا ثبوت بھی نہ ہو ان کا التزام اور اصرار اعلیٰ درجہ کی بدعت ہوگی، اور اس طریقۂ دعا کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ احادیث میں غور کرنے سے اس طریقہ کی نفی ثابت ہوتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔''آدمی کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھی جائے سوائے فرض کے۔''یعنی فرض کے سوا باقی تمام نمازیں گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

(ترمذی و بخاری)۔

حدیث شریف میں اس بات کی صریح دلیل ہے کہ سنن ونوافل گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے۔اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خود رسولِ خدا ﷺ کا اس

پر عمل تھا اور صحابہؓ کو بھی آپ ﷺ نے یہ فرمادیا اور تعلیم کردی تھی کہ سنن ونوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

تو ظاہر یہ ہی ہے کہ صحابہ کرامؓ بھی اپنے گھروں میں جا کر سنتیں ونفلیں پڑھتے ہوں گے اور شاذ ونادر کوئی شخص مسجد میں سنتیں پڑھتا ہوگا اور پھر کسی بھی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ گھر میں سنتیں پڑھ کر دعا کے لئے مسجد میں تشریف لاتے ہوں یا صحابہ کرامؓ اپنے گھروں سے سنتیں پڑھ کر دعا کے لئے مسجد میں دوبارہ آکر جمع ہوتے ہوں اور ظاہر نظر بھی اس دوبارہ جمع ہونے کو حرجِ عظیم اور مشکل سمجھتی ہے۔

بہرحال جبکہ روایتوں سے صراحۃً اور اشارۃً یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ سنتیں مکان میں پڑھتے تھے تو پھر سنتوں کے بعد پھر مسجد میں تشریف لانے اور دعا کرنے کا جو دعویٰ کرے اس کا ثبوت اس کے ذمہ ہے۔

پس واضح ہوگیا کہ سنن ونوافل کے بعد دعا مانگنے کا طریقہ جو سوال میں مذکور ہے اس کا حدیث اور فقہ میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ دلائل واضحہ ہیں اس امر پر کہ آپ ﷺ سنتوں سے پہلے دعا مانگتے تھے پھر مکان میں تشریف لے جاتے اور سنتیں پڑھتے۔

(کفایت المفتی ص ۲۸۷ ج ۳ تا خلاصہ ۲۹۹ ج ۳)۔

اور جن فرائض کے بعد سنن ہیں ان کے بعد امام اور مقتدیان مختصر دعا مانگ کر سنتیں ادا کریں اور پھر اجتماعاً دعا کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ دعا اجتماعاً ایک ہی بار ہے۔ پھر دوبارہ سنتوں کے بعد مقتدیوں کو امام کی دعا کا انتظار کرنا اور اس کا التزام کرنا ضروری نہیں ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۹۷ ج ۲)

ردالمحتار باب الوتر والنوافل ص ۶۳۸ جلد اول سے معلوم ہوا کہ نمازیوں کو سنت کے لئے روکنا اور اجتماعاً دعا کرنے کا دستور عہدِ نبوی ﷺ میں نہیں تھا اور نہ اب یہ التزام درست ہے۔ اس لئے کہ حدیث کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم (مرتب محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ)۔

دعا کے لئے مقید نہ کرنا چاہیئے

فرائض کے بعد دعا کر کے متفرق ہوجانا چاہیئے۔ سنن ونوافل کے بعد اجتماعاً دعا کا

مقتدیوں کو پابند نہ کرنا چاہئے۔ فرائض کے بعد کوئی شخص مثلاً گھر جا کر نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اس کو کیوں پابند کیا جائے۔ الغرض جو ایسا کرے یعنی سنت وغیرہ کے بعد دعاء نہ کرے وہ لائق ملامت کے نہیں ہے۔ اور یہ رسم کہ سنن ونوافل کے بعد بطورِ خود ہر ایک شخص جس وقت فارغ ہو دعاء کر کے چلا جائے یا فرائض کے بعد گھر جا کر سنتیں پڑھے اس میں کوئی تنگی نہ ہونی چاہئے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۱۲ جلد ۴)

امام جس وقت نماز سے فارغ ہو مقتدیوں کے ساتھ سب اکٹھے دعاء مانگیں، پھر سنتیں اور نفلیں پڑھ کر اپنے کاروبار میں جائیں، دوبارہ سہ بارہ دعاء مانگنا ثابت نہیں ہے اور نمازیوں کو مقید رکھنا دوبارہ دعاء تک جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۳۰ ج ۴)

ایک مسجد میں دوبارہ نماز جمعہ کرنا

جماعتِ ثانیہ مسجد محلّہ میں کرنا مکروہ ہے اور جمعہ کی نماز دوبارہ اسی مسجد میں جس میں جمعہ ہو چکا ہو جائز نہیں۔ کراہتِ جماعت ثانیہ کے سلسلہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو ایک دلیل معلوم ہوئی ہے وہ قصہ صلوۃ خوف (جنگ کے وقت نماز) کا ہے کہ باوجود ایسی کشاکش کے جنگ کا موقع ہے ایک ہی جماعت کی گئی اور نمازیوں کے دو طائفہ (گروپ) کیے گئے اور اس قدر حرکات اور چلنا پھرنا نماز کے اندر رکھا گیا۔ مگر جماعتِ ثانیہ (دوسری جماعت کرنے) کی اجازت نہیں ہوئی حالانکہ یہ آسان تھا کہ ایک امام ایک طائفہ (ایک فوجی ٹکڑی) کو پوری نماز پڑھا دیتا اور دوسرا امام اسکے بعد دوسرے طائفہ کو پوری نماز با جماعت پڑھا دیتا۔ مولانا نے اس کو ہی فرمایا تھا کہ یہ دلیل ظاہر تر ہے اور چونکہ یہ نماز آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص نہیں تھی بلکہ اب بھی اس طرح پڑھنے کا حکم ہے۔ تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اس لیے تھا کہ سب کو ان کی اقتداء کی فضیلت حاصل ہو۔

اور مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ جو کہ استاذ ہیں مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ ہے کہ جس مسجد میں ایک دفعہ جمعہ کی نماز ہو چکی ہو تو اس مسجد میں پھر جمعہ کی جماعت درست نہیں ہے۔ چنانچہ شامی باب الجمعہ ص ۷۶۶ جلد اول میں تصریح ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد جامع مسجد کے دروازہ (کواڑ) بند کر دیئے جائیں کہ ایسا نہ ہو کہ پھر

چند آدمی آ کر جماعتِ ثانیہ کر لیں۔ تو اس کی وجہ میں غور کیا کہ کیا وجہ اس عدم جواز کی ہے حالانکہ شرائطِ جمعہ سبب علی حالہا موجود ہیں۔ مصر بھی ہے، عام اجازت بھی ہے، نمازی بھی موجود ہیں۔ ایک شہر میں چند جگہ جمعہ بھی درست ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دوبارہ جماعتِ جمعہ ایک مسجد میں صحیح نہ ہو، تو اس کے سوا کچھ وجہ نہیں کہ جمعہ کے لیے جماعت بھی شرط ہے۔ پس معلوم ہوا کہ دوسری جماعت کرنا مشروع نہیں ہے۔ اور جب کہ وہ جماعت معتبر نہ ہوئی تو ایک شرط جمعہ کی فوت ہوگئی، پس معلوم ہوا کی جماعتِ ثانیہ ایک مسجد میں درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۴۰ جلد۳)

جس مسجد میں ایک مرتبہ نمازِ جمعہ با قاعدہ ہوئی ہو وہاں دوسری مرتبہ نمازِ جمعہ درست نہیں، جنہوں نے نماز نہیں پڑھی وہ دوسری مسجد میں جا کر پڑھیں ورنہ بلا اقامت اور بغیر جماعت کے ظہر کی نماز تنہا تنہا ادا کر لیں۔ (شامی ص۷۶۶ جلد اول)

تعدد جمعہ (جمعہ کی نمازیں) ایک شہر میں دو مسجدوں میں یا زیادہ میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درست ہے لیکن ایک مسجد میں دوبارہ جماعت مکروہ ہے۔ پس دوسری جماعت جمعہ کی اس صورت میں مکروہ ہے جیسا کہ تمام نمازوں کی جماعتِ ثانیہ کو اس مسجد میں جس میں امام و مؤذن مقرر ہوں، فقہاء نے مکروہ لکھا ہے خصوصاً جمعہ پڑھنے کے بعد جامع مسجد کو بند کر دینے کا حکم دیا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۸۹ جلد۵ بحوالہ شامی باب الجمعہ ص۷۵۵ جلد اول)

(یعنی اگر نمازِ جمعہ نکل جائے تو دوسری مسجد میں جہاں پر دیر میں جماعت ہوتی ہو جمعہ ادا کر لے، کیونکہ حنیفہؒ کے نزدیک ایک شہر میں اور مساجد میں بھی نمازِ جمعہ جائز ہے لیکن جس آدمی کو جمعہ کی نماز کسی بھی مسجد میں نہ ملے اس کے لیے یہ حکم ہے کہ نمازِ ظہر بلا جماعت ادا کریں، الگ سے جمعہ کی جماعت نہ کریں۔ اسی لیے جامع مسجد کو جمعہ پڑھنے کے بعد بند کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ)۔

نماز کے بعد مصافحہ کرنا

قاعدہ کلیہ ہے کہ عبادات میں حضرت شارع علیہ السلام نے جو ہیئت اور کیفیت معین فرمادی ہے، اس میں تغیر و تبدل جائز نہیں اور مصافحہ چونکہ سنت ہے اس لیے عبادات

میں سے تو حسب قاعدہ مذکورہ اس میں ہیئت وکیفیت منقولہ سے تجاوز جائز نہ ہوگا، اور رسول اللہ ﷺ سے صرف شروع ملاقات کے وقت بالاجماع یا وداع کے وقت بھی اختلاف کے ساتھ (مصافحہ) منقول ہے۔ پس اب اس کے لیے ان دو وقتوں کے علاوہ اور کوئی محل وموقع تجویز کرنا تغییر عبادت کرنا ممنوع ہے لہذا مصافحہ بعد عیدین یا بعد نمازِ پنجگانہ مکروہ وبدعت ہے۔ (شامی ص ۳۳۶ پر اس کی تصریح موجود ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۷۰۸ جلد اول)

نمازِ جمعہ وعیدین کے بعد مصافحہ کرنا اور اس کو اس وقت کی خاص سنت سمجھنا مکروہ ہے، کراہت تنزیہی ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تنزیہی کو ہلکا سمجھ کر مصافحہ کیا جائے۔ (کفایت المفتی ص ۲۳۸ جلد ۳)

نمازِ جمعہ کے بعد مسجد سے جانے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کے فرضوں کے بعد فوراً ہی مسجد سے چلے جانا چاہیئے اور کسی ضرورتِ شرعی (مثلاً ادائیگی سنن ونوافل، وعظ سننا اور ذکر وغیرہ) کی وجہ سے بھی مسجد میں ٹھہرے رہنا جائز نہیں، اور کہتے ہیں کہ آیت کریمہ ”فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا“ (یعنی جب نمازِ جمعہ ختم ہو جائے تو تم منتشر ہو جاؤ)، سے یہ حکم ثابت اور منصوص ہے۔ کیا انتشار سے یہی مراد ہے؟

جواب:۔ ”انتشار فی الارض“ کا حکم محض اباحت کے لیے ہے نہ کہ وجوب کے لیے۔ اور اگر کوئی مسجد میں نوافل وسنن پڑھے یا مسجد سے نہ نکلے، شام تک بیٹھا رہے تو وہ کسی قسم کا گنہگار نہیں ہوگا۔ جیسے کہ مسجد سے نکلنے والے اگلے حکم” وابتغوا من فضل اللہ “(یعنی خدا کی روزی تلاش کرو) کے ترک سے گنہگار نہیں ہونگے اس کے علاوہ قضیت الصلوٰۃ کا مفہوم سنت اور نوافل سے فراغت تک وسیع ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۲۳ جلد ۳)

نمازِ جمعہ کے بعد کے وظائف

نمازِ جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد عصر کی نماز تک علمی مجلسوں میں شرکت کرنی زیادہ بہتر ہے۔ عصر سے نمازِ مغرب تک دعاء کرے اور توبہ کرے، دن رات کا سارا وقت اللہ

کی عبادت میں بسر کرے تو زیادہ بہتر ہے، یہ وظیفہ سو مرتبہ پڑھنا زیادہ اچھا ہے۔ **لا الٰہ الااللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد یحی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علٰی کل شیءٍ قدیر** ۔ پھر سو مرتبہ یہ پڑھے۔ **سبحان اللہ العظیم وبحمدہ** ۔ پھر سو بار یہ پڑھے۔ **لا الہ الااللہ الملک الحق المبین** ۔ پھر سو بار یہ پڑھے۔ **اللّٰھم صلی علٰی محمد عبدک ورسولک النبی الامی** ۔ پھر سو بار یہ پڑھے۔ **استغفر اللہ الحی القیوم واسالھالتوبۃ** ۔ پھر سو بار یہ کہے: **ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ**۔ یہ سب دعائیں سات سو مرتبہ پڑھنی چاہئیں بہت ثواب ہے۔ (غنیۃ ص ۴۵۹)

جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد بولنے سے پہلے سات مرتبہ سورۂ فاتحہ، سات سات مرتبہ **قل ھو اللہ احد** اور **قل اعوذ برب الفلق**، اور **قل اعوذ برب الناس**، پڑھے،

بعض اکابرینؒ فرماتے ہیں جو شخص مذکورہ بالا سورتیں بتلائے ہوئے طریقہ پر تلاوت کرے گا وہ اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک محفوظ رہے گا، شیطان سے پناہ میں رہیگا، مستحب یہ ہے کہ جمعہ کے بعد یہ دعاء پڑھے۔

اللّٰھم یاغنی یا حمید، یا مبدی، یا معید، یا رحیم یا ودود، اغننی بحلالک عن حرامک وبفضلک عمن سواک ۔ منقول ہے کہ جو شخص اس دعاء پر مداومت کرتا ہے اسے اللہ تعالی اپنی مخلوق سے بے نیاز کر دیتا ہے، اور اس طرح روزی عطاء کرتا ہے کہ اُسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ ایک ادب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد سے عصر کی نماز تک مسجد میں رہے اور یا مغرب تک ٹھر لے تو اور زیادہ بہتر ہے، کہتے ہیں کہ جو شخص عصر کی نماز تک جامع مسجد میں رہتا ہے اسے ایک حج کا ثواب ملتا ہے اور جو مغرب کی نماز تک مسجد میں قیام کرتا ہے۔ اُسے حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے، اگر تصنع سے یا کسی اور مصیبت سے محفوظ نہ رہنے کا اندشہ ہو، مثلاً یہ خیال آجائے کہ لوگ اس کو اعتکاف میں سمجھیں گے، یا لغو باتوں میں مشغول ہو جائے گا تو خدا کا ذکر کرتے ہوئے اور اس کی نعمتوں کا دھیان جمائے ہوئے گھر واپس چلا آئے اور اس پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کرے کہ اس نے عبادت کی توفیق عطا

فرمائی، اپنی کوتاہیوں سے ڈرتا رہے، غروب آفتاب تک اپنے دل اور زبان کی نگرانی رکھے تا کہ وہ بہترین ساعت ضائع نہ ہو جائے جو جمعہ کے دن مقرر کی گئی ہے، جامع مسجد اور دیگر مساجد میں دنیا کی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ (احیاء العلوم ص ۴۶۸ جلد اول)

خلاصۂ جمعہ

اصل بات یہ ہے کہ ہر نماز کی اس طرح پر اشاعت کہ تمام شہر کے لوگ ایک جگہ ان کے لیے جمع ہوں، یہ بات بہت مشکل ہے اس لیے ضروری ہوا کہ ان کے لیے ایک حد مقرر کی جائے کہ اس حد کا دوران نہ تو بہت جلد جلد ہو کہ جس کی وجہ سے ان کے اوپر دشواری ہو جائے اور نہ بہت مدت میں ہو کہ جس کے سبب سے مقصود ہاتھ سے نکل جائے اور ہفتہ ایسی مقدار ہے کہ تمام عرب و عجم اور اکثر ملکوں میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے اور اس میں اس بات کی قابلیت ہے کہ اس کو حد بنایا جائے اس لیے اس میں نماز کا وقت مقرر و معین کیا گیا۔ اب اس بات کے اندر کہ ان دنوں میں سے کون سا دن ایسی عبادت کے لیے مخصوص کیا جائے؟

یہود نے ہفتہ کے دن کو، اور نصاریٰ نے اتوار کے دن کو اپنی رائے کے موافق ان دنوں کو اور دنوں پر ترجیح دے کر پسند کیا اور اس امت کو اللہ تعالیٰ نے علمِ عظیم کے ساتھ مخصوص کیا کہ آنحضرت ﷺ پر اس طرح انکشاف فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس ایک آئینہ لیکر جس کے اندر ایک سیاہ نقطہ تھا تشریف لائے اور اس مثال سے جو مراد تھی وہ آپ ﷺ کو بتلائی۔ آپ ﷺ نے اس کو معلوم کر لیا اور اس علم کا حاصل یہ ہے کہ ادائے اطاعت کے لیے بہترین اوقات میں سے وہ وقت ہے کہ جس وقت خدا تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ قربت ہوتی ہے اور اس وقت میں ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں کیونکہ ایسے وقت میں طاعت کے قبول ہونے میں بہت سرعت ہوتی ہے اور خاص دن کے اندر اس کا اثر ہوتا ہے۔ اور ایک عبادت بہت سی عبادتوں کا نفع بخشتی ہے، دوسرے یہ کہ اللہ پاک کا اپنے بندوں کے ساتھ تقرب کا ایک وقت مقرر ہے، جو ہفتوں کی گردشوں سے اس کی بھی گردش ہوتی رہتی ہے اسی وقت میں جنت الکشف میں اپنے بندوں کے لیے تجلی فرماتا ہے اور غالب گمان یہ ہی ہے کہ وہ وقت جمعہ ہی کا دن ہوتا ہے کیونکہ اس میں بہت سے عظیم الشان امور واقع ہوئے

ہیں (جس کا تفصیل کے ساتھ احادیث میں ذکر ہے) اور آنحضرت ﷺ نے اس گھڑی کا نہایت اہتمام فرمایا ہے اور اس کا بڑا مرتبہ بیان فرمایا ہے۔

پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ لوگوں سے جمعہ کا وقت اور واجب ہونا بیان کیا جائے اور ان لوگوں کو اس کی تاکید کی جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''یا تو لوگ جمعوں کے چھوڑنے سے باز رہیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگادے گا، پھر وہ بے خبر ہو جائیں گے''

میرے نزدیک اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جمعہ کا چھوڑنا دین کے اندر سستی کا باب کھولنا ہے۔ اور یہ شیطان کے غالب ہونے کا سبب ہے۔

رعایت ان لوگوں کی ہے جو معذور ہیں جن کو نماز کے لیے جامع مسجد تک پہنچنے میں دشواری ہو، یا ان کے وہاں جانے سے فتنہ وفساد کا خوف ہو، ان کے لیے تخفیف ہے،

نیز اس بات کی ضرورت پڑی کہ ان کے لیے نہانے اور مسواک کرنے اور خوشبو لگانے اور کپڑوں کے پہننے سے پاکیزگی کو مستحب کیا جائے۔ کیونکہ یہ اشیائے طہارت کا تتمہ ہیں، چونکہ ہر ایک دن ان چیزوں کا التزام دشوار تھا، اس لیے جمعہ کا دن اس بات کے لیے مقرر کیا گیا۔ کیونکہ جمعہ کا دن مقرر کرنے سے جمعہ کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے۔ اور نماز بھی کامل ہوتی ہے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ کا اِرشاد مبارک ہے کہ ''ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دن غسل کیا کرے اور غسل میں اپنا سر دھویا کرے''۔

چونکہ بدن میں سے پسینہ کے ذریعہ سے بدبو نکلتی ہے اس لیے مسلمانوں کو جمعہ کے دن نہانے کا حکم دیا گیا تاکہ نفرت کا سبب دفع ہوا اور ان کا باہم جمع ہو کر بیٹھنے کو دل چاہے۔

نیز اس بات کا حکم دیا گیا کہ جمعہ کی نماز کو پیدل آئیں اور سواری میں نہ آئیں کیونکہ تواضع اور خاکساری کے وہ قریب ہے۔ دوسرے یہ کہ جمعہ کے اندر تنگ دست اور مالدار سب طرح کے لوگ جمع ہوتے ہیں اس سبب سے یہ احتمال ہے کہ جس شخص کے پاس سواری نہیں ہے اس کو وہاں آنے میں حجاب (شرمندگی) محسوس ہو، لہذا اس دروازے کا بند کردینا مناسب ہوا۔

نیز! یہ بات بھی ضروری تھی کی خطبہ سے پہلے کچھ نماز کا پڑھنا مستحب کیا جائے۔

نیز! اس بات کی ضرورت ہوئی کہ ان لوگوں کے اوپر ہو کر گزرنے اور دو شخصوں کو علیحدہ کرنے اور کسی کو اپنی جگہ اس غرض سے بٹھا جانا کہ کوئی اور وہاں نہ بیٹھ جائے منع کیا جائے، کیونکہ جہلاء لوگ اس قسم کی حرکت اکثر کیا کرتے ہیں اور ایسی باتوں سے آپس میں فساد پیدا ہوتا ہے اور یہ عداوت کا بیج ہے۔

پھر آنحضرت ﷺ نے جمعہ کو تمام آداب کے ساتھ پورے طور پر ادا کرنے والے کا ثواب بیان فرمایا کی اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اور پھر آپ ﷺ نے جمعہ کی نماز میں سویرے آنے کے درجات اور ان کے اوپر جو ثواب مرتب ہوتا ہے، اونٹ، گائیں وغیرہ کی مثال دے کر فرمایا ہے۔

معلوم ہونا چاہئے! جس میں تمام ادنیٰ واعلیٰ لوگ جمع ہوتے ہیں وہ ایک ہی شفع (دو رکعت) کی مقرر کی گئی ہے تا کہ ان پر گراں نہ گزرے۔

اس کے علاوہ ان میں کمزور اور مریض اور صاحب حاجت سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور ایسی نمازوں میں قرآن مجید کو زور سے پڑھنا مقرر کیا گیا تا کہ جو لوگ ناواقف ہیں وہ واقف ہو جائیں اور جو لوگ باوجود واقفیت کے غافل ہیں ان کیلیے یاددہانی ہو جائے، اور آنحضرت ﷺ نے جمعہ کے دن دو خطبوں اور ان کے درمیان میں جلسہ (بیٹھنے) کو مسنون فرمایا تا کہ مطوب پورا پورا حاصل ہو جائے اور خطیب کو آرام بھی مل جائے، اور خطیب اور سامعین کا نشاط از سرِ نو تازہ ہو جائے۔

نیز! جمعہ کے اندر جماعت اور ایک قسم کی شہریت شرط ہے اور آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفاء راشدینؓ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ ان سب کی یہی عادت تھی کہ جمعہ شہروں میں ہی کیا کرتے تھے اور اہل قریٰ (گاؤں) سے کچھ تعرض نہ کرتے تھے اور ان کے زمانہ میں گاؤں کے اندر جمعہ نہیں ہوتا تھا۔ اس بات سے لوگ قرنا بعد قرن یہ سمجھنے لگے کہ جمعہ کے لیے جماعت اور شہریت شرط ہے۔ اور میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ جمعہ کی حقیقت شہر میں دین کی اشاعت ہے لہذا شہریت اور جماعت کا اعتبار ضروری ہوا۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۴۶)۔

بفضلہ وکرمہ کتاب نماز جمعہ مکمل ومدلل تمام شد

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلیٰ والدی وان أعمل صالحا ترضاه واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین، وتقبلْ منی هٰذا العمل وجنبنی فیه عن الخطاء والنسیان واجعله ذریعة للفلاح والنجاح فی الدنیا ووسیلة للنجاة فی الأخرة.

محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند (الہند)

۹/صفر المظفر ۱۴۱۱ھ مطابق ۳۱/اگست ۱۹۹۰ء

بوقت بعد نماز جمعة المبارک

خطبہ عید الفطر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَسْتَعِیْنُهٗ وَاَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ مَن یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِهِمَا فَاِنَّهٗ لَا یَضُرُّ اِلَّانَفْسَهٗ وَلَا یَضُرُّ اللّٰهَ شَیْئًا، اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، امابعد فاعلموا ان یومکم هذا یوم عید وقد قال رسول الله صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لکل قوم عید وهذا عیدنا، اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وقال رسول الله صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اذا کان یوم عیدهم یعنی یوم فطرهم باهی بهم الملآئکة فقال یا ملٰئکتی! ما جزاء اجیر وفّٰی عمله، قالو ربنا جزاءه ان یوفی اجره قال ملائکتی عبیدی وامائی قضوا

فریضتی علیهم ثم خرجوا یعجون الی الدعاء وعزتی وجلالی وکرمی وعلوّی وارتفاع مکانی لأجیبنهم فیقول ارجعوا قد غفرت لکم دبدلت سیّئاتکم حسنات قال فیرجعون مغفورًا لهم. اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وقال علیه الصلوٰة والسلامن قام لیلتی العیدین محتبساً لم یمت قلبه یوم تموت القلوب، اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وعن ابن عمر رضی الله عنهما قال فرض رسول الله صلی الله علیه وسلم زکوٰة الفطر صاعاً من تمر اوصاعاً من شعیر وامربها ان تؤدی قبل خروج الناس الی الصلوٰة، اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وقال علیه الصلوٰة والسلام صاع من بُرٍّ او قمح علی کل اثنین صغیر او کبیر، حرّ اوعبدٍ ذکرٍ او انثی وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال فرض رسول الله صلی الله علیه وسلم زکوٰة الفطر طهرةً للصیام من اللغو والرفث وطعمةً للمساکین وکان علیه الصلوٰة والسلام یخرج من یوم الفطر والاضحی الی المصلّی فاول شیء یبدء به الصلوٰة ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفهم فیعظهم ویوصیهم ویأمرهم وان کان یرید ان یقطع بعثاً قطعه او یأمر بشیء امربه ثم ینصرف، اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وکان النبی صلی الله علیه وسلم یکبر بین اضعاف الخطبة یکثر التکبیر فی خطبة العیدین، اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وقال علیه الصلوٰة والسلام من صام رمضان

ثم اتبعه ستًّا من شوال كان كصيام الدّهر اعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم قد افلح من تزكّٰى وذكر اسم ربّه فصلّٰى،اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وعن انس قال قدم النّبى صلى الله عليه وسلم المدينة ولهم يومان يلعبون فيهما فقال ماهٰذان اليوم قالوا كنا نلعب فيهما في الجاهلية فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ابدلكم بهما خيراً منهما يوم الاضحى ويوم الفطر.

خطبہ یوم الاضحیٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ مَن يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَاِنَّهٗ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ،اعلموا ايها المسلمون ان يومكم هذا يوم عيد وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْداً وَهٰذَا عِيْدُنَا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ،ويومكم هذا يوم ستيم به عشر ذى الحجة وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مامن ايام احب الى الله ان يُتعبّد له فيها من عشر ذى الحجة يعدل صيام كل يوم منها بصيام سنة وقيام كل ليلة منها بقيام ليلة القدر لا سيماً صوم عرفة، فقد قال

النبی علیہ الف الف صلوۃ وسلام صیام یوم عرفۃ احتسب علی اللہ ان یکفر السنۃ التی قبلہ والسنۃ التی بعدہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، ویومکم ھذا یوم نحر وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما عملُ ابنُ ادم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم وانہ لیأتی یوم القیامۃ بقرونھا واشعارھا واظلافھا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبوا بھا نفساً، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، وقال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یارسول اللہ ماھذہ الاضحی قال سنت ابیکم ابراھیم علیہ السلام قالوا فمالنا فیھا یارسول اللہ! قال بکل شعر ۃ حسنۃ قالوا فالصفوف یارسول اللہ! قال بکل شعرمن الصفوف حسنۃ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من وجد سعۃ لان یضحی فلم یضحِّ فلا یحضر مصلانا، وقال ابن عمرؓ الاضاحی یومان بعد یوم الاضحی اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، وصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم خطب ثم ذبح وقال من کان ذبح قبل ان یصلی فلیذبح اخری مکانھا ومن لم یذبح فلیذبح باسم اللہ وکان علیؓ یکبر بعد صلوٰۃ فجریوم عرفۃ الی صلوۃ العصر من اخر ایام التشریق وعن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینوا اعیادکم بالتکبیر، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من

رأی هلال ذی الحجة واراد ان یضحی فلا یأخذ من شعره ولا من اظفاره،اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الجذع یوفی مما یوفی منه الثنی وذبح النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفاً وَمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، إِنَّ صَلاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ،لاَ شَرِيْكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَاْ أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّاُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ، وعن علی رضی الله عنه قال امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان نستشرف العین والاذن وان لا نضحی بمقابلة ولا مدابرة ولا شرقا ولاخرقا وعن البراء بن عازب رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم ماذا یتقی من الضحایا والعجفاء التی لا تتقی اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، هذا وقد قال الله تعالی لن ینال الله لحومها ولا دمائها ولکن یناله التقوی منکم کذالک سخرها لکم لتکبروا الله علی ماهداکم وبشر المحسنین.

نوٹ:۔ عید کا خطبہ ثانیہ صفحہ نمبر؟؟ باب نہم پر ملاحظہ فرمائے۔

☆☆

خطبۃ النکاح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً، يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلاَ تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ، يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً، يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً.

طریقہ نکاح

لڑکی سے جب اجازت لی جائے تو ضروری ہے کہ دو صاحب اس وقت موجود ہوں جو گواہی دے سکیں کہ ان کے سامنے ان صاحب نے اجازت لی ہے۔ جب مجلس نکاح میں یہ آ جائیں تو پہلا کام یہ ہے کہ نکاح پڑھانے والے صاحب ان سے تحقیق فرمائیں۔ کہ انہوں نے لڑکی سے اجازت لی ہے۔ لڑکی نے زبان سے اجازت دی ہے یا خاموش رہی ہے، انکار نہیں کیا، کنواری لڑکی کی خاموشی بھی اجازت سمجھی جاتی ہے، نکاح پڑھانے والے صاحب ساتھ ساتھ پھر یہ بھی معلوم کر لیں۔ کہ مہر کتنا ہوگا۔ لڑکی کا نام، ولدیت اور مہر معلوم کرنے کے بعد یہ خطبہ شروع کریں اور خطبہ ختم کرنے کے بعد لڑکے سے فرمائیں کہ فلاں صاحب اپنی لڑکی کا نکاح اتنے مہر پر آپ سے کر رہے ہیں۔ لڑکی نے بھی اجازت دے دی ہے آپ قبول کرتے ہیں؟ لڑکا جیسے ہی جواب میں کہہ دے کہ میں نے قبول کیا تو نکاح

ہو گیا، البتہ ضروری ہے کہ بلند آواز سے کہے کہ دوسرے بھی سن لیں۔

ایک شکل یہ بھی ہے کہ نکاح پڑھانے والے لڑکی کے ولی سے کہیں کہ وہ ان کو نکاح کا وکیل بنادیں۔ تب نکاح پڑھانے والے صاحب کہیں گے کہ میں فلاں لڑکی کا نکاح اتنے مہر پر آپ سے کرتا ہوں جب ایجاب وقبول ہو چکے تو یہ دعا پڑھیں جو احادیث میں مروی ہے: "بارک اللہ لکما وجمع بینکما بالخیر"

(ترجمہ): اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو برکتیں عطا فرمائے اور دونوں کو بھلائیں کے ساتھ اکٹھا رکھے۔

خطبة الاستسقاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

الحمدلله استعینه و استغفره و نعوذبالله من شرور انفسنامن یهده الله فلامضل له ومن یضلله فلاهادی له و اشهدان لااله الاالله وحده لاشریک له و اشهدان محمدا عبده ورسوله ارسله بالحق بشیرا ونذیرا بین یدی الساعة من یطع الله ورسوله فقدرشدومن یعصهمافانه لایضر الانفسه ولایضر الله شیئاً انکم شکوتم جدب دیارکم و استیخار المطرعن ابان زمانه عنکم وقدامرا لله ان تدعوه ووعدکم ان یستجیب لکم الحمدلله رب العالمین الرحمن الرحیم. ملک یوم الدین لااله الاالله یفعل مایریداللهم لااله الاانت، تفعل ماتریداللهم لااله الاانت الغنی ونحن الفقراء، انزل علیناالغیث واجعل ماانزلته علیناقوة وبلاغاالیٰ حین، اللهم اسقناغیثا مریعاطبقا عاجلاغیر رآئث نافعاغیر ضار اللهم اسق عبادک وبهآئمک وانشر رحمتک واحی بلدک المیت، اللهم اسقنا غیثا مغیثا مرینا مریعا نافعا غیرضار اللهم عاجل غیراجل. اللهم صیبانافعااللهم اسقنا غیثا مغیثا مریعاغدقامجللاعاماطبقاسحاء دائما. اللهم اسقناالغیث ولاتجعلنامن القانطین. اللهم ان بابلادوالعبادو البهائم والخلق من اللاوآء والجهد

والضنک مالانشکوہ الاالیک. اللھم انبت لناالزرع. وادرلناالضرع. واسقنامن برکات السماء وانبت لنامن برکات الارض. اللھم ارفع عنا الجھد والجوع والعریٰ واکشف عنامن البلاء مالایکشفہ غیرک اللھم انانستغفرک انک کنت غفار،فارسل السماء علینا مدرارا. اللھم انزل علیٰ ارضناوھامت دوابنامعطی الخیرات من اماکنھاومنزل الرحمۃ من معادنھاومجری البرکات علیٰ اھلھابالغیث المغیث؛انتِ المستغفر الغفار فستغفرک للخاصات من ذنوبناونتوب الیک من عوام خطایانااللھم فارسل السماء علینامدرارا.واوصل بالغیث.واولف من تحت عرشک. حیث ینفعناویعودعلینا غیثا عاما طبقا غبقا مجللا غدقاخصبارا تعامرع النبات۔

طریقہ نمازاستسقاء

استسقا کے سلسلے میں سب سے بڑی چیز توبہ استغفار، عجز و نیاز اور بارگاہ خداوندی میں بندوں کی گریہ وزاری ہے، جو نماز کے علاوہ اور صورتوں سے بھی ہوسکتی ہے۔لیکن اگر نماز پڑھنا ہی طے جائے تو پھر ضروری ہے کہ بستی یا شہر کے تمام چھوٹے بڑے مسلمان شہر سے باہر عیدگاہ یا کسی وسیع میدان میں جمع ہوں پہلے اخلاص اور دل کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ توبہ اور استغفار کرتے رہیں۔جب اجتماع ہوجائے تو جماعت سے دو رکعت نماز پڑھی جائے ،امام صاحب قرأت جہر سے کریں۔سلام پھیرنے کے بعد یہ خطبہ پڑھا جائے،اس کے بعد دوسرا خطبہ وہی پڑھا جائے۔جو جمعہ کے خطبہ اولیٰ کے پڑھا جاتا ہے(جو صفحہ ؟؟ پر ہے) دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ بھی کریں، پھر دعا مانگیں۔قلب رداء صرف امام صاحب کریں،مقتدی قلب رداء نہ کریں۔

احکام صدقۃ الفطر

ہر مسلمان مرد وعورت جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اس قدر مالیت کا اسباب ضروری حاجت سے زائد ہو اس پر صدقہ فطر واجب ہے اگر چہ وہ اسباب تجارت کا نہ ہو اور اگر چہ روزے کسی وجہ سے رکھے نہ ہوں۔

اگر گیہوں یا اس کا آٹا یا اس کے ستو دیوے تو نصف صاع واجب ہے جو انگریزی تول سے دو سیر سے کچھ کم ہوتا ہے مگر احتیاطا پورے دو سیر دے دینا چاہیئے۔ اور اگر جو دیوے تو اس کا دو چند دے، اور اگر علاوہ اس کے کچھ اور دیوے جیسے چنا، جوار وغیرہ تو اتنا دیوے کہ اس کی قیمت دو سیر گیہوں یا چار سیر جو کے برابر ہو، نا بالغ اولاد کی طرف سے بھی فطرہ دینا واجب ہے جبکہ وہ مالک نصاب نہ ہو، ورنہ خود اس کے مال سے ادا کرے۔ بالغ اولاد اگر مجنون ہو اور مالک نصاب نہ ہو تو اس کی جانب بھی دینا واجب ہے ورنہ نہیں۔ اور مالدار ہو تو اسی کے مال سے دے، جو لڑکا عید کی صبح صادق کے بعد پیدا ہوا یا جو شخص قبل صبح مر گیا، اس کا فطرہ نہیں ہے اور مستحب یہ ہے کہ عید کے دن عیدگاہ جانے سے پہلے ادا کرے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ بعد میں یا کچھ دنوں پہلے دے دے۔ ایک آدمی کا فطرہ ایک فقیر کو، یا تھوڑا تھوڑا کئی آدمیوں کا ایک کو دے دے۔ تو یہ سب جائز ہے۔ جیسے چاہے دے دے۔

احکام قربانی

ہر مرد وعورت مسلمان، مقیم جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اتنی ہی مالیت کا اسباب ضروری روزمرہ کی حاجت سے زائد ہو، اس پر واجب ہے کہ اپنی طرف سے قربانی کرے۔ اونٹ، بکرا، دنبہ، بھیڑ، گائے، بھینس، مادہ ہو یا نر سب درست ہے گائے بھینس دو برس سے کم بھیڑ بکری ایک برس سے کم کی نہ ہو اور دنبہ چھ مہینہ کا بھی درست ہے جب کہ خوب فربہ ہو، اور سال بھر کا معلوم ہوتا ہو۔ اُونٹ، گائے، بھینس میں سات آدمی تک شریک ہو سکتے ہیں، مگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو، اور قربانی کا جانور بے عیب ہو، لنگڑا، اندھا، کانا اور بہت لاغر اور کمزور نہ ہو اور کوئی عضو تہائی سے زائد کٹا ہوا نہ

ہو۔ خصی (یعنی بدھیا) کی اور جس کے سینگ نکلے ہی نہ ہوں اس کی قربانی درست ہے اور پوپلی جس کے دانت نہ رہے ہوں، اور بوچی جس کے پیدائشی کان نہ ہوں جائز نہیں۔ قربانی کا وقت ذی الحجہ کی دس تاریخ کو نماز عید سے باہویں ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک وقت ہے۔ اور دیہات کے باشندوں کو جائز ہے کہ نماز عید سے پہلے قربانی کے جانوروں کو ذبح کر لیں، اس کے بعد نماز کیلئے جائیں۔

اگر چند آدمی قربانی شرکت میں کریں تو محض اندازہ سے گوشت تقسیم کرنا جائز نہیں بلکہ تول کر پورا پورا بانٹیں۔ کسی طرف ذرا بھی کمی بیشی نہ ہو۔ ہاں! جس حصے میں کلے پائے بھی ہوں اس حصہ میں کمی چاہے جتنی ہو جائز ہے بہتر ہے کہ کم سے کم تہائی گوشت خیرات کر دے۔

قربانی کی کوئی چیز قصاب کو اُجرت میں دینا جائز نہیں۔ اس کی رسی، جھول سب صدقہ کر دینا افضل ہے، کھال کا بیچنا درست نہیں۔ ہاں! اگر قیمت خیرات کرنے کیلئے بیچے تو کچھ حرج نہیں۔ قربانی کے ذبح کرنے کے وقت دعاء پڑھنا شرط نہیں کہ بدون اس کے قربانی نہ ہو۔ جس شخص کو قربانی کی دعاء یاد نہ ہو وہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔

(خطبات ماثورہ، ص:۵۶)

<u>نوٹ</u>:۔ اگر کسی جگہ خطبوں کی کتاب نہ ہو اور نہ کسی کے خطبہ حفظ یاد ہو تو اس کے پیش نظر یہ خطبے نقل کی جا رہے ہیں تا کہ خطبوں کا باب مکمل ہو جائے اور ان خطبات کا خطبہ ثانی باب نہم:۹ ص: ؟؟ پر ملاحظہ فرمائے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ۔

تمت بالخیر

☆☆☆

☆

مأخذ ومراجع کتاب

نام کتاب	مصنف ومؤلف	مطبع
معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان	ربانی بک ڈپو دیوبند
معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ	الفرقان بک ڈپو ۳۱ نیا گاؤں لکھنؤ
فتاویٰ دار العلوم	مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ سابق مفتی اعظم دیوبند	مکتبہ دار العلوم دیوبند
فتاویٰ رحیمیہ	مولانا سید عبد الرحیم صاحب مدظلہم	مکتبہ مفتی اسٹیٹ راندیر، سورت
فتاویٰ محمودیہ	مفتی محمود صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند	مکتبہ محمودیہ جامع مسجد شہر میرٹھ
فتاویٰ عالمگیری	علماء وقت عہد اورنگ زیب	شمس پبلشرز دیوبند
کفایت المفتی	مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
علم الفقہ	مولانا عبد الشکور صاحب لکھنویؒ	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
عزیز الفتاویٰ	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
امداد المفتین	مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
امداد الفتاویٰ	مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ	ادارۂ تالیفات اولیاء دیوبند
فتاویٰ رشیدیہ کامل	مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ	کتب خانہ رحیمیہ دیوبند
کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ	علامہ عبد الرحمٰن الجزریؒ	اوقاف پنجاب لاہور پاکستان
جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان	عارف کمپنی دیوبند
درمختار	علامہ ابن عابدینؒ	پاکستانی
بہشتی زیور	مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ	مکتبہ تھانوی دیوبند
معارف مدنیہ	افادات مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ	مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ
الترغیب والترہیب	مولانا زکی الدین عبد العظیم المنذری	ندوۃ المصنفین دہلی

نام کتاب	مصنف ومؤلف	مطبع
الجمعۃ والہند	مولانا شیخ محمد رفعت اللہ صاحبؒ	احمد آباد
حجۃ الجمعہ	مولانا محمد مفیض الدین صاحبؒ	کانپور
استفتائے جمعہ مع حالات دار العلوم	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ	مطبع کاسمی دیوبند
اوثق القریٰ فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	مطبع مجتبائی دہلی
احسن القریٰ فی توضیح اوثق القریٰ	شیخ الہند مولانا محمد حسنؒ	مطبع مجتبائی دہلی
فتاویٰ عبد الحیٔ	مولانا عبد الحیٔ	امدادیہ دیوبند
غنیۃ الطالبین	حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ	مسلم اکیڈمی سہارنپور
کیمیائے سعادت	حجۃ الاسلام امام غزالیؒ	ادبی دنیا ٹیا محل دہلی
الجواہر الزواہر	مولانا عبد الحیٔ	مصطفائی کتب خانہ دیوبند
حجۃ اللہ البالغہ	حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ	دار الکتاب دیوبند
اشعۃ اللمعات	مولانا عبد الحق محدث دہلویؒ	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی
رکن الدین	مولانا رکن الدین صاحب	اشاعتِ اسلام دہلی
فضائل درود شریف	مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث سہارنپور	اشاعتِ دینیات دہلی
مظاہر حق جدید	نواب قطب الدین خانؒ	ادارۃ اسلامیات دیوبند
فضائل یوم الجمعہ	مولانا محمد طیب صاحب سابق مہتمم دار العلوم	مکتبہ قاسمی دیوبند
خطباتِ جمعہ وعیدین	مختلف فتاویٰ علماء ہندوپاک	کمیٹی اہل سنت والجماعت گلبرگہ میسور
خطباتِ ماثورہ	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	مکتبہ رضی دیوبند
خطب شہید	حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ	مکتبہ حمیدیہ دہلی
صحاح ستہ		کتب خانہ رشیدیہ دہلی

ختم شدہ

قرآن وسنت کی روشنی میں

دارالعلوم دیوبند کے حضرات مفتیان کرام کے تصدیق کے ساتھ

حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی

مفتی ومدرس دارالعلوم دیوبند

وحیدی کتب خانہ

میونسپل کاملی پلازہ قصہ خوانی بازار پشاور

نام کتاب: مکمل ومدلل مسائل سفر

تالیف: حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی مفتی ومدرس دارالعلوم دیوبند

کمپوزنگ: دارالترجمہ وکمپوزنگ سنٹر (زیر نگرانی ابو بلال برہان الدین صدیقی)

تصحیح ونظر ثانی: مولانا لطف الرحمٰن صاحب

سٹنگ: برہان الدین صدیقی فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی ووفاق المدارس ملتان وخریج مرکزی دارالقراء مدنی مسجد نمک منڈی پشاور، ایم اے عربی پشاور یونیورسٹی

اشاعت اول: جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

ناشر: وحیدی کتب خانہ پشاور

استدعا: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی کے تمام مراحل میں پوری احتیاط کی گئی ہے لیکن پھر بھی انسان کمزور ہے اگر اس احتیاط کے باوجود بھی کوئی غلطی نظر آئے تو مطلع فرمائیں انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کیا جائے گا۔

منجانب: عبدالوہاب وحیدی کتب خانہ پشاور

دیگر ملنے کے پتے

کراچی: اسلامی کتب خانہ بالمقابل علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

: مکتبہ علمیہ سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

: کتب خانہ اشرفیہ قاسم سنٹر اردو بازار کراچی

: زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی

: مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی

: مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی جامعہ فاروقیہ کراچی

راولپنڈی: کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ بلوچستان

پشاور: حافظ کتب خانہ محلہ جنگی پشاور

: معراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور

لاہور: مکتبہ رحمانیہ لاہور

: المیزان اردو بازار لاہور

صوابی: تاج کتب خانہ صوابی

اکوڑہ خٹک: مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک

: مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک

بنیر: مکتبہ اسلامیہ سواڑی بنیر

سوات: کتب خانہ رشیدیہ منگورہ سوات

تیمر گرہ: اسلامی کتب خانہ تیمر گرہ

باجوڑ: مکتبۃ القرآن والسنۃ خار باجوڑ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

راقم الحروف
اپنی اس کتاب ''مکمل ومدلل مسائل سفر''
کو رئیس المبلغین حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلوی قدس سرہ
' کے نام منسوب کرتا ہے جنہوں نے باقاعدہ تبلیغی جماعت کا
سلسلہ قائم فرما کر ملک وبیرون ملک عالمی
اجتماعات کی بنیاد ڈالی اور
اسکی نقل وحرکت
تیز ہوئی

اور دعوت الی اللہ کی راہ سے اسلام کا پیغام حق دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچادیا اور پہنچ رہا ہے۔
یا اللہ! اپنی رحمتِ کاملہ سے حضرت مولانا مرحوم کی قبر کو اپنے نور سے معمور فرما۔ (آمین)

بندہ عاجز خاکسار
محمد رفعت قاسمی
خادم التدریس دار العلوم دیوبند
مورخہ ۲۳ صفر ۱۴۱۴ھ۔

عرض مؤلف

(نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم)

احقر نے جس دینی خدمت کا آغاز کیا تھا، الحمدللہ اس کی تعداد دس ہوگئی: (تلک عشرة کاملة) اوراب یہ ''مکمل و مدلل مسائل سفر'' پیش ہے جس میں آداب سفر، سفر کی اقسام، وطن کی تعریف واقسام، مسافر کہاں سے مانا جائیگا، ریل گاڑی، ہوائی جہاز و بحری جہاز، کشتی، بس، ٹرک، کار، گھوڑا و بیل گاڑی میں سفر سے متعلق مسائل، نیز سفر میں پانی دستیاب نہ ہونے پر تیمم اور موزوں سے متعلق ضروری مسائل، سفر میں دن چھوٹا ہونے یا بڑا ہوجانے پر نماز وروزے اور حج سے متعلق مسائل، سفر میں امامت ونماز قصر سے متعلق مسائل، غرض یہ کہ روانگی سے لے کر واپسی تک تمام ضروری (تقریباً چھ سو) مسائل کا مجموعہ ہے۔

اور یہ سب رب العالمین کی خصوصی توفیق اور دارالعلوم دیوبند کا فیض ہے ورنہ دوسرے مشاغل کے ساتھ ایسے اہم کام کا انجام پانا تصور سے بالاتر تھا اور پھر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ بغیر کسی اشتہاری مہم کے احقر کی یہ کاوش ملک وبیرون ملک عوام وخواص میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی اور پسند کی جارہی ہے۔

یقیناً یہ علمی اوردینی خدمت مرتب کے لیے تو باعث صد افتخار ہے ہی اورارباب دارالعلوم دیوبند کو بھی خوشی ہوگی کہ اس کے ایک ادنیٰ درجہ کے خادم سے یہ بیش بہا خدمت انجام پارہی ہے اوراس سے مسلمانوں کو اندازہ ہوگا کہ دارالعلوم کے فرزندوں نے زندگی کے شعبہ جات میں کیا کیا اہم کردار ادا کیا ہے اور مخلوق خدا کی رہنمائی کا فریضہ کس کس طرح انجام دیا ہے۔

یااللہ! محض اپنے فضل وکرم سے اس کاوش کو بھی قبول فرماکر مؤلف کے لیے زادآخرت بنا۔ (آمین)

﴿ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم﴾

احقر محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ خادم التدریس دارالعلوم دیوبند (انڈیا) مؤرخہ ۲۳ صفر ۱۴۱۴ھ۔

تصدیق

جامع شریعت وطریقت فقیہ الامت سیدی حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہ چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

الحمد للّٰہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لانبی بعدہٗ

امابعد! اس دور میں سفر تقریباً ہر انسان کے لیے امرلابدی ہے، جولوگ آزاد زندگی گزارتے ہیں، مسائل شرعیہ کا ان کو اہتمام نہیں وہ تو ہزارہا سہولیات کے باوجود گھر پر رہتے ہوئے بھی حکم شریعت پر عمل نہیں کرتے، لیکن جن حضرات کو شریعت کا اہتمام ہے اور وہ اپنی زندگی شریعت کے دائرہ میں گزارنا چاہتے ہیں ان کو قدم قدم پر تحقیق مسائل کی ضرورت پیش آتی ہے خصوصاً نماز کے مسائل کہ ریل، ہوائی جہاز، موٹر وغیرہ پر کس طرح نماز صحیح ادا ہوگی اور کس طرح پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی، کتنی مسافت پر قصر کا حکم ہوگا کتنی پر نہیں وغیرہ ذالک۔ ایسے حضرات کے لیے کتابوں کا ذخیرہ ساتھ لے جانا دشوار اور ہر جگہ صحیح مسائل بتانے والے افراد کا ملنا اس سے زیادہ دشوار۔ اللہ پاک جزائے خیر دے مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی دارالعلوم دیوبند کو کہ انہوں نے زیرنظر کتاب ''مسائل سفر'' میں بہت سے وہ مسائل جو سفر میں پیش آتے ہیں ان کو جمع فرمادیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مولانا موصوف کے ان کمالات علمیہ وفقہیہ سے خواص وعوام کو زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور مؤلف کے لیے دارین کی ترقیات کا ذریعہ بنائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود حسن غفرلہٗ۔

۲۱/۱۴۱۵ ہجری۔

ارشادگرامی

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم

صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدالانبیاء والمرسلین محمد ﷺ وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ وسلم وعلیٰ من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین

وبعد:۔

حضرت مولانا حافظ قاری محمد رفعت صاحب سلمہٗ مدرس دارالعلوم دیوبند کی یہ کتاب پہلی کاوش نہیں ہے بلکہ عزیزم سلمہٗ کی اس سے قبل تقریباً دس کتابیں اسی انداز کی شائع ہوکر مقبولیت حاصل کرچکی ہیں۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب ''مسائل سفر'' بھی عندالعوام والخواص مقبولیت حاصل کرے گی اور مثل سابق سب کے لیے نافع ومفید بھی ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو اسی قسم کے نافع ومفید رسالوں کے تالیف کرنے کی مزید توفیق عطا فرمائیں۔ فقط والسلام۔

کتبہ :۔

العبد نظام الدین

۱۱/صفر المظفر ۱۴۱۵ھ۔

رائے گرامی

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب

مرتب فتاویٰ دار العلوم دیوبند

اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ مسلمانوں میں دینی جذبات زندہ وتابندہ ہیں اور ہر کام کرنے سے پہلے وہ معلوم کرتے ہیں کہ یہ کام جائز ہے یا جائز نہیں؟ جائز ہے تو کس طرح ادا کرنا اس کی ذمہ داری ہے اس لیے علماء کا فرض ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر پہلو سے متعلق ضروری احکام ومسائل مرتب ومدون کر کے ان کی طرف سے ملت کے سامنے پیش کئے جائیں، پھر احکام ومسائل جو بھی پیش ہوں وہ مکمل ومدلل ہوں اور فقہ وفتاویٰ کی کتابوں سے باضابطہ حوالہ جات نقل کیے گئے ہوں تا کہ پورے اطمینان کے ساتھ عمل کرسکیں۔

الحمد للہ دار العلوم دیوبند جو ایشیاء کی سب سے بڑی مرکزی دینی درسگاہ ہے، اس سے وابستہ علماء واساتذہ اس طرح کی خدمات انجام دینے میں پیش پیش رہے ہیں اور ملت کی طرف سے یہ فرض کفایہ انجام دیتے رہے ہیں۔ اس وقت خاکسار کے سامنے مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی مدرس دار العلوم دیوبند کی نئی کتاب مسائل سفر (مکمل ومدلل) ہے، میں نے اس کا جستہ جستہ مطالعہ کیا بلکہ کہنا چاہئے اس کتاب سے مستفید ہوا، ماشاء اللہ ہر پہلو سے یہ کتاب عمدہ اور دلچسپ ودل پذیر ہے اور سفر کے تمام پیش آمدہ مسائل پر حاوی ہے۔ پڑھ کر مؤلف کے لیے دل سے دعائیں نکلیں، ان شاء اللہ امت کے لیے یہ کتاب بہترین ہدیہ ثابت ہوگی اور خواص وعوام اسے پڑھ کر راہ یاب ہونگے اور دلی مسرت محسوس کریں گے۔

مؤلف موصوف کے اس سے پہلے بھی بہت سارے مجموعہ مسائل شائع ہو کر اہل علم میں مقبول عام ہو چکے ہیں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی یہ علمی دینی خدمت قبول فرمائے اور آئندہ بھی اس طرح کی خدمات کی توفیق عطا فرماتا رہے، خاکسار اپنی طرف سے اس گراں مایہ خدمت پر مبارکباد پیش کرتا ہے۔

(طالب دعا:۔ محمد ظفیر الدین غفرلہٗ مفتی دار العلوم دیوبند: مؤرخہ ۱۱ صفر/۱۴۱۵)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (پارہ نمبر ۵ سورۃ النساء رکوع ۱۱)

''اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ نہیں کہ کچھ کم کرو نماز میں سے ، اگر تم کو ڈر ہے کہ ستائیں گے تم کو کافر۔''

نماز قصر کا ثبوت

تشریح:۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصر کی نماز کا حکم شرع میں خوف کی حالت میں ہے۔ اگر چہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ (نماز قصر) امن کی حالت میں بھی مشروع ہے لیکن صحیح حدیثوں اور اجماع سے یہ امر ثابت ہے۔ منجملہ ان احادیث کے وہ حدیث بھی ہے جو یعلیٰؓ بن اُمیہ سے مروی ہے:

,, قلت لعمر، مالنا نقصر وقد امنا؟ فقال سألت رسول اللہ ﷺ فقال: صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته،،۔ (رواہ مسلم)

''یعنی یعلیٰ بن اُمیہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ امن کی حالت میں ہمارے لیے قصر کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے میں نے عرض کیا تھا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ (قصر) ایک صدقہ (عنایت) ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا فرمایا ہے تو اس صدقہ کو قبول کرو۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ:

,, صحبت النبي ﷺ فكان لا يزيد في السفر على ركعتين وابوبكر وعمر وعثمان كذالك،، (متفق علیہ)

''یعنی میں نبی کریم ﷺ کا ہم سفر رہا ہو، حضور ﷺ نے کبھی (سفر میں) دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ حضرت ابوبکر و عمر و عثمانؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔''

اس پر سب متفق ہیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد اہل مکہ کے ساتھ بحیثیت امام کے چار رکعت والی نماز پڑھی اور دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "اتمو اصلاتکم فانا قدم سفر"
"یعنی تم لوگ اپنی اپنی نمازیں پوری کرو میں مسافر ہوں۔"
نیز واضح ہو کہ قصر کے شرعی حکم ہونے میں اُمت کا اجماع ہے۔

(معارف القرآن صفحہ ۵۳۱، جلد ۲ و کتاب الفقہ صفحہ ۷۵۸، جلد اول)

نماز قصر اور ائمہ کا مسلک

مسافر جب اپنے گاؤں یا شہر کی آبادی سے نکل جائے تو اس پر قصر واجب ہے، پوری چار رکعت والی فرض نماز کی دو رکعتیں ہی پڑھنا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں جبکہ اس پر قصر واجب ہے پوری چار رکعت پڑھے گا تو گنہگار ہوگا اور دو واجب کو چھوڑنے والا ہوگا، یعنی ایک واجب تو قصر کا ترک (چھوڑنا) ہوگا اور دوسرے قعدہ اخیر کے بعد فوراً سلام پھیرنا، کیونکہ مسافر کے حق میں پہلا قعدہ ہی آخری ہوتا ہے، اس کے بعد اسے فوراً سلام پھیر دینا چاہئے تھا اور اس نے نہیں پھیرا بلکہ کھڑا ہو گیا، اس طرح اس نے دوسرے واجب کو ترک کیا یعنی چھوڑ دیا۔

اس موقع پر اتنی بات بھی جاننا چاہئے کہ قصر کے جواز میں کسی بھی عالم اور کسی بھی امام کا اختلاف نہیں ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو قصر واجب ہے، لیکن امام شافعیؒ کے یہاں قصر اولیٰ، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسافر قصر نہیں کریگا تو وہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کی رو سے گناہگار ہوگا، مگر حضرت امام شافعیؒ کا مسلک اسے گناہگار قرار نہیں دے گا۔ بلکہ خلاف اولیٰ اور افضل چیز کو ترک کرنے والا کہلائے گا۔

(مظاہر حق، ۲۲۰، جلد ۲)

آیت قصر میں خوف کے قید کی وضاحت

مذکور بالا آیات قرآن (وَاِذَا ضَرَبْتُم......) کا بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حالت سفر میں قصر کی اجازت اسی وقت ہوگی جب کافروں کے ستانے اور ان پر یشان کرنے کا خطرہ ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آیت میں خوف کی قید عادت اور اغلب کے اعتبار سے لگائی گئی ہے۔ کہ سفر میں اکثر مسافروں کو خوف ہوتا ہے خصوصاً اس زمانے میں

جب کہ کافر ہر وقت اور ہر موقع پر درپے آزار ہوتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے "فاقبلوا صدقتہ" فرما کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ حالت سفر میں قصر نماز پڑھنے کا حکم صرف خوف کیساتھ مختص نہیں ہے۔ بلکہ یہ آسانی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان تمام بندوں پر ہیں۔ جو حالت سفر میں ہوتے ہیں۔ یہ ایک احسان ہے جس سے ہر مسافر فیض یاب ہوسکتا ہے۔ خواہ کسی قسم کا کوئی خوف ہو یا نہ ہو۔

نیز "فاقبلوا" میں حکم وجوب کیلئے ہوسکتا ہے یعنی ہر شرعی مسافر کے لئے قصر کرنا واجب اور ضروری ہے۔ چنانچہ اس سے حنیفہؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ کہ حالت سفر میں قصر واجب ہے اور قصر نہ کرنا یعنی پوری نماز پڑھنا غیر پسندیدہ ہے۔ (باعث گناہ ہے)

(مظاہر حق جدید، ص ۲۲۳، جلد ۲)

قصر کی دلیل ہر حال میں ہے

سوال:۔ کیا ہر سفر میں باوجود امن و امان کے بھی ضرور نماز قصر ہی پڑھنا واجب ہے، اس کی دلیل وجوب تحریر فرمائیں۔

جواب:۔ دلیل وجوب یہ حدیث شریف مسلم کی ہے کہ یعلیٰ بن امیہؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے نماز قصر کرو اگر تم کو کفار کے فتنہ کا خوف ہو پس اب لوگ مامون ہیں وہ خوف نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے بھی یہ شبہ پیش آیا تھا، تو میں نے حضور ﷺ سے یہی عرض کیا آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اسے قبول کرو۔

(فتاویٰ دارالعلوم، ص ۴۹۰، جلد ۴، بحوالہ مشکوۃ شریف، ص ۱۱۸، جلد اول)

مسئلہ:۔ سفر میں خوف نہ ہو تو بھی قصر نماز پڑھی جائے گی؟ (معارف القرآن، ص ۵۳۴، جلد ۲)

قصر خدائی حکم ہے

((وعن ابن عباس قال فرض اللّٰہ الصلاۃ علی لسان نبیکم ﷺ فی الحضر اربعا وفی السفر رکعتین))

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے تمہارے نبی کریم ﷺ کی زبانی حضر میں چار رکعت فرض کی ہیں اور سفر میں دو رکعت۔" (صحیح مسلم)

((وعن ابن عمر قال سن رسول الله ﷺ صلاة السفر رکعتين وهما تمام غير قصر))

''حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سفر کی نماز کیلئے دو رکعتیں مقرر کی ہیں اور وہ ناقص نہیں ہیں پوری ہیں۔''

سفر کی حالت میں قصر نماز پڑھنا قرآن کریم سے ثابت ہے، لہٰذا حدیث شریف کے الفاظ آنحضرت ﷺ نے ایسے اپنے قول و فعل سے واضح کیے ہیں ''وھما تمام غیر قصر'' کہ وہ ناقص نہیں پوری ہیں، کا مطلب یہ ہے کہ سفر کی نماز کیلئے مشروع یہی دو رکعتیں ہیں نہ یہ کہ پہلے چار رکعتیں مشروع تھیں پھر بعد میں دو رکعتیں کم کر دی گئی ہیں، ایسا نہیں۔

(مظاہر حق جدید، صفحہ ۲۳۱، جلد ۲)

نماز قصر کی رعایت کب تک ہے؟

سوال:۔ کیا نماز قصر کی رعایت صرف پہلے وقتوں کیلئے تھی جب کہ لوگ پیدل سفر کرتے تھے یا اب بھی باقی ہے؟

جواب:۔ نماز قصر کی رعایت صرف پہلے وقتوں کیلئے مخصوص نہیں تھی، بلکہ قیامت تک کیلئے ہے۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۳۷۹، جلد ۲)

مسئلہ:۔ جو شخص مسافت شرعی میں قصر نہ کرے تو گنہگار ہوتا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۸۹، جلد ۴ بحوالہ ہدایہ صفحہ ۱۴۸، جلد اول)

مسئلہ:۔ سفر شرعی میں نماز پوری پڑھنا ممنوع ہے، قصر ہی کا حکم ہے۔ اور جو حکم شریعت کا ہے، اسی کی پابندی کرنی چاہیئے۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۵۹، جلد ۴، بحوالہ درمختار، صفحہ ۷۳۵، جلد اول)

مسئلہ:۔ بعض لوگوں کو پوری نماز کی جگہ قصر پڑھنے میں دل میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ قصر بھی شریعت کا حکم ہے جس کی تعمیل پر گناہ نہیں ہوتا بلکہ ثواب ہوتا ہے۔ (معارف القرآن، صفحہ ۵۳۴، جلد ۲)

آنحضرت ﷺ کی قصر نماز

((عن انس ان رسول الله ﷺ صلّی بظھر بالمدینة اربعا وصلی العصر بذی الحلیفة رکعتین)) (متفق علیہ)

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں ظہر کی چار رکعت پڑھیں اور ذی الحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت پڑھیں" (بخاری و مسلم)

تشریح:۔ اس حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ کے سفر کا حال بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب حج کیلئے مکہ کے سفر کا ارادہ فرمایا تو مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی پھر جب مدینہ سے نکلے ذوالحلیفہ پہنچے تو وہاں قصر فرمایا۔اور عصر کی نماز دو رکعت پڑھی۔اور ذوالحلیفہ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تین کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جب مسافر شرعی اپنے شہر یا گاؤں مکانات سے باہر نکل جائے تو قصر کی نماز پڑھے (مظاہر حق جدید، صفحہ ۲۲۱، جلد اول)

مسئلہ:۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا بوقت سفر یا غزوات (جنگ) میں چار رکعت کی جگہ دو رکعت پڑھنا بسبب قصر کے ہے۔ (سفر شرعی میں چار رکعت کی جگہ دو رکعت فرض ہوتی ہے اور یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے) (فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۴۹۱ ج ۴، بحوالہ قرآن کریم پارہ نمبر ۵ و مشکوٰۃ شریف، باب الصلوٰۃ فی السفر، صفحہ ۱۱۹، جلد او نصب الرایہ، صفحہ ۱۸۹، جلد اول، والدالمختار، صفحہ ۱۱۸، جلد اول)

غیر مقلدین کا تین میل پر قصر کیوں؟

سوال: حنفیہ کے نزدیک اڑتالیس میل پر مسافر دوگانہ پڑھتا ہے اور غیر مقلدین تین میل پر دوگانہ پڑھتے ہیں اور ثبوت میں حضرت انسؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ نے تین میل پر دوگانہ پڑھا ہے۔اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ تین منزل (جس کے ۴۸ میل ہوتے ہیں) کی مسافت کا ارادہ ہو تو شہر سے باہر نکلتے ہی قصر شروع ہو جاتا ہے اور یہی تاویل ہے اس حدیث شریف کی جس میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ شریف سے باہر تین میل پر قصر کیا یعنی ارادہ آپ ﷺ کا دور کا تھا

مگر تین میل پر مدینہ سے نکل کر وقت نماز کا ہوا تو آپ ﷺ نے قصر نماز پڑھی۔

(فتاویٰ دار العلوم، ص ۴۷۸۔ جلد ۴، بحوالہ در مختار صفحہ ۳۵ے جلد اول)

خدا کی دی ہوئی رعایتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیئے

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اپنی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیا جانا بھی اسی طرح پسند ہے جس طرح اپنے پورے احکام کی بجا آوری پسند ہے۔

تشریح:۔ایک صاحب جلال و جبروت اور قادر و مختار کل بادشاہ کے سامنے ایک غلام کی خوبی یہ ہے کہ اس میں اپنے عجز و انکسار اور ضعف و ناتوانی کا اعتراف کمال درجہ کا ہو۔ جب کبھی شہنشاہ مطلق اس کی کمزوری و عاجزی کے پیش نظر اس کے فرائض میں کوئی تخفیف اور سہولت دے تو شکریئے کے ساتھ اس کو نیاز مندانہ قبول کرے، یہی شان بندگی ہے اور یہی موقع شناسی اور اپنے مالک کے جذبہ ہمدردی کی قدردانی ہے ایسے وقت میں بہادری دکھانا اور یہ کہنا کہ ''نہیں حضور مجھے مہلت نہیں چاہیئے میں تو پورا پورا کام کر سکتا ہوں'' اپنی حیثیت سے اونچا دعویٰ ہے جو غرور و پندار پر مبنی ہے اور جس پر اگر عتاب نازل ہو جائے تو کچھ بے جا نہیں، غلام کی کامیابی بہت زیادہ محنت کرنے میں نہیں بلکہ اس کا کمال وقت کو پہچاننا اور اشارہ چشم وابرو کو سمجھنا ہے۔ اس لئے جس وقت جو رخصت ملے اس کو قبول کر لینا ہی کمال بندگی اور معراج اطاعت ہے۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۳۰۸، جلد ۲)

قصر اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

امام صاحبؒ کا مذہب یہ ہے کہ سفر شرعی میں قصر نماز واجب ہے، قصداً پوری نماز پڑھنا ممنوع ہے کیونکہ یہ حدود اللہ سے تجاوز ہے۔

﴿وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

''جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جائے (خلاف ورزی کرے) تو ایسے لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔'' اور ''من تطوع خیرا'' میں داخل نہیں کیونکہ یہ حکم شارع

علیہ السلام کے خلاف کرنا نہیں ہے بلکہ وہ شر ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۰۷، جلد ۴، بحوالہ ردالمختار باب صلاۃ المسافر، صفحہ ۷۳۵، جلد ۱، سورۂ بقرہ پارہ ۲۵)

آرام دہ سفر میں قصر کا حکم

مسئلہ:۔ قصر کرنا مسافر کو لازم ہے کہ ریل کا سفر آرام دہ ہے، پوری نماز پڑھنا درست نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۸۱، جلد ۴، بحوالہ غنیۃ، صفحہ ۴۹۹)

پوری نماز پڑھنے کی منت ماننا

سوال:۔ مسافر نے منت مانی کہ سفر میں دو چار روز قصداً پوری نماز پڑھا کروں گا تو منت کے دنوں کے نماز پوری پڑھے یا قصر کرے؟

جواب:۔ مسافر کو قصر کرنا یہ چاہیئے منت اسکی لغو ہے یہ معصیت ہے اور خلاف شرع ہے قصداً پوری نماز پڑھنے سے گنہگار ہوگا اور مقیم کی نماز اس کے پیچھے نہ ہوگی۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۸۹، جلد ۴، بحوالہ ردالامختار، صفحہ ۱۰۸، جلد اول)

سفر کا مقصد

کسی مسلمان سے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ملاقات کیلئے جانا بھی بڑی فضیلت کا عمل ہے۔ اور اللہ کیلئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس ملاقات کا مقصد کوئی دنیاوی مفاد حاصل کرنا نہ ہو، بلکہ یا تو اس لئے اس سے ملاقات کی جائے کہ وہ نیک آدمی ہے یا کوئی عالم ہے اور اس کی صحبت سے اپنی اصلاح مقصود ہو یا اسلیئے ملاقات کی جائے کہ اس کا دل خوش ہو، (مرنے جینے میں) اور مسلمان کا دل خوش کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، اس صورت میں بھی یہ ملاقات اللہ تعالیٰ ہی کیلئے سمجھی جائے گی اور انشاء اللہ اس پر اجر ملے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جو شخص کسی بیمار کی عیادت کرے یا اپنے کسی بھائی کے پاس اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ملاقات کو جائے، اسکو (غیبی) منادی پکار کے کہتا ہے کہ تو بھی مبارک، تیرا چلنا بھی مبارک اور تو نے جنت کی ایک منزل میں ٹھکانا بنالیا۔ (ترمذی)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان سے ثواب کی نیت سے ملنے سے بھی نامہ اعمال میں نیکیوں کا بہت اضافہ ہوتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ حکم ان ہی لوگوں سے ملاقات کرنے کا ہے جن کی ملاقات سے اپنا کوئی دینی نقصان نہ ہو، اس کے برخلاف اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس ملاقات کے نتیجہ میں کسی گناہ میں مبتلا ہونا پڑے گا یا اس کی بری صحبت سے اپنے اوپر بُرا اثر پڑے گا، یا غیبت وغیرہ کرنی یا سننی پڑے گی، یا بے فائدہ باتوں سے بہت سا وقت ضائع ہو جائے گا تو ایسی ملاقات اور صحبت سے بچنا ہی بہتر ہے۔

(آسان نیکیاں، صفحہ۹۲)

سفر کی قسمیں

عادۃً سفر دو قسم کے ہو سکتے ہیں۔ اول خالص دین کیلئے، دوم دنیا کیلئے۔ اول کی مثال سفر حج، سفر جہاد، سفر طلب علم کے لئے، سفر علماء صلحاء کی زیارت کیلئے، سفر اپنے دینی بھائی کی زیارت کیلئے خواہ رشتہ دار ہو یا نہ، وغیرہ ذالک۔ ان میں جس درجہ کا مقصد ہے، اسی درجہ میں سفر فرض یا واجب یا مستحب ہوتا ہے۔ بہر حال ان میں ہر قدم پر ثواب ملتا ہے۔

دوسرا دنیا کے واسطے جیسے تجارت (بزنس) کے لئے یا کسب معاش (روزی کی تلاش) کی کسی دوسری صورت کیلئے یا محض تفریح طبع کے لئے۔ یہ بھی ایک حد تک فرض، واجب اور مستحب ہوتے ہیں اور ضرورت سے زائد، مباح اور جائز لیکن عقلمند کے لئے مناسب ہے کہ اس سفر میں نیت دین کی رکھے کیونکہ تمام دنیا کے کاروبار میں دین کی نیت کرنے سے عبادت بن جاتے ہیں مثلاً تجارت کیلئے نکلے تو یہ نیت کرلے کہ جن لوگوں کا نان ونفقہ (خرچہ) اللہ تعالیٰ نے میرے ذمہ واجب کیا ہے وہ ادا کروں گا اور اس سے جو بچے گا اس میں اپنے مفلس بھائیوں کی امداد یا دوسری مذہبی ضرورتوں میں صرف کروں گا، سال پورا ہونے پر زکوۃ، صدقۃ الفطر ادا کروں گا اور سفر حج کیلئے اگر رقم جمع ہوگئی تو حج کروں گا اور قربانی کروں گا۔ (آداب سفر، صفحہ٦)

☆☆

جائز و ناجائز سفر کا حکم

سفر خواہ جائز ہو یا ناجائز نہ ہو، مثلاً کوئی شخص چوری کی غرض سے یا کسی کے قتل کرنے کے ارادے سے یا کوئی غلام اپنے مالک کی بلا اجازت یا کوئی لڑکا اپنے والدین کی خلاف مرضی سفر کرے تو ہر حال میں ان کو قصر کرنا چاہیئے جبکہ شرعی سفر ہو۔

(علم الفقہ، صفحہ ۱۳۱، جلد ۲)

مسئلہ: ۔حنیفہ کے نزدیک مسافر شرعی پر قصر واجب ہوا ہے اگر چہ کوئی شخص (سفر میں) فعل حرام کا مرتکب ہوا ہو، ہاں اس فعل حرام کے ارتکاب کا گناہ ہوگا، لیکن قصر واجب ہوگا۔

(کتاب الفقہ ..... جلد اول وفتاویٰ عالمگیری، صفحہ ۵۸، جلد ۳، کتاب الصلوٰۃ)

سفر کون سے دن کرے؟

حضرت کعب ابن مالکؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ غزوۂ تبوک کے لئے جمعرات کے دن روانہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ اسکو پسند فرماتے تھے کہ جہاد کے سفر کی ابتداء جمعرات کے دن سے کریں۔ (بخاری)

آنحضرت ﷺ جہاد کے سفر میں جمعرات ہی کے دن روانہ ہونا کیوں پسند فرماتے تھے؟

اس میں کئی احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ چونکہ بندوں کے نیک اعمال جمعرات ہی کے دن سے اللہ تعالیٰ تک اٹھائے جاتے ہیں اسلئے آنحضرت ﷺ یہ چاہا کرتے تھے کہ جہاد کا عمل آج ہی اللہ تعالیٰ تک اٹھایا جائے کہ وہ افضل عمل ہے اور دوسرے یہ کہ "خمیس" لشکر کو بھی کہتے ہیں اور (جمعرات کا دن بھی یوم الخمیس کہلاتا ہے) لہٰذا آپ ﷺ جمعرات کے دن سفر جہاد کی ابتداء کرکے یہ فال نیک لیتے تھے کہ جس لشکر کے مقابلہ پر جا رہے ہیں اس پر فتح حاصل ہوگی۔

بہر کیف اس سلسلے میں سنت نبوی ﷺ کے مطابق جو چیز ہے وہ یہی ہے کہ جب جہاد کیلئے سفر اختیار کیا جائے تو جمعرات کے دن روانگی عمل میں لائی جائے، لیکن اصل مدار استخارہ اور تفویض اور توکل پر ہے۔ (مظاہر حق، صفحہ ۵۳۴، جلد ۴)

مسئلہ:۔ پنجشنبہ (جمعرات) اور شنبہ (ہفتہ) کی صبح کو اکثر رسول اللہ ﷺ سفر فرمایا کرتے تھے۔ (رکن دین، صفحہ ۱۴۶، بحوالہ احیاء العلوم)

نوٹ:۔ سفر کیلئے مستحب تو یہ ایام ہیں لیکن یہ کوئی ضروری اور فرض نہیں ہے بلکہ جب موقع اور سہولت ہو تو سفر کر لیا جائے لیکن آداب سفر وغیرہ کا خیال رکھا جائے (محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

کیا جمعہ کے دن سفر کر سکتے ہیں؟

مسئلہ:۔ جمعہ کے دن جمعہ کی نماز سے پہلے سفر کرنا بہتر نہیں مگر جائز ہے اور اذان کے بعد نماز جمعہ سے پہلے سفر کرنا حرام ہے۔ (اگر جمعہ نکلنے کا اندیشہ ہو۔)

(کنز صفحہ ۳۴۵، جلد ۳، و فتاوٰی عالمگیری، صفحہ ۶۲، جلد ۳)

سفر کرنے کا مستحب طریقہ

مسئلہ:۔ جب کوئی شخص اپنے وطن سے سفر کرنے لگے تو اس کیلئے مستحب ہے کہ دو رکعت نماز (نفل) گھر میں پڑھ کر سفر کرے اور جب سفر سے آئے تو مستحب ہے کہ پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ لے، اس کے بعد اپنے گھر جائے۔ (درمختار وغیرہ)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی اپنے گھر میں ان دو رکعتوں سے بہتر کوئی چیز نہیں چھوڑتا جو سفر کرتے وقت پڑھی جاتی ہیں۔ (طبرانی)

نبی ﷺ جب سفر سے تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ لیتے تھے۔ (صحیح مسلم)

مسافر کو بھی یہ مستحب ہے کہ اثناء میں سفر جب میں کسی منزل پر پہنچے اور وہاں قیام کا ارادہ ہو تو بیٹھنے سے قبل دو رکعت نماز پڑھ لے۔

(شامی علم الفقہ، صفحہ ۴۶، جلد ۲، کتاب الفقہ، صفحہ ۵۳۰، جلد اول)

رات کے وقت سفر کرنا؟

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم رات کے وقت چلنا اپنے لئے ضروری سمجھو کیونکہ رات کے وقت زمین لپیٹ دی جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم کسی سفر کیلئے گھر سے نکلو تو محض دن کے وقت چلنے پر قناعت نہ کرو بلکہ تھوڑا (اگر پیدل یا اونٹ وغیرہ پر سفر کرو تو) رات کے وقت بھی (اگر امن ہو تو) چلا کرو کیونکہ رات میں سفر آسانی کے ساتھ طے ہوتا ہے اور اس خیال سے مسافر کی ہمت میں سفر میں کوئی بار نہیں ہوتا کہ ابھی میں نے بہت تھوڑا فاصلہ طے کیا ہے جب کہ حقیقت میں وہ کافی فاصلہ طے کر چکا ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اول تو رات کے وقت چلنے کے علاوہ کوئی شغل نہیں ہوتا، دوسرے فاصلے کی علامت ونشانات پر نظر نہیں پڑتی اور یہ چیزیں راستہ پر نظر میں سفر کو بھاری کر دیتی ہیں۔ چنانچہ اسی مفہوم کو زمین کے لپیٹ دیئے جانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ دن کے وقت بالکل چلو ہی مت، چنانچہ دوسری احادیث میں یہ حکم بیان فرمایا گیا ہے کہ اپنا سفر دن کے ابتدائی حصہ اور آخری حصہ میں طے (کرنے کی کوشش) کرو اور کچھ حصہ رات کے وقت بھی چلو۔

(مظاہر حق، صفحہ ۵۴۱، جلد ۴)

(مطلب یہ ہے کہ رات میں بھی سفر کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ مسافر اپنی سہولت کو دیکھے، شریعت نے کوئی خاص دن و وقت مقررہ ضروری نہیں کیا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

اُمت کے حق میں صبح کے وقت کے لئے دُعا

حضرت صخرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا (یوں دعا دی) ''اے اللہ! میرے اُمت کیلئے دن کے ابتدائی حصہ میں برکت عطا فرما، یعنی اگر میری اُمت کے لوگ دن کے ابتدائی حصہ (صبح) میں طلب علم میں مشغول ہوں یا اپنے ذریعہ معاش میں منہمک ہوں اور یا سفر وغیرہ کریں تو اس میں انہیں برکت حاصل ہو۔'' چنانچہ آنحضرت ﷺ جب کوئی چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ فرماتے تو اس کو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ فرماتے۔

اور صخرہؓ جو ایک تاجر (بزنس مین) تھے (اس دعا کی برکت حاصل کرنے کیلئے) اپنا تجارتی مال دن کے ابتدائی حصہ ہی میں روانہ کرتے تھے، چنانچہ وہ مالدار ہوئے اور ان کے مال میں بہت اضافہ ہوا۔ (مظاہر حق، صفحہ ۵۴۱، جلد ۴)

سفر کے آداب

رسول اللہ ﷺ جمعرات کے دن سفر میں جانے کو پسند فرماتے تھے۔ (بخاری)

اور تنہا سفر کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا بلکہ دو آدمیوں کے ساتھ سفر کرنے کو بھی ناپسند فرمایا اور اس کی ترغیب دی کہ کم از کم تین آدمی ساتھ ہوں (ترمذی) اور چار ساتھی ہوں تو بہت ہی اچھا ہے۔ (ابوداؤد)

آپ ﷺ نے فرمایا: جب سفر میں تین آدمی ساتھ ہوں تو ایک کو امیر بنالیں۔ (ابوداؤد)

آپ ﷺ نے فرمایا: سفر میں جس کے پاس اپنی ضرورت سے فاضل کھانے پینے کی چیزیں ہوں تو ان لوگوں کا خیال کرے جن کے پاس اپنا توشہ نہ ہو۔ (مسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا: جب لمبے سفر سے واپس آؤ تو رات کو اپنے گھر میں نہ جاؤ۔ (بخاری شریف)۔ (اگر پہلے سے اطلاع کردی گئی تو کوئی حرج نہیں)

آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو چاشت کے وقت مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے اور پہلے مسجد میں جاکر دو رکعتیں پڑھتے پھر تھوڑی دیر لوگوں کی ملاقات کیلئے وہیں تشریف فرما رہتے۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ نے فرمایا: سفر میں اپنے ساتھیوں کا سردار وہ ہے جو ان کا خدمت گزار ہو۔

(اسلامی آداب، صفحہ ۲۲، و مظاہر حق، صفحہ ۵۴۲، جلد ۴)

سفر میں جن لوگوں کے پاس کتا یا گھنٹی ہو ان کے ساتھ (رحمت کے) فرشتے نہیں ہوتے۔

(مسلم۔ اسلامی آداب، صفحہ ۲۳، مظاہر حق صفحہ ۵۳۵، جلد ۴)

جب سرسبزی کے زمانے میں جانوروں پر سفر کرو تو اونٹوں (اور دوسرے جانوروں) کو ان کا حق دے دو، جو زمین ہے یعنی انکو چراتے ہوئے لے جاؤ۔

(مظاہر حق، صفحہ ۵۳۶، جلد ۴)

اور جب خشک سالی میں سفر کرو (جب کہ جنگل میں گھاس پھونس نہ ہو) تو رفتار میں تیزی اختیار کرو (تاکہ جانور جلدی منزل پر پہنچ کر آرام پالے) اور ایک روایت میں ہے اس سے پہلے سفر ختم کردو کہ جانور بالکل بے جان ہوجائے۔ (مسلم)

جانوروں کی پشتوں کو منبر نہ بناؤ۔ (مظاہر حق، صفحہ ۵۴۴، جلد اول) (مطلب یہ کہ باتیں کرنے کے لیے جانور کی پشت پر سوار ہو کر نہ کھڑے رہو بلکہ اگر کسی سے بات کرنی ہے تو اس کی پشت پر سے اتر کر اپنی حاجت پوری کرو اور پھر اس پر سوار ہو جاؤ، خواہ مخواہ جانور کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی سواری موٹر کار، اسکوٹر وغیرہ کو بھی اس پر قیاس کرنا چاہیئے کہ بلاوجہ رکنا یا بند کیئے بغیر اس پر سوار رہنا غلط ہے کیونکہ یہ پٹرول وغیرہ کی فضول خرچی ہے جو اللہ کو ناپسند ہے۔ (رفعت قاسمی غفرلہ)

جب منزل پر پہنچ جائیں تو جانوروں کے کجاوے اور زینیں کھول دیں بعد میں نفل نماز میں یا کسی اور کام میں مشغول ہوں۔ صحابہ کرامؓ کا یہی عمل تھا۔ (ابوداؤد)

اور جب رات کو جنگل میں پڑاؤ ڈالو تو راستہ میں قیام کرنے سے پرہیز کرو، کیونکہ رات کو طرح طرح کے جانور اور زہریلے کیڑے مکوڑے نکلتے ہیں اور راستے میں پھیل جاتے ہیں۔ (مسلم)

جانور کے گلے میں تانت (پلاسٹک کی رسی وغیرہ) مت ڈالو کیونکہ اس سے گلا کٹ جانے کا خطرہ ہے۔ (بخاری)

جب کسی منزل پر اُترو تو سب اکھٹے قیام کرو اور ایک ہی جگہ رہو اور دُور دُور قیام نہ کرو (ابوداؤد)

اور جب کوئی شخص اپنی سواری پر بٹھانے لگے اور آگے بیٹھنے کی درخواست کرے تو اُسے بتادو کہ آگے بیٹھنے کا تمہارا ہی حق ہے، اگر پھر بھی وہ آگے بیٹھنے کی درخواست کرے تو قبول کرلو۔ (ترمذی و مظاہر حق، صفحہ ۵۴۵، جلد ۴)

سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے، تمہیں نیند اور کھانے پینے سے روکتا ہے، لہٰذا جب وہ کام پورا ہو جائے جس کے لیے تم گئے تھے تو جلد گھر واپس ہو جاؤ۔

(بخاری و مسلم و اسلامی آداب از صفحہ ۲۲ تا ۲۵)

مسئلہ:۔ اگر سواری کسی جانور پر ہے تو اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ اس پر رکھنا جائز نہیں (احیاء)

مسئلہ:۔ جانور کے منہ پر نہ مارے کہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

مسئلہ:۔ جانور کی پیٹھ پر نہ سوئے کیونکہ اس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے۔

مسئلہ :۔صبح وشام کچھ دیر کے لیے جانور کی پشت سے اُتر کر پیدل بھی چلے یہی سلف صالحین کی سنت ہے، اس میں جانور بھی کچھ آرام حاصل کرلے گا اور اپنے پاؤں بھی کھل جائیں گے۔

مسئلہ :۔ضروری ہے کہ جس کا جانور کرایہ پر کیا (یا جس سواری پر سوار ہو) اسکو ٹھیک ٹھاک بتادیا جائے کہ فلاں فلاں سامان اس پر رکھوں گا۔

مسئلہ :۔حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی سوار اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو فرشتہ اس کے ساتھ ہوجاتا ہے اور اگر فضول اشعار اور گانے میں مشغول ہے تو شیطان سفر میں جاتا ہے۔(رفیق سفر، صفحہ ۱۴ بحوالہ طبرانی، کنز، صفحہ ۳۴۱، جلد ۳)

کہیں پڑاوڈالو تو وہاں نہ زیادہ جگہ گھیرو اور نہ راستہ روکو۔(مظاہر حق، صفحہ ۵۴۶، جلد ۴)

سفر کا ارادہ کرنے سے پیشتر جن کے حقوق دبائے ہوں ان کے حوالہ کرے اور قرض خواہوں کا قرض بے باق کرے اور جن لوگوں کا خرچ دینا اپنے ذمہ ہو اس کی فکر کرے اور کسی کی امانت ہو تو وہ مالک کے پاس پہنچائے اور توشہ سفر مال حلال سے اتنا زیادہ ہو کہ اس میں سے رفیقوں کو دینے کی بھی گنجائش ہو۔(احیاء العلوم، صفحہ ۲۱۲، جلد ۲)

(یہ اس لیے کہ موت کا اطمینان نہیں تاکہ حقوق باقی نہ رہیں۔رفعت قاسمی)

مسئلہ :۔آنحضرت ﷺ جب سفر کیا کرتے تھے اپنے ساتھ پانچ چیزیں لے جاتے تھے:۔
(۱) آئینہ (۲) سرمہ دانی (۳) مسواک (۴) کنگھی (۵) سوئی دھاگہ وقینچی۔

(احیاء العلوم، صفحہ ۴۲۰، جلد ۲ وامداد الفتاویٰ)

تنہا سفر کرنے کی ممانعت کی وجہ؟

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اگر لوگ اس چیز کو جو تنہا سفر کرنے سے درپیش آتی ہے اتنا جان لیں جتنا میں جانتا ہوں تو کوئی سوار رات میں کبھی سفر (کرنے کی ہمت) نہ کرے۔"(بخاری)

تشریح:۔"اس چیز سے" دینی اور دنیاوی نقصانات مراد ہیں، چنانچہ دینی نقصان تو یہ ہے کہ تنہائی کی وجہ سے نماز کی جماعت میسر نہیں ہوتی اور دنیاوی نقصان یہ ہے کہ کوئی غم خوار ومددگار نہیں ہوتا کہ اگر کوئی ضرورت یا کوئی حادثہ پیش آئے تو اس سے مدد حاصل ہوسکے،

سواراور رات کی قید اسلئے لگائی گئی ہے کہ سوار کو پیادہ کی بہ نسبت زیادہ خطرہ رہتا ہے اور خصوصاً رات میں۔ (مظاہر حق، صفحہ ۵۳۵، جلد۴)

رفیق سفر کو امیر بنانا

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر (مثلاً سفر میں) تین شخص ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو امیر بنالینا چاہیئے۔ (ابوداؤد)

تین شخص سے مراد جماعت ہے کہ جس کا ادنیٰ درجہ تین آدمی ہیں۔ ویسے یہ حکم اس صورت کے متعلق بھی ہے کہ جبکہ دو آدمی بھی ساتھ سفر کر رہے ہوں۔

حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی سفر میں ایک سے زائد لوگ ہوں تو اس صورت میں ان میں سے اس شخص کو اپنا امیر وسردار مقرر کرلیا جائے جو سب سے افضل ہو اور کسی کو امیر سردار بنالینے کا حکم اسلئے دیا گیا ہے کہ اگر دوران سفر کسی معاملہ میں آپس میں کوئی نزاعی صورت پیدا ہوجائے تو اس امیر وسردار کی طرف رجوع کرلیا جائے اور وہ فیصلہ کرے اس کو تسلیم کرکے اپنے نزاع کو ختم کردیا جائے۔

اور امیر وسردار کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ وہ اپنے تمام رفقاء سفر کے حق میں خیرخواہ ومہربان اور غمگسار رہو اور اپنی سرداری کو اپنے لیے محض وجہ افتخار سمجھ کر کسی بُرائی میں مبتلا نہ ہو بلکہ حقیقی معنیٰ میں اپنے آپ کو ان کا خادم سمجھے۔ (مظاہر حق، صفحہ ۵۴۲، جلد۴)

بہترین رُفقاء سفر

حضرت عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (مثلاً کسی سفر کے) بہترین ساتھی اور رفقاء وہ ہیں جو (کم از کم) چار کی تعداد میں ہوں۔

تشریح:۔ چار رفقاء اور ساتھیوں کو ''بہترین'' اسی اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ فرض کیجیئے اگر ان چاروں میں سے کوئی ایک بیمار ہوجائے اور وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوکر اپنے تین ساتھیوں میں سے کسی ایک ساتھی کو وصیت کرے تو باقی دو ساتھی اس کی وصیت کے گواہ ہوجائیں۔ ویسے علماء کرام نے لکھا ہے کہ پانچ ساتھی چار سے بہتر ہیں بلکہ پانچ سے بھی جتنے

زیادہ ہوں اتنے ہی بہتر ہوں گے اور یہاں حدیث شریف میں ''چار'' کا ذکر کر کے گویا ادنیٰ درجہ بیان کیا گیا ہے۔ (مظاہر حق، صفحہ ۵۴۲، جلد ۴)

سفر میں کم سے کم کتنے رفیق ہوں

حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ سفر میں کم سے کم تین افراد ہونے چاہئیں۔ اول تو وہ جماعت سے نماز ادا کریں اور دوسرے یہ کہ اگر ایک شخص کو دوران سفر کسی ضرورت سے کہیں جانا پڑے تو وہ دو باقی رہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی دل بستگی واطمینان کا ذریعہ بنیں اور اس شخص کا آنے میں دیر ہو جائے تو دونوں میں سے ایک اس کی خبر گیری کرے اور تاخیر کا سبب جاننے کے لیے چلا جائے اور دوسرا سامان وغیرہ کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ (مظاہر حق، صفحہ ۵۴۲، جلد ۴) (یہ سب مستحبات میں سے ہیں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

اپنے رفقاء سفر کیساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سفر کے دوران) چلتے وقت (تواضع وانکساری کی وجہ سے اور دوسروں کی مدد وخبر گیری کے پیش نظر قافلہ سے پیچھے رہا کرتے تھے۔

اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال انکسار سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس بلند مقام پر تھے اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے حق میں کس قدر مہربان اور خیر خواہ تھے کہ ان کی راحت پر اپنی راحت کو کبھی ترجیح نہیں دیتے تھے۔

(مظاہر حق، صفحہ ۵۴۴، جلد ۴)

مسئلہ: ۔منزل پر پہنچ کر تمام رفقاء سفر کو ایک ہی جگہ اکٹھا ٹھہرنے کے لیے حکم فرمایا کرتے تھے اور اس پر صحابہ کرامؓ اتنا عمل کرنے لگے تھے کہ جب کسی منزل پر اُترتے تو آپس میں اتنے پاس پاس ٹھہرتے کہ کہا جانے لگا کہ اگر ان سب پر ایک ہی کپڑا پھیلا دیا جائے تو سب کو ڈھانک لے۔

سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ رہتے اور کوئی کام سب کو کرنا ہوتا، مثلاً کھانا وغیرہ پکانا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کام کاج میں ضرور حصہ لیتے تھے مثلاً ایک سفر میں

سب اصحاب نے کھانا پکانے کا ارادہ کیا اور ہر ایک نے الگ الگ کام لیا تو حضور ﷺ نے لکڑیاں چن لینے کا کام اپنے ذمے لیا۔ (زاد المعاد)

(اُس زمانے میں جنگل میں لکڑیوں کو چُننے، جمع کر کے استعمال کرنے کی عام اجازت تھی اور اب بھی بعض علاقوں میں ہے۔) (محمد رفعت قاسمی)

جب مقصد سفر پورا ہو جائے

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے جو تمہیں نہ تو (آرام وراحت سے) سونے دیتا ہے اور نہ (ڈھنگ سے) کھانے پینے دیتا ہے، لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص (کہیں سفر میں جائے اور) اپنے سفر کی غرض کو پورا کر لے (یعنی جس مقصد کے لیے سفر کیا وہ مقصد پورا ہو جائے) تو اس کو چاہیئے کہ اپنے گھر والوں کے پاس آجانے میں جلدی کرے۔ (بخاری ومسلم)

''سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ سفر اپنی صورت کے اعتبار سے جہنم کے عذاب کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔

جیسے جسمانی تکلیف اور روحانی اذیت کے اعتبار سے کسی شخص کے حق میں سفر پریشانیوں اور صعوبتوں کا ذریعہ ہونے سے کم نہیں ہوتا، خصوصاً اُس دور میں جبکہ آج کی طرح سفر کے تیز رفتار واطمینان بخش ذرائع نہیں تھے، لوگ سفر کے دوران کیسی کیسی پریشانیاں برداشت کرتے تھے اور کیسی کیسی مصیبتوں سے دوچار ہوتے تھے جس کا صحیح اندازہ آج کے دور میں نہیں لگایا جا سکتا۔

حدیث میں سفر کی بطور خاص دو پریشانیوں کا جو ذکر کیا گیا ہے کہ سفر کے دوران نہ تو وقت پر اور طبیعت کے موافق کھانا پینا ملتا ہے اور نہ آرام وچین کی نیند نصیب ہوتی ہے، وہ محض مثال کے طور پر ہے ورنہ سفر میں تو نہ معلوم کتنے ہی دینی ودنیاوی اُمور فوت ہوتے ہیں، جیسے جمعہ کی نماز، گھر اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق بروقت ادا نہیں ہوتے اور گرمی وسردی کی مشقت وتکلیف اور اسی طرح کی دوسری پریشانیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔

(مظاہر حق، صفحہ ۵۱۷، جلد ۴)

سفر میں رات کے وقت آپ ﷺ کے آرام کی کیفیت

آنحضرت ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ جب آپ ﷺ سفر پر ہوتے اور رات کے وقت کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے اور رات کا کچھ حصہ باقی ہوتا تو داہنی کروٹ پر لیٹ کر آرام فرماتے جیسا کہ غیر سفر میں داہنی کروٹ پر لیٹنے کی عادت مبارکہ تھی اور اگر ایسے وقت پڑاؤ ڈالتے کہ رات کا تقریباً پورا حصہ گزر چکا ہوتا اور صبح ہونے والی ہوتی تو اس صورت میں آپ ﷺ پوری طرح لیٹنے کی بجائے دست مبارک کو کھڑا کر لیتے اور اس کی ہتھیلی پر سر رکھ کر آرام فرماتے ایسا اس وجہ سے کیا کرتے تھے کہ غفلت کی نیند نہ آجائے اور فجر کی نماز قضا نہ ہو جائے اگرچہ داہنی کروٹ پر سونے کی صورت میں بھی غفلت کی نیند طاری نہ ہوتی۔

(مظاہر حق، صفحہ ۳۹۱، جلد ۵)

رخصت ہوتے وقت سلام کرنا

حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو۔

تشریح:۔ حدیث شریف کے الفاظ ''فودعوا اهله'' جو وداع سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گھر سے باہر جاتے وقت اپنے اہل وعیال کو سلام کے ذریعہ وداع کہو، اسی لیے بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس رخصتی سلام کا جواب واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ یہ سلام اصل میں دعا اور وداع ہے اور اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنے اہل وعیال کے پاس سلام کو ودیعت (امانت) رکھو۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تم نے رخصت ہوتے وقت اپنے اہل وعیال کو سلام کیا تو گویا تم نے سلام کی خیر و برکت کو اپنے اہل وعیال کے پاس امانت رکھا جس کو تم آخرت میں واپس لوگے جیسا کہ کوئی شخص اپنی چیز کسی کے پاس امانت رکھتا ہے اور پھر اس کو واپس لے لیتا ہے۔

اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ تم سلام کو اپنے گھر والوں کی ودیعت (امانت وسپردگی) میں دے دو تا کہ تم لوٹ کر ان کے پاس آؤ تو اپنی ودیعت (امانت) کو واپس لے

لو جیسا کہ امانتیں واپس لی جاتی ہیں۔
یہ بات گویا اس امر کی نیک فال لینے کے مترادف ہے کہ گھر سے رخصت ہونے والا سلامتی کے ساتھ لوٹ کر آئے گا اور اس کو دوبارہ سلام کرنے کا موقع ملے گا۔ (انشاء اللہ)
(مظاہر حق، صفحہ ۳۴۹، جلد ۵)

مسافر کو رخصت کرنے کا طریقہ

مسئلہ: ۔کسی ملاقاتی یا مہمان کو رخصت کرنے کے وقت مکان کے باہر تک اس کے ساتھ جانا یا سفر کا ارادہ کرنے والے کو شہر سے باہر یا تھوڑی دور تک پہنچا دینا مسنون و مستحب ہے۔
حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ اور خود جناب رسول اللہ ﷺ جب کسی کو سفر پر روانہ فرماتے تو اس کے ساتھ کسی قدر دُور تک جاتے تھے۔
حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مہمان کے ہمراہ گھر کے دروازہ تک جانا مسنون ہے۔یعنی رسول اللہ ﷺ ایسا کیا کرتے تھے۔(ابن ماجہ، الجواب المتین، صفحہ ۴۴)

رخصت کرتے وقت کی دُعا

کسی کو رخصت کرتے وقت آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ اس کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیتے تھے اور فرماتے یعنی دعا دیتے تھے: ((**استودع اللہ دینک وامانتک وخواتیم عملک**)) ''تمہارا دین، تمہاری امانت اور خاتمہ والے اعمال کو میں خدا کے سپرد کرتا ہوں، وہ انکی حفاظت فرمائے۔''
اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کو رخصت کرنے کے وقت مصافحہ فرمانا بھی آپ ﷺ کا معمول تھا۔(معارف الحدیث، صفحہ ۲۲۳، جلد ۵ و مظاہر حق ص ۲۲۵، جلد ۳، و حصن حصین، صفحہ ۱۲۷)

اور جب مسافر چلا جائے تو اس کے لیے یہ دعا کرے: ((**اللھم اطول لہ بعدہ وھون علیہ السفر**)) ''اے اللہ خیر و عافیت کے ساتھ اس کی مسافت طے کرادے اور سفر کو اس کے لیے آسان کردے۔'' (حصن حصین، صفحہ ۶۸)

(اگر یہ دعائیں یاد نہ ہوں تو کم از کم آیت قرآنی: ﴿فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظاً وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ (پارہ ۱۳) یا خدا حافظ ہی کہہ دے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

سوار ہونے کے وقت کی دعا

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپ ﷺ سفر پر جاتے اور اُونٹ پر سوار ہوتے تو پہلے تین دفعہ اللہ اکبر کہتے اور اس کے بعد:

((سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الیٰ ربنا لمنقلبون، اللھم انا نسئلک فی سفرنا ھذا البر والتقویٰ ومن العمل ماترضیٰ اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفة فی الاھل والمال، اللھم انی اعوذبک من وعثاء السفر وکابة المنظر وسوءِ المنقلب فی الاھل والمال))

تشریح:۔ اس دعا کا ایک ایک جزو اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے پہلی بات اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اونٹ پر سوار ہونے کے بعد سب سے پہلے تین دفعہ "اللہ اکبر" کہتے تھے۔

اس زمانہ میں خاص کر اونٹ جیسی سواری پر سوار ہونے کے بعد خود سوار کو اپنی بلندی و برتری کا احساس یا وسوسہ پیدا ہو سکتا تھا، اسی طرح دیکھنے والوں کے دلوں میں اس کی عظمت و بڑائی کا جو خیال آسکتا تھا، رسول اللہ ﷺ تین دفعہ اللہ اکبر کہہ کر اس پر تین ضربیں لگاتے تھے اور خود اپنے کو اور دوسروں کو بتاتے تھے کہ عظمت و کبریائی بس اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کہتے تھے: **سبحان الذی**، الخ

اس میں اس کا اعتراف و اظہار ہے کہ اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دینا اور ہم کو اس طرح اس کے استعمال کی قدرت دینا بھی اللہ ہی کا کرم ہے، ہمارا کوئی کمال نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ فرماتے **((وانا الیٰ ربنا لمنقلبون))** یعنی جسطرح آج ہم یہ سفر کر رہے ہیں، اسی طرح ایک دن اس دنیا سے سفر کر کے ہم اپنے خدا کی طرف جائیں گے جو اصل مقصود و مطلوب ہے اور وہی سفر حقیقی سفر ہوگا اور اس کی فکر اور تیاری سے بندے کو کبھی غافل نہ رہنا چاہیئے اور اسکے بعد پہلی دعا آپ کرتے کہ "اے اللہ! اس سفر میں

مجھے نیکی اور پرہیزگاری اوران اعمال کی توفیق دے جن سے تو راضی ہو۔" بلاشبہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے بندوں کے لیے سب سے اہم مسئلہ یہی ہے، اس لیے ان کی اولین دعا یہی ہونی چاہیئے ۔اس کے بعد آپ ﷺ سفر میں سہولت کی اور سفر جلدی پورا ہوجانے کی دعا کرتے اوراس کے بعد آپ ﷺ اللہ کے حضور میں عرض کرتے: "اے اللہ! تو ہی سفر میں میرا حقیقی رفیق وساتھی ہے اور تیری ہی رفاقت ومدد پر میرا اعتماد ہے اور گھربار اوراہل وعیال جن کو میں چھوڑ کر جارہا ہوں، ان کا نگہبان اور نگران بھی تو ہی ہے اور تیری نگہبانی پر بھروسہ ہے۔یعنی سفر میں بھی تیری رحمت سے عافیت وسہولت نصیب رہے اور واپس آکر بھی خیر وعافیت دیکھوں۔"

(معارف الحدیث، صفحہ ۲۱۷، جلد ۵، ومظاہر حق، صفحہ ۲۱۸، جلد ۳ وحصن حصین، صفحہ ۱۷۱، واحکام حج صفحہ ۲۵)

نوٹ:۔اگر کسی شخص سے یہ لمبی دعا یاد نہ ہوسکے تو کم ازکم یہ آیت شریفہ ہی یاد کرلے یا ترجمہ ہی اپنی زبان میں یاد کرے۔((سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنالہ مقرنین وانا الیٰ ربنا لمنقلبون))(پارہ ۲۴ سورۃ الزخرف)

سفر میں خوف کے وقت کی دُعا

اگر کسی موقع پر (سفر وحضر میں) دشمن وغیرہ سے ناگہانی نقصان پہنچنے کا خوف ہو تو سورۃ لایلف قریش اخیر تک پوری پڑھے۔

حضرت ابوالحسن قزوینی فرماتے ہیں کہ یہ سورت ہر نقصان ومضرت سے امان دینے والی ہے، آزمودہ عمل ہے۔(حصن حصین، صفحہ ۱۷۰)

دورانِ سفر پڑھنے کی دُعائیں

(۱) ,, اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم اصبحتنا فی سفرنا واخلفنا فی اھلنا،،

"اے اللہ تو ہی سفر کا ساتھی ہے اور تو ہی اہل وعیال میں (ہمارا) قائم مقام ہے۔ اے اللہ تو ہمارے سفر میں ہمارا رفیق بن جا اور ہمارے اہل وعیال میں ہمارا قائم مقام (اور محافظ) بن جا۔(حصن حصین، صفحہ ۱۷۴)

(۲) اور جب کسی بلندی (پہاڑی وغیرہ) پر چڑھے تو اللہ اکبر کہے اور جب اترے تو سبحان اللہ کہے۔

(۳) اور اگر سواری کے جانور کو ٹھوکر لگے (ایکسیڈنٹ وغیرہ ہو جائے) تو فوراً بسم اللہ کہنا چاہیئے یا ((انالله وانااليه راجعون)) (پارہ۲، سورۂ بقرہ) پڑھنا چاہیئے (حصن حصین، صفحہ ۱۷۳)

(۴) اور جب تک سفر میں رہے وقتاً فوقتاً یہ پانچ سورتیں پڑھ لیا کرے "قل يا ايها الكفرون" (پوری سورت) "اذاجاء نصر الله" (پوری سورت) "قل هو الله احد" (پوری سورت) "سورۃ الناس" (پوری سورت) اور ہر سورت کو "بسم الله الرحمٰن الرحيم" سے شروع کرے اور اسی پر ختم۔ ان کے پڑھنے سے سفر میں خیر و برکت اور سفر میں خوش حالی و فارغ البالی نصیب ہوتی ہے۔ (حصن حصین، جلد ۱۷۷)

مسافر کی دُعا قبول ہوتی ہے

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ تین دعائیں قبول کی جاتی ہیں، ان کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ایک تو باپ کی دعا اور دوسری مسافر کی دعا اور تیسری مظلوم کی دعا۔

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح:۔ مسافر کی دعا کے بارے میں دو احتمال ہیں یا تو یہ کہ مسافر کی دعا اس شخص کے حق میں قبول ہوتی ہے جو اس کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرتا ہے اور اس کی بددعا اس شخص کے حق میں قبول ہوتی ہے جو اسکو تکلیف و ایذا پہنچاتا ہے اور اس کے ساتھ بُرا سلوک کرتا ہے یا پھر یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ مسافر کی دعا مطلقاً قبول ہوتی ہے خواہ اپنے لئے کرے یا دوسرے کے لئے۔ (مظاہر حق، صفحہ ۹۲، جلد ۳، باب الدعا)

بوقتِ سفر آپ ﷺ کن چیزوں سے پناہ مانگتے تھے؟

حضرت عبداللہ ابن سرجسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کرتے تو پناہ مانگتے، سفر کی مشقت اور محنت سے، واپسی کی بُری حالت سے اور اعمال صالح اور اہل و مال میں

زیادتی کے بعد نقصان سے، مظلوم کی بددعا سے اور واپس آکر اہل و مال کو بُری حالت میں دیکھنے سے۔ (مظاہر حق، صفحہ ۲۱۸، جلد ۳)

کسی بستی میں داخل ہونے کی وقت کی دعا

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے (فرماتے ہیں) کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب وہ بستی دکھائی دیتی جس میں آپ ﷺ جانے کا ارادہ رکھتے تھے تو تین مرتبہ کہتے: ''اللّٰھم بارک لنا فیھا'' اور اس کے بعد یہ دعا فرماتے ''اللّٰھم ارزقنا حیاھا و حبّبنا الیٰ اھلھا و حبب صالحی اھلھا الینا'' (معارف الحدیث، صفحہ ۲۲۰، جلد ۵، حصن حصین، صفحہ ۱۷۶)

قیام گاہ میں قیام کرتے وقت کی دعا

حضرت خولہؓ بنت حکیم کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی نئی جگہ (خواہ حضر و سفر میں) آئے اور پھر یہ کلمات کہے تو اس کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی جب تک کہ وہ اس جگہ سے نہ چلا جائے اور وہ کلمات یہ ہیں:

''اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق''

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص ان مذکورہ بالا کلمات کو صبح و شام تین تین مرتبہ پڑھے گا تو اس دن زہریلے جانوروں سے حفاظت حاصل رہتی ہے۔

(معارف الحدیث، صفحہ ۲۲۰، جلد ۵ و مظاہر حق، صفحہ ۲۱۹، ج ۳، و حصن حصین ۱۷۶)

(یعنی ریلوے اسٹیشن یا بس اسٹینڈ، ایئرپورٹ وغیرہ پر اُترتے وقت یہ مذکورہ دعا پڑھے گا۔ تو انشاء اللہ حفاظت بھی رہے گی اور سنت پر عمل بھی ہوگا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

مسافت قصر کی حد

قرآن وحدیث میں مسافتِ قصر کی کوئی حد بیان نہیں کی گئی بلکہ مطلقاً سفر ذکر کیا گیا ہے۔

قصر نماز کے باب کی احادیث پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ

جہاں جہاں قصر نماز کا ذکر کیا گیا ہے آپ ﷺ کے قصر نماز پڑھنے کو بیان کیا گیا ہے، ان تمام مواقع کی مسافت میں فرق ہے، بعض مسافت کم ہے اور بعض مسافت زیادہ ہے، آپ ﷺ کے بعد صحابہؓ تابعینؒ اور دوائمہ، علماء نے اُمت کی آسانی کے لیے اپنے اپنے اجتہاد کے ذریعہ اور غور وفکر سے حد مقرر کی ہے کہ اس حد سے کم مسافت میں نماز قصر نہیں ہوسکتی بلکہ پوری ہی پڑھی جائے گی اور اس مسافت یا اس سے زائد مسافت کی صورت میں قصر واجب ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے مسافت قصر کے سلسلے میں تین منزل کی حد مقرر کی ہے اور ایک منزل اتنی مسافت پر ہو کہ چھوٹے دنوں میں قافلہ صبح کو چل کر دو پہر کے بعد منزل پہنچ جائے۔

اس سلسلے میں اگر چاروں ائمہ کے مسلک کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت اور نتیجہ کے اعتبار سے سب کا یکساں ہی مسلک ہے کیونکہ حنیفہ کے نزدیک مشہور مسلک کے مطابق مسافت قصر اڑتالیس ۴۸ میل (سواستر کلومیٹر) مقرر ہے۔

طحاوی کے قول کے مطابق شوافع کے یہاں سولہ فرسخ مقرر ہے اور سولہ فرسخ حساب کے اعتبار سے ۴۸ اڑتالیس میل سواستر کلومیٹر کے برابر ہیں۔ اسی طرح حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔ لہٰذا چاروں مسلکوں میں مسافت قصر اڑتالیس میل ہوئی۔ واللہ اعلم۔ (مظاہر حق جدید، صفحہ ۲۳۲، جلد ۲)

مسئلہ: ۔ ہمارے نزدیک معمول کے سفر قصر کے لیے اڑتالیس ۴۸ میل یعنی سواستر کلومیٹر سولہ میل کی ایک منزل قرار دی گئی ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۴۴۴، جلد ۴، وآپ کے مسائل، صفحہ ۳۷۹، جلد ۲ ورد المحتار باب صلاۃ المسافر، صفحہ ۷۳۵، جلد اول، ومظاہر حق، صفحہ ۲۲۰، جلد ۳)

(آج کل مسافروں کے لیے سہولت یہ ہوگئی ہے کہ ٹکٹ پر مسافتِ سفر لکھی ہوئی ہوتی ہے کہ مسافر کو جہاں جانا ہے وہ یہاں سے کتنے کلومیٹر ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

مدتِ قصر

مسئلہ: ۔ مسافر کو اس وقت تک قصر کرنا چاہیئے جب تک کہ اپنے وطن اصلی نہ پہنچ جائے یا کسی مقام پر کم سے کم پندرہ دن ٹھہرنے کا قصد نہ کرے، بشرطیکہ وہ مقام ٹھہرنے کے لائق ہو، اگر کوئی شخص دریا میں ٹھہرنے کی نیت کرے یا دار الحرب میں یا اسی طرح جنگل میں تو اس نیت

کا کچھ اعتبار نہ ہوگا، ہاں خانہ بدوش لوگ اگر جنگل میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کریں تو صحیح ہو جائے گی اس لیے کہ وہ جنگلوں میں ہی رہنے کے عادی ہوتے ہیں۔

مسئلہ :۔ اگر کوئی اس مقدار مسافت کو طے کرنے سے پہلے ہی جس کا سفر میں اعتبار کیا گیا ہے کسی مقام پر ٹھہرنے کی یا اپنے وطن لوٹ جانے کی نیت کرے تو وہ مقیم ہو جائے گا۔ اگر چہ پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی ہو، اب یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے سفر کے ارادہ کو ختم کر دیا۔ (مظاہر حق، صفحہ ۲۲۰، جلد۲، وآپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۴، جلد۲، ومعارف القرآن صفحہ ۵۳۳، جلد۲ کتاب الفقہ ۷۷۲، جلد۱)

دورِ حاضر میں مسافت قصر

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ذیل کے بارے میں مسافت سفر سے متعلق علامہ شامیؒ نے تین اقوال نقل فرمائے ہیں: ۱۵ فرسخ / ۱۸ فرسخ۔ ۲۱ فرسخ اور یک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ کتب فقہ میں جس میل کا ذکر ہے اس سے شرعی میل مراد ہے، انگریزی میل مراد ہونا بعید ہے اور ۱۵ فرسخ میں ۴۵ میل اور ۱۸ فرسخ میں ۵۴ میل اور ۲۱ فرسخ میں ۶۳ میل ہوتے ہیں۔ اور ۱۶ فرسخ کا بھی ایک قول نقل کرتے ہیں اس وقت میل کلومیٹر سے ملانے کی سخت ضرورت ہے، اگر ۱۶ فرسخ والا قول لیا جائے تو ۴۸ میل ہوتے ہیں اور ایک میل شرعی دو ہزار گز کا ہوتا ہے اور ایک میل انگریزی ۱۷۶۰ گز کا ہوتا ہے اور مفتی شبیر احمد صاحب مفتی مدرس شاہی نے بڑی تحقیقات کے ساتھ میل اور کلومیٹر میں تطبیق دی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ میل شریعت کے اعتبار سے ۴۸ میل میں ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر ہوتا ہے اور ۴۸ میل شرعی میں ۸۷ کلومیٹر، ۷۸۲ سینٹی میٹر ہوتا ہے اور انگریزی میل کے اعتبار سے ۴۸ میل انگریزی ۷۷ کلومیٹر ۲۴۸ میٹر ۵۱ سینٹر دو ملی لیٹر ہوتا ہے اور بعض اکابر نے ۴۸ میل انگریزی کا بھی اعتبار کیا ہے مگر فقہ کی کسی کتاب میں اس کی تحقیق نہیں ملتی ہے، لیکن فقہ کی کتاب میں یہ بات البتہ ملتی ہے کہ مسائل میں جب اختلاف ہو جائے تو امام کے قول کو ترجیح دی جائے گی اس لیے ۴۸ میل شرعی میں جو ۸۴ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر سے کم ہوتا ہے اس سے کم کی مسافت میں قصر نہیں کرنا چاہیے۔ (مستفاد ایضاح المسائل، صفحہ ۶۸ تا ۱۱۷)۔

نیز حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نے احسن الفتاویٰ میں قریب قریب اسی کی تائید فرمائی ہے اگرچہ انہوں نے انگریزی میل کے قول کو حضرت تھانویؒ کی طرف نسبت کرنے کو غیر صحیح کہا تھا اور بعد میں اس سے رجوع کرلیا ہے مگر پھر بھی وہ اپنی اسی تحقیق پر قائم ہیں تو کیا ان دونوں مفتیوں کی تحقیق صحیح ہے اور اگر ان مفتیوں کی تحقیق صحیح نہیں ہے تو حضرت والا سے درخواست ہے کہ براہ کرم میل شرعی میں کلومیٹر کا کیا حساب بیٹھتا ہے اپنی تحقیق سے آگاہ فرمائیں۔ دورِ حاضر کے لحاظ سے مسافت کے لیے کلومیٹر کتنا ہوتا ہے؟ جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

(والسلام محمد رفعت قاسمی خادم دارالعلوم دیوبند، ۲۸ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ)

جواب:۔ باسمہ سبحانہ وتعالیٰ وباللہ العصمۃ التوفیق۔ حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ سفر شرعی کی مسافت کی تعیین میں حضرات صحابہ، تابعین ائمہ مجتہدینؒ مختلف ہیں۔ عمدۃ القاری شرح بخاری وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی روایات بھی اس بارے میں مختلف ہیں مگر صحیح اور راجح مذہب امام صاحبؒ کا یہ ہے کہ میلوں وغیرہ سے کسی مقدار کی تحدید نہ کی جائے بلکہ تین دن میدانی علاقہ میں پیدل چل کر جس قدر مسافت انسان باآسانی طے کرسکتا ہے وہی مسافت شرعی ہے۔ ایک روایت امام صاحبؒ کی یہ ہے کہ آپ نے سفر شرعی کی مسافت تین منزل قرار دی ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس کا حاصل بھی تقریباً وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا (تین دن کی مسافت)۔ الغرض جمہور مشائخ احنافؒ نے میلوں کے ساتھ تعیین کا اعتبار نہیں کیا اس لیے کہ تین دن کی مسافت اصل مذہب ہے جو راستہ وغیرہ کے اختلاف سے مختلف ہوسکتی ہے، اسی کے ساتھ ساتھ بہت سے فقہاء کرامؒ نے میل اور فراسخ کے بھی تعیین فرمائی ہے اور ان کے اقوال بھی مختلف ہیں۔ ہندوستان کے عام بلاد میں چونکہ راستے تقریباً یکساں ہوتے ہیں، اس لیے محققین علماء ہند نے میلوں کی تیعن فرما کر اڑتالیس میل انگریزی مسافت قصر قرار دے دی ہے کیونکہ عند الفقہاء اوقات معہودہ میں اتنی ہی مسافت باآسانی پیادہ مسافر یہاں کے ہموار عام راستوں میں طے کرسکتا ہے۔ پہاڑی اور گھاٹیوں والے راستوں کی صحیح کیفیت اور چلنے والوں میں متوسط قویٰ والے آدمی کی

رفتار وغیرہ لکھ کر ارباب فتویٰ سے مسافت قصر کی تقریبی تعیین کرالی جائے (والبسط یطلب من جواہر الفقہ المجلد الاول) اڑتالیس میل انگریزی بحساب چکرورتی برابر ستتر کلومیٹر دوسو اڑتالیس میٹر اور دو ملی لیٹر ہوتے ہیں، (تقریباً سوا ستتر کلومیٹر) اتنی مسافت پر محققین حضرات قصر کے واجب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں اور یہ قول پندرہ فرسخ والے قول کے قریب ہی ہے۔

تنبیہ:۔ یہ بات بھی دھیان میں رکھنے کے لائق ہے کہ فرسخ والے اقوال احناف کا اصل مذہب نہیں بلکہ تقریبی مقدار ہیں۔ پس ان ہی اقوال پر بنیاد رکھتے ہوئے ماعدا کی بالکلیہ نفی کردینا روایت و درایت دونوں کے خلاف ہے۔ نیز بعض محققین علماء اڑتالیس میل سے کم اور بعض اس سے زیادہ کے قائل ہیں پس اڑتالیس میل انگریزی والا قول اعدل واوسط الاقاویل ہے اس لیے بھی ہمارے نزدیک اسی کو ترجیح حاصل ہے اور صاحب احسن الفتاویٰ زادمجدہ نے بھی اڑتالیس میل انگریزی کی طرف تقریباً رجوع فرمالیا ہے (ملاحظہ ہو احسن الفتاویٰ جلد۴، باب صلوٰۃ المسافر، صفحہ ۱۵) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم، ھذا ما کتبہ احقر الزمن العبد محمود حسن غفرلہٗ بلندشہری خادم دار الافتاء، دار العلوم دیوبند ۱۴۱۴/۹/۲۲ یوم الجمعہ۔ اصاب الی الحق العبد نظام الدین غفرلہٗ۔ الجواب صحیح محمد ظفیر الدین وکفیل الرحمٰن نشاط۔ الجواب صحیح محمد طاہر عفااللہ عنہ۔ الجواب صحیح حبیب اللہ عفااللہ عنہ۔**

قصر کون سی نماز میں؟

مسئلہ: ۔ تین رکعت یا دو رکعت کے فرائض میں قصر نہیں ہے قصر صرف چار رکعت کے فرائض یعنی ظہر، عصر، عشاء میں ہے۔ (علم الفقہ، صفحہ ۱۳۰، جلد۲، ومظاہر حق، صفحہ ۲۲۸ ج ۲، وکتاب الفقہ صفحہ ۷۵۸، جلد اول واحکام سفر صفحہ ۳۶) مغرب و فجر اور سنن اور وتر میں قصر نہیں ہے۔ (معارف القرآن، صفحہ ۵۴۴، جلد۲)

مسافر کی شرعی تعریف

سفر شرعی جس کے لیے احکام مخصوص ہیں، تین شرطوں پر موقوف ہے۔ اول:۔ یہ کہ سفر کم از کم اتنی دور کا ہو جس کو پیادہ (پیدل) چلنے والے بسہولت تین دن میں طے کرسکیں خواہ ریل وغیرہ کے ذریعہ ایک دو گھنٹہ ہی میں طے ہوسکتا ہے، جس کی مقدار آج کل اڑتالیس میل ہے مگر پہاڑوں اور دریاؤں میں یہ تعداد معتبر نہ ہوگی، بلکہ تجربے سے جو مقدار تین روز کی مسافت ثابت ہو وہی ٹھیک سمجھی جائے گی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ابتداء سفر ہی سے اتنی دور جانے کا مقصد ہو اور اگر ابتداء دس بیس میل کے سفر کا قصد (خیال وارادہ) کر کے گھر سے نکلا اور وہاں پہنچ کر پھر آگے جانے کی ضرورت پیش آگئی اور یہاں سے تیس میل اور آگے چلا گیا اور وہاں پہنچ کر پھر آگے جانے کی ضرورت پیش ہوئی تو یہ شخص اس وقت تک شرعی مسافر نہ کہلائے گا جب تک کہ ایک دفعہ اڑتالیس میل (سوا ستتر کلومیٹر) کا قصد نہ کرے۔ خواہ ساری عمر پھرتا رہے اور ساری دنیا میں پھر آئے۔ (شامی)

تیسری شرط یہ ہے کہ سفر کا قصد کر کے اپنی جائے اقامت کی آبادی سے باہر نکل جائے محض قصد کر لینے سے مسافر نہ ہوگا، بلکہ اپنی بستی سے باہر نکلتے ہی اس پر مسافر کے احکام جاری ہو جائیں گے اگر اپنی بستی کے باغات یا ریلوے اسٹیشن آبادی کے اندر یا اس سے ملا ہوا ہو تو اسٹیشن پر وہ مسافر شرعی نہ ہوگا۔ (بلکہ اسٹیشن سے باہر نکل کر مسافر شرعی مانا جائے گا جبکہ اسٹیشن بستی سے خارج نہ ہو۔ (احکام سفر، صفحہ ۳۵، از مفتی شفیعؒ)

مسافر کہاں سے مانا جائے گا؟

مسئلہ:۔ جب کوئی شخص قصر عائد کرنے والی مسافت اڑتالیس میل یعنی سوا ستتر کلومیٹر کے سفر کا ارادہ کر کے اپنی قیام گاہ سے روانہ ہو کر اپنی بستی سے آگے چلا جائے تب نماز قصر پڑھے، خواہ وہ اس شہر کا باشندہ ہو یا نہ ہو۔

پس اگر کوئی شخص شہر (اپنی بستی) سے روانہ ہوا تو جب تک ادھر کے مکانات سے

گزر نہ جائے جدھر سے وہ (سفر پر) روانہ ہوا، نماز قصر نہ پڑھے اگر چہ دوسری جانب اس کے مقابلہ میں مکانات ہوں (یعنی اپنی بستی) شہر کی حدود سے باہر نکلنا ضروری ہے نیز یہ ضروری ہے کہ تمام ہی مکانات سے گزر جانے پر تحقیق سفر ہوا گر چہ وہ مکانات متفرق ہوں لیکن وہ (اس مسافر کے) شہر کے مکانات کہے جاتے ہوں۔

مسئلہ: ۔اگر کوئی ایسا محلہ ہو جو شہر سے منقطع (الگ) ہو گیا جو پہلے شہر میں شامل تھا تو جب تک اس سے نکل نہ جائے نماز قصر نہ کرے، بشرطیکہ وہ مکانات آباد ہوں، ہاں اگر وہ مکانات غیر آباد ہوں جن میں کوئی بستا نہ ہو تو (مسافر قرار دیئے جانے کے لیے) ان سے آگے جانے پر تحقق سفر موقوف نہیں ہے۔

مسئلہ: ۔تحقق سفر کے لیے ضروری ہے کہ کسی شہر کے متصل جو رہائش گاہیں اور وہ بستی جو شہر سے ملی ہوئی ہے اس سے آگے نکل جائے تب ہی وہ مسافر ہوگا۔ (جب وہ اپنے شہر کی آبادی سے باہر ہو جائے تو شریعت کی رُو سے وہ مسافر بن گیا اور جب تک اپنی آبادی کے اندر چلتا رہے تب تک وہ مسافر نہیں ہے) بخلاف ان بستیوں (آبادیوں کے) جو (شہر سے نہیں بلکہ) شہر کے بیرونی میدانوں سے ملحق (ملی ہوئی) ہیں کہ ان سے آگے جانا ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ: ۔مسافر کے لیے یہ بھی شرط نہیں ہے کہ (اس کی بستی کے) مکانات نظر سے اوجھل ہو جائیں (تب ہی سفر سمجھا جائے) مثلاً کوئی شخص چھولداری یا خیموں سے روانہ ہوا (جو اس کی بستی سے باہر ہوتے ہیں) تو جب تک ان سب سے باہر نہ نکل جائے مسافر متصور نہ ہوگا، یہ خیمے خواہ قریب قریب ہوں یا متفرق طور پر ہوں۔

(کتاب الفقہ ۷۶۶، جلد اول وفتاوی رحیمیہ، صفحہ ۶۳۸، جلد اوّل)

(آج کل تو ہر شہر قصبہ اور دیہات وغیرہ کی حدود میں سرکاری بورڈ یعنی میل، کلومیٹر کے پتھر لگے ہوئے ہیں جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں علاقہ شروع یا ختم ہو گیا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

جنگل میں رہنے والے کہاں سے مسافر ہوں گے؟

مسئلہ: ۔اگر کوئی شخص دریائی علاقہ یا گھنے جنگل میں رہتا ہے تو جب تک دریائی علاقہ یا جھاڑ سے باہر نہ نکل جائے مسافر متصور نہ ہوگا جبکہ وہ جنگل بہت زیادہ وسیع یا اس دریا کا منبع یا اس کے گرنے کی جگہ بہت دور نہ ہو اگر ایسی صورت ہو تو صرف آبادی سے آگے جانے پر سفر کا اعتبار ہو جائیگا۔

مسئلہ: ۔تحقق سفر کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ مسافر اپنی جائے اقامت (رہنے کی جگہ) کے قریب جو فناء (میدان) ہے اُس سے آگے چلا جائے، فناء سے وہ جگہ مراد ہے جو بستی والوں کے رفاہی مقصد کے لیے مہیا کی جائے، مثلاً گھوڑ دوڑ کا میدان، قبرستان یا ملبہ وغیرہ پھینکنے کی جگہ۔اب اگر یہ فناء (میدان) کھیت سے چار سو ہاتھ لمبے میدان کے فاصلہ پر ہو تو اس سے آگے جانا (تحقق سفر کی) شرط نہیں ہے۔

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، صفحہ ۶۷۷، جلد اوّل و بہشتی زیور، صفحہ ۴۷۵
ومجمع، صفحہ ۱۶۰، جلد اول وفتاویٰ عالمگیر، صفحہ ۵۸، واحسن الفتاویٰ، صفحہ ۲۷، جلد ۴)

خانہ بدوش کہاں سے مسافر ہوں گے؟

مسئلہ: ۔خیموں میں رہنے والوں (خانہ بدوشوں) کے سفر کا آغاز اس وقت خیال کیا جائے گا جب وہ خیموں اور اس کے متعلقات، یعنی بچوں کے کھیلنے کے میدان، کوڑی کی جگہ، یا جانوروں کے باڑہ سے آگے چلے جائیں۔

اسی طرح ضروری ہے کہ اگر پڑاؤ (خیمہ) اونچی جگہ پر ہے تو اس کے نشیب سے اور اگر نشیب میں ہے تو اس کی بلندی سے گزر جانے کے بعد سفر متصور ہوگا، نیز عرض وادی سے گزر جانے پر جب کہ اس کے پاٹ سے گزر جاتا ہو سفر کا آغاز متصور ہوگا اور یہ مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ اس نشیب وفراز یا وادی کا رقبہ حد اعتدال سے زیادہ نہ ہو، اگر یہ رقبہ بہت زیادہ وسیع ہے تو صرف اس جگہ سے آگے جانے پر تحقق سفر ہوگا جہاں لوگ رات کو بات چیت کے لیے (چول وغیرہ میں) اکٹھے ہوتے ہیں، مثلاً وہ مکانات جہاں جمع ہو کر بستی کے لوگ

ایک دوسرے سے اپنی ضروریات حاصل کرتے ہیں۔

مسئلہ:۔وہ مسافر جس کی رہائش نہ مکانوں میں ہو اور نہ خیموں میں، اس کے سفر کا آغاز ان کی اقامت گاہ کی متعلقہ جگہوں سے آگے جانے پر متصور ہوگا۔(کتاب الفقہ ،صفحہ ۷۶۵،جلد ا)

خانہ بدوشوں کی نیت کا حکم

جو لوگ خانہ بدوش ہیں اور ہمیشہ جنگلوں میں خیمے ڈال کر رہتے ہیں، ان کے لیے خیمے ہی جائے اقامت سمجھے جائیں گے اور اسی لیے ان لوگوں کو ہمیشہ نماز پوری چار رکعت پڑھنی چاہیے کیونکہ عادۃً یہ دوسری بستی کی طرف منتقل ہوتے چلے جاتے ہیں۔البتہ اگر ایسا کریں کہ اڑتالیس میل کے سفر کا دفعۃً (ایک دم) ارادہ کر کے نکلیں تو مسافر سمجھے جائیں گے۔(جبکہ مسافتِ قصر پر ہو تو مسافر ہو جائیں گے)۔

(احکام سفر،صفحہ ۴۰، وبدائع صائع ،صفحہ ۱۰۱،ج ا، وامداد الفتاویٰ ،صفحہ ۵۷۹،جلد اول وعالمگیری،صفحہ ۵۹،جلد ۳، وعلم الفقہ ،صفحہ ۱۳۱،جلد ۲)

آبادی بڑھ گئی تو مسافر کس جگہ سے مانا جائے گا؟

سوال:۔آج کل شہر اتنے وسیع ہو گئے ہیں کہ بہت سی بستیاں اور گاؤں جو پہلے الگ الگ تھے، اب شہر سے ملحق ہو کر شہر کا ایک حصہ بن گئے ہیں۔مثال کے طور پر دہلی اور بمبئی اور دیگر شہر، البتہ پورا شہر مختلف محلوں، حلقوں اور کالونیوں پر مشتمل ہوتا ہے جن کے نام جُدا جُدا ہوتے ہیں اب سفر میں جانے والا شخص اپنے محلّہ یا حلقہ کی حدود سے نکل کر مسافر بنے گا یا شہر دہلی کی حدود سے نکل کر مسافر بنے گا؟ اگر مسافت شہر دہلی کی حدود سے نکل جانے پر شروع ہوتی ہے تو مزید ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شہر دہلی کی آبادی دوسرے شہر غازی آباد کی آبادی سے ملی ہوئی ہے آبادی کا تو تسلسل ہے مگر آبادی کا م حتیٰ کہ ضلع اور صوبہ بھی بدل جاتا ہے، اب شہر کی حد تک کہاں مانی جائے جہاں تک سرکاری اعتبار سے اس کی حد ہے یا جہاں تک آبادی کا تسلسل ہے؟

جواب:۔وطن اصلی یا وطن اقامت کی آبادی سے باہر جانے پر شرعی مسافر کا اطلاق ہوگا،

دوسری آبادی اگر چہ متصل ہو مگر وہ دوسری آبادی ہے، دونوں کے نام الگ الگ ہیں، حکومت اور کارپوریشن (میونسپلٹی، نگر پالیکا) نے دونوں آبادیوں کے حدود الگ الگ مقرر کیئے ہیں اس وہ دونوں دو مستقل آبادیوں (یعنی شہر) کے حدود سے تجاوز کر جائے اور اگر متصل ہونے کی وجہ سے کارپوریشن نے دونوں کو ایک کر دیا ہو تو اب وہ آبادی شہر کا محلّہ ہے اور محلّہ شہر کا جزو ہے لہٰذا اب اس سے تجاوز ہونے پر مسافت کے احکام جاری ہوں گے۔

(فتاویٰ رحیمیہ، جلد ۶، بحوالہ شامی، صفحہ ۷۲۷، جلد اول، باب صلوٰۃ المسافر ومراقی الفلاح، صفحہ ۲۳۰، جلد اول)

ریلوے اسٹیشن وایئرپورٹ کا حکم

سوال:۔ ایئرپورٹ وریلوے اسٹیشن وغیرہ پر نماز میں قصر ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ اگر اسٹیشن پر آبادی مسلسل ہے (یعنی اسی بستی میں داخل ہے) تو ابھی وہاں مسافر نہیں، پوری نماز لازم ہے، وہاں سے چلنے کے بعد سفر ہوگا تو تب قصر ہوگا۔

(فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۲۸، جلد ۱۴)

(یعنی جس جگہ اسٹیشن حدود شہر میں داخل ہو تو وہاں پر قصر کے احکامات شروع نہ ہوں گے۔ (رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسافر شرعی پر بحالت سفر قصر واجب ہے

سوال:۔ ایک شخص نے بمبئی جانے کا ارادہ کیا اور ارادہ گھر سے یہی ہے کہ سفر میں چھ ماہ رہوں گا، تو اب یہ شخص قصر کرے گا یا نہیں؟

جواب:۔ راستہ میں وہ شخص قصر کرے گا کیونکہ وہ شخص سفر شرعی کے (۴۸ میل یعنی سواستتر کلومیٹر) کے ارادہ سے گھر سے نکلا ہے لہٰذا علت قصر پائی گئی ہے، باقی بمبئی پہنچے گا اور وہاں کی نیت چھ ماہ کے قیام کی ہے تو وہاں پوری نماز پڑھے گا (راستہ میں جب کہ وہ سفر اڑتالیس میل یعنی سواستتر کلومیٹر ہے تو قصر ہی پڑھے گا وہاں پہنچ کر اگر پندرہ یوم سے زیادہ قیام کی نیت ہے تو پوری نماز پڑھے (فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۳۷۴، جلد ۴، بحوالہ ردالمحتار، صفحہ ۷۳۲، جلد اول، باب صلاۃ المسافر)

مسئلہ: ۔ سفر کی شرعی حیثیت کو ختم کرنے والی محض نیت اقامت (ٹھہرنے کی) کرنے سے قصر کا حکم باطل نہیں ہوتا جب تک کہ فی الواقع کوئی شخص اقامت اختیار ہی نہ کرلے، چنانچہ مثلاً کوئی شخص قاہرہ سے چلے اور استنبول میں پندرہ یوم یا اس سے زیادہ قیام کرنے کی نیت ہو تو جب تک سفر میں ہے قصر واجب ہوگا یہاں تک کہ وہاں پہنچ کر اقامت نہ کرلے۔

(کتاب الفقہ، صفحہ ۷۶۲، جلد اول وفتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۴۸۴، جلد ۴ وفتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۲۳۹، ونورالایضاح، صفحہ ۱۰۸)

قصر نماز کے لیے کس راستہ کا اعتبار ہے؟

سوال:۔ میرے گاؤں سے پشاور شہر کو تین راستے جاتے ہیں، ایک راستہ اڑتالیس میل کا ہے اور دوسرا راستہ چالیس میل کا ہے اور تیسرا راستہ پیدل پینتیس میل کا ہے۔ تینوں راستوں کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:۔ جس راستہ پر سفر کیا جائے اس کا اعتبار ہے اگر وہ اڑتالیس میل ہو تو قصر لازم ہے خواہ دوسرا راستہ اس سے کم مسافت کا ہو۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۰، جلد ۲ وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند، صفحہ ۴۵۲، جلد ۴، وامداد الاحکام، صفحہ ۷۲۲، جلد اول وردالمختار باب صلاۃ المسافر، صفحہ ۷۳۵، جلد اول وفتاویٰ عالمگیری، صفحہ ۱۳۶، جلد ۱، ۳ وفتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۲۴۸، جلد اول درمختار ۷۳۰، جلد اول)

سفر قصر کرنے والے راستے سے کیا اور واپسی غیر قصر والے سے

سوال:۔ ایک جگہ کے دو راستے ہیں، اگر ریل سے جاتے تو قصر لازم ہے اور پیدل کے قریب کے راستہ کو جانے سے پوری نماز پڑھے گا اگر گیا تو ریل سے اور آیا پیدل یعنی قریب کے راستہ کو تو گھر پہنچنے تک قصر پڑھے یا نہیں؟

جواب:۔ اس صورت میں واپسی میں بھی وہ شخص قصر کرے گا جب تک کہ وہ وطن میں نہ پہنچ جائے، کیونکہ اس گاؤں میں اس نے پندرہ دن قیام کی نیت نہیں کی تھی وہ گاؤں ابھی تک وطن اقامت نہیں ہوا تھا۔ (فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۴۶۴، جلد ۴)

بیک وقت دو شہروں میں مقیم کے لیے حکم

سوال:۔میری مستقل رہائش سمندری (شہر کانا ہے) میں ہے جو فیصل آباد سے تین میل پر ہے۔میں فیصل آباد میں مستقل ملازمت کرتا ہوں اور ملازمت کی وجہ سے فیصل آباد ہی کو وطن سکونت سمجھتا ہوں دوران سفر قصر نماز کے لیے کس شہر کو پیش نظر رکھنا ہوگا مستقل خاندانی رہائش کو یا جہاں ملازمت کرتا ہوں؟

جواب:۔دونوں کا اعتبار ہوگا، جس شہر سے آپ سفر شروع کریں گے وہاں کا بھی اور دوسرے کا بھی۔مثال کے طور پر آپ فیصل آباد سے سرگودھا کی طرف سفر کر رہے ہیں وہ جگہ فیصل آباد سے اڑتالیس میل یا زیادہ کی مسافت پر ہونی چاہیئے تب آپ مسافر ہوں گے اور اگر آپ فیصل آباد سے گوجرہ کی طرف سفر شروع کریں تو سمندری آتے ہی آپ مقیم ہو جائیں گے اب آگے کی جگہ اگر سمندری سے اڑتالیس میل ہو تو آپ مسافر ہوں گے ورنہ نہیں۔اسی طرح اگر آپ کو سمندری کی طرف جانا ہے، راستے میں فیصل آباد آتا ہے۔آپ وہاں پہنچ کر مقیم ہو جائیں گے۔اب اس سے آگے کی مسافت ۴۸ میل ہو تو مسافر ہوں گے ورنہ نہیں۔

(آپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۳، جلد ۲)

مسئلہ:۔شرعی مسافر کا راستہ میں کئی جگہ ٹھہرنے کا ارادہ ہے مثلاً دس دن یہاں پانچ دن وہاں اور بارہ دن وہاں لیکن پورے پندرہ دن کہیں ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تب بھی وہ مسافر رہے گا یعنی قصر کرے گا۔(بہشتی زیور، صفحہ ۴۹، جلد ۲ بحوالہ کبیری، صفحہ ۱۵۰)

(اگر منتہائے سفر اڑتالیس میل ہو تو یہ حکم ہوگا اور اگر ابتداء سفر مسافت قصر کی نیت نہ ہو تو مسافر نہ ہوگا۔رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔شرعی مسافر اگر راستہ میں کہیں ٹھہر جائے تو اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہے تو برابر وہ مسافر رہے گا۔چار رکعت والی فرض نماز دو رکعت پڑھتا رہے اور اگر پندرہ دن یا اس سے زیادہ نیت کر لی ہے تو اب وہ مسافر نہیں رہا۔پھر اگر نیت بدل گئی اور پندرہ دن سے پہلے جانے کا ارادہ ہو گیا تب بھی وہ مسافر نہ بنے گا۔نمازی پورے پڑھے، پھر جب یہاں سے چلے تو اگر یہاں سے وہ جگہ اڑتالیس میل (سوا ستتر کلومیٹر) ہے جہاں جانا ہے تو

پھر مسافر ہو جائے گا اور اگر اس سے کم ہو تو مسافر نہیں ہو گا۔

(بہشتی زیور، صفحہ ۴۸، جلد ۲، بحوالہ مراقی الفلاح، صفحہ ۲۳۱)

مسئلہ:۔ اڑتالیس میل جانے کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے لیکن گھر ہی سے یہ بھی نیت ہے کہ فلاں علاقہ میں پندرہ دن ٹھہروں گا تو مسافر نہیں رہا (یعنی یہ قصد کر لینا کہ فلاں دیہات میں ایک دو منزل قیام ہو گا) اگر یہ قصد و نیت ہو تو اُسے مسافر قرار نہ دیں گے۔

پورے راستہ پوری نماز پڑھے، پھر اگر گاؤں میں پہنچ کر پورے پندرہ دن ٹھہرنا ہوا تب بھی مسافر نہ بنے گا۔ (بہشتی زیور، صفحہ ۴۹، جلد ۲، بحوالہ مراقی الفلاح، صفحہ ۲۳۱)

قیدی کے لیے نماز قصر

مسئلہ:۔ نماز کے قصر و اتمام کا مدار اقامت اختیاری و اضطراری پر نہیں ہے بلکہ اس کا مدار پندرہ روز تک اقامت کے تیقن پر ہے، چنانچہ بیوی، خادم، غلام اور قیدی کی اقامت اختیاری نہیں ہوتی بلکہ شوہر اور مالک کی اقامت کے تابع اور غیر اختیاری ہوتی ہے۔ لہٰذا جب انہیں پندرہ روز تک شوہر اور مالک کی اقامت کا علم ہو جائے تو ان پر اتمام یعنی پوری نماز پڑھنا ضروری ہے۔

غرضیکہ جنگی قیدی کو اگر قرائن سے ظن غالب ہو جائے کہ پندرہ روز تک اُسے اسی مقام پر رکھا جائے گا تو اس پر اتمام (پوری نماز پڑھنا) ضروری ہے، قصر جائز نہیں۔

(احسن الفتاویٰ، صفحہ ۸۷، جلد ۴)

مسئلہ:۔ قیدی نے قصر لازم ہونے کے باوجود غلطی سے نماز پوری پڑھ لی اور دو رکعت پر قعدہ کیا ہے تو فرض ادا ہو گیا مگر سجدہ سہو لازم ہے اگر سجدہ سہو نہ کیا تو نماز کا اعادہ ضروری ہے اور اگر قعدہ کرنا بھول گیا تو سرے سے نماز نہیں ہوئی۔ (فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۸، جلد ۵، بحوالہ مراقی الفلاح، صفحہ ۲۴۶، جلد اول و طحطاوی، صفحہ ۲۴۵، جلد اول)

مسئلہ:۔ شہر میں امیر (کمانڈر) کی اقامت کی نیت کرنے سے فوج کا سپاہی جنگل میں مقیم ہو جائے گا۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ ۶۰، جلد ۳)

فوجی کے لیے نماز قصر

سوال:۔ ہم لوگ میدان جنگ میں شامل ہیں لیکن دس روز کہیں، بیس روز کہیں ٹھہرنا ہوتا ہے، ہم کو پہلے سے کوئی اطلاع نہیں ہوتی، چاہے ایک روز میں گھر چلے آئیں یا دس سال تک بھی نہ آئیں اس صورت میں نماز قصر پڑھیں یا نہیں؟

جواب:۔ اسی حالت میں نماز قصر ہی ادا کرنی چاہیئے۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۸۷ جلد ۴ بحوالہ ہدایہ، صفحہ ۱۴۹، جلد اول)

مسئلہ:۔ اگر اسلامی لشکر کسی جگہ کا قصد کرے اور ان کے ساتھ سائبان اور چھوٹے بڑے ڈیرے ہیں اور وہ راستہ میں کسی جگہ جنگل میں اتر کر ڈیرے کھڑے کر دیں اور پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کریں تو مقیم نہ ہوں گے، اس لیے کہ یہ سب لے چلنے کا سامان ہے مسکن نہیں ہے۔ (عالمگیری، صفحہ ۵۹، جلد ۳)

بحری جنگی مشقوں میں قصر کا حکم

بحریہ کے جہاز جب سمندر میں مختلف جنگی مشقوں کے لیے مشق یا گشت کرتے ہیں تو کیا ان میں نماز قصر پڑھنی ہوگی یا پوری جبکہ ان جہازوں کے تفصیلی حالات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) کھانے پینے اور رہائش اور دیگر تمام ضروریات زندگی جیسے گھر میں مقیم ہوتے ہیں سب مہیا ہیں، جہاز اکثر دو دنوں سے لے کر ہفتہ عشرہ تک مسلسل سمندر میں رہتے ہیں، بعض اوقات کراچی سے صرف تیس چالیس میل پر ہوتے ہیں لیکن سفر کے حساب سے وہ سینکڑوں میل ایک ہی دن میں طے کر جاتے ہیں: مثلاً کبھی ان مشقوں کے دوران مشرق کو، کبھی مغرب وشمال وجنوب کو بیس پچیس یا تیس میل قطر کے دائرہ کے اندر گھومتے رہتے ہیں تو کیا یہاں کل سفر کا حساب ہوگا یا کراچی سے فاصلہ کا؟

(۲) ایک بار مثلاً انہوں نے شرعی ۳ منزل (اڑتالیس ۴۸ میل) کراچی سے فاصلہ طے کر لیا اور پھر دو یا تین دن اس سے کم فاصلہ پر رہے اور مختلف اطراف کو چلتے رہے تو یہاں قصر ہوگی یا نہیں؟

(۳) جہاز صرف چند گھنٹوں کے لیے سمندر میں گیا کراچی بندرگاہ سے پورے اڑتالیس پچاس میل سیدھا ایک طرف گیا اور پھر سیدھا واپس بندرگاہ کو آ گیا تو کیا حکم ہے؟

(۴) جہاز چند گھنٹوں کے لیے کراچی سے روانہ ہوا پھر سیدھا ایک طرف نہیں بلکہ مختلف اطراف کو مڑتا ہوا اس نے پچاس سے زائد میل سفر کیا اور اسی طرح واپس ہوتے ہوئے پچاس سے زائد میل سفر ہوا لیکن اس دوران کبھی بھی اور کسی جگہ پر بھی کراچی سے اڑتالیس میل پر نہ تھا تو کیا حکم ہے؟

(۵) بندرگاہ سے جہاز بیس پچیس میل کے فاصلہ پر دو تین دن مشقیں کرتے رہے پھر تیسرے یا چوتھے دن اڑتالیس میل سے زائد فاصلہ پر جا کر پھر واپس آ گئے تو کیا بعد میں سب نمازیں واپسی بندرگاہ تک پوری ہوں گی یا قصر؟

(۶) کراچی سے جہاز چلا پچاس سے زیادہ میل فاصلہ تک جانے کا ارادہ تھا، پھر راستہ میں خراب ہو گیا یا کسی مصلحت کی بنا پر واپس آ گیا تو کیا نماز پوری ہو گی یا قصر؟

(۷) بعض اوقات جنگی مشقوں کی مصلحتوں کی بنا پر کسی کو بھی نہیں بتایا جاتا سوائے چند خصوصی افراد کے جو اس کام یعنی سمتوں اور فاصلوں کے معلوم کرنے پر مامور ہوتے ہیں کہ جہاز بندرگاہ سے اتنے فاصلے پر ہے تو کیا معلوم کرنا فرض ہے جبکہ ان افراد کو جن کو معلوم ہے سختی سے منع کر دیا ہو کہ کسی کو نہ بتائیں تو کیا وہاں اپنے اندازہ پر قصر یا پوری نماز پڑھیں گے۔

علاوہ ازیں بحری سفر کے بارے میں شرعی احکام سے متعلق آگاہ فرمائیں کہ کتنے میل کی مسافت پر قصر کا حکم ہے۔

(۱) دوران مشق اگر جہاز اڑتالیس میل سے کم فاصلہ کے قطر مشرق و مغرب جنوب وشمال کا چکر لگاتے ہیں تو نماز پوری پڑھی جائے گی اگرچہ کل سفر کے حساب سے سینکڑوں میل طے کر جائیں، جب تک ساحل کراچی سے اڑتالیس میل فاصلہ نہ ہو جائے قصر نہ کیا جائے۔

(۲) جب ایک بار ساحل کراچی سے اڑتالیس میل فاصلہ سفر کیا اور سفر شروع کرتے وقت اڑتالیس میل یا اس سے زائد کا ارادہ بھی تھا تو اس صورت میں روانگی کے بعد واپسی تک قصر کیا جائے۔

(۳) قصر کیا جائے۔

(۴) نماز پوری پڑھی جائے۔

(۵) اگر سفر شروع کرتے وقت اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ کا ارادہ تھا تو شروع سے قصر کیا جائے، اگر شروع سے اڑتالیس میل کا ارادہ نہیں تھا تو اڑتالیس میل ہو جانے کے بعد بندرگاہ واپسی تک قصر کیا جائے۔

(۶) جس وقت ارادہ تبدیل ہو، اس وقت سے نماز پوری پڑھی جائے، اس سے قبل قصر کیا جائے۔

(۷) ظاہر ہے کہ جہاز کے عام ملازمین کمانڈر کے تابع ہیں اور اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ متبوع یعنی کمانڈر کی نیت کا اعتبار ہوگا اور جب نیت معلوم نہ ہو سکے جیسا کہ سوال میں کہا گیا ہے کہ نیت وارادہ معلوم کرنا مشکل ہے تو اگر آفیسر نمازی ہیں تو ان کو دیکھ لیا جائے کہ کس طرح نماز پڑھتے ہیں، قصر کے ساتھ یا پوری نماز پڑھتے ہیں ورنہ تابع یعنی جہاز کے باقی حضرات اپنی حالت کا اعتبار کریں، اڑتالیس میل کے بعد قصر کریں اور اس سے پہلے تمام یعنی پوری نماز پڑھیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاویٰ از صفحہ ۸۳ تا ۸۵، جلد ۴)

مسافر کے گھر کی خبر گیری رکھنا

حج اور جہاد بڑی عظیم عبادتیں ہیں لیکن اگر کوئی اپنی عدم استطاعت کی وجہ سے یہ عظیم عبادتیں خود انجام نہ دے سکے۔ ان کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے ان عبادتوں کے ثواب میں حصہ دار بننے کا بہترین راستہ پیدا فرما دیا ہے اور وہ یہ کہ جو شخص کسی مجاہد کو جہاد کی تیاری میں مدد دے یا کسی حاجی کے سفر حج کی تیاری میں مدد کرے، اللہ تعالیٰ اس کو بھی جہاد اور حج کے ثواب میں حصہ دار بنا دیتے ہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص جہاد یا حج (وغیرہ) کے سفر پر گیا ہے تو اس کے پیچھے اس کے گھر والوں کی خبر گیری کرنا، ان کی ضروریات پوری کر دینا بھی ایسا عمل ہے جس سے انسان جہاد یا حج کے ثواب میں حصہ دار ہوتا ہے۔ سنن نسائی میں ہے کہ حضرت زید بن خالدؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

(من جهز غازيا او جهز حاجاً، او خلفه في اهله، الخ)

"جو شخص کسی مجاہد کو (جہاد کے لیے) تیار کرے، یا کسی حاجی کو (حج کے لیے) تیار کرے (یعنی اس کے اسباب فراہم کرنے میں مدد دے) یا اس کے پیچھے اس کے گھر کی دیکھ بھال کرے یا کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرائے تو اس کو ان سب لوگوں جتنا ثواب ملتا ہے، بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے ثواب میں کوئی کمی ہو۔ (اس کو بھی ثواب ملے گا)۔

(آسان نیکیاں، صفحہ ۱۲۲)

ہم سفر کا حق توبہ سے بھی معاف نہیں

جس طرح اللہ تعالیٰ نے مکان کے پڑوسی کے بہت سے حقوق رکھے ہیں اسی طرح ہم سفر کے بھی حقوق بیان فرمائے ہیں اور ہم سفر سے مراد وہ شخص جس سے خواہ پہلے جان پہچان نہ ہو، لیکن کسی سفر کے دوران وہ ساتھ ہو گیا، مثلاً بسوں، ریلوں، ہوائی جہاز وغیرہ میں اپنے قریب بیٹھنے والا، اس کو قرآن شریف کی اصطلاح میں (والصاحب بالجنب) (پارہ پنجم) "وہ ہم سفر جو تھوڑے وقت کے لیے پڑوسی بنا ہو" اس کا حق یہ ہے کہ اپنے کسی عمل سے اس کو تکلیف نہ پہنچائی جائے۔

بعض لوگ سفر میں اپنے آرام کی خاطر اپنے ہم سفروں کو تکلیف پہنچانے سے گریز نہیں کرتے، حالانکہ یہ سوچنا چاہیئے کہ سفر تو ایک مختصر وقت کے لیے ہوتا ہے جو کسی نہ کسی طور گزر ہی جاتا ہے لیکن اپنے کسی عمل سے ہم سفر کو ناحق کوئی تکلیف پہنچی تو اس کا گناہ اور شدید گناہ ہمیشہ کے لیے اپنے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔

اور یہ گناہ چونکہ حقوق العباد (انسانی حقوق) سے تعلق رکھتا ہے اس لیے صرف توبہ سے معاف نہیں ہوگا جب تک کہ وہ ہم سفر کو معاف نہ کرے، اور عموماً جن لوگوں سے سفر میں ملاقات ہوتی ہے سفر کے بعد نہ اُن سے کبھی ملاقات ہوتی ہے اور نہ اس کا پتہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن سے معافی کرالی جائے۔ اس لیے سفر کے اختتام کے بعد اس گناہ کی معافی کا عام حالات میں کوئی راستہ نہیں رہتا، اس لحاظ سے ہم سفر کو تکلیف پہنچانے کا گناہ انتہائی سنگین گناہ ہے جس کی معافی بہت مشکل ہے۔

دوسری طرف اگر ہم سفر کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے، حتیٰ الامکان ایثار سے کام

لیا جائے، اس کو راحت اور آرام پہنچانے کی کوشش کی جائے یا کم از کم اُس سے خندہ پیشانی کا معاملہ کیا جائے تو یہ بہت بڑے ثواب کا کام ہے اور معمولی توجہ سے ثواب کا ایک بڑا خزانہ اپنے لیے جمع کیا جا سکتا ہے۔ (آسان نیکیاں، صفحہ ۹۱)

سفر میں حقوق العباد کی اہمیت

انسان جس طرح انفرادی زندگی میں شریعت مطہرہ کا پابند ہے اسی طرح اجتماعی معاملات زندگی میں بھی شریعت کا مکلّف ہے، لہٰذا جب ساتھی (مسافر) ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے تو دنیا کے اندر بھی آسانی و بہتری حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں تو ہے ہی۔ چنانچہ جگہ جگہ قرآن و حدیث میں ساتھیوں اور معاشرے میں شریک افراد کے حقوق کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے چاہے وہ کسی بھی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہوں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جہاں پر عبادت کا تذکرہ فرمایا ہے وہیں پر دیگر انسانوں کے حقوق کا بھی ذکر کیا ہے۔ پانچویں پارہ میں (والصاحب بالجنب، الخ) فرما کر اس میں اس شخص کو بھی شامل کر لیا ہے جو ریل، جہاز، بس یا اور کسی مجلس میں آپ کے ساتھ بیٹھا ہو۔

اس لیے خاص طور پر مسافر پر ضروری ہے کہ ہم سفر (اپنے ساتھیوں) کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا معاملہ کرے کم از کم ان کو تکلیف پہنچانے سے احتراز کرے۔

اسی طرح گندگی پھیلانا، تھوکنا، پھلوں کے چھلکے پھیلانا، ریل یا بسوں کی کھڑکیوں سے اس طرح سے تھوکنا یا پانی گرانا کہ دوسروں پر چھینٹ پہنچے یا فلش وغیرہ کو گندا کرنا یا وہاں کا سامان چرانا کہ جس سے بعد میں آنے والوں کو تکلیف ہو جائز نہیں ہے بلکہ ڈبل گناہ ہے۔

اور اسی طرح جہاں پر سب کے حقوق برابر ہوں (عام مسافر خانہ، پلیٹ فارم وغیرہ میں) بلا ضرورت حد سے زیادہ جگہ گھیر لینا یا دوسروں کو بیٹھنے کی سہولت نہ دینا، یہ بھی غیر مناسب اُمور ہیں۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہم سفر اس کے حسن اخلاق کو یاد کر کے ذکر خیر ہی کرے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس کے اخلاق بھی درست ہو جائیں تو یہ اس کے لیے ذخیرہ آخرت ہو جائے گا۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

دارالحرب میں سفر کے احکام

مسئلہ: ۔ایک شخص دارالحرب میں امن طلب کر کے داخل ہوا اور موضع اقامت (یعنی ٹھہرنے کی جگہ) میں قیام کی نیت سے سکونت پزیر، ہوا تو اس کی نیت صحیح ہے۔ (خلاصہ)

مسئلہ: ۔اگر کوئی دارالحرب میں ہی مسلمان ہوا اور کافروں کو اس کے اسلام لانے کی خبر ہوئی اور وہ لوگ اُسے قتل کرنے کے لیے اس کو تلاش کرنے لگے، وہ خوف زدہ ہو کر اڑتالیس میل (سوا ستتر کلو میٹر) کے سفر کا ارادہ کر کے وہاں سے بھاگ گیا تو مسافر ہو جائے گا، اگر چہ کسی جگہ ایک مہینہ تک یا اس سے بھی زیادہ چھپا ہوا رہے، اس لیے کہ اب وہ اُن سے لڑنے والا ہو گیا اور یہی حکم اس شخص کا ہے جو امن مانگ کر دارالحرب میں داخل ہوا تھا اور پھر وہ لوگ اپنا عہد و پیمان توڑ کر اس کے قتل کرنے کے در پے ہو گئے۔

مسئلہ: ۔اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص دارالحرب کے کسی شہر میں مقیم تھا جب وہاں کے لوگوں نے اس کو قتل کرنا چاہا تو یہ اسی شہر میں کہیں چھپ گیا، تو یہ شخص پوری نماز پڑھے گا اس لیے کہ وہ اس شہر میں مقیم تھا اور جب تک وہاں سے باہر نہ نکلے گا مسافر نہ ہوگا۔

مسئلہ: ۔اسی طرح اگر دارالحرب میں سے کسی ایک شہر کے لوگ مسلمان ہو گئے اور دارالحرب والوں نے اُن سے لڑائی شروع کر دی، جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں تو اگر وہ اپنے شہر ہی میں ہیں تو پوری نماز پڑھیں گے۔

مسئلہ: ۔اسی طرح دارالحرب والے اگر ان کے شہر پر غالب آ جائیں اور وہ مسلمان ایک منزل چلنے کا قصد کر کے وہاں سے نکل جائیں، تب بھی وہ پوری نماز پڑھیں گے اور اگر تین منزل یعنی اڑتالیس میل کے سفر کا ارادہ کر کے نکلے ہیں تو نماز میں قصر کریں گے۔

مسئلہ: ۔اگر وہ لوگ پھر اپنے شہر میں واپس آ جائیں اور مشرکین اس شہر میں آنے سے ان کا تعارض نہ کریں تو پوری نماز پڑھیں گے، اگر مشرکین مسلمانوں کے شہر پر غالب آ جائیں اور اقامت اختیار کر لیں، پھر مسلمان اپنے شہر کی طرف واپس ہوں اور مشرکین اس کو خالی کر دیں تو دیکھیں گے کہ اگر مسلمان اس شہر میں اپنے گھر و مکانات بنا لیتے ہیں اور وہاں سے نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے تو وہ دارالاسلام سمجھا جائے گا اور اس میں پوری نمازیں پڑھیں گے

اور اگر وہاں گھر وغیرہ تعمیر کرنے کا خیال نہیں ہے بلکہ ایک مہینہ ٹھہر کر دار الاسلام میں آنے کا ارادہ ہے تو نماز قصر کریں گے۔

مسئلہ: ۔اگر مسلمانوں کا لشکر دار الحرب میں داخل ہوا اور کسی شہر پر غالب آگیا اور اس میں اپنے گھر وغیرہ تعمیر کر لئے تو پوری نماز پڑھیں گے۔(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ ۶۰، جلد ۳)

سفر میں نیت کے احکام

مسئلہ: ۔مسافر نے نماز کے وقت کے اندر نماز پڑھتے ہوئے اقامت کی نیت کرلی تو پوری نماز پڑھے، خواہ منفرد ہو یا مقتدی ہو، یا مسبوق ہو یا مدرک ہو۔ اگر لاحق ہے اور امام کے فارغ ہونے کے بعد اقامت کی نیت کرلی تو پوری نماز پڑھے اور اگر امام کے فارغ ہونے سے پہلے اقامت یعنی قیام کی نیت کی اور لاحق نے قیام کی نیت کے بعد قیام کرلیا اور نماز کا وقت ابھی باقی ہے تو چار رکعتیں پڑھے اور اگر نماز کا وقت نکل گیا ہے تو دو رکعتیں پڑھے اور اگر نماز کا وقت نکل گیا اور وہ نماز پڑھ رہا ہے، پھر اقامت کی نیت کرلی تو قصر ہی پڑھے (خلاصہ)

مسئلہ: ۔مسافر نے اگر سلام کے بعد اقامت کی نیت کی اور اس پر سجدۂ سہو واجب تھا تو اس نماز میں اس کی نیت صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس نے نماز سے نکلنے کے بعد اقامت کی نیت کی اور امام ابوحنیفہؒ وز امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق سجدۂ سہو اس سے ساقط ہو جائے گا اس لئے کہ وہ اگر سجدۂ سہو کی طرف عود (لوٹے) کرے گا تو اس کے فرض چار ہو جائیں گے اور نماز کے اندر سجدۂ سہو واقع ہوگا، اس لئے نماز باطل ہو جائے گی اور اگر سجدۂ سہو ادا کرلیا اور پھر اقامت کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور اس کی نماز کی چار رکعت ہو جائیں گی، خواہ ایک سجدہ کیا ہو یا دو سجدے کیئے ہوں۔ اگر سجدے کے اندر اقامت کی نیت کی تب بھی یہی حکم ہے، اس لئے کہ جب اس نے سجدہ کیا، تو نماز کا تحریمہ پھر عود کر آیا اور اس کی ایسی صورت ہوگئی کہ اس نے نماز کے اندر اقامت کی نیت کرلی ہے۔

مسئلہ: ۔اگر ایک شخص نماز کے شروع میں مسافر تھا اور وہ نماز اس نے قصر سے پڑھ لی پھر اسی وقت میں اقامت کی نیت کرلی تو اس کا فرض نہ بدلے گا اور اگر ابھی تک نماز نہیں پڑھی تھی یہاں تک کہ نماز کے آخر وقت میں اقامت کی نیت کرلی تو فرض کی چار رکعت ہو جائیں گی

اگرچہ اتنا وقت باقی نہیں ہے کہ جس میں پوری نماز ادا ہو سکے بلکہ تھوڑی سی نماز پڑھ سکتا ہے اور اگر وقت گزرنے کے بعد قیام کی نیت کی تو سفر کی نماز قضا کرے گا۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ ۶۱، جلد ۲)

مسئلہ: ۔نماز پڑھتے ہوئے یا نماز کے اندر ہی پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت ہو گئی تو مسافر نہیں رہا یہ نماز پوری پڑھے۔(بہشتی زیور، صفحہ ۴۹، جلد ۲، بحوالہ مراقی الفلاح، صفحہ ۲۲۲، جلد اول)

مسئلہ: ۔واضح ہو کہ جب تک سفر کی نیت نہ کی جائے قصر کرنا صحیح نہیں ہوگا چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قصر درست ہونے کے سفر کی نیت شرط ہے، لیکن سفر کے لیے دو باتیں شرط ہیں، ایک تو یہ کہ ابتدائے سفر سے ہی اس پوری مسافتِ سفر اڑتالیس میل کے طے کرنے کی نیت ہو۔اگر کوئی شخص یوں ہی منہ اٹھا کر یعنی نیت کر کے چل پڑے اور خبر نہیں کہ کہاں جانا ہے تو اس میں قصر نہ ہوگا، خواہ تمام زمین کے گرد پھر جائے کیونکہ قصر کے فاصلہ تک جانے کا ارادہ نہیں ہوا، اس بات پر سب متفق ہیں۔

دوسری شرط ارادہ کا مستقل ہونا، یعنی ارادہ میں کسی دوسرے کا تابع نہ ہو، لہٰذا جو شخص سفر میں دوسرے کا تابع ہو، اس کی نیت سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ متبوع کی نیت نہ ہو، مثلاً کوئی بیوی اپنے خاوند کے ساتھ سفر میں ہے یا سپاہی اپنے سردار کے ساتھ یا ملازم اپنے مالک کے ساتھ ہو۔اب اگر بیوی نے (بطور خود) قصر کے قابل مسافت ارادہ کر لیا، لیکن خاوند نے نہیں کیا تو بیوی کو قصر نہیں کرنا چاہیے ۔یہی حال سپاہی یا ملازم کا ہے (کہ اس کے اپنے ارادہ سے قصر عائد نہیں ہوتا) خواہ پہلے سے کسی کی نیت یہ ہو کہ موقع پاتے ہی اپنے متبوع کی ماتحتی سے علیحدہ ہو جائے گا یا ایسی نیت نہ ہو۔

مسئلہ: ۔حنیفہ کے نزدیک سفر کی نیت کے لیے بالغ ہونا شرط ہے، چنانچہ نابالغ کی نیت درست نہیں ہوگی۔

(کتاب الفقہ، صفحہ ۶۲۷، جلد اول و بہشتی زیور، صفحہ ۴۹، جلد ۲ بحوالہ مراقی الفلاح، صفحہ ۲۲۲)

نیت کی شرطیں

مسئلہ: ۔حنفیہؒ کے نزدیک سفر کی نیت کی تین شرطیں ہیں۔(۱) شروع سے پوری مسافت

قطع کرنے کی نیت کا ہونا۔(۲)ارادہ مستقل ہونا۔(۳)بالغ ہونا۔
(کتاب الفقہ ،صفحہ۷۶۳،جلداول)

بلانیت سفر کا حکم

سوال:۔ایک شخص نے تفریح کی نیت کی مگر کسی جگہ کی نیت نہیں کی، مہینوں برسوں سفر میں رہا تو کیا وہ قصر کرے؟

جواب:۔وہ شخص کہ جس نے ابتدا یا کسی موقع پر اڑتالیس میل کی سفر کی نیت نہیں کی نماز پوری پڑھے قصر نہ کرے۔(فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ۴۵۴،جلد۴ بحوالہ ردالمختار،صفحہ۷۳۳،جلداول واحکام سفر،صفحہ۴۲)

نماز میں ہی قیام کی نیت کرنا

مسئلہ:۔اگرکوئی مسافرکسی نماز کے وقت گووہ اخیروقت ہوجس میں صرف تحریمہ کی گنجائش ہو، پندرہ دن اقامت (ٹھہرنے) کی نیت کرلےتووہ مقیم ہوجائے گااوراگرابھی تک اس وقت کی نماز نہ پڑھی اورچاررکعت والی نماز ہوتواسے قصرجائزنہیں اوراگرقصرکے ساتھ نماز پڑھ چکاہوتوپھراعادہ (لوٹانے) کی حاجت نہیں۔(ردالمختاروغیرہ وعلم الفقہ ،صفحہ۱۳۳،جلد۲)

مسئلہ:۔اگرکوئی مسافرقصرنمازکی حالت میں اقامت کی نیت کرلےخواہ اول نماز میں یادرمیان میں یااخیرمیں مگرسجدۂ سہویاسلام سے پہلےتواسکووہ نمازپوری پڑھنی چاہیئے اس میں قصرجائزنہیں، ہاں اگرنمازکاوقت گزرجانے کے بعدکرے یالاحق (نماز کے دوران وضو ٹوٹ گیاپھرشامل ہوا) ہوتواس کی نیت کااثراس نماز میں نہ ہوگااوریہ نمازاگرچاررکعت والی ہوگی تواس کاقصرکرنااس میں واجب ہوگا، ہاں اس نماز کے بعدالبتہ اس کوقصرجائزنہ ہوگا۔ مثلاًکسی مسافرنےظہرکی نمازشروع کی اورایک رکعت پڑھنے کے بعدوقت نمازکاگزرگیااس کے بعداس نےاقامت کی نیت کی تویہ نیت اس نمازپراثرنہ کرے گی اوریہ نمازاس کوقصرسے پڑھناہوگی۔اوراگرکوئی مسافرکسی مسافرکامقتدی ہوااورلاحق ہوگیاپھرجب اپنی گئی ہوئی رکعتیں اداکرنےلگاتواس نےاقامت کی نیت کرلی تواس نیت کااثرنمازپرکچھ نہ پڑے گا اورنمازاگرچاررکعت والی ہوگی تواس کوقصرسےپڑھناہوگی۔(درمختاروعلم الفقہ ،صفحہ۱۳۴،جلد۲)

مسئلہ :۔اگر کسی نے اڑتالیس میل کی مسافت کا سفر شروع کیا پھر اس سفر کو پورا کرنے سے پہلے واپس آ گیا تو جب سے واپسی کا ارادہ کیا اسی وقت سے پوری نماز واجب ہوگی اور یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ مسافت سفر پوری کرنے سے پہلے ٹھہرنے کی نیت کر لی۔اس صورت میں اُسی جگہ سے جہاں پہنچ گیا ہے پوری نماز واجب ہوگی۔(یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا)۔(کتاب الفقہ ،صفحہ ۷۷۰،جلد اول،وعلم الفقہ ،صفحہ ۱۳۱،جلد ۲)

نماز میں وقت نکلنے کے بعد ٹھہرنے کی نیت کرنا؟

سوال :۔زید سفر میں تھا، اس نے غروب آفتاب سے کچھ قبل عصر کی نماز شروع کی، مگر دوگانہ نماز پوری ہونے سے قبل آفتاب غروب ہوگیا اور نماز ہی میں زید نے اس شہر میں اقامت کی نیت کر لی تو یہ دو رکعتیں پڑھے یا پوری کرے؟

جواب :۔اگر غروب آفتاب سے قبل اقامت کی نیت کی تو پوری نماز پڑھے اگر غروب کے بعد نیت کی ہو تو قصر کرے۔(احسن الفتاویٰ،صفحہ ۸۱،جلد ۴، بحوالہ ردالمختار،صفحہ ۷۷۶،جلد اول وطحطاوی،صفحہ ۳۰۳،جلد اول)

اتفاقیہ قیام کا حکم

مسئلہ :۔اگر کسی شخص نے (مسافت شرعی میں) پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کی نیت کی، یا ٹھہرنے کی نیت کے بغیر ہی ٹھہر گیا تو اس کو مسافر ہی قرار دیا جائے گا اور اس پر قصر واجب رہے گا، اگر چہ اسی حال میں برسوں (کافی عرصہ) گزر جائیں البتہ اگر مثلاً قافلہ کے آنے کا انتظار ہے اور یہ معلوم ہے کہ پندرہ یوم سے پہلے نہیں آئے گا تو ایسے شخص کو اقامت کی نیت کرنے والا تصور کیا جائے گا اور اسی حالت میں اس کو پوری نماز پڑھنا واجب ہے۔

(کتاب الفقہ ،صفحہ ۷۷۰،جلد اول وفتاویٰ دارالعلوم،صفحہ ۴۵۳،جلد ۴، ہدایہ صفحہ ۱۴۹،جلد اول، باب صلاۃ المسافر ومظاہر حق،صفحہ ۲۲۴،جلد ۲)

مسئلہ :۔کسی جگہ بلا مقصد وارادہ پندرہ روز سے زیادہ بھی قیام کی صورت میں مسافر نماز قصر کرتا رہے گا۔(مظاہر حق،صفحہ ۲۲۷،جلد ۲)

مسئلہ:۔ اتفاقیہ اسباب سے جانا ملتوی ہو گیا، پندرہ روز ٹھہرنے کا قصد پھر بھی نہیں کیا ہمیشہ جانے کا ارادہ رہتا ہے اور کوئی وجہ پیش آجاتی ہے تو قصر ہی کرتا رہے گا خواہ کتنے ہی دن اور مہینے گزر جائیں۔ (فتاویٰ محمودیہ، صفحہ۹۹)

پہلے قیام کی نیت تھی پھر بدل گئی

سوال:۔ زید مسافر نے قصبہ میں پندرہ روز قیام کی نیت کر کے چار رکعت نماز پڑھادی مگر عصر کے وقت پندرہ روز قیام کی نیت فسخ (ختم) کردی اور چار رکعت والی نماز کو دو ہی رکعت پڑھنا پڑھانا شروع کر دی تو یہ امامت و نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ مسافر کو بعد نیت عزم کے فسخ کرنے پر پوری نماز پڑھنی چاہیئے یا قصر؟

جواب:۔ زید کا پہلے بہ نسبت قیام پوری نماز پڑھنا اور بعد کو بوجہ فسخ کرنے نیت قیام کے قصر کرنا درست ہے، مسافر کو بعد فسخ کرنے نیت قیام کے قصر ہی پڑھنا چاہیئے۔

(فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ۴۷۳، جلد۴، بحوالہ ہدایہ صفحہ۱۴۹ جلد اول)

سفر غیر شرعی کے درمیان سفر شرعی کی نیت کرنا؟

سوال:۔ زید جب اپنے گھر سے چلا تو شرعی مسافر بننے (۴۸ میل کی) نیت نہیں تھی مگر درمیان سفر میں اس نے شرعی مسافر بننے کی نیت کر لی تو اب وہ کس وقت سے قصر کرے؟ مثلاً زید دہلی سے شاہدرہ آیا واپس ہونے کی نیت سے مگر شاہدرہ میں کوئی ایسی صورت پیش آئی کہ وہ کلکتہ جانے لگا تو اب وہ شاہدرہ سے نکل کر قصر کرے یا شاہدرہ میں ہی قصر پڑھے؟

جواب:۔ حامداً و مصلیاً شاہدرہ میں یہ شخص مسافر نہیں بلکہ یہاں سے سفر شروع کرنے کے بعد۔ لہٰذا شاہدرہ سے نکل کر قصر کرے اور شاہدرہ میں چونکہ بحکم مقیم ہے، اس لئے پوری نماز پڑھے۔ (فتاویٰ محمودیہ، صفحہ۲۶۰، جلد دہم بحوالہ محیط السرخسی۔ فتاویٰ ہندیہ، صفحہ۱۳۹، جلد اول)

(شاہدرہ کے بعد پھر دہلی آئے گا دہلی سے نکل کر مسافر مانا جائے گا کیونکہ راستہ میں اپنا وطن دہلی پڑے گا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

قصر کے لیے ایک ضابطہ

سوال:۔ زید ٹیکسی ڈرائیور ہے اور میرٹھ میں مقیم ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ مثلاً زید میرٹھ سے مظفر نگر کے لیے روانہ ہوا، جبکہ یہ مسافت ۳۵ میل ہے تو وہاں سے تو قصر نہیں ہوگا لیکن اگر وہاں سے دیوبند آنا پڑے تو مسافتِ قصر ہوجائے (یعنی میرٹھ سے اڑتالیس میل ہے) تو اس صورت میں قصر کرے؟

جواب:۔ اگر میرٹھ زید کا وطن اصلی ہے یا وطن اقامت ہے اور وہاں سے صرف مظفر نگر کی نیت سے چلا جو کہ ۳۵ میل ہے تو قصر نہیں کرے گا، پھر مظفر سے دیوبند کا ارادہ ہوگیا تو بھی قصر نہیں کرے، پھر دیوبند سے سہارنپور کا ارادہ ہوگیا تب بھی قصر نہیں کرے اگرچہ میرٹھ سے سہارنپور تک مسافت قصر (اڑتالیس میل) ہے مگر چونکہ ابتداء سفر کے وقت مسافت قصر کی نیت نہیں تھی اور درمیان میں بھی کسی جگہ مسافت قصر کی نیت نہیں کی، یہاں بھی (درمیان میں) نیت کی مسافت قصر سے کم کی نیت کی ہے۔

ضابطہ یہ ہے کہ جب سے پوری مسافت قصر کی نیت سے سفر ہوگا تب قصر لازم ہوگا ورنہ تھوڑی تھوڑی مسافت کی نیت سے اگر تمام دنیا میں بھی گھوم جائے تب بھی قصر نہیں کرے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۲۸، جلد اول امداد الاحکام صفحہ ۲۴۷، جلد اول)

قصر کے ممنوع ہونے کی صورتیں

مسئلہ:۔ چند اُمور کے پیش آجانے پر قصر کرنا (دو رکعت پڑھنا) ممنوع ہوجاتا ہے مثلاً اگر کسی نے پورے پندرہ روز متواتر (کسی جگہ) ٹھہرنے کا ارادہ کرلیا تو قصر کرنا منع ہوگا (یعنی فرض نماز کی چار رکعت کی جگہ دو پڑھنا) منع ہوگا۔ اگر پندرہ روز سے کم، خواہ ایک ہی ساعت کم ہو ٹھہرنے کی نیت کی تو اُسے مقیم نہ قرار دیا جائے گا اور نماز کا قصر کرنا صحیح ہوگا۔

اس کی چار شرائط ہیں:۔

اول یہ کہ عملی طور پر سفر ختم کردیا ہو۔ (اگر چلتا رہا، سفر کرتا رہا تو یہ نیت صحیح نہ ہوگی) اگر ٹھہرنے کا محض ارادہ کیا ہے لیکن سفر ابھی تک جاری ہے تو مقیم متصور نہ ہوگا اور

قصر واجب رہے گا۔

دوسری شرط یہ کہ وہ جگہ جہاں ٹھہرنے کی نیت کی ہے ٹھہرنے کے قابل ہو۔ چنانچہ اگر کسی صحرا (جنگل) میں ٹھہرنے کا ارادہ کیا۔ جہاں ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے یا کوئی ویران جزیرہ یا سمندر ہے تو اس صورت میں قصر واجب رہے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ جہاں ٹھہرنے کی نیت کی ہے وہ ایک ہی مقام ہو، اگر دو شہروں میں جن میں کسی کی تعیین نہیں کی گئی، قیام کی نیت کی ہے تب بھی ٹھہرنے کی نیت (جو مانع قصر ہو) صحیح نہ ہوگی۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ نیت کرنے والا اپنے ارادہ کا مختار ہو، اگر کسی تابع نے قیام کرنے کی نیت کی تو اس کی نیت درست نہ ہوگی اور نماز پوری پڑھی جائے گی جب تک متبوع کی نیت معلوم نہ ہو۔ (کتاب الفقہ، صفحہ ۷۷۰، جلد اول وعلم الفقہ، صفحہ ۱۳۱، جلد ۲، احکام سفر، صفحہ ۳۹، وعالمگیری، صفحہ ۵۹، جلد ۳)

مسئلہ: ۔ مسافر اپنے وطن اصلی میں داخل ہونے سے فوراً مقیم ہو جاتا ہے خواہ ایک منٹ کے لئے داخل ہو اور پھر فوراً واپس جانے کی نیت ہو۔ (احکام سفر، صفحہ ۴۰)

کیا سفر میں نماز قضاء کر سکتے ہیں؟

مسئلہ: ۔ سفر میں بعض پکے نمازی بھی نماز قضا کر دیتے ہیں اور عذر یہ کہ ایسے رش و بھیڑ میں نماز کیسے پڑھیں؟ یہ بڑی کم ہمتی اور غفلت کی بات ہے اور پھر ریل میں کھانا پینا اور دیگر طبعی حوائج کا پورا کرنا بھی تو مشکل ہوتا ہے، لیکن مشکل کے باوجود ان طبعی حوائج کو بہر حال پورا کیا جاتا ہے۔ آدمی ذرا سی ہمت سے کام لے تو مسلمان کیا، غیر مسلم بھی نماز کے لئے جگہ دے دیتے ہیں اور سب سے بڑھ کر افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض حج کے مقدس سفر میں بھی نماز کا اہتمام نہیں کرتے اور وہ اپنے خیال میں تو ایک فریضہ ادا کرنے جا رہے ہیں مگر ایک دن میں خدا کی پانچ فرض غائب کر دیتے ہیں۔ حاجیوں کو خاص طور سے یہ اہتمام کرنا چاہیئے کہ سفر حج کے دوران ان کی ایک بھی نماز با جماعت فوت نہ ہو، بلکہ ریل میں اذان و اقامت اور جماعت کا بھی اہتمام کی جائے (آپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۹، جلد ۲ و فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۲۵۶، جلد اول)

مسئلہ:۔ عام طور پر ریل گاڑیوں میں رش تو ہوتا ہے لیکن اگر ذرا ہمت سے کام لیا جائے تو آدمی کسی بڑے اسٹیشن پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ بہر حال اگر واقعی ایسی حالت پیش آجائے (کہ ہجوم ورش کی وجہ سے چلنا پھرنا ممکن ہی نہ ہو) تو اسکے سوا کیا چارہ ہے کہ نماز قضا کی جائے لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ طہارت اور وضو حد امکان سے خارج ہو یعنی نماز پڑھنا کسی طرح بھی ممکن ہی نہ ہو۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۳۹۰، جلد۲)

سفر میں وقت سے پہلے نماز پڑھنا

مسئلہ:۔ نماز کا قضا کرنا جائز نہیں، ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ مثل اوّل ختم ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھ کر سوار ہوا کریں اور مغرب کی نماز آخری وقت میں گھر آکر پڑھ لیا کریں۔ مغرب کا وقت عشاء کا وقت داخل ہونے تک باقی رہتا ہے۔ عشاء کا وقت داخل ہونے سے پہلے مغرب پڑھ لی جائے تو قضا نہیں ہوگی۔

(آپ کے مسائل، صفحہ ۳۵۲، جلد۲ و عالمگیری، صفحہ ۶۲، جلد۳)

سفر کی مجبوری کے وقت ایک مثل سایہ کے بعد نماز عصر؟

سوال:۔ بس (موٹر) کا وقت ایسا ہے کہ اگر مذہب حنفی کے موافق عصر کی نماز پڑھی جائے تو بس چھوٹ جاتی ہے اور اگر نہ پڑھی جائے تو درمیان اتنا وقت نہیں ملتا کہ نماز پڑھی جاسکے تو ایسی پریشانی کے وقت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق ایک مثل سایہ ہونے کے بعد کیا نماز پڑھنا درست ہے؟

جواب:۔ بس سے سفر کرنے میں مذکورہ پریشانی ہو تو ریل سے سفر کیا جائے اگر ریل سے بھی سفر کرنے میں یہ پریشانی اور الجھن پیش آتی ہو تو مجبوری کی وجہ سے ایک مثل سایہ کے بعد نماز پڑھ سکتا ہے اور یہ صاحبینؒ کا قول ہے (فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۱۳، جلد۵)

سفر میں دو نمازوں کا ایک ساتھ پڑھنا

سوال:۔ کیا دوران سفر وقت سے پہلے ایک نماز کے ساتھ دوسرے وقت کے نماز ادا کر سکتے ہیں؟

درود شریف پھر دعا پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں۔قصر نماز میں اسی طرح کرنا چاہیئے۔
(آپ کے مسائل، صفحہ ۳۹۲، جلد ۲)

سفر میں سنت ونفل کا حکم

مسئلہ:۔اگر مسافر سفر میں ہے اور اگر کسی جگہ نماز کے لیے ہی ٹھہرا ہے تو اس کو سنتیں پڑھنے کی ضرورت اور تاکید نہیں۔تاہم اگر عجلت نہ ہو تو پڑھنا افضل ہے البتہ اگر کسی جگہ مقیم ہے مثلاً دو چار روز کے لیے ٹھہرا ہوا ہے تو اس کو پوری سنتیں پڑھنا چاہئیں یہی قول راجح ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۱۶۳، ج ۷)

مسئلہ:۔جلدی کی صورت میں سنت فجر کے سوا دوسرے سنتوں کا چھوڑنا جائز ہے، بحالت اطمینان سنن مؤکدہ پڑھنا ضروری ہے، حضور ﷺ سے سفر میں سنتیں پڑھنا ثابت ہے۔
(اعلاء السنن، صفحہ ۱۹۰، جلد ۷، فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۴۵، جلد ۴ وشامی، صفحہ ۵۳۲، جلد اول واحسن الفتاویٰ، صفحہ ۱۷، جلد ۴)

سفر میں وتر کا حکم

مسئلہ:۔وتر واجب ہیں ان کا ترک کرنا (چھوڑنا) کسی حال میں جائز نہیں ہے، مسافر ہو یا مقیم۔فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۷۵، جلد ۴ ورد المختار، صفحہ ۴۴۲، جلد اول وترمذی باب السفر، صفحہ ۷۲، جلد اومظاہر حق، صفحہ ۲۳۲، جلد ۲)

مسئلہ:۔فجر و مغرب اور وتر کی نماز میں کوئی کمی نہیں ہے جیسے ہمیشہ پڑھتا ہے ویسے ہی پڑھے۔(بہشتی زیور، صفحہ ۴۸، بحوالہ جوہرہ نیرہ، صفحہ ۸۵)

سفر میں اذان واقامت؟

مسئلہ:۔مسافر جب سفر میں نماز پڑھے تو اذان وتکبیر کہہ لے اگرچہ تنہا ہو، اذان کی برکت سے فرشتے آکر اس میں شریک ہو جائیں گے۔اذان وتکبیر دونوں نہ کہے اور صرف تکبیر کہہ لے تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ:۔اگر سفر میں سب لوگوں کی نماز قضا ہوگئی تو اذان وتکبیر کہہ کر اس کو جماعت سے

جواب: ۔دونمازوں کو جمع کرنا حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ بلکہ ہر نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا لازم ہے البتہ سفر کی ضرورت سے ایسا کیا جا سکتا ہے۔ کہ پہلے نماز کو اس کے آخری وقت میں پڑھا جائے اور پچھلی نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھ لیا جائے، اس طرح دونوں نمازیں ادا تو ہونگی اپنے اپنے وقت میں لیکن صورتاً جمع ہو جائے گی۔

اور اگر پہلی نماز کو اس قدر مؤخر کر دیا کہ اس کا وقت نکل گیا تو قضا ہو گئی اور اگر پچھلی نماز کو اس طرح مقدم کر دیا کہ ابھی تک اس کا وقت ہی نہیں داخل ہوا تھا تو وہ نماز ہی ادا نہیں ہوگی۔ اور اس کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہوگا۔

(آپ کے مسائل، صفحہ ۱۰۹، جلد ۲، کتاب الفقہ، صفحہ ۷۸۵، جلد اول)

مسئلہ: ۔اگر اس طرح جمع کرے کہ ظہر کو اس کے آخری وقت میں پڑھے اور عصر اول وقت میں تو یہ جمع درست ہے، یہ جمع صورتاً ہے حقیقتاً نہیں، یعنی ایسا نہ کرے کہ عصر کے ساتھ پڑھے، یہ درست نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۸۵، جلد ۴ وغنیۃ المستملی، صفحہ ۵۰۷ ومظاہر حق ص ۳۳۹، جلد ۲ وفتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۲۹، جلد ۱۲)

مسئلہ: ۔حنفیہ کے نزدیک حج میں عرفات کے سوا کہ وہاں ظہر وعصر جمع کی جاتی ہیں۔ اور ظہر کے وقت میں پڑھی جاتی ہیں اور کہیں اور کسی وقت میں سفر وحضر میں جمع کرنا ظہر وعصر کا ظہر کے وقت میں درست نہیں ہے، اس طرح مغرب وعشاء حنفیہ کے نزدیک سوائے مزدلفہ کے اور کہیں جمع نہیں ہو سکتی۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۸۲، جلد ۲، بحوالہ درمختار، ص ۲۴۵، جلد اول)

سفر میں تہجد وغیرہ پڑھ سکتے ہیں؟

سوال: ۔کیا سفر میں نماز تہجد واشراق وچاشت اور جمعہ کے دن صلوٰۃ تسبیح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: ۔وقت اور فرصت، ہو تو بلاشبہ پڑھ سکتے ہیں۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۳۹۲، جلد ۲)

قصر میں درود پڑھیں؟

مسئلہ: ۔جس طرح فجر کی نماز میں دو رکعت پر بیٹھ کر پہلے التحیات للہ، الخ، پھر

ادا کریں۔(الجواب المتین،صفحہ ۱۵، وہدایہ،صفحہ ۷۶، جلداول ومشکوٰۃ ،صفحہ ۶۶، جلداول و نورالایضاح،صفحہ ۶۰، ودرمختار،صفحہ ۴۸، جلداول)

مسئلہ:۔سفرخواہ شرعی ہو یالغوی، اس میں اگرسب رفقاء موجود ہوں تواذان کہنا مستحب ہے اوراقامت سنت مؤکدہ، سفر میں تنہانماز پڑھنے کابھی یہی حکم ہے۔ریل کے ڈبہ میں چونکہ سب لوگ یکجاہی ہوتے ہیں اس لیئے اس میں باجماعت نماز ہو یا تنہا دونوں صورتوں میں اذان مستحب ہے اوراقامت سنت مؤکدہ چلتی ریل میں ایک ڈبہ کے مسافروں کا دوسرے ڈبہ والوں سے کوئی تعلق نہیں، اس لیئے ہرایک ڈبہ میں اذان واقامت مستقل ہوگی اگرچہ دوسرے ڈبہ سے اذان کی آواز پہنچ چکی ہو۔

(احسن الفتاوی،صفحہ ۲۹۴، جلد۲ وکتاب الفقہ ،صفحہ ۵۱۴، جلداول)

مسافر کے لیئے نمازِ جمعہ وتراویح کا حکم

مسئلہ:۔مسافر پرنمازِ جمعہ فرض نہیں ہے اوراگرکہیں موقع مل جائے اورنمازِ جمعہ پڑھے تو اچھا ہے،ضروری نہیں ہے، اگرجمعہ پڑھ لیا تواب ظہر کی نماز اس کے ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہے اوراگرجمعہ نہ پڑھا تو ظہر کی نماز پڑھنی چاہیئے۔

(فتاوٰی دارالعلوم،صفحہ ۴۸۷، جلد۴، بحوالہ ہدایہ،صفحہ ۱۵۲، جلداول باب الجمعہ)

مسئلہ:۔تراویح بھی سفر میں پڑھیں، اگرتراویح کے وقت کسی جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں تو جماعت سے اوراگرجماعت نہ ملے تو تنہا پڑھیں، اگرسفر کی وجہ سے قرآن پاک کی ترتیب قائم نہ رہ سکے تو معذوری ہے۔(فتاوٰی محمودیہ،صفحہ ۷۳، جلد۱۳)

مسئلہ:۔اگرچندآدمی سفر میں ہوں تو نمازِ ظہر جمعہ کے روز باجماعت پڑھ سکتے ہیں اوران کو(اگرنمازِ جمعہ نہ پڑھیں تو) ظہر باجماعت ہی ادا کرنا چاہیئے۔

(فتاوٰی دارالعلوم قدیم صفحہ ۵۸ جلداول)

مسئلہ:۔مسافر جمعہ کی نماز کا امام بن سکتا ہے۔

(فتاوٰی دارالعلوم،صفحہ ۴۸۹، جلد۴، بحوالہ ہدایہ،صفحہ ۱۵۲، جلداول)

مسئلہ:۔مسافروں اورقیدیوں کوامام کے جمعہ سے فارغ ہونے تک ظہر کی نماز پڑھنے میں

تاخیر کرنا مستحب ہے (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ ۱۷، جلد ۳)

جمعہ کی اذان کے بعد مسافر کے لیے خرید وفروخت؟

مسئلہ: ۔ جمعہ کی اذان کے بعد مسافر کے لیے خرید وفروخت یا ہوٹل میں کھانا کھانا، چائے پینا فی نفسہٖ جائز تو ہے۔ مگر مظنۂ تہمت سے بچنے کے لیے احتراز واجب (ضروری) ہے۔ کسی کو کیا معلوم کہ یہ مسافر ہے۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۱۱۷، جلد ۴)

مسافر پر نمازِ جنازہ کا حکم

مسئلہ: ۔ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے یعنی اگر بعض افراد ادا کرلیں تو سب کے ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہے۔ اگر اس جنازہ پر نماز پڑھی جاچکی ہے تو مسافر کے لیے نماز کا سوال ہی نہیں اور اگر نہیں پڑھی گئی تو بہتر یہ ہے کہ یہ مسافر بھی (جس کو راستہ میں نماز جنازہ ملے) شریک ہوجائے، ہاں اگر کچھ دشواری ہو یا اس کو جانے کی جلدی ہو اور نماز میں تاخیر ہو تو مسافر نمازِ جنازہ نہ پڑھنے سے گنہگار نہ ہوگا، یہی حال دفن کرنے کا ہے اگر موقع وگنجائش ہے تو دفن کرنے میں شریک ہوجائے ورنہ گناہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۱۹، جلد ۷)

زیارت قبور کے لیے سفر کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ: ۔ زیارت قبور کی ترغیب حدیث میں آئی ہے، یہ قید نہیں کہ اپنے شہر کی قبر کی ہی زیارت کی جائے، اس کے لیے سفر کرنے کی ممانعت بھی نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمن ابن ابی بکرؓ کی قبر کی زیارت کی ہے اور انکی قبر مدینہ طیبہ سے مسافت پر ہے۔ حدیث پاک میں مساجد کی نیت سے سفر کرنے کو منع فرمایا ہے کہ ایک مسجد کو دوسری مسجد پر فضیلت دے کر سفر مت کرو، صرف تین مساجد ہیں جن کو دیگر مساجد پر فوقیت حاصل ہے، ان کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے سفر کی اجازت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۱۵۶، جلد اول)

نماز کے لیے سفر کرنا

سوال: ۔ برہان پور میں حضرت شاہ نظام الدینؒ کے زمانہ سے مغرب کی نماز موصوف کی درگاہ

کے پاس ہوتی ہے دور دراز سے لوگ اس کے لیے سفر کر کے آتے ہیں۔ مشہور یہ کر رکھا ہے کہ جو چند سال مغرب کی نماز یہاں پڑھے تو ایک حج کا ثواب ملتا ہے۔ کیا اس طرح نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب:۔ یہ طریقہ بے اصل ہے، اس کی کوئی بنا (حقیقت) شریعت میں نہیں ہے۔ تین مساجد کے متعلق مخصوص ثواب کی تصریح احادیث میں موجود ہے۔ (۱) مسجد حرام (۲) مسجد نبوی ﷺ (۳) مسجد اقصیٰ۔ ان کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے سفر کرنے کی ممانعت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۱۲، جلد اول)

بغیر اجازت ڈھیلوں کا سفر میں استعمال کرنا؟

سوال:۔ اپنے مدرسے کے استنجے کے ڈھیلے ہم طالبعلم سفر میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر متولی اجازت دے تو شرعاً اجازت سمجھی جائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ حامداً و مصلیاً یہ ڈھیلے مدرسہ میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ سفر میں لے جانے کے لیے نہیں متولی کی اجازت سے متعلق اول تحقیق کیجیے خود متولی کو اجازت دینے کی بھی اجازت ہے یا نہیں؟ (فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۴۹۸، جلد اول)

مسافر کے لیے مسجد کی چٹائی استعمال کرنا

سوال:۔ مسافر اگر مسجد کی چٹائی لیٹنے کے لیے استعمال کرے تو کیا یہ فتویٰ کی رُو سے درست ہے اور تقویٰ کی رُو سے ناجائز؟

جواب:۔ حامداً و مصلیاً۔ فتویٰ کی رُو سے درست ہے اور تقویٰ کی رُو سے احتیاط اولیٰ ہے، حرام نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۴۷۹، جلد اول)

ریل کے سفر کے احکام

مسئلہ:۔ ریل میں بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ قیام (کھڑے ہونا) فرض ہے، بلا عذر شرعی کے بیٹھ کر پڑھنے سے نماز فرض ادا نہ ہوگی۔ (شرح منیہ امداد الفتاویٰ، صفحہ ۳۵۱، جلد اول، احسن الفتاویٰ، صفحہ ۸۹، جلد ۴، و آپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۶، جلد ۲)

مسئلہ:۔ہاں اگر کوئی شخص کسی مرض یا کمزوری کے سبب ریل کی حرکت میں کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا، گر جانے کا خطرہ ہے تو اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے جیسے زمین پر نماز کا حکم ہے کہ قیام پر قدرت نہیں رکھتا بیٹھ کر پڑھے لیکن تجربہ شاہد ہے کہ عام حالات میں لوگ چلتی ہوئی ریل میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں، مگر بہت سے لوگ ناواقفیت سے بلا وجہ بیٹھ کر نماز ادا کرتے ہیں، ان کی نماز ادا نہیں ہوتی، اعادہ یعنی نماز کا لوٹانا واجب ہے۔

(یہ مسائل ہلکی رفتار کی گاڑی کے لیے ہیں، تیز رفتار ٹرین میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن نہیں ہے) وہاں بیٹھ کر جائز ہے۔

مسئلہ:۔اگر کھڑے ہونے پر قدرت تو ہے مگر ریل میں اتنی جگہ نہیں کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکے تو مناسب یہ ہے کہ اس وقت تو بیٹھ کر نماز ادا کرلے مگر بعد میں اس کو قضا کرنا پڑے گا کیونکہ تنگی جگہ کی وجہ سے فرض قیام ساقط نہیں ہوتا۔(بحر الرائق)

مسئلہ:۔ریل گاڑی کھڑی ہو یا چل رہی ہو، اس میں نماز جائز ہے۔

(آداب السفر، صفحہ ۲۱، وعلم الفقہ، صفحہ ۱۳۰ جلد ۲، وفتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۱۲۰، جلد ۲)

مسئلہ:۔بس میں بھی بیٹھ کر نماز نہیں ہوتی، بس والوں سے یہ طے کرلیا جائے کہ نماز کے وقت کسی مناسب جگہ پر روک دے اور اگر نہ روکیں تو نماز قضا پڑھنا ضروری ہے۔بہتر ہوگا کہ بس میں جیسے بھی ممکن ہو نماز ادا کرے مگر گھر آکر نماز لوٹائے۔

(آپ کے مسائل، صفحہ ۳۹۰، جلد ۲، وآداب السفر، صفحہ ۲۲، بہشتی زیور، صفحہ ۵۰، جلد ۲ ونورالایضاح، صفحہ ۸۲، ورفیق سفر، صفحہ ۲۸، فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۲۵۳، جلد اول)

مسئلہ:۔جب اپنے شہر کی آبادی سے باہر ہو جائے تو مسافر بن جائیگا اور جب تک آبادی کے اندر اندر چلتا رہے گا تب تک مسافر نہیں ہے اور اسٹیشن اگر آبادی کے اندر ہے تو آبادی کے حکم میں ہے اور اگر آبادی سے باہر ہو تو وہاں پہنچ کر مسافر ہو جائیگا۔

(بہشتی زیور، صفحہ ۴۸، جلد ۲، بحوالہ جمع، صفحہ ۱۶۰، جلد اول، فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۶۱، جلد ۱۰، فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۲۷۴، جلد ۴)

مسئلہ:۔ریل کی سیٹی پر بھی نماز توڑ دینا درست ہے، اگر سفر نہ کرنے سے کچھ حرج ہو۔

(امدادالفتاویٰ، صفحہ ۴۶۴، جلد اول)

ٹکٹ ومحصول وغیرہ کے مسائل

مسئلہ: ۔ریل والوں کی طرف سے جس قدر اسباب بلامحصول لے جانے کی اجازت ہے اس سے زیادہ لے جانا جائز نہیں۔

مسئلہ: ۔رشوت دے کر اسباب وسامان کا وزن کم لکھوانا جائز نہیں، مثلاً ایک کوئنٹل نو کلو تھا، آپ نے وزن کرنے والے کو یا کلرک کو کچھ دے کر پورا ایک کوئنٹل لکھوادیا، اس صورت میں آپ سے دوگناہ ہوئے ایک رشوت دینے کا دوسرا بلامحصول اسباب لے جانے کا۔

مسئلہ: ۔اگر کسی صورت میں آپ سے محصول وغیرہ بلا استحقاق ظلماً لے لیا گیا تو شرعاً آپ کو اجازت ہے کہ مفت سوار ہو کر یا قاعدہ اور اجازت سے زیادہ اسباب لے جا کر اسی قدر اپنا حق وصول کرلو، لیکن دو باتوں کا خیال نہایت ضروری ہے۔اوّل یہ کہ جس کمپنی کی ریل میں تم پر ظلم ہوا تھا اسی ریل میں وصول کرنا جائز ہے، دوسری ریلوے سے نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اپنا حق وصول کرنا صورت مذکورہ میں گو جائز ہے مگر ظاہری حکام اور ملازمتوں کی گرفت اور مواخذہ کا اندیشہ ہے۔اگر خدانخواستہ کہیں بے موقع پھنس گئے تو مال کا بھی نقصان ہوگا اور عزت میں بھی خلل آئے گا اور پریشانی ہوگی اور تمہارے مسئلہ کو کوئی نہیں پوچھے گا، اس لیئے بہتر یہ ہے کہ صبر کرو اللہ تعالیٰ کے خزانہ سے بہت اجر ملے گا۔

مسئلہ: ۔اگر کبھی اتفاق سے بلاٹکٹ سوار ہوگئے یا کسی ضرورت سے بلامحصول قاعدہ سے زیادہ اسباب لے گئے اور اب شرمندگی ہوئی ہے۔اور ریل والوں کا حق ادا کرنے کو طبیعت چاہتی ہے تو آسان ترکیب یہ ہے کہ آپ نے ریل والوں کا جس قدر نقصان کیا ہے، اسی قیمت کا ٹکٹ لے کر چاک کرڈالو، اس سے نفع (سفر) نہ اٹھاؤ، دیکھیے ریل والوں کے پاس ان کا حق پہنچ گیا، مثلاً دہلی سے لکھنو تک بلاٹکٹ سفر کرلیا تھا پھر بہ توفیق خداوندامت ہوئی، تو لکھنو سے دہلی تک کا ٹکٹ لے کر ضائع کردیجیئے گا۔لیکن اس خیال کے لوگ اس زمانہ میں بہت کم ہے۔

مسئلہ: ۔اگر ریل کے ملازموں سے تعلقات ہے، ان لوگوں نے تم سے کہہ دیا کہ تم فلاں جگہ سے بلاٹکٹ سوار ہو کر یہاں آجانا تو ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔اسی طرح ایک شخص کے

نام کا پاس ہے اور قانوناً اس کو یہ اجازت نہیں کہ دوسرے شخص کو اپنے پاس سے سفر کرائے تو دوسرے کو اس پاس سے سفر کرنا درست نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ جس درجہ کا ٹکٹ ہو اس سے بڑی درجہ میں سفر کرنا درست نہیں، ہاں یہ جائز ہے کہ اپنے ٹکٹ سے کم درجہ میں بیٹھ جائے۔ لیکن اس صورت میں یہ جائز نہیں کہ جس قدر دونوں ٹکٹوں کے پیسوں میں فرق ہے اس کو کسی ترکیب سے ریل والوں سے وصول کرنے لگو، کیونکہ انہوں نے تم کو روکا نہیں ہے، تم اپنی مرضی سے کم درجہ کے ڈبہ میں بیٹھے۔

(رفیق سفر از صفحہ ۲۷ تا صفحہ ۴۰ و امداد الفتاویٰ، صفحہ ۴۴۶، جلد ۳)

ریل کے متفرق مسائل

مسئلہ:۔ جب تک ریل میں جگہ ہو خواہ مخواہ لوگوں کو دھکیلنا اور روکنا جائز نہیں ہے۔ جب مقدار پوری ہو گئی تو روکنا اور منع کرنا جائز ہے، لیکن ضعیف و غریب و پریشان مسافر کے ساتھ نرمی کرنا اور تنگی میں جگہ دے دینا بہت ثواب ہے۔

مسئلہ:۔ جب دوسرے شرکاء کی رضا نہ ہو تو استحقاق سے زیادہ جگہ گھیرنا جائز نہیں ہے، مثلاً دس مسافروں کا درجہ ہے یعنی سیٹ ہے اور دس ہی سوار ہیں تو ہر شخص کا حصہ ایک تختہ کا دسواں حصہ ہے تو اس سے زیادہ جگہ پر بلا رضامندی قبضہ درست نہیں ہے اور اگر آٹھ مسافر بیٹھے ہیں تو ایک تختہ (ایک بینچ، سیٹ) کا چوتھائی ہر ایک کا حصہ ہے، یعنی حق ہے۔

مسئلہ:۔ جو مسافر کسی ضرورت سے باہر نکلا ہو، اسکا اسباب و بستر سمیٹ کر خود اس جگہ قبضہ نہ کرنا چاہیئے۔ البتہ استحقاق سے زیادہ جگہ اسنے روک رکھی ہو تو کم کر دینا درست ہے۔

مسئلہ:۔ ریل میں جو چیز کسی کی چھوٹ گئی ہو، اس کو اٹھا کر اپنے کام میں لانا جائز نہیں، بلکہ جب مالک کے ملنے سے مایوسی ہو تو صدقہ کر دے، لیکن اگر خود محتاج ہو تو خود استعمال کر سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ ریل میں اگر کسی سے قرآن مجید چھوٹ گیا اور یہ اندیشہ ہے کہ ہم اگر نہ اٹھائیں گے تو دوسرے مسافر بے حرمتی کریں گے تو ایسی حالت میں اٹھا لے اور صدقہ کر دے۔

مسئلہ:۔ اسٹیشن پر اگر کوئی چیز خریدی اور گاڑی چھوٹ گئی، قیمت ادا نہ ہو سکی تو اس چیز کا

کھانا اور استعمال کرنا جائز ہے لیکن جس طرح بھی ممکن ہو پھر اس کی قیمت پہنچا دو۔ ہمیشہ کی آمد ورفت کا کوئی قریب کا اسٹیشن ہے تو پھر کسی معتبر شخص کی معرفت ادا کرو، اگر باوجود پوری کوشش کے نہ مل سکے تو وہ قیمت اس شخص کی طرف سے صدقہ سمجھ کر مسکین غریب کو دے دو لیکن اتفاق سے وہ پھر کہیں مل جائے اور مطالبہ کرے تو دوبارہ دینا ہوگا۔ اس صدقہ کا ثواب تم کو ہوگا۔

مسئلہ: ۔اگر تم نے کسی چیز کی قیمت پہلے دے دی اور گاڑی چھوٹ گئی، بائع (بیچنے والے) نے اس کو تمہارے پاس پھینکنا چاہا لیکن وہ گاڑی میں نہ پہنچ سکی گر کر ضائع ہوگئی تو آپ کی قیمت اس کے ذمہ باقی رہی، شرعاً اس سے وصول کرنے کا آپ استحقاق رکھتے ہو، مگر بہتر یہ ہے کہ معاف کر دو ثواب حاصل ہوگا۔ (رفیق سفر، صفحہ ۳۰ تا ۳۲)

مسئلہ: ۔اسٹیشن پر چیزیں خرید کر یا اپنا ناشتہ وغیرہ نکال کر کسی غریب آدمی کے سامنے کھاؤ تو تھوڑا بہت بقدر تناسب اس کو بھی دے دو، نیز مکان پر کئی غریب آدمیوں کو کھانا کھلانے سے زیادہ ثواب اس کا ہوگا، اگر اتنی گنجائش نہ ہو یا ہمت وتوفیق نہ ہو تو ایک طرف کو علیحدہ ہو کر پوشیدہ کھا لو، خصوصاً چھوٹے بچوں کے سامنے اس کا بہت خیال رکھو۔

مسئلہ: ۔اگر کسی غریب آدمی کا بچہ سامنے بیٹھا ہے اور کچھ اپنے بچوں کو خرید کر دیا ہے تو اس کو بھی کسی قدر ضرور دے دو، ثواب عظیم ہوگا، ورنہ دُور جا کر خریدو اور پوشیدہ طور پر کھلا دو تا کہ غریب بچہ کو حسرت نہ ہو، اس میں انشاء اللہ کسی قدر ثواب ہوگا۔

(رفیق سفر، صفحہ ۳۳ ومظاہر حق، صفحہ ۵۳۶، جلد ۴)

مسئلہ: ۔پلیٹ فارم پر جانے کے لیے جو طریقہ وراستہ قانوناً رائج ہو اسکے خلاف کرنا جائز نہیں، مثلاً کسی اسٹیشن پر قانون مقرر ہے کہ اسٹیشن ماسٹر کی اجازت ضروری ہے، تو بغیر اس کی اجازت کے وہاں جانا جائز نہ ہوگا اور اگر اسٹیشن پر یہ قانون ہے کہ بغیر ٹکٹ کے پلیٹ فارم پر جانے کی اجازت نہیں تو وہاں پر پلیٹ فارم کی ٹکٹ لینا ضروری ہے، اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں۔ (رفیق سفر، صفحہ ۳۰)

مسئلہ: ۔ایرڈروم ایئرپورٹ کے جس حصہ میں حکومت کی طرف سے جانے پر پابندی ہو وہاں بغیر اجازت جانا شرعاً جائز نہیں ہوگا۔ (آداب ملاقات، صفحہ ۵۳)

مسئلہ:۔ریل یا جہاز میں یا ریلوے پلیٹ فارم پر یا ویٹنگ روم میں جہاں سب مسافروں کا حق برابر ہے اس میں کوئی اپنا کام کرنا جس سے دوسرے مسافروں کو تکلیف ہو جائز نہیں مثلاً گندگی پھیلانا، پھل وغیرہ کھا کر چھلکے بکھیر دینا، پان کی پیک یا سگریٹ کا دھواں اس طرح نکالنا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو، سخت گناہ ہے۔حدیث شریف میں ایسے کام کرنے والے پر لعنت کے الفاظ آچکے ہیں۔

مسئلہ:۔ریل کی کھڑکیوں سے پان کی پیک یا پانی وغیرہ اس طرح ڈالنا جس سے پچھلی کھڑکیوں میں بیٹھنے والوں پر پانی کی چھینٹیں پڑ جائیں، یہ سب اُسی ایذا رسانی میں داخل ہیں

مسئلہ:۔ریل و جہاز کے غسل خانوں کو گندہ کر دینا جس سے بعد میں آنے والے کو نفرت ہو یہ بھی اُسی درجہ کا گناہ ہے (آداب السفر ،صفحہ ۲۰) (اسی طرح جہاز وغیرہ کے غسل خانوں سے جہاز کا صابن، تیل، میک اَپ وغیرہ کا سامان چُرانا، اٹھا کر لے جانا جائز نہیں ہے اور اس میں ڈبل گناہ ہے۔ایک چوری کا، دوسرے بعد میں آنے والوں کی تکلیف دہی کا۔

محمد رفعت قاسمی)

ریل میں نماز کا غلط طریقہ

مسئلہ:۔ریل میں بعض حضرات نماز اس طرح پڑھتے ہیں کہ ریل کے ایک تختہ (سیٹ) پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ جاتے ہیں جیسا کہ کرسی یا موڑھے وغیرہ پر بیٹھتے ہیں اور دوسری پر سجدہ کرتے ہیں یہ جائز نہیں ہے، ایسا کرنے سے نماز ادا نہیں ہوتی کیونکہ اوّل تو قیام (کھڑا ہونا) فرض تھا اور دوسرے یہ کہ سجدہ میں گھٹنوں کا بھی زمین پر ٹکنا ضروری تھا، وہ بھی ترک ہوا، (چھوٹ گیا)۔ریل میں اگر قبلہ ایسے رخ پر واقع ہو تو بیچ میں کچھ اسباب (سامان وغیرہ) رکھ کر ایک سیٹ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنی چاہیئے اور سامنے کے تختہ (سیٹ) پر سجدہ کرنا چاہیئے ، اگر اپنا سامان نہ ہو (رکھنے کے لیے) تو دوسرے مسافروں کا جو بہت سا اسباب ہوتا ہے ان کی اجازت سے اس کو رکھ سکتے ہیں اور اگر اسباب نہ ہو یا نہ ملے تو اسطرح نماز نہیں پڑھنی چاہیئے ،جب اسٹیشن آئے تب نماز پڑھیں، اگر ریل میں مسافر اس قدر زیادہ ہوں کہ نماز پڑھنے کی کوئی صورت نہ ہو سکے اور سجدہ و رکوع نہ ہو سکے تو نماز کو ایسی حالت میں مؤخر

کرنا چاہیئے اور اشارہ سے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے ۔ (بہشتی زیور)

ریل میں سیٹ پر بیٹھ کر نماز کا حکم

سوال:۔ ریل کے سفر میں اگر تختہ (سیٹ) پر بیٹھ کر نماز پڑھ لی جائے اور منہ قبلہ کی طرف نہ ہو تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ جو لوگ ریل کے تختہ پر بیٹھ کر نماز پڑھ لیتے ہیں، تین وجہ سے ان کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔

(۱) نماز کی جگہ کا پاک ہونا شرط ہے اور ریل کے تختہ کا پاک ہونا مشکوک ہے، چھوٹے بچے ان پر پیشاب کر دیتے ہیں۔

(۲) نماز میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی ناواقف لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سفر میں قبلہ کی پابندی نہیں، یہ غلط ہے۔ سفر میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح وطن میں ضروری ہے بلکہ شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ سفر میں نماز کے دوران اگر قبلہ کا رُخ بدل جائے تو نماز کی حالت میں ہی قبلہ کی طرف گھوم جائے، ہاں اگر سفر میں قبلہ رُخ کا پتہ نہ چلے اور کوئی صحیح رُخ بتانے والا بھی موجود نہ ہو تو خوب غور وفکر اور سوچ وبچار سے کام لے کر خود ہی اندازہ لگالے کہ قبلہ کا رُخ اس طرف ہوگا اور اسی رُخ پر نماز پڑھ لے۔ اب اگر نماز کے بعد معلوم ہوا کہ اس نے جس رُخ پر نماز پڑھی ہے وہ قبلہ کی سمت نہیں تھی اس کی نماز ہو گئی، دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں اور اگر نماز کے اندر ہی قبلہ کے رُخ کا پتہ چل جائے تو نماز توڑنے کی ضرورت نہیں، نماز کے اندر ہی قبلہ کی طرف گھوم جائے

(۳) نماز میں قیام یعنی کھڑا ہونا فرض ہے، آدمی خواہ گھر پر ہو یا سفر میں، جب تک اس کو کھڑے ہونے کی طاقت ہے بیٹھ کر نماز صحیح نہ ہوگی، اس میں مَردوں کی تخصیص نہیں، عورتوں کے لیے بھی یہی حکم ہے، بعض عورتیں بیٹھ کر نماز پڑھ لیتی ہیں یہ جائز نہیں ہے، وتر اور فرض کو بھی کھڑے ہو کر پڑھنا لازم ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی (بغیر عذر کے) البتہ نوافل بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں (آپ کے مسائل صفحہ ۳۸۹، جلد ۲، واحسن الفتاویٰ صفحہ ۸۷ جلد ۴ وفتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۲۹، جلد ۴ وامداد الفتاویٰ، صفحہ ۵۶۹، جلد اول وفتاویٰ دار العلوم صفحہ ۲۵۳، جلد اول وفتاویٰ عالمگیری، صفحہ ۵۹، جلد ۲)

کیا ریل میں بھی قبلہ ضروری ہے؟

مسئلہ :۔ریل میں نماز پڑھنے میں استقبال (رُخ) قبلہ ضروری ہے، قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز شروع کرے اور نماز پڑھنے کی حالت میں اگر ریل کا رُخ قبلہ سے بدل جائے اور نماز پڑھنے والا یہ جانتا ہے کہ ریل کا رُخ بدل گیا تو یہ بھی (نماز میں ہی) قبلہ کی طرف کو پھر جائے اگر اس کی نماز پڑھنے کی حالت میں ریل کا رُخ چند مرتبہ بدلا اور اُس نے برابر قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کی اور چار رکعتیں نماز کی چار طرف کو ادا ہوئیں تو کچھ مضائقہ (حرج) نہ سمجھے، بلکہ یوں ہی ہونا ضروری ہے اور اگر اس کو نماز پڑھنے میں ریل کا رخ بدلنے کی خبر نہ ہوئی اور ایک ہی طرف کو نماز پڑھتا گیا تو نماز ہو گئی۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۲۵۳، جلد اوّل)

مسئلہ :۔ریل کا رُخ پھرنے کا علم ہوتے ہی فوراً قبلہ کی طرف گھوم جائے، اگر نہیں گھومایا گھومنے کی جگہ نہیں تھی تو نماز دوبارہ پڑھے، البتہ اگر نماز کے بعد ریل کے گھومنے کا علم ہوا تو یہ نماز صحیح ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۸۷، جلد ۴، وفتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۲۹، جلد ۱۴)

ڈرائیور کیلئے نمازِ قصر

سوال:۔ میں ریت و بجری کا ٹرک چلاتا ہوں، کیا میں نمازِ قصر کروں؟

جواب:۔ اگر آپ کراچی (یا اپنے علاقہ) کی حدود ختم ہونے کے بعد اڑتالیس میل یعنی سواستتر کلومیٹر یا اس سے زیادہ دُور جاتے ہیں تو نماز قصر کریں سفر کی قضا شدہ نماز گھر پر ادا کی جائے تب بھی نماز قصر پڑھیں گے۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۰، جلد ۲)

مسئلہ :۔ٹرک و ریل چلانے والے ڈرائیور لوگ (جبکہ اڑتالیس میل کے سفر میں پندرہ دن سے کم پر ہوں) جب تک سفر میں رہیں گے قصر پڑھیں گے۔

(احسن الفتاویٰ، صفحہ ۸۷، جلد ۴، وفتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۳۷، جلد ۱۳)

(یعنی روزانہ دورانِ سفر قصر پڑھیں گے اور یہی حکم پائلٹ یعنی جہاز کے عملہ اور کشتی و بحری جہاز وغیرہ کے ڈرائیور کے لیے ہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

ریلوے ملازم کی نماز

سوال:۔ میں ریلوے میں ملازم ہوں، میری ڈیوٹی ٹرین کیساتھ ہوتی ہے، میں کراچی سے کوئٹہ (شہر) گاڑی سے جاتا ہوں، کوئٹہ سے کراچی روزانہ آتا ہوں۔ میری رہائش اور فیملی کراچی میں ہے تو کیا مجھے دوران سفر نماز قصر پڑھنی چاہیئے؟

جواب:۔ کراچی سے باہر سفر کے دوران آپ قصر کریں گے اور کراچی میں آکر پوری نماز پڑھیں گے۔ آپ کا سفر اگر چہ ڈیوٹی کی حیثیت میں ہے لیکن سفر کے احکام اس پر بھی لاگو ہیں (اگر اڑتالیس میل یعنی سوا ستتر کلو میٹر ہو تو)۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۱، جلد ۲ و فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۷۶، جلد ۴، و صفحہ ۴۸۶، بحوالہ رد المختار، صفحہ ۷۳۲، جلد اول و فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۱۶۵، جلد ۷)

ڈرائیور کو مالک کی نیت کا علم نہ ہو تو؟

سوال:۔ ایک شخص نے مسافرانہ نماز پڑھی، دوران نماز اس نے ارادہ کیا کہ مجھے پندرہ روز تک یہیں رہنا ہے، اس لیئے وہ تو اپنی شروع کردہ نماز پوری کر کے فارغ ہوا، اس کے ڈرائیور کو علم نہ تھا کہ مالک نے اقامت کی نیت کر لی ہے، نماز کے بعد اس کے مالک نے ڈرائیور کو بتایا، تو یہ دوبارہ پڑھے یا آئندہ سے چار؟

جواب:۔ ملازم کو جب تک مالک کی نیت کا پتہ نہ چلے اس وقت تک وہ قصر ہی پڑھے گا، لہٰذا ڈرائیور کا یہ دوگانہ صحیح ہو گیا، آئندہ پوری نماز پڑھے، لہٰذا احتیاطاً یہ نماز بھی لوٹا لے تو بہتر ہے۔ اگر یہ دونوں جماعت کر لیتے، مالک امام بنتا تو جماعت کا ثواب ہوتا اور ڈرائیور کی نماز میں بھی کوئی اشکال نہ ہوتا۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۷۷، جلد ۴)

محصول سے بچنا کیسا ہے؟

سوال:۔ بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ محصول سے بچنے کیلیئے اپنا سامان (مال وغیرہ) دوسرے مسافروں کو دے دیتے ہیں، تاکہ وزن میں کمی رہے اور محصول بالکل نہ لگے یا کچھ کم لگے، یہ کیسا ہے؟

جواب:۔ اگر دوسرے مسافروں سے یہ کہہ دے کہ میرے پاس وزن زیادہ ہے اور تمہارے

پاس کم ہے تو اس سے زائد وزن کو اپنے حصہ میں لگالو اور مجھ پر یہ احسان کرو، مجھ کو محصول نہ دینا پڑے تو اس میں کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا، جیسا کہ اپنا کچھ بوجھ کسی دوسرے حاضر کو جو ساتھ مسافر ہے دے دے کرایہ اسباب (سامان) اپنے اسباب کے وزن میں محسوب کرلے۔ (فتاویٰ، دارالعلوم قدیم، صفحہ ۶، جلد ۶)

ریلوے وغیرہ سے ضمان لینا؟

مسئلہ: ۔زیادہ محصول کا مال کم محصول میں دکھا کر منگانا حرام ہے اور بڑے افسران کی رضامندی یا اجازت اس لیئے معتبر نہیں کہ وہ ریلوے کے مالک نہیں ہیں۔

مسئلہ: ۔اصل مصارف وصول کرنا جائز ہے اور خرچہ ضروری بھی اصل مصارف کے ساتھ ملحق ہے جس میں خطوط کے ٹکٹ بھی داخل ہیں۔ (امداد الفتاویٰ، صفحہ ۴۵۰، جلد اول)

مسئلہ: ۔ریلوے کمپنی ضامن ہوتی ہے، حفاظتِ اموال کی، اس لیئے اس سے وصول کرنا درست ہے۔ (امداد الفتاویٰ، صفحہ ۳۲۱، جلد ۳)

ریل گاڑی کے پانی کا حکم

سوال:۔ریل گاڑی کے فلش میں پانی ہوتا ہے وہ پاک سمجھا جائے گا یا ناپاک، اس میں پانی ہوتے ہوئے تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں جبکہ اس پانی سے وضو کرتے ہوئے طبیعت کو کراہت معلوم ہوتی ہے؟

جواب:۔حامداً و مصلیاً: وہ پانی پاک ہے طبعی کراہت کی وجہ سے شبہ نہ کیا جائے ایسی حالت میں تیمم جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۴، جلد ۲)

ریل میں غسل جنابت کیسے کرے؟

مسئلہ: ۔عموماً ریل میں اتنا پانی موجود رہتا ہے، جس سے غسل ہوسکے، لیکن بالفرض وضو کے لیے پانی ہو، مگر غسل کے لیے بقدر کفایت پانی نہ ہو تو غسل کے لیے تیمم کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے لیے درجہ ذیل شرائط ہیں۔

(۱) ٹرین کے کسی ڈبہ میں اتنا پانی نہ ہو جس سے غسل کے فرائض ادا ہوسکیں۔

(۲) راستہ میں ایک شرعی میل کے اندر اسٹیشن نہ ہو جہاں پانی کا موجود ہونا معلوم ہو۔
(۳) ٹرین کے تختوں (سیٹوں) پر اتنی مٹی (گرد) جمی ہوئی ہو جس سے تیمم ہو سکے۔
اگر مندرجہ بالا شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو جس طرح ہو سکے اس وقت تو نماز پڑھ لے، بعد میں غسل کر کے نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ (اگر غسل کی حاجت پیش آ گئی تھی)۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۲۵، جلد ۲)

بحری سفر کی دعائیں

بحری سفر میں ڈوبنے و طوفان سے محفوظ رہنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ سوار ہوتے وقت جہاز یا کشتی میں آیاتِ ذیل پڑھے:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا ۔اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (پارہ ۱۲: سورۃ ھود)
﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ .سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (پارہ ۲۴: سورۃ الزمر)

بحری سفر میں مسافر کہاں سے ہوگا؟

سمندر کا سفر ہو تو اگر وہ سمندر کسی شہر سے لگتا ہے جیسے جدہ سے سفر ہے تو اس صورت میں جہاز کے حرکت کرتے وقت سفر شروع متصور ہوگا اس کے لئے فصیل وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اگر چہ وہ شہر فصیل والا ہو۔ (حدود کیلئے دیوار وغیرہ بنا دیتے ہیں) تاہم اگر جہاز شہر کی عمارتوں کیساتھ ساتھ چل رہا ہے تو جب تک ان عمارتوں سے آگے نہ نکل جائے نماز قصر نہ پڑھی جائے۔ (کتاب الفقہ، صفحہ ۷۶۵، جلد اول احسن الفتاویٰ، صفحہ ۹۶، جلد ۴)

بحری سفر کے احکام

مسئلہ: ۔دریا میں بذریعہ جہاز یا کشتی سے جو سفر کیا جائے اس کے بھی عام احکام وہی ہیں جو خشکی میں سفر کے ہیں، مگر چند احکام میں فرق ہے۔ ان کو بیان کیا جاتا ہے۔
مسئلہ: ۔خشکی میں تین دن کا سفر شرع کے اعتبار سے اڑتالیس میل (سوا ستتر کلومیٹر) سمجھا جاتا ہے لیکن دریا اور پہاڑ کے سفر میں یہ مسافت معتبر نہیں ہے، بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ متوسط

درجہ کی کشتی تین دن میں کتنی مسافت طے کرتی ہے وہی مسافت قصر ہوگی اگر بڑا جہاز پانی کا اس کو ایک ہی گھنٹہ میں طے کرلے، اسی طرح پہاڑ کی چڑھائی میں متوسط طاقت والا آدمی تین دن میں جتنی مسافت طے کرسکتا ہے وہ ہی مسافت سفر شرعی ہوگی اور نماز کا قصر اس پر لازم ہوگا۔ اگرچہ ہوائی جہاز یا کسی دوسری سواری میں وہ ایک گھنٹہ میں طے ہوسکے۔

مسئلہ: ۔ دریا کے سفر میں کشتی یا جہاز پر امام اعظمؒ کے نزدیک بغیر عذر کے بھی فرض نماز بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن کھڑے ہوکر پڑھنا سب کے نزدیک افضل ہے۔

(شرح نیسیہ، صفحہ ۲۷۰، واحسن الفتاویٰ)

مسئلہ: ۔ ریل کو اُس پر قیاس کرنا جائز نہیں۔ ریل میں بغیر عذر شرعی کے بیٹھ کر نماز پڑھنا بالاتفاق ناجائز ہے اور اگر کسی نے بغیر عذر شرعی کے بیٹھ کر نماز پڑھ لی تو اعادہ لازمی ہوگا اور اگر کشتی یا بحری جہاز لنگر ڈالے ہوئے (کنارہ پر) کھڑا ہے تو اس میں بلا عذر بیٹھ کر نماز جائز نہیں۔

مسئلہ: ۔ جیسے ریل کی سواری میں نماز کے وقت قبلہ کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے، اسی طرح کشتی اور پانی کے جہاز میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا فرض ہے۔ قبلہ کی شناخت دریا میں چاند، سورج اور دوسرے ستاروں سے بھی ہوسکتی ہے اور قطب نما سے بھی۔

ہوائی سفر کے احکام

مسئلہ: ۔ ہوائی سفر کے بھی عام احکام وہ ہی ہیں جو زمین پر سفر کے ہیں، البتہ ہوائی جہاز میں نماز ادا کرنے میں یہ تفصیل ہے کہ جب تک ہوائی جہاز زمین پر کھڑا ہے یا زمین پر چل رہا ہے اس وقت تو وہ ریل کے حکم میں ہے، اس پر نماز بالاتفاق جائز ہے۔

لیکن جب وہ پرواز کر رہا ہو تو اس حالت میں بھی عذر کی وجہ سے نماز جائز ہے ورنہ قواعد فقہ کی رو سے اس میں نماز جائز نہ ہونی چاہئے مگر یہ عذر ایسا ہے جو ہوائی جہاز کے سفر کے لیے تقریباً لازمی ہے کیونکہ ہوائی جہاز کو ہر جگہ نہ اتارا جاسکتا ہے اور اس کا اتارنا ہر مسافر کے اختیار میں ہے اور بغیر جہاز کو زمین پر اتارے ہوئے خود اترنے کا کوئی امکان بھی نہیں۔ اس لیئے یہ اندیشہ ہو کہ جہاز کے منزل پر پہنچنے تک نماز کا وقت ختم ہوجائے گا تو نماز ہوائی

جہاز میں جائز ہے۔

مسئلہ :۔اگر ہوائی جہاز میں نماز کھڑے ہو کر پڑھ سکتا ہے تو کھڑے ہو کر ادا کرے ورنہ بیٹھ کر پڑھے۔

مسئلہ :۔ہوائی جہاز میں اکثر تو وضو کے لیے پانی مل جاتا ہے اور اگر پانی نہ ملے تو تیمم جائز ہے بشرطیکہ منزل پر اُترنے تک نماز کا وقت ختم ہونے کا خطرہ ہے۔

مسئلہ :۔جس شخص کا ہوائی سفر طویل ہو اور یہ خطرہ ہو کہ بعض اوقات پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کی ضرورت پڑے گی تو اس کو چاہیئے کہ مٹی کا برتن ساتھ رکھ لے، اس پر تیمم ہوسکتا ہے یا کپڑے کے تھیلے میں مٹی بھر کر ساتھ رکھ لے۔ تھیلے کے اوپر تیمم ہو جائے گا جبکہ مٹی کی گرد کپڑے کے اُوپر پہنچی ہے۔

مسئلہ :۔جس طرح بحری جہاز کے سفر میں قبلہ کا استعمال (رُخ قبلہ) نماز کے لیے ضروری ہے۔اسی طرح ہوائی جہاز کے سفر میں بھی استقبال قبلہ ضروری ہے اگر قبلہ کے رُخ کا پتہ نہ چلے اور کوئی بتلانے والا بھی نہ ہو تو اندازہ اور اٹکل سے کام لے کر رُخ سیدھا کرے جس طرف اس کا اندازہ قائم ہو جائے تو وہی اس کے لیے سمت قبلہ ہے۔اگر بعد میں بالفرض اندازہ غلط بھی معلوم ہو تو نماز صحیح ہوگی، لوٹانے کی ضروری نہیں ہے۔(احکام سفر، صفحہ ۴۸، وامداد الفتاویٰ، صفحہ ۵۸۰، جلد اول وامداد الاحکام، صفحہ ۱۴۷، جلد اول ونظام الفتاویٰ، صفحہ ۲۸۰، جلد اول)

کیا بندرگاہ میں نماز قصر کرے؟

سوال: کراچی کے رہنے والے یا جہاز کے ملازم بحری جہاز سے سفر کریں تو ان کو قصر نماز کب شروع اور کب ختم کرنا چاہیئے؟

کیا جہاز میں بیٹھ جانے کے بعد جب تک جہاز ساحل سمندر پر کھڑا ہے یا اس کے روانہ ہونے کے بعد قصر کرنا شروع کرے؟

جواب: بندرگاہ اور انتظار گاہ یعنی بندرگاہ پر جگہ نہ ہونے کی صورت میں جہاں جہاز انتظار میں ٹھہرائے جاتے ہیں، فناء مصر (شہر) میں داخل ہیں، فناء مصر کے درمیان زرعی زمین اور ۱۶، ۱۳۷ میٹر کا فاصلہ نہ ہو تو احکام سفر میں فناء بحکم مصر ہے۔لہٰذا بوقت روانگی اور بوقت واپسی

دونوں صورتوں میں دو مقامات میں نماز پوری پڑھی جائے گی، البتہ جو شخص کراچی میں مقیم نہ ہو اور یہاں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہ ہو وہ قصر پڑھے گا۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۹۰، جلد ۴)

لنگر گاہ پر حکم قصر کی تفصیل

سوال: ہمارا شہر دریا کے کنارے پر واقع ہے، فاصلہ تقریباً پچاس گز سے زیادہ نہیں اور دریا میں کشتی تقریباً ایک سو سے تین سو گز کے فاصلہ پر رکتی ہے، کیا اس سے قصر کا حکم شروع ہوگا؟

جواب: لنگر گاہ فناء مصر (شہر ہی) ہے جس کا حکم یہ ہے کہ شہر سے ایک سو پچاس گز، ۱۶، ۱۳۷ میٹر سے کم فاصلہ پر ہو اور درمیان میں زرعی زمین نہ ہو تو یہاں قصر نہیں، کم از کم اتنا فاصلہ ہو یا درمیان میں زرعی زمین ہو تو حکم قصر شروع ہوگا پس اسے لنگر گاہ کے سامنے دریا کے کنارے پر اگر کوئی عمارت ہے تو وہ شہر سے پچاس گز اور اس سے لنگر گاہ سو گز پر ہے درمیان میں ۱۶، ۱۳۷ میٹر خلا نہیں، اس لیئے یہ بحکم شہر ہے اور اگر دریا کے کنارے پر کوئی مکان اس جانب نہیں تو شہر سے ۱۶، ۱۳۷ میٹر خلا ہونے کی وجہ سے یہاں حکم قصر ہے۔

(احسن الفتاویٰ، صفحہ ۴۷، جلد ۴، بحوالہ ردالمختار، صفحہ ۷۳۲، جلد اول)

ہوائی جہاز میں نماز کا حکم

مسئلہ: ۔ بوقت پرواز ہوائی جہاز میں نماز کا حکم چلتے ہوئے بحری جہاز کی طرح ہے، یعنی اسمیں بوجہ عذر نماز جائز ہے۔

البتہ ٹھہرنے کی حالت میں دونوں کا حکم مختلف ہے، ہوائی جہاز زمین پر ہو تو اس میں بالاتفاق نماز صحیح ہے اور بحری جہاز کنارے کے ساتھ لگا ہوا ہو تو اس میں نماز کا جواز مختلف فیہ ہے، عدم جواز راجح ہے اور اگر بحری جہاز کا عملہ نماز کے لیے اترنے کی اجازت نہ دے تو جہاز میں نماز پڑھ لے مگر بعد میں اعادہ واجب ہے۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۹۰، جلد ۴ و آپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۷، جلد ۲ و امداد الفتاویٰ، صفحہ ۵۸۹، جلد اول)

نماز مغرب پڑھ کر ہوائی سفر کیا اور سورج دوبارہ نظر آنے لگا

سوال: ایک شخص مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز میں سوار ہوا، جہاز مغرب کی طرف اتنا

تیز چلا کہ آفتاب دوبارہ نظر آنے لگا تو کیا اس پر مغرب کی نماز دوبارہ واجب ہوگی؟ نیز روزہ دار نے روزہ افطار کرلیا تھا تو روزہ صحیح ہوا یا نہیں؟

جواب: مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا واجب نہیں، روزہ بھی صحیح ہوگیا، مگر قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ غروب تک امساک (کھانے پینے سے رکنا) واجب ہے۔

(احسن الفتاویٰ، صفحہ ۷۰، جلد ۴، بحوالہ رد المختار، صفحہ ۳۴۴، جلد اول و آپ کے مسائل، صفحہ ۱۰۹، جلد دوم)

مسئلہ:۔ جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے رات بنتی ہے وہاں نمازوں کے اوقات کا اندازہ کرکے کی جائیں۔ مثلاً چوبیس گھنٹے کے دن رات ہوتے ہیں، اس میں پانچ نماز بفصل معہود پوری کرلیں اور روزے میں قریب کے ملک کا لحاظ کرلیں اور اس سے روزہ کا مہینہ بھی معلوم ہوجائے گا۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۶۸، جلد ۲ بحوالہ در مختار، صفحہ ۳۳۵، جلد اول فی فاقد وقت العشاء و امداد الاحکام، صفحہ ۴۰۵، جلد اول)

(وہاں وقت کا اندازہ کرکے ہر چوبیس گھنٹہ میں پانچ نمازیں الگ الگ فصل کے ساتھ ادا کرنا واجب ہیں۔ مختار قول یہی ہے۔ (محمد رفعت قاسمی)

نمازِ قصر کا پیمانہ

مسئلہ:۔ بحری جہاز کا عملہ تمام تر سہولتوں (آرام دہ سفر، عمدہ کھانا پینا وغیرہ) کے باوجود مسافر ہے۔ البتہ جہاز کسی شہر میں لنگر انداز ہو اور بندرگاہ شہر کا ایک حصہ تصور کی جاتی ہو اور اس جگہ پندرہ دن کا یا اس سے زیادہ رہنے کا ارادہ ہو تو پوری نماز ادا کی جائے گی۔

آپ کا یہ ارشاد بجا ہے کہ "سفر میں تمام قصر کا حکم دیا جانا سفر کی تکالیف اور مشکلات کی وجہ سے ہے"۔ لیکن چونکہ سفر میں عموماً تکلیف و مشقت پیش آتی ہی ہے، اس لیئے شریعت نے قصر کا مدار سفر پر لکھا ہے جو کہ سبب ظاہر ہے، ورنہ لوگوں کو یہ فیصلہ کرنے میں دشواری پیش آتی کہ اس سفر میں تکلیف و مشقت ہے یا نہیں؟

خلاصہ یہ کہ حکم کی اصل علت تو تکلیف و مشقت ہی ہے مگر اس کا کوئی پیمانہ مقرر کرنا مشکل تھا۔ اس لیئے شریعت نے احکام کا مدار خود تکلیف پر نہیں لکھا بلکہ سفر پر رکھا ہے خواہ اسے میں مشقت ہو یا نہ ہو۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۸، جلد ۲ و امداد الفتاویٰ، صفحہ ۵۸۹، جلد اول)

جہاز کے عملہ کے لیے قصر؟

سوال: میں جہاز کے عملہ میں ملازم ہوں۔ جہاں ہمیشہ دُور ممالک میں پھرتا رہتا ہے، کبھی ایک جگہ دس پندرہ دن، مہینہ دو مہینہ کھڑا رہتا ہے، معلوم نہیں ہوتا کہ کب وہاں سے روانہ ہوگا اور بعض اوقات جہاز ایک مقام مقرر سے دوسرے مقام مقرر تک جاتا ہے، ہم کو چھ سات ماہ بعد یا بعض مرتبہ سال دو سال بعد اپنے مکان جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو کیا ہم کو ایسی حالت میں نماز قصر پڑھنی چاہیئے یا پوری؟

جواب: اس صورت میں جب تک اپنے وطن میں پہنچنا ہو، نماز کو برابر قصر کرنا چاہیئے اور جب وطن پہنچو، اُس وقت نماز پوری پڑھو اور جو جہاز مقررہ جگہ سے مقرر جگہ تک جاتا ہے اس کے ملازم کا بھی یہی حکم ہے برابر حالت سفر میں نماز قصر پڑھے۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۶۴، جلد ۴ و صفحہ ۴۷۶، جلد ۴ بحوالہ درمختار، صفحہ ۷۴۸، جلد ۱ باب صلاۃ المسافر)

(کیونکہ عملہ کو روانگی کا علم نہیں ہے اس لیئے قصر کریں گے اور اگر جہاز وغیرہ کسی شہر میں لنگر انداز ہو اور بندرگاہ شہر کا حصہ تصور کی جاتی ہو اور اس جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ رہنے کا ارادہ ہو تو پوری نماز پڑھی جائے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ شریعت میں وہم و خیال کا اعتبار نہیں، بلکہ ظن غالب کا اعتبار ہے، اگر ان کو کمپنی کی طرف سے حکم سفر آنے کا غالب گمان ہو، جس کا معیار یہ ہے کہ اکثر مہینے میں ان کو حکم سفر آتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے کبھی ایسا موقع نہیں ملتا کہ اپنے ارادہ اختیار سے دس پندرہ دن قیام کر سکیں، یہ حالت ہو تو ان کا رنگون میں (جہاں بھی جہاز لنگر انداز ہو) قصر کرنا درست ہوگا بشرطیکہ وہ ان کا وطن اصلی نہ ہو اور اگر ظن غالب نہیں محض خیال و وہم ہی ہے کہ شاید سفر کا حکم آجائے تو اس کا اعتبار نہیں، اگر یہ لوگ رنگون (جہاں بھی جہاز لنگر انداز ہو) میں اقامت کی نیت کرلیں، یا ظن غالب سے کبھی یہ معلوم ہو کہ پندرہ دن تک ابھی کہیں دور جانا نہیں ہے تو مقیم ہو جائیں گے اور نماز پوری پڑھنی چاہیئے اور اگر گذشتہ دنوں میں اگر کبھی ایسا ہوا ہو کہ ظنِ غالب سے پندرہ دن تک کہیں جانا ان کو تحقیق نہ تھا، یا پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلی تھی اور ظن غالب سے نیت پورا ہونے کی اُمید تھی اور اس وقت غلطی سے یہ لوگ قصر کرتے رہتے

تو ان ایام کی نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ (امداد الاحکام، صفحہ ۱۵۷، جلد اوّل)

ہوائی سفر میں دن چھوٹا ہو یا بڑا ہو جائے تو؟

سوال: ہوائی جہاز کے ذریعہ کوئی شخص مغرب کی سمت جا رہا ہے سورج غروب نہیں ہو رہا تو نماز کس طرح ادا کرے اور روزہ کس وقت افطار کرے؟ یا اس کے برعکس مشرق کی طرف جا رہا ہے جس کا دن بہت چھوٹا رہے گا؟

جواب: ردالمختار صفحہ ۳۳۹ جلد اول کی عبارت سے ثابت ہوا کہ مغرب کی طرف جانے والا شخص اگر چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازیں انکے اوقات میں ادا کر سکتا ہو تو ہر نماز اس کا وقت داخل ہونے پر ادا کرے اور اگر اس کا دن اتنا طویل ہو گیا کہ چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازوں کا وقت نہیں آتا تو عام ایام میں اوقات نماز کے فصل کا اندازہ کر کے اس کے مطابق نمازیں پڑھے، یہی حکم روزہ کا ہے اگر طلوع فجر سے لے کر چوبیس گھنٹے کے اندر غروب ہو جائے تو غروب کے بعد افطار کرے۔

جن ممالک میں مستقل طور پر ایام اتنے طویل ہوں کہ چوبیس گھنٹے میں صرف بقدر کفایت کھانے پینے کا وقت ملتا ہو، ان میں قبل الغروب (غروب سے پہلے) افطار کی اجازت نہیں، تو عارضی طور پر شاذ و نادر ایک دن طویل ہو جانے سے بطریق اولیٰ اس کی اجازت نہ ہوگی، البتہ اگر چوبیس گھنٹے کے اندر غروب نہ ہو تو چوبیس گھنٹے پورے ہونے سے اتنا وقت پہلے کہ اس میں بقدر ضرورت کھا پی سکتا ہو، افطار کر لے، اگر ابتدا صبح صادق کے وقت بھی سفر میں تھا تو اس پر روزہ فرض نہیں بعد میں قضا رکھے اور اگر اس وقت مسافر نہ تھا تو روزہ رکھنا فرض ہے اور اتنے طویل روزے کا تحمل نہ ہو تو سفر ناجائز ہے۔

جو شخص جانب مشرق جا رہا ہے، نماز کے اوقات اس پر گزرتے رہیں گے، ان اوقات میں نماز ادا کرے گا اور روزہ غروب آفتاب کے بعد افطار کرے، کیونکہ صوم (روزہ) کے معنی ہیں طلوع فجر سے غروب شمس تک امساک (روکنا)۔

(احسن الفتاویٰ، صفحہ ۷۱، جلد ۴ بحوالہ ردالمختار، صفحہ ۸۸، جلد ۲)

☆☆
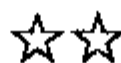
کشتی میں نماز کے احکام

مسئلہ:۔ کشتی میں نماز پڑھی اور وہ شخص کشتی سے باہر نکلنے پر قادر ہے تو مستحب یہ ہے کہ فرض نماز کیلئے کشتی سے باہر نکلے۔ محیط سرخسی)

مسئلہ:۔ اگر کشتی چل رہی ہو اور کھڑے ہونے پر قادر ہے اور اس کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھے تو امام صاحب کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کشتی بندھی ہوئی ہو اور چلتی نہ ہو تو اس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا بالاجماع جائز نہیں ہے۔ (تہذیب)

مسئلہ:۔ اگر کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور کشتی بندھی ہوئی زمین پر ٹھہری ہوئی ہے تو جائز ہے اور اگر کشتی زمین پر ٹھہری ہوئی نہیں ہے اور اس سے باہر نکلنا ممکن ہے تو اس میں نماز جائز نہ ہوگی۔ (محیط سرخسی)

مسئلہ:۔ اگر کشتی دریا کے اندر ٹھہری ہوئی ہے اور وہ ہل رہی ہے تو صحیح یہ ہے کہ اگر ہوا سے خوب ہل رہی ہو تو چلتی کشتی کے حکم میں ہے اور اگر ہوا سے کچھ ہلتی ہو تو ٹھہری ہوئی کشتی کے حکم میں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے سر میں درد (چکر) ہو جاتا ہے، تو کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا بالاجماع جائز ہے۔ (خلاصہ)، عالمگیری، صفحہ ۶۳، جلد ۳ واحسن الفتاویٰ صفحہ ۴۹، جلد ۴ درمختار صفحہ ۱۴۷، جلد اول و آپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۷، جلد ۲)

کشتی میں قبلہ کا حکم

مسئلہ:۔ کشتی میں نماز شروع کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا لازم ہے۔

مسئلہ:۔ جب کشتی گھومے تو نماز پڑھنے والا اپنا منہ قبلہ کی طرف پھیر لے اور اگر قدرت کے باوجود منہ نہ پھیرے تو نماز جائز نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ اگر کشتی میں اشارہ سے نماز پڑھی، حالانکہ رکوع وسجدہ پر قادر تھا تو سب کے قول کے مطابق نماز جائز نہ ہوگی۔

مسئلہ: ۔اگر کشتی کے اندر اقامت کی نیت کرے تو مقیم نہ ہوگا، کشتی کے ملاح کے لیے بھی یہی حکم ہے، لیکن کشتی اگر اس کے شہر یا گاؤں کے قریب ہے تو اس وقت اصل اقامت کی وجہ سے مقیم ہو جائے گا۔ (محیط)

مسئلہ: ۔اگر مسافر نے کشتی کے اندر شہر سے باہر نماز شروع کی اور اسی حالت میں کشتی چلتے چلتے شہر میں داخل ہوگئی تو وہ پوری چار رکعتیں پڑھے گا۔

(عالمگیری، صفحہ ۶۳، جلد ۳، وامداد الاحکام، صفحہ ۱۲۷، جلد اول)

پالکی وڈولہ میں نماز پڑھنا؟

مسئلہ: ۔اگر کسی کو بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہو تو پالکی پر بھی نماز پڑھنا درست ہے لیکن پالکی جس وقت کہاروں کے کاندھوں پر ہو اس وقت نماز پڑھنا درست نہیں زمین پر رکھوالیں تب پڑھیں۔

مسئلہ: ۔اگر اونٹ سے یا بہلی سے اترنے میں جان یا مال کا خطرہ ہے تو بغیر اترے بھی نماز درست ہے۔ (بہشتی زیور، صفحہ ۵۱، جلد ۲ بحوالہ نور الایضاح، صفحہ ۱۰ واحسن الفتاوی، صفحہ ۸۸، جلد ۴)

((اللهم انی اسئلک من خیرھا و خیر ما جبلتھا علیه و اعوذبک من شرھا و شر ما جبلتھا علیه)) (حصن حصین، صفحہ ۱۶۵)

نئی سواری کی دُعا

جب کوئی نئی سواری (سائیکل یا موٹر سائیکل، کار بس وغیرہ) خریدے تو اس پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے (انشاء اللہ تعالیٰ خیر و برکت اور حفاظت رہے گی)۔

((اللهم انی اسئلک من حیرھا و خیر ما جبلتھا علیه و اعوذبک من شرھا و شر ما جبلتھا علیه)) (حصن حصین، صفحہ ۱۶۵)

سواری کے جانور کو مارنا کیسا ہے؟

مسئلہ: ۔گھوڑے وغیرہ میں سواری کے جانور کو کوڑا وغیرہ مار کر چلانا جائز ہے؟ اگر باوجود طاقت کے، چلنے میں سستی کرے تو معمولی طور سے مار دینا جائز ہے، مگر منہ و سر پر نہ مارے،

طاقت سے زیادہ بوجھ لاد کر یا ناتواں جانور کو خواہ مخواہ مارنا اور بے دردی سے مارنا پیٹنا یہ سب ظلم اور سخت ممنوع ہے۔ (الجواب المتین، صفحہ ۴۴)

بیل گاڑی پر نماز پڑھنا؟

سوال: جب کہ گاڑی میں گھوڑا و بیل جتے ہوئے ہوں، اس پر کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا، خواہ فرض ہو یا سنن و نوافل ہو صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: فرائض وسنن مؤکدہ بغیر عذر جائز نہیں، نوافل جائز ہیں، اگر استقبال قبلہ (قبلہ کی طرف رخ کرنا) مشکل ہو تو وہ بھی معاف ہے، اسی طرح گھوڑے پر بھی نوافل پڑھے جا سکتے ہیں سجدہ کی بجائے اشارہ کافی ہے۔ نہ استقبال قبلہ ضروری ہے اور نہ گھوڑے اور رکاب اور زین (جو کپڑا گھوڑے پر ڈالتے ہیں) وغیرہ کی طہارت۔

خود نمازی پر نجاست نہ ہو، اگر گاڑی ایسی ہو کہ اس کا وزن جانور پر نہ ہو جیسے اونٹ گاڑی تو اس پر فرض بھی جائز ہے مگر استقبال قبلہ اور قیام (کھڑے ہونا) شرط ہے۔

(احسن الفتاویٰ، صفحہ ۸۸، جلد ۴ و بہشتی زیور، صفحہ ۵۱، جلد ۲، و نور الایضاح، صفحہ ۱۰)

سواری پر نماز پڑھنے کا حکم

مسئلہ: ۔سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے لیکن فرض نہیں۔ حنیفہ کے نزدیک فجر کی سنتوں کو بھی سواری سے اتر کر پڑھنا واجب ہے، اس لیے اس کو بغیر کسی عذر کے بیٹھے بیٹھے پڑھنا جائز نہیں ہے، فرض نماز سواری پر جائز نہیں ہے لیکن مندرجہ ذیل عذر کی صورت میں جائز ہے۔

کوئی شخص جنگل میں ہو اور اپنی جان و مال کی ہلاکت کا خوف غالب ہو مثلاً یہ ڈر ہو کہ اگر سواری سے اتر کر نماز پڑھوں گا تو کوئی چور یا رہزن مال و اسباب لے کر چلتا بنے گا، یا کوئی درندہ نقصان پہنچائے گا یا قافلہ سے بچھڑ جاؤں گا یا راستہ بھول جاؤں گا۔

یا سواری میں کوئی ایسا سرکش جانور ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس پر اترنے کے بعد پھر چڑھنا ممکن نہ ہو۔

یا نماز پڑھنے والا اتنا ضعیف اور کمزور ہو کہ خود نہ تو سواری سے اتر سکتا ہو اور نہ

سواری پر چڑھنے پر قادر ہو اور نہ ہی کوئی ایسا شخص پاس موجود ہو جو سواری سے اتار سکے اور چڑھا سکے۔

یا زمین پر اتنی کیچڑ ہو کہ اس پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو۔

یا بارش کا عذر ہو۔ بہر حال ان صورتوں میں فرض نماز بھی سواری پر پڑھی جا سکتی ہے، کیونکہ اعذار اور ضرورتیں شرعی قواعد و قوانین سے مستثنیٰ ہیں۔

مسئلہ:۔ سواری پر نماز کا جواز نمازی کا شہر سے باہر ہونے کے ساتھ مشروط ہے خواہ مسافر ہو یا مسافر نہ ہو، چنانچہ اگر کوئی مسافر بھی شہر کے اندر ہو تو اس کے لیے سواری پر نفل نماز پڑھنی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ صحیح یہ ہے کہ شہر و آبادی کے مکانات سے باہر ہوتے ہی سواری پر نماز نفل پڑھنا جائز ہے جیسا کہ قصر کے جواز کے سلسلہ میں قاعدہ ہے۔ (مظاہر حق جدید، صفحہ ۲۲۶، جلد ۲، و کتاب الفقہ، صفحہ ۵۶۶، جلد اول۔ تفصیل دیکھیے عالمگیری، صفحہ ۶۵، جلد ۳)

اپنی سواری اور ٹریفک سے متعلق احکام

اگر راستے میں کوئی گندگی پڑی ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس سے گزرنے والوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو مثلاً کوئی کانٹا، کوئی رکاوٹ، کوئی ایسا چھلکا جس سے پھسل کر گرنے کا خطرہ ہو، اس کو راستے میں سے ہٹا دینا بھی بڑی نیکی کا کام ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: (تمیط الاذیٰ عن الطریق صدقة) (بخاری و مسلم) کہ راستے سے گندگی (تکلیف دہ چیز کو) دُور کر دو تو یہ بھی صدقہ ہے، یعنی اس پر صدقہ کی طرح ثواب ملتا ہے۔

احادیث سے واضح ہے کہ گزرگاہوں کو صاف ستھرا رکھنے اور لوگوں کو تکلیف سے بچانے کی اسلام میں کتنی اہمیت ہے کہ ایک کانٹے دار شاخ کو راستے سے ہٹا دینے پر، جو ایک چھوٹا سا عمل نظر آتا ہے، اتنے اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور جب تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کی اس قدر ترغیب دی گئی ہے تو راستے کو گندگی سے آلودہ کرنا جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہو، کتنا بڑا گناہ ہوگا، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ گزرنے والوں کے لیے تکلیف کا سامان

پیدا کرنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اپنی سواری، کار، موٹر سائیکل وغیرہ کو ایسی جگہ کھڑا کر دینا کہ جس سے دوسری سواریوں کا راستہ بند ہو جائے، یا اُن کو چلنے میں دشواری کا سامنا ہو، یا اس طرح بے قاعدہ گاڑی چلائی جائے جس سے دوسروں کو کسی بھی اعتبار سے تکلیف ہو، یہ ساری باتیں گناہیں اور اُن سے پرہیز کرنا، اتنا ہی ضروری ہے جتنا دوسرے کسی گناہ کبیرہ سے۔

اسی طرح ٹریفک کے جو قواعد مقرر کیئے گئے ہیں ان کا مقصد گزرگاہوں میں نظم وضبط پیدا کرنا ہے اور ان کی پابندی صرف قانون کا تقاضا ہی نہیں ہے بلکہ ایک دینی فریضہ بھی ہے، اگر ان کی پابندی کی جائے تو اس سے معاشرے میں نظم وضبط پیدا ہوگا، لوگوں کو راحت ملے گی اور ان کو تکلیف سے بچانے کے لیے ممکنہ کوشش ہو سکے گی تو ان سب اعمال پر انشاء اللہ اجر ثواب ملے گا اور اگر ان قواعد کی خلاف ورزی کی جائے تو اس سے دو بڑے گناہ ہوں گے، ایک لوگوں کو تکلیف پہنچانے کا اور دوسرا نظم وضبط میں خلل ڈالنے کا اور ذمہ داروں کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کا۔

افسوس ہے کہ آج کل ان باتوں کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا اور اچھے خاصے بظاہر دیندار اور پڑھے لکھے لوگ بھی اس قسم کے گناہوں میں بے محابا مبتلا رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

(آسان نیکیاں، صفحہ ۱۹۹ از مولانا محمد تقی عثمانی)

عورت کا وطن اصلی میکہ یا سسرال؟

مسئلہ: ۔ شادی کے بعد اگر عورت مستقل طور پر اپنی سسرال میں رہنے لگی تو اس کا اصلی گھر سسرال ہے تو اگر تین منزل (اڑتالیس میل) چل کر میکے گئی اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں ہے تو مسافر رہے گی، مسافرت کے قاعدے سے نماز اور روزہ ادا کرے اور اگر وہاں کا رہنا ہمیشہ کیلئے دل میں نہیں تھا تو جو وطن پہلے سے اصلی تھا وہی اب بھی اصلی رہے گا۔ (بہشتی زیور، صفحہ ۵۰، جلد ۲، بحوالہ متقی، صفحہ ۱۶۴، جلد اول، وامداد الفتاویٰ، صفحہ ۵۷۹، جلد اول)

مسئلہ: ۔ کسی شہر میں محض نکاح کر لینے سے وہ وطن اصلی نہیں ہوتا، بلکہ اہل کا وہاں رکھنا اور

وہاں سے منتقل نہ کرنا شرط ہے۔ (امداد الاحکام، صفحہ ۶۹۶، جلد ۷)

مسئلہ: ۔مسافر نے ایک شہر میں نکاح کیا اور اس کا ارادہ بنفسہ وہاں قیام کرنے کا نہیں ہے، لیکن بیوی کو وہیں (میکہ باپ کے گھر) پر رکھنے کا ارادہ ہے تو وہ مقیم ہو جائے گا، جب بھی یہاں آئے گا (گھر داماد) پوری نماز پڑھے گا۔ (امداد الاحکام، صفحہ ۶۹۷، جلد ۱)

سفر میں عورت خاوند کے تابع ہے

مسئلہ: ۔کوئی عورت اپنے خاوند کے ساتھ سفر میں ہے، راستہ میں وہ (خاوند) جہاں اور جتنا عرصہ ٹھہرے گا، اتنا ہی عورت ٹھہرے گی، بغیر اس کی رضا کے زیادہ نہیں ٹھہر سکتی تو ایسی حالت میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہوگا، اگر شوہر کا ارادہ پندرہ دن ٹھہرنے کا ہو تو عورت مسافر نہیں رہی، چاہے عورت ٹھہرنے کی نیت کرے یا نہ کرے اور اگر مرد کا ارادہ کم ٹھہرنے کا ہو تو عورت بھی مسافر ہے۔ (بہشتی زیور، صفحہ ۴۹، ج:۲، بحوالہ مجمع، صفحہ:۱۶۴، ج:اول)

مسئلہ: ۔عورت تابع مرد کے ہے، اسکا شوہر جہاں اسکو رکھے وہی وطن ہوگا۔

(فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۴۸۳، جلد ۴، بحوالہ درمختار، صفحہ ۷۴۴، جلد اول)

سفر میں تابع و متبوع کے احکام

مسئلہ: ۔جو شخص دوسرے کا تابع ہو اور اس کی اطاعت اس پر لازم ہو تو وہ اس کی اقامت سے مقیم ہو جاتا ہے اور اسی کے سفر کے نیت پر نکلنے سے مسافر ہو جاتا ہے۔ اصل اس میں یہ ہے کہ جو شخص اپنے اختیار سے اقامت کر سکتا ہے وہ اپنی نیت سے مقیم ہو جاتا ہے اور جو شخص اپنے اختیار سے اقامت نہیں کرتا وہ اپنی نیت سے مقیم نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اگر عورت اپنے شوہر کے ساتھ اور غلام اپنے مالک کے ساتھ اور شاگرد اپنے استاد کے ساتھ اور نوکر اپنے آقا کے ساتھ اور سپاہی اپنے افسر کے ساتھ سفر کریں تو ظاہر روایت کے مطابق وہ اپنی نیت سے مقیم نہ ہوں گے۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ ۶۱، جلد ۳ و علم الفقہ، صفحہ ۳۲۲، جلد ۲ و کتاب الفقہ، صفحہ ۷۷۰، جلد اول و احکام سفر، صفحہ ۴۰)

مسئلہ: ۔مگر یہ لوگ طبعاً مقیم اس وقت سمجھے جائیں گے جس وقت ان کو اپنے امیر و آقا

(شوہر کی) نیت اقامت کا علم ہو جائے اور اگر علم سے پہلے انہوں نے نماز مسافرانہ طور پر کر کے پڑھ لی تو جائز ہوگئی، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (احکام سفر، صفحہ ۴۰، بحوالہ بدائع)

کیا عورت تنہا سفر کرسکتی ہے؟

مسئلہ: ۔اگر اڑتالیس میل (سوا ستتر کلومیٹر) کا سفر ہو تو جب تک مردوں میں کوئی اپنا محرم یا شوہر ساتھ نہ ہو، اس وقت تک سفر کرنا درست نہیں ہے، بغیر محرم کے سفر کرنا بڑا گناہ ہے، اگرچہ اس سے کم سفر ہو، تب بھی بغیر محرم کے ساتھ جانا بہتر نہیں، حدیث شریف میں اس کی بڑی ممانعت آئی ہے۔

مسئلہ: ۔جس محرم کو خدا اور رسول کا ڈر نہ ہو اور شریعت کی پابندی نہ کرتا ہو تو ایسے محرم کے ساتھ بھی سفر کرنا درست نہیں ہے۔ (بہشتی زیور، صفحہ ۵۰، جلد۲ بحوالہ مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۲۲۱، جلد اول وفتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۰۱، جلد۳)

مسئلہ: ۔بوڑھی عورت کو بھی بغیر شوہر یا کسی محرم کے سفر نہیں کرنا چاہیئے۔

(بحر، صفحہ ۳۳۹، جلد۲، ومظاہر حق جدید، صفحہ ۲۶۶، جلد۳، وامداد الاحکام، صفحہ ۱۵۷، جلد۲)

کیا بیوی سفر میں ساتھ رہنے سے انکار کرسکتی ہے؟

مسئلہ: ۔جائے ملازمت پر لے جانا بیوی کو بغیر اس کی رضامندی کے جائز نہیں، خصوصاً جب کہ بیوی کو ایذا رسانی وتکلیف پانے کا اندیشہ ہو۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۱۹، جلد۶)

مسئلہ: ۔بیوی کا فریضہ ہے کہ اپنے مونس وہمدم شوہر کی پاسداری کر کے اس کو راحت پہنچائے، لیکن اگر اس کا اپنا مکان چھوڑ کر شوہر کے ساتھ دوسرے شہر میں جانے سے شوہر کی طرف سے ایذ وضرر کا اندیشہ ہے تو اس بات (سفر میں ساتھ رہنے) میں شوہر اس کو مجبور نہیں کرسکتا ہے۔ (شامی، صفحہ ۶۴۷، جلد۲)

مسئلہ: ۔اور اس حکم عدولی سے نفقہ یعنی ضروری خرچ ساقط نہیں ہوگا۔

مسئلہ: ۔شب باشی میں مساوات اس وقت ضروری ہے جب دونوں بیویاں ساتھ ہوں، اگر ایک اپنے ساتھ مکان پر ہو، دوسری سفر میں ساتھ ہو تو یہ مساوات ضروری نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۳۶۶، جلد۱۰، بحوالہ درمختار، صفحہ ۴۹۵، جلد۲ وفتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۱۹، جلد۸ وامداد الفتاویٰ، صفحہ ۱۷۵، جلد۲)

بیوی کا سفر میں ساتھ نہ جانے پر خرچہ بند کرنا؟

سوال: زید اپنی بیوی کو سفر میں لے جانا چاہتا ہے اور بیوی جانے سے انکار کردے تو زید بیوی کا نفقہ (ضروری خرچہ) بند کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: صورت مسئولہ میں زید اپنی بیوی کا نفقہ بند نہیں کرسکتا ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۲۱۲، جلد ۵ و درمختار، صفحہ ۸۹۰، جلد اول)

سفر میں کون سی بیوی کو ساتھ رکھے؟

مسئلہ:۔ جس شخص کی دو بیویاں ہوں، اس کو اختیار ہے کہ سفر میں جس بیوی کو چاہے پاس رکھے، قرعہ اندازی کی ضرورت نہیں ہے، البتہ بہتر اور مستحب ہے، اگر قرعہ اندازی نہ کرے گا تو گنہگار نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۴۰۳، جلد ۸، بحوالہ درمختار، صفحہ ۵۴۷، جلد ۲ باب القسم و مظاہر حق، صفحہ ۱۲۲، جلد ۴ و امداد الفتاویٰ، صفحہ ۳۷۷، جلد ۲)

مسئلہ:۔ سفر و مجبوری کی وجہ سے عورت کیساتھ مقاربت نہ ہوتی ہو تو عدم مقاربت کی وجہ سے کچھ گناہ شوہر پر نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۴۰۴، جلد ۶، بحوالہ درمختار، صفحہ ۴۷، جلد ۲)

سفر میں اگر دوسری بیوی بھی پہنچ جائے؟

سوال: سفر میں جس بیوی کو چاہے ساتھ رکھ سکتا ہے اس پر شوہر ماخوذ نہ ہوگا، لیکن اگر مسافر کی دوسری بیوی بھی سفر میں پہنچ جائے یا بلالے تو پھر شوہر پر عدل و انصاف ضروری ہے، ہاں اگر ان میں سے ایک اپنا حق ساقط کردے (یعنی چھوڑ دے) اور دوسری بیوی کو دے دے تو پھر پاس رکھ کر بھی عدل نہ کرنے میں مسافر (شوہر) گنہگار نہ ہوگا۔

(فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۴۰۶، جلد ۸، بحوالہ درمختار، صفحہ ۵۵۱، جلد ۲)

دوسری بیوی بیمار ہو کر اصل وطن پہنچ جائے؟

سوال: ایک شخص جس کی سکونت اور ایک بیوی اصلی وطن میں ہے اور دوسرے شہر میں صرف دوسری بیوی کے قیام و سکونت کے لیے مکان بنایا چند سال کے رہنے کے بعد، امراض کی وجہ

سے دوسری بیوی کو وطن اصلی جانا پڑا اور اس دوسرے شہر کے مکان کو بند کر دیا، بعض سامان بھی اب تک یہیں ہیں اور دوسری بیوی کا، پھر اسی دوسرے شہر میں آنا ابھی تک مشکوک ہے، ایسے حال میں وہ شخص اگر دو دن کے لیے کسی ضرورت سے یا مکان کی نگرانی کے خیال سے اس شہر میں مسافت طے کر کے آئے تو اس کو قصر کرنا ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ:۔ اگر اس دوسرے شہر میں پھر بطور وطن رہنے کا ارادہ نہیں ہے جس طرح پہلے رہتا تھا، تب تو وہ وطن نہیں رہا، وہاں جا کر قصر کرے گا، جب مسافت سفر (اڑتالیس میل، سواستتر کلومیٹر) طے کر کے آئے اور اگر اب بھی اسی طرح رہنے کا ارادہ ہے تو وہ بھی وطن ہے پس اس شخص کے دو وطن ہو جائیں گے۔

(امداد الفتاوی، صفحہ ۵۸۵، جلد اول و فتاوی، دار العلوم، صفحہ ۴۹۲، جلد چار بحوالہ غنیۃ المستملی، صفحہ ۵۰۶)

کیا مسافر کو بیویوں پر تحفہ تقسیم کرنا ضروری ہے؟

سوال: ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، تحفہ وغیرہ جو سفر سے لاتا ہے دوسری بیوی کو نہیں دیتا، کہتا ہے کہ تحفہ و ہدیہ میں مساوات ضروری نہیں، کیا یہ طرز عمل ٹھیک ہے؟

جواب: عدل (برابر، انصاف) کرنا دونوں زوجہ میں ضروری ہے، تارک اس کا عاصی آثم، تارک فرض ہے اور فاسق ہے (فرض کو چھوڑنے والا گنہگار ہے)۔ دو بیویوں کے درمیان ہر ایک امر میں کھانے اور کپڑے اور پاس رہنے میں مساوات کرے، حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور ان میں وہ مساوات نہ کرے تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا اس کی ایک کروٹ ساقط ہوگی۔ (فتاوی دار العلوم، صفحہ ۴۰۴، جلد ۸ بحوالہ قرآن کریم، صفحہ سورۃ النساء، و در مختار، صفحہ ۵۴۷، جلد ۲ و مشکوۃ شریف، صفحہ ۲۷۹، جلد ۱)

عورتوں کے لیے تبلیغی سفر کرنا؟

مسئلہ:۔ حامداً مصلیاً تبلیغی جماعت کا مقصد دین سیکھنا، اس کو پختہ کرنا اور دوسروں کو دین سیکھنے سکھانے اور پختہ کرنے کے لیے آمادہ کرنا ہے اور اس جذبہ کو عام کرنے کے لیے طویل سفر بھی اختیار کیے جاتے ہیں، جس طرح مرد اپنے دین کو سمجھنے اور پختہ کرنے کے محتاج ہیں،

عورتیں بھی محتاج ہیں اور گھروں میں عامۃً اس کا انتظام نہیں ہے، اس لیئے اگر لندن یا کسی بھی دور دراز مقام پر محرم کے ساتھ حدود شرع کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے عورتیں جائیں اور کسی کے حقوق تلف نہ ہوں تو شرعاً اس کی اجازت ہے بلکہ دینی اعتبار سے مفید اور اہم ہے۔

اگر بچے اتنے چھوٹے نہیں کہ بغیر والدہ کے تڑپیں گے اور ان کی پرورش نہیں ہوسکے گی اور بچوں کی نانی ان کی دیکھ بھال اطمینان بخش طریقہ پر کرلیں گی تو پھر سفر کی اجازت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۱۰۸، جلد ۱۴)

عورت کے لیے سفر حج کرنا؟

مسئلہ: ۔عورت کو حج کے لیے جانا بغیر کسی محرم وشوہر وغیرہ کے جائز نہیں ہے، عورت پر حج اس وقت فرض ہوتا ہے کہ اس کے پاس اس قدر روپیہ ہو کہ وہ دونوں کا خرچ اٹھا سکے، یعنی اپنا خرچ اور محرم کا خرچ اور مرد کے ذمہ حج اس وقت فرض ہوتا ہے کہ علاوہ اپنے خرچ کے اپنے اہل وعیال کے لیے مدت سفر کا خرچ کافی چھوڑ جائے اور جو کچھ قرض ہو وہ سب ادا کردے۔

مسئلہ: ۔اگر عورت نے غیر محرم کے ساتھ جا کر حج ادا کرلیا تو حج اس کا ادا ہوگیا اور جو فرض اس کے ذمہ تھا وہ ساقط ہوگیا اور غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے کا گناہ اس پر ہوا، توبہ واستغفار کرے۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۵۲۲ ج ۶، بحوالہ عالمگیری مصری، صفحہ ۲۰۳، ج ۱، ودر مختار، صفحہ ۲۰۰ جلد اول)

مسئلہ: ۔اگر عورت کے ذمہ حج فرض ہو تو شوہر اس کو حج سے نہیں روک سکتا ہے، اگر شوہر ساتھ نہ جائے تو دوسرے محرم کے ساتھ حج کرسکتی ہے اور بعض نے کہا کہ اگر صلحا کیساتھ سفر کرے تو درست ہے (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۵۴۰، جلد ۶، بحوالہ در مختار، صفحہ ۲۴۳، جلد ۲ کتاب الحظر)

عورت کا عدت میں سفر کرنا؟

سوال: شوہر کے انتقال کو سوا مہینہ ہوگیا ہے اور میں یہاں سورت شہر میں ہوں اور کاروبار (بزنس) شوہر کا مدراس شہر میں ہے تو کیا سرکاری کاغذات پر دستخط کی ضرورت سے وہاں جاسکتی ہوں یا نہیں؟

جواب: جس ضرورت سے نکلنے کی اجازت ہے اس سے وہ ضرورت مراد ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو، طبیعت کی خواہش کو ضرورت قرار دینا غلط ہے اور عدت کے اندر فرض حج کے لیے بھی سفر نہیں کر سکتی۔ (فتاوی عالمگیری، صفحہ ۱۶۲، جلد ۲، وہدایہ، صفحہ ۴۱۰، جلد ۲)

عزیز واقارب بیمار ہوں تو ان کی عیادت کے لیے بھی جانے کی اجازت نہیں ہے، سرکاری معاملہ کے لیے وکیل سے مشورہ کیا جائے، کاغذات یہاں پر (جہاں پر آپ ہیں) بھیجے جاسکتے ہوں تو منگوائے جائیں یا پھر مہلت طلب کر لی جائے۔ عدت کا عذر اگر قابل قبول نہ ہو تو ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ بھیج دیا جائے کہ سفر کے قابل نہیں ہے۔ اگر کوئی عذر قابل قبول نہ ہو اور نقصان شدید کا اندیشہ ہو تو سفر کر سکتی ہے مگر نقصان برداشت کر لینا (جب کہ نعم البدل ہو) اچھا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ، صفحہ ۴۰۰، جلد ۵)

عورت کا سفر میں وطن کے قریب پاک ہونا؟

سوال: کوئی عورت سفر میں حیض کے ساتھ ہو اور ایسی جگہ پہنچ کر پاک ہوئی جہاں سے وطن مسافت سفر سے کم ہو اور اس حالت میں اس پر نماز کا وقت آ گیا تو یہ قصر پڑھے گی یا پوری؟ اور اگر یہ نماز قضا ہو گی تو پوری نماز قضا کرے گی یا دوگانہ؟

جواب: خواہ ادا پڑھے یا قضا بہر صورت اس پر پوری نماز فرض ہے اور یہ حکم جب کہ ابتداء سفر سے حائضہ ہو، اگر حالت طہارت میں سفر کی ابتداء ہوئی ہو تو حیض ختم ہو جانے کے بعد بھی قصر ہی پڑھے گی۔ (احسن الفتاوی، صفحہ ۸۷، جلد ۴ بحوالہ درمختار، صفحہ ۷۴۶، جلد اول)

مسئلہ:۔ چار منزل ۴۸ میل سے زیادہ جانے کی نیت سے کوئی عورت چلی لیکن پہلی دو منزلیں (۲۴ میل) حیض کی حالت میں گزریں جب بھی وہ مسافر نہیں ہے، اب غسل کر کے پوری چار رکعتیں پڑھے، البتہ حیض سے پاک ہونے کے بعد وہ جگہ اگر تین منزل (۴۸ میل) ہو یا چلتے وقت پاک تھی راستہ میں حیض آ گیا ہو تو وہ البتہ مسافر ہے، نماز مسافروں کی طرح (یعنی قصر کر لے) پڑھے۔ (بہشتی زیور، صفحہ ۴۹، جلد ۲)

☆☆
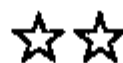
وطن کی تین قسمیں ہیں

وطن کی تین قسمیں ہیں، ایک وطن اصلی، دوسرے وطن اقامت، تیسرے وطن سکنی۔

وطن اصلی وہ ہے جہاں پر آدمی اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہتا ہو (یا جائے پیدائش ہو) اوراس میں زندگی گزارنے کا ارادہ رکھتا ہو (یعنی مستقل طریقہ پر اور وہاں سے منتقل نہ ہو)

مسئلہ: ۔وطن اصلی متعدد بھی ہو سکتے ہیں مثلاً ایک شخص کے متعدد اہل وعیال مختلف شہروں میں رہتے ہیں اور وہیں زندگی گزارنے کا خیال ہے تو یہ تمام شہر اس شخص کے لیے وطن اصلی سمجھے جائیں گے اور یہ شخص جب ان شہروں میں داخل ہوگا تو بلا نیت کے محض داخل ہونے سے مقیم ہو جائے گا۔ (بدائع)

مسئلہ: ۔اگر کسی شخص کے ماں باپ خویش واقارب ایک شہر میں مستقل طور پر رہتے ہیں اوراس کے اہل وعیال دوسرے شہر میں مستقل طور پر رہتے ہیں اور وہیں زندگی گزارنے کا خیال رکھتے ہیں تو اس کا وطن اصلی وہ شہر ہوگا جس میں وہل وعیال ہیں۔

(احکام سفر، صفحہ ۴۱، و کتاب الفقہ، صفحہ ۷۷۳، جلد اول)

مسئلہ: ۔جب تک اس کو چھوڑ کر دوسرا وطن اس جیسا وطن نہ بنالے وہی وطن اصلی رہے گا۔

(فتاوی دار العلوم، صفحہ ۴۸۰، جلد ۴ بحوالہ در مختار، صفحہ ۷۴۳، جلد اول)

وطن کی دوسری قسم وطن اقامت ہے وطن اقامت اس کو کہتے ہیں جس میں مسافر پندرہ روز یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کر کے مقیم ہو جائے، بشرطیکہ یہ جگہ عادۃً وعموماً ٹھہرنے کے قابل ہو، جنگل وکشتی وغیرہ نہ ہو۔ (اس کو وطن مستعار اور وطن حادث بھی کہتے ہیں۔

(عالمگیری، صفحہ ۷۸۳)

تیسری قسم وطن کی وہ ہے جس میں مسافر پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے۔

(احکام سفر، صفحہ ۴۱، وزیلعی، صفحہ ۲۱۴)

وطن اصلی کے احکام

مسئلہ: ۔وطن اصلی کا حکم یہ ہے کہ مسافر اس میں خواہ کسی طرح داخل ہو جائے، مقیم سمجھا جائے گا، اقامت کی نیت کرے یا نہ کرے، قصداً داخل ہو یا بلا قصد۔

مسئلہ: ۔جن شہروں کے اسٹیشن وسط شہر میں واقع ہیں، ان شہروں کے باشندے اگر ریل میں بیٹھے ہوئے اس شہر سے گزریں گے تو یہاں پہنچتے ہی مقیم ہو جائیں گے، پھر اگر آگے مسافت قصر یعنی ۴۸ میل جانے کا قصد ہے تو شہر کی بستی سے نکل کر پھر مسافر ہو جائیں گے اور اگر اس سے کم مسافت کا ارادہ ہے تو بعد میں بھی بدستور مقیم رہیں گے، مثلاً ایک دہلی کا رہنے والا بمبئی سے اپنے وطن دہلی کو واپس آتا ہے لیکن کسی ضرورت سے یہ چاہتا ہے کہ اول سیدھا غازی آباد چلا جائے۔(بمبئی سے آتے ہوئے پہلے اپنا وطن دہلی آتا ہے پھر اس کے بعد ایک دو اسٹیشن بعد غازی آباد آتا ہے) اور پھر اپنے وطن دہلی کو واپس آتا ہے تو جس وقت ریل گاڑی دہلی کے اسٹیشن پر پہنچے گی یہ اُسی وقت سے مقیم ہو جائے گا۔ غازی آباد کے زمانہ میں بھی اس کو پوری نماز اقامت سے پڑھنی چاہیئے اور اگر بجائے غازی آباد کے اس طرح مراد آباد کا قصد ہے تو دہلی اسٹیشن کی حدود تک تو یہ مقیم رہے گا اور جب گاڑی اسٹیشن سے نکل جائے گی تو پھر از سر نو مسافر ہو جائے گا۔ اسٹیشن دہلی پر اگر نماز پڑھے گا تو چار رکعتیں پڑھنی ہوں گی اور اسٹیشن گزرنے کے بعد پڑھے گا تو دو رکعت پڑھنی ہوں گی، بشرطیکہ وقت نماز باقی ہو (کیونکہ دہلی سے مراد آباد مسافت قصر ہے اس لیئے پھر یہ مقیم مسافر ہو جائے گا)۔

مسئلہ: ۔اور اگر مثلاً عصر کے وقت دہلی اسٹیشن پر گاڑی پہنچی تھی اور نماز نہ پڑھنے پایا تھا کہ اسٹیشن پر سورج غروب ہو گیا، اب اسٹیشن دہلی گزرنے کے بعد عصر کی قضا نماز پڑھنا چاہے تو پوری چار رکعتیں پڑھنی ہوں گی۔(احکام سفر، صفحہ ۴۲)

مسئلہ: ۔وطن اصلی سفر سے باطل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص ساری عمر سفر میں رہے پھر بھی جو اس کا وطن اصلی ہے وہ وطن ہی سمجھا جائے گا، وہاں ایک گھنٹہ (بلکہ داخل ہوتے ہی مقیم ہو جائے گا) کیلئے بھی آئے گا تو پوری نماز پڑھنا ہوگی۔(بدائع صنائع)

مسئلہ: ۔انسان کا وطن اصلی بدلنے کی صورت صرف یہ ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر یا بستی میں مع اہل وعیال کے منتقل ہو جائے اور وہیں عمر گزارنے کی نیت کر لے، تو اب یہ وطن اصلی بن گیا اور جس جگہ کو چھوڑ دیا ہے وہ وطن نہیں رہا۔ جب وہاں پہنچے گا تو نماز قصر ادا کرنی ہوگی۔(بدائع)

اور جب تک پہلے وطن کو چھوڑنے اور دوسری جگہ کو وطن نہ بنانے کی نیت نہ کرے تو پہلا وطن ہی وطن اصلی رہے گا۔ (بدائع)

مسئلہ: ۔یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ایک شخص کے دو یا زائد مقام بھی وطن اصلی ہو سکتے ہیں جبکہ دونوں جگہ اس کے اہل وعیال ہوں اور دونوں جگہ اہل وعیال کی نیت عمر گزارنے کی ہو۔ (احکام سفر، صفحہ ۴۳، وعالمگیری، صفحہ ۶۳، جلد ۳ وکتاب الفقہ، صفحہ ۷۷۳، جلد ۱)

وطن اصلی دوسرے وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے

مسئلہ: ۔ایک وطن اصلی دوسرے وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے۔یعنی اگر کوئی شخص کسی مقام میں تمام عمر سکونت کے ارادہ سے مقیم تھا اس کے بعد اس نے اس مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام میں اسی نیت سے سکونت اختیار کر لی تو اب یہ دوسرا مقام وطن اصلی ہو جائے گا اور پہلا مقام وطن اصلی نہ رہے گا، یہاں تک کہ اگر ان دونوں مقاموں میں سفر کی مسافت ہو اور اس دوسرے مقام سے سفر کر کے پہلے مقام میں جائے تو مقیم نہ ہوگا۔

(علم الفقہ، صفحہ ۳۲، جلد ۲ وکتاب الفقہ، صفحہ ۷۷۳، جلد اول)

مسئلہ: ۔کسی ایک وطن کے باطل ہونے کے لیے یہ شرط نہیں کہ دونوں کے درمیان قصر عائد کرنے والا فاصلہ بھی ہو۔ (کتاب الفقہ، صفحہ ۷۷۳، جلد اول)

مسئلہ: ۔وطن اصلی وطن اقامت سے باطل نہیں ہوتا، یعنی اگر کوئی شخص کسی مقام میں پندرہ روز کی سکونت اختیار کرے اور اس کے بعد اپنے وطن اصلی میں جائے تو معاً وہاں پہنچتے ہی مقیم ہو جائے گا۔ (علم الفقہ، صفحہ ۳۲، جلد ۲ وکتاب الفقہ، صفحہ ۷۷۴، جلد اول)

وطن اصلی دو جگہ بھی ہو سکتا ہے؟

سوال: ایک شخص اپنے وطن اصلی سے بیوی بچے اور سامان لے کر مستقل ارادہ کر کے دوسری جگہ رہنے لگا، لیکن پہلے وطن میں اس کا سامان وجائیداد بھی موجود ہے تو کیا دونوں جگہ اس کا وطن ہوگا؟

جواب: اس سامان وجائیداد سے اگرچہ خود ہی منتفع ہوتا ہے اس سے اپنی ملکیت کو ختم نہیں کیا

تو بھی اس جگہ کی وطنیت ختم ہوگئی چونکہ دوسری جگہ مستقل رہائش اختیار کرلی ہے، اب وہاں سے کلیۃً منتقل ہونے کا قصد نہیں ہے تو دوسری جگہ وطن اصلی بن گیا، لیکن اگر پہلی جگہ بھی بلحاظ موسم آئے اور رہنے کا قصد ہے تو دونوں جگہ وطن اصلی ہو جائے گا۔

(فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۲۲، جلد ۱۴ بحوالہ بحر، صفحہ ۱۳۶، جلد ۲)

ایک وطن کو چھوڑ کر دوسرے میں چلا گیا؟

سوال: ایک شخص پہلے امرتسر میں رہتا تھا، پھر لاہور میں مع اہل وعیال کے چار سال سے اقامت گزین ہے اور امرتسر میں کچھ زمین بھی ہے، اگر امرتسر اور لاہور میں مسافت سفر کی ہو تو اس شخص کو امرتسر میں قصر کرنا ہوگا یا نہیں؟

جواب: اگر اس شخص نے لاہور کو وطن اصلی بنالیا ہے اور امرتسر کی سکونت چھوڑ دی تو امرتسر میں اگر پندرہ دن کی اقامت کی نیت نہیں کی تو وہاں قصر کرے گا۔

(فتاویٰ دار العلوم صفحہ ۴۴۴، جلد ۴ بحوالہ در مختار ۷۴۲، جلد اول)

وطن اقامت کے احکام

مسئلہ:۔ وطن اقامت جس میں پندرہ روز یا اس سے زیادہ قیام کی نیت کی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک مقیم رہے نماز پوری مقیم والوں کی طرح پڑھے اور جب یہاں سے سفر شرعی اڑتالیس میل کے سفر کی نیت کر کے نکلے تو سفر شروع ہوتے ہی مسافرانہ نماز ادا کرے (در مختار)

پھر اگر کبھی اس وطن اقامت میں داخل ہو تو جب تک یہاں پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کی دوبارہ نیت نہ کرے اس وقت تک مسافر ہی رہے گا، مسافرانہ نماز قصر پڑھنا چاہیئے، اس کا حاصل یہ ہے کہ وطن اقامت میں خواہ کتنا ہی طویل زمانہ گزرا ہو جب یہاں سے سفر کرے گا یہ وطن باطل ہو جائے گا۔ (احکام سفر، صفحہ ۴۴)

مسئلہ:۔ وطن اقامت تین امور سے باطل (ختم) ہو جاتا ہے، اول وطن اصلی سے یعنی وطن اقامت سے وطن اصلی میں پہنچ جائے گا تو مقیم ہو جائے گا، پھر وہاں سے اُس وطن اقامت میں جائے تو مقیم نہ ہوگا، ہاں پھر وہاں پہنچ کر اگر پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرلے تو دوبارہ وطن اقامت ہو جائے گا۔

دوسرے یہ کہ وطن اقامت کو اسی جیسا دوسرا وطن اقامت باطل کر دیتا ہے یعنی اگر کوئی شخص ایک مقام میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت سے اقامت (ٹھہرنے کی نیت) کرے اور اس کے بعد اس مقام کو چھوڑ دے اور بجائے اس کے دوسرے مقام میں اسی نیت کے ساتھ اقامت کر لے تو وہ پہلا مقام وطن نہ رہے گا، وہاں جانے سے مقیم نہ ہوگا۔ (کتاب الفقہ، صفحہ ۴۷۷، جلد ۱)

تیسرے وطن اقامت سے سفر کے لیے روانہ ہونا، لہٰذا اگر کوئی مسافر کسی قابل رہائش مقام پر جو قصر کی مسافت پر واقع ہے پندرہ روز ٹھہرا اور پھر یہاں سے کسی اور جگہ جانے کے لیے سفر کا ارادہ کیا تو سفر شروع ہوتے ہی وہ وطن اقامت باطل ہو جائے گا لہٰذا اگر وہاں واپس آنے کی کوئی ضرورت لاحق ہو تو نماز پوری نہ پڑھی جائے گی (بلکہ قصر کیا جائے گا) کیونکہ سفر کا آغاز ہوتے ہی وہ وطن جو اقامت تھا وہ ختم ہو چکا ہے، لیکن اگر اس کے علاوہ کسی اور جگہ سے سفر کیا تو وہ وطن اقامت باطل نہ ہوگا۔ اس کے بطلان کے لیے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ مسافر اپنے سفر کے دوران اُس جگہ سے نہ گزرے۔ اگر وہیں سے گزرا تو اس کا وطن اقامت ہونا ختم نہ ہوگا۔

دوسرے یہ کہ جہاں سے سفر شروع ہوا ہے وہاں سے وطن اقامت تک قصر عائد کرنے والی مسافت ہو۔ اگر اس سے کم مسافت ہو تو اس کا وطن اقامت ہوا ختم نہ ہوگا۔

(کتاب الفقہ، صفحہ ۴۷۵، جلد اول و تفصیل غلیۃ الاوطار، صفحہ ۴۰۹، و عالمگیری باب صلوٰۃ المسافر، صفحہ ۴۸۳، جلد ۹ و بدائع صنائع و شامی)

کیا وطن اقامت ایک سے زائد ہو سکتے ہیں؟

مسئلہ: ۔ دوسرا وطن اقامت پہلے کے لیے تب ہی مبطل ہوگا جب کہ پہلے کی وطنیت کو ختم کر کے دوسرا وطن اقامت بنایا گیا ہو اور اگر پہلے کی وطنیت کم ختم نہیں کیا گیا بلکہ اس کی رہائش بدستور باقی ہے، بیوی بچے اور سامان وہیں ہے اور دوسرے مقام میں شرعی اقامت کے ساتھ مقیم ہو گیا تو اس سے پہلا وطن اقامت باطل نہیں ہوگا۔

بقا اہل و ثقل (بیوی بچوں اور سامان کے موجود رہنے) سے بقا اقامت وطن رہتا

ہے، عرف سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ جو شخص بال بچوں سمیت ایک شہر میں ہو، گو یہ اس کا وطن اصلی نہ ہو محض اس کے ایک دو دن کے لیے سفر پر چلے جانے سے یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ یہاں سے ترک سکونت کر گیا ہے اور نہ اس سفر کو کوئی ترک سکونت کہتا ہے اور نہ ہی سفر سے واپسی کو کوئی تجدید توطن یا استیناف سکونت قرار دیتا ہے۔ (اصل مدار نیت پر ہے)۔

البتہ اگر بیوی بچے وغیرہ بھی ہمراہ لے جائے اور ارادہ یہاں واپسی کا نہ ہو تو اب یقیناً کہا جاتا ہے کہ وہ یہاں سے رہائش ترک کر گیا ہے۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۱۱۰، جلد ۴)

مسئلہ: ۔اس امر کی توضیح ضروری ہے کہ بقاوطن اقامت کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ وہاں اہل وعیال چھوڑ کر گیا ہو یا سامان مقبوض مکان میں رکھ گیا ہو۔ اگر سامان کسی کے پاس ودیعت رکھ کر گیا تو وطن اقامت باطل ہو جائے گا، اس کے لیے اُسے عرف میں سکونت نہیں کہا جاتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۱۰۲، جلد ۴ بحوالہ درمختار، صفحہ ۸۰، جلد ۲ وتفصیل امداد الاحکام، صفحہ ۶۹۹، تا ۷۰۱، جلد اول)

وطن سُکنیٰ کا حکم

وطن سُکنیٰ جس میں پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کی نیت کی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں قیام کے باوجود انسان مسافر کے حکم میں رہے گا، نماز قصر ادا کرے گا جب تک بیک وقت پندرہ روز کے قیام کی نیت کر کے اس کو وطن اقامت نہ بنائے اس وقت تک نماز قصر ہی ادا کرنا ہوگی۔

مسئلہ: ۔اگر اول دس دن کے قیام کی نیت کی پھر چھ دن گزرنے کے بعد پانچ دن کی نیت کر لی اور اسی طرح دو دو چار چار دن کی نیت بڑھاتا رہا، مگر پورے پندرہ دن کی نیت بیک وقت نہ ہوئی تو نماز مسافرانہ ہی ادا کرنی ہوگی، اگرچہ ساری عمر اسی طرح گزار دے (بدائع)

خلاصہ یہ ہے کہ وطن سُکنیٰ شرعی اعتبار سے کوئی وطن نہیں۔ (احکام سفر، صفحہ ۴۴)

(یہ قیام شرعی اعتبار سے وطن نہیں کہلائے گا)۔

سفر میں ملی ہوئی آبادی کا معیار

سوال: پنج گور، ایک تحصیل ہے اس کے اندر بارہ موضع ہیں، ایک دوسرے سے ڈیڑھ میل، ایک میل، دو میل کے فاصلہ پر واقع ہیں، ہر ایک کی کافی آبادی ہے، جتنے رقبے میں یہ موضع واقع ہیں، وہ سب علاقہ ''پنجگور'' کہلاتا ہے، مندرجہ بالا بیان کے تحت ذیل کے سوالات کا جواب کیا ہوگا؟

(۱) جو شخص سفر کرنا چاہے وہ اپنی بستی کی آبادی سے باہر نکل کر مسافر ہے یا سب بستیوں سے تجاوز کے بعد؟

(۲) جب واپس آئے تو اپنی بستی میں داخل ہو کر مقیم ہوگا یا مطلق پنجگور میں داخل ہونے سے؟

(۳) باہر کا آدمی میں دن کی نیت سے ''پنجگور'' آیا مگر کبھی اس بستی میں اور کبھی اس بستی، یہ قصر کرے یا پوری نماز پڑھے۔

جواب: دو بستیوں کے درمیان وجود مزارع یا قدر رغلو (۱۶،۱۳۷ میٹر) علامت انقطاع ہے۔ معہذا اگر دو مواضع عرف عام میں ایک ہی شہر کے دو محلے سمجھے جاتے ہوں تو فصل مذکور کے باوجود دونوں کو ایک موضع قرار دیا جائے گا۔

سوال:۔ میں مذکور تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر موضع مستقل ہے اور ''پنجگور'' ان سب مواضع پر شامل علاقہ کا نام ہے، لہٰذا سفر کی ابتداء اور انتہا اور اقامت میں ہر موضع الگ شمار کیا جائے گا، اگر کم از کم پندرہ شب ایک جگہ گزارنے کی نیت ہو اور صرف دن میں دوسرے موضع میں جائے تو مقیم ہوگا ورنہ نہیں۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۵۷، جلد ۴)

مسئلہ: ۔ایک شہر کے مختلف محلے مختلف بستیوں کے حکم میں نہ ہوں گے، بلکہ ایک ہی جگہ سمجھی جائے گی اور مختلف محلوں میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرنے والا مقیم سمجھا جائے گا، لیکن آس پاس گاؤں اور جداگانہ (الگ) بستیاں جن کے نام اور احکام اور تمام کاروبار جدا ہوں، ایک جگہ متصور نہ ہوں گے اور جن شہروں میں اور شہر چھاؤنی کی بستیاں اور بازار اور اسٹیشن وغیرہ بالکل جدا ہیں وہ بھی مختلف شہر شمار کیے جائیں گے۔ (احکام سفر، صفحہ ۳۹)

جو آبادی شہر سے متصل نہ ہو؟

سوال: ایک شخص لاہور شہر سے پندرہ میل مضافات میں رہتا ہے، اس کے گھر سے چار میل کے فاصلہ پر ایک بس اسٹاپ ہے، اب اس کو مسافر کہاں سے شمار کریں گے پہلے اسٹیشن سے یا دوسرے سے؟ آبادی دوسرے بڑے اسٹیشن تک لگی ہوئی ہے اور اگر آبادی الگ بھی ہو، مگر یہاں کے عرف عام میں اس کو لاہور ہی میں شمار کیا جاتا ہے تو پھر کیا حکم ہوگا؟ یعنی سفر اور اقامت کا حکم ضلع کے اعتبار سے ہوگا یا بستی کے اعتبار سے؟

جواب: اگر اس بستی سے شہر تک مسلسل عمارات نہیں بلکہ بقدر غلوہ (۱۶، ۱۳۷ میٹر) یا اس سے زائد خلا ہے یا درمیان میں زرعی زمین ہے تو یہ مستقل آبادی شمار ہوگی، اس کے مکانات سے نکلنے پر قصر کا حکم شروع ہو جائے گا اور اگر شہر سے متصل ہے، خواہ شہر کی نواحی کچی آبادی یا جھونپڑیوں وغیرہ ہی سے متصل (ملی ہوئی) ہو تو یہ شہر میں داخل ہے اس لیئے حدود شہر سے باہر نکلنے پر مسافر ہوگا۔ اسٹیشن اگر شہر سے متصل ہو یعنی درمیان میں زرعی زمین یا ۱۶، ۱۳۷ میٹر) خلا نہ ہو تو اس پر حکم قصر نہیں ہے۔

عبارات فقہ میں اتصال آبادی کا کوئی معیار نظر سے نہیں گزرا، بظاہر اس کا مدار رؤیت ظاہرہ پر ہے یعنی دیکھنے میں اتصال نظر آئے مگر وجود مزارع یا قدر غلوہ بہر کیف موجب انقطاع ہے، کیونکہ فناء مصر صحت جمعہ میں اگر چہ مطلقاً بحکم مصر ہے مگر حکم قصر میں وجود مزارع یا قدر غلوہ الحاق بالمصر سے مانع ہے، حالانکہ فناء متعلقات مصر سے ہے تو قریہ مستقلہ میں یہ فصل بطریق اولیٰ مانع الحاق ہوگا۔ البتہ فصل مذکور کے باوجود اگر عرف عام میں دو مقام ایک ہی شہر کے دو حصے سمجھے جاتے ہوں تو حکم اتحاد ہوگا اور ریلوے اسٹیشن فناء مصر (شہر کی حدود) میں داخل ہے (بعض جگہ حدود میں داخل نہیں ہوتا ہے)۔

(احسن الفتاویٰ، صفحہ ۷۳ ج ۴، بحوالہ درمختار، صفحہ ۷۳۲، جلد اول)

سیاح کے لیے قصر کرنا؟

سوال: کوئی شخص برابر بارہ سال سے سیاحی کرتا ہے، آج اس گاؤں میں، کل اس گاؤں میں رہتا ہے تو ہمیشہ قصر پڑھے یا نہیں؟

جواب: اس میں تین صورتیں ہیں: (۱) کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل یعنی ۴۸ میل یازائد کا سفر کا قصد ہے اور کسی جگہ پہنچ کر پندرہ روز یازائد قیام کا قصد نہیں، اس صورت میں قصر پڑھے۔ (۲) کسی مقام سے چلنے کے وقت ۴۸ میل یازائد کے سفر کا قصد ہے اور کسی جگہ پہنچ کر پندرہ روزیازائد قیام کا قصد ہے، اس صورت میں راستہ میں قصر پڑھے اور جگہ ٹھہرنے میں پوری پڑھے۔ (۳) کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل (۴۸ میل) یا زائد کے سفر کا قصد نہیں یعنی جس جگہ سے اب چلا ہے نہ یہاں سے چلنے کا وقت اور نہ اس کے قبل جس جگہ سے چلا تھا اس سے چلنے کے وقت سے بھی تین منزل کا ارادہ نہیں ہوا تو پوری نماز پڑھے۔ (امدادالفتاویٰ، صفحہ ۳۷۵، جلداول)

مسافت شرعی سے پہلے ہی واپسی پر حکم

سوال: سفر میں گیا مگر تین منزل (۴۸ میل) نہ پہنچا کہ واپسی ہوئی تو اثنائے سفر قصر کرے یا نہ کرے؟

جواب: اس صورت میں قصر نہیں کرے گا، کیونکہ جب تین منزل سے پہلے واپس ہوگیا تو مسافر نہ رہا۔ (فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۲۳۸، جلداول)

صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ ایک شخص باارادہ سفر چار منزل (۴۸ میل سے زیادہ) اپنے شہر سے نکلا اور دو منزل جاکر لوٹنے کی نیت کی تو اس صورت میں اسی وقت سے نماز پوری پڑھے اور اگر تین منزل (۴۸ میل) جاکر یعنی پہنچ کر واپس لوٹے تو اپنے شہر میں آنے تک قصر کرے۔ علامہ شامیؒ نے کہا ہے کہ تب ابتدا قصر کے لیے شہر سے نکلنا شرط ہے ویسے بقا کے لیے مدت سفر کا پورا ہو جانا شرط ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۵، جلد ۵، وغایۃ الاوطار، صفحہ ۳۶۱، جلداول، وہدایہ، صفحہ ۱۴۶، جلداول)

مسئلہ: ۔ مسافت شرعی (۴۸ میل) طے کرنے سے پہلے ہی سفر موقوف کر کے واپسی کا ارادہ کرلیا، یا اس جگہ پندرہ روز قیام کی نیت کرلی تو اب وہ مسافر نہیں رہا، نماز پوری پڑھے، سفر مستحکم نہ ہونے کی وجہ سے قصر جائز نہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۵، جلد ۵ وعالمگیری، صفحہ ۸۹، جلداو کتاب الفقہ، صفحہ ۷۷۲، جلداول)

سفر غیر شرعی کو شرعی بنالیا

سوال: زید وطن سے مظفر گڑھ کے لیے ۴۸ میل سے کم دو یوم کے لیے گیا اور وہاں پہنچ کر سہارنپور (جو کہ ۴۸ میل سے کم ہے) جانے کی ضرورت محسوس ہوئی چلا گیا اور سہارنپور سے میرٹھ (جو کہ سہارنپور سے سفر شرعی ہے) واپس آگیا، میرٹھ سے مظفر نگر سفر شرعی نہیں اور نہ مظفر نگر سے سہارنپور، ہاں میرٹھ سے سہارنپور سفر شرعی ہے، پس سفر کے دو ٹکڑے علیحدہ و مستقل نیت مظفر نگر سے روانگی کے وقت سفر بنیں گے یا نہیں یعنی سہارنپور سے میرٹھ آتے وقت تو سفر شرعی کا حکم وہی ہوگا۔ مظفر نگر سے سہارنپور تک بھی حکم سفر ہوگا یا نہیں؟

جواب: درمختار سے معلوم ہوا ہے کہ یہ شخص مظفر نگر سے سہارنپور جاتا ہوا قصر نہ کرے گا کیونکہ یہاں سے مسافت شرعی نہیں ہے اور سہارنپور سے میرٹھ آتے ہوئے قصر کرے گا (کیونکہ سہارنپور سے میرٹھ تک سفر شرعی ہے)۔ (امداد الفتاویٰ، صفحہ ۵۹۶، جلد اول)

اطراف میں دورہ کا حکم

سوال: زید سرکاری ملازم ہے، اس کے رہنے کا مقام مثلاً دہلی ہے مگر اس کو کبھی صرف اطراف میں اڑتالیس میل کے اندر یا کم زیادہ دورہ کرنا پڑتا ہے اور دورہ میں چھ یا دس دن گزر جاتے ہیں، رہنے کے مقام کو واپس نہیں آتا، اس صورت میں قصر کرے یا نہ؟

جواب: اگر گھر سے نکلنے کے وقت اس نے ارادہ کیا تھا کہ اس دورہ میں منتہائے سفر فلاں مقام ہے جو ۴۸ میل یا زیادہ رہائش گاہ سے ہے تو قصر لازم ہے ورنہ نہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۸، جلد ۴ و صفحہ ۴۶۱، جلد ۴ و امداد الاحکام، صفحہ ۶۱۷، جلد اول و در مختار، صفحہ ۴۷۳، جلد او فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۵۴، جلد ۴)

تبلیغی جماعت اور مسافت قصر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر تبلیغی جماعت والے دیوبند سے دہلی تک کا ارادہ کریں جس جماعت میں دار العلوم کے طلبہ بھی شامل ہیں اور یہ سفر سفر شرعی ہے، اگر وہ حضرات راستے میں کسی گاؤں میں ایک دن، کسی قصبہ

میں دو دن تک قیام کرتے ہوئے دہلی پہنچے تو ان لوگوں پر قصر واجب ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب دیں، مہربانی ہوگی؟

مسئلہ: اسی طرح اگر وہی جماعت تبلیغی بستی نظام الدین سے (یعنی جو دہلی میں تبلیغی جماعت کا مرکز کہلاتا ہے) سہارنپور تک کا ارادہ کرے اور اسی ماقبل کی طرح قیام کرتے ہوئے دیوبند تک آئے اور دیوبند میں تین دن تک قیام کرکے پھر سہارنپور جائے تو کیا وہ طلبہ جو دارالعلوم میں زیر تعلیم ہیں اور وہ حضرات جو دیوبند کے ہیں، ان تمام حضرات کے اوپر دیوبند میں قصر واجب ہوگا یا نہیں چونکہ یہ مسئلہ عام طور سے پیش آتا رہتا ہے۔ ازراہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

(المستفتی احقر سراج احمد المظاہری مدھوبنی متعلم دارالعلوم دیوبند ۹ ذی الحجہ، قعدہ ۱۴۱۴ھ)

الجواب وباللہ التوفیق۔ (۱) صورت مسئولہ میں مذکورہ جماعت پر قصر کرنا واجب ہے۔

(۲) صورت مسئولہ میں دیوبند جن لوگوں کا وطن اقامت ہے ان پر تو دیوبند میں بھی قصر واجب ہے اور جن لوگوں کا وطن اصلی ہے وہ دیوبند پہنچ کر مقیم ہو جائیں گے ان پر اتمام ضروری ہے۔

((والحاصل ان انشاء السفر یبطل وطن الاقامة امالو انشاء ہ من غیرہ فان لم یکن فیہ مرور علی وطن الاقامۃ او کان اولکن بعد میسر ثلثة فکذلک (ردالمختار) فقط واللہ اعلم. حبیب الرحمٰن عفااللہ عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۶:۱۱:۱۴۱۴ھ الجواب صحیح نظام الدین الجواب: صحیح محمدظفیر الدین، الجواب صحیح: کفیل الرحمٰن نشاط)

باپ بیٹے کی اور بیٹا باپ کی جائے سکونت پر؟

سوال: ایک شخص اپنے والد کی جائے سکونت سے دور دراز فاصلہ پر رہتا ہے، اگر بیٹا باپ کی جائے سکونت میں یا باپ بیٹے کی جائے سکونت میں جائیں تو قصر پڑھیں گے یا نہیں؟

جواب: جب کہ وطن اصلی ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ہوگیا ہے تو ہر ایک ان میں سے دوسرے کے وطن میں جانے سے مقیم نہ ہوگا بلکہ قصر نماز پڑھے گا۔

(فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۴۶۹، جلد ۴، بحوالہ درمختار، صفحہ ۷۴۲، جلد ۱)

جس جگہ جائیداد ہو؟

سوال: ایک شخص کی اوراس کے باپ بھائیوں کی جائیداداور مکانات ایک قریہ میں واقع ہیں، پہلے ان مالکان کی رہائش اور سکونت بھی اسی قریہ میں تھی، اب کچھ عرصہ سے دوسری جگہ سکونت منتقل کرلی ہے، ان میں سے ایک شخص فصل کے موقع پر وہاں جاکر آمدنی وصول کرلاتا ہے تو جو شخص وہاں جاتا ہے وہ قصر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا وہاں قصد (خیال) ہے تو قصر پڑھے اور اگر پندرہ دن یا زیادہ قیام کے ارادہ سے وہاں جائے گا تو پوری نماز پڑھے گا اور اگر کچھ ارادہ پختہ نہ ہو بلکہ یہی ارادہ ہے کہ دو چار دن میں چلا جاؤں گا یا جب وصول ہو جائے گا چلا جاؤں گا تو برابر قصر کرے گا، اگرچہ بلا ارادہ زیادہ دنوں ٹھہرنا ہو جائے۔

(فتاوی دارالعلوم، صفحہ ۴۷۰، جلد۴ بحوالہ عالمگیری، صفحہ ۱۳۰، جلداول واحسن الفتاوی، صفحہ ۵۷، جلد۴ و درمختار، صفحہ ۷۴۲، جلداول)

جہاں نکاح ہوا ہے اس کا حکم

سوال: درمختار میں وطن اصلی میں اس جگہ کو بھی لکھا ہے جہاں نکاح کیا ہے، تو کیا مطلقاً وہ جگہ جہاں نکاح ہوا ہے وطن اصلی ہے یا اس کا کچھ اور مطلب ہے اور اس کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: وطن اصلی کے معنی یہ لکھتے ہیں کہ وطن قرار ہو یعنی وہاں رہنا مقصود ہو۔ پس بیوی کا وطن اصلی اس وقت ہوتا ہے کہ وہاں رہنا (مستقل) مقصود ہو اور اس کی بیوی وہاں رہتی ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ اگر کسی جگہ سے نکاح کر کے عورت کو لے آیا تو پھر بھی وہ موضع نکاح وطن ہو جائیگا۔ حاصل یہ ہے کہ جس جگہ اسکی بیوی رہتی ہے اور اسکو وہاں رکھنا مقصود ہے تو وہ بھی وطن اصلی ہے۔ اگر دو بیویاں دو شہروں میں رہتی ہوں تو دونوں وطن اصلی ہیں۔

((ولو كانت ببلدتين فايتهما دخل صار مقيما)) (شامی)

اس عبارت سے واضح ہے کہ زوجہ کا وہاں رہنا اور ہونا معتبر ہے، محض نکاح کر کے کہیں سے لے آنا یہ سبب وطن بننے کا نہیں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم، صفحہ ۴۸۳، جلد۴ بحوالہ درمختار، صفحہ ۷۴۲، جلداول)

(یعنی اگر بیوی کو جس جگہ شادی کی (میکہ میں) مستقل طور پر چھوڑ رکھا ہے تو وہ سسرال بھی وطن اصلی کے حکم میں ہو جائے گا۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ)

وطن اصلی کے متعدد ہونے اور بیوی کے وطن اصلی کی تحقیق

مسئلہ: نصوص فقہیہ سے چند اُمور مستنبط ہوئے: (۱) وطن اصلی وہ ہے جس میں رہائش مع اہل وعیال ہو اور وہاں سے ارتحال ونقل اہل کا قصد نہ ہو۔ (دوسری جگہ پر مع اہل کے مستقل طور پر منتقل ہونے کا قصد نہ ہو)۔ (۲) جب کسی دوسرے مقام میں وطن کا ارادہ ہو بدون نقل اہل (اہل وعیال کا منتقل کیئے بغیر تو) پہلا وطن باطل نہ ہوگا۔ (۳) وطن اصلی متعدد ہو سکتے ہیں، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص چار نکاح چار شہروں میں کرے اور ہر بیوی کو اسی کے شہر میں رکھے تو اس شخص کے چار وطن اصلی ہو جائیں گے۔ (محض نکاح سے نہیں ہوں گے بلکہ بیوی کو وہاں رکھ چھوڑنا شرط ہے) (۴) جس شہر میں کسی شخص کے اہل وعیال کا مستقل قیام ہو خواہ کرایہ کے مکان میں یا ذاتی مکان میں وہاں جب مسافر ہو کر پہنچے گا تو قصر باقی نہ رہے گا، بلکہ اتمام ضروری ہوگا۔

جیسا کہ بعض سرکاری ملازمین اپنے اہل وعیال کو جائے ملازمت میں مستقل طور پر رکھتے ہیں، پھر وہاں سے مختلف مقامات کا دورہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب اپنے اہل وعیال کی قیام پر پہنچیں گے مقیم ہو جائیں گے۔ (۵) کسی شہر میں محض نکاح کر لینے سے وہ وطن اصلی نہیں ہو جاتا، بلکہ اہل کا وہاں رکھنا اور وہاں سے منتقل نہ کرنا شرط ہے۔ (بحر: ص ۱۳۱ جلد اول)

اور حضرت عثمانؓ کے قصہ میں بھی اُن کے پوری نماز پڑھنے کا سبب محض تزوج (نکاح) نہ تھا، بلکہ نکاح کے بعد اہل کا مکہ میں رکھنا سبب تھا، چنانچہ کفایہ کی عبارت میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اور اگر محض تزوج ببلدۃ (بیوی کا شہر ہونا) اتمام کو واجب کرنے لگے، خواہ بیوی کو وہاں رکھے یا نہ رکھے، تو رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں قصر نہ کرنا چاہیئے تھا، کیونکہ آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہؓ سے مکہ میں نکاح کیا تھا اور حضرت سودہؓ کے باپ کا گھر وہاں موجود تھا، ان کے بھائی وغیرہ بھی وہاں موجود تھے، نیز حضرت میمونہؓ نے آپ ﷺ سے مکہ ہی میں

نکاح کیا تھا اوران کا تو خاندان مکہ میں تھا مگر صحیحین کی روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے مکہ میں قصر کیا ہے۔(فتح القدیر ص ۰ ۷ ۴، جلد ۲)

اور یہ بھی صحاح میں ثابت ہے کہ حضور ﷺ حجۃ الوداع میں تمام ازواج مطہراتؓ کوساتھ لائے تھے، جن میں بعض کا وطن اول مکہ تھا، لیکن آپ ﷺ نے قصر کیا ہے۔(کیونکہ ازواج مطہراتؓ آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ میں قیام پذیر تھیں۔

خلاصۂ کلام:۔ پس صورت مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی شہر میں نکاح کر کے بیوی کو وہاں نہ رکھے (سسرال میں) بلکہ مرد اپنے شہر میں لے آئے تو بیوی کا وطن اصلی نہ ہوگا، شوہر جب وہاں مسافر ہو کر جائے تو قصر کرے گا (بلکہ بیوی بھی قصر کرے گی) اور بیوی کو اسی کے وطن میں رکھے تو اس کا (بیوی کا) وطن شوہر کا وطن ہو جائے گا، خواہ شوہر کا مستقل قیام اپنے وطن میں رہتا ہو، یا دونوں جگہ رہتا ہو۔

مسئلہ:۔ اگر مسافر نے ایک شہر میں نکاح کیا اور اس کا ارادہ بنفسہٖ وہاں قیام کرنے کا نہیں (لیکن بیوی کو وہیں رکھنے کا ارادہ ہے) تو وجہ یہ ہے کہ وہ مقیم ہو جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عثمانؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ مکہ میں مقیم نہ تھے یعنی بحیثیت مقیم نہیں رہتے تھے، پھر بھی انہوں نے قصر نہ کیا، کیونکہ ان کی ایک بیوی مستقل طور پر مکہ میں مقیم تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کا مستقل قیام گو اپنے وطن میں ہو لیکن جب اس کی بیوی کا قیام مستقل دوسری جگہ ہوگا تو شوہر وہاں جا کر مقیم ہو جائے گا۔

مرد کا بیوی کو مستقلاً کسی مقام پر رکھنا یہ عملاً اقامت ہے، لہٰذا اس صورت میں نیت عدم اقامت کا اعتبار نہ ہوگا۔ (یعنی اگر مرد نے ہی عورت کو کسی مقام پر رکھا ہے تو جب بھی مرد وہاں جائے گا مقیم ہو جائے گا) اور اگر بیوی خود قیام پذیر ہے تو مسافر رہے گا یا اگر بیوی کو طلاق دے دی تو جب بھی اس کے شہر میں مسافر ہوگا اور حضرت عثمانؓ نے مکہ میں قصر اس لئے نہیں کیا کہ ایک بیوی کو مکہ میں چھوڑ رکھا تھا۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ۔

(امداد الاحکام ص ۶۹۵ تا ۶۹۷، جلد اول و بحر: ص ۱۳۶ جلد ۲ بدائع صنائع ۳ ص ۱۰۴ ج اول)

داماد سسرال میں کب قصر کرے گا؟

مسئلہ :۔ اگر وہ گھر داماد ہے یعنی یہ شرط کردی گئی کہ لڑکی ہمیشہ اپنے میکہ میں رہے گی، رخصت ہوکر سسرال نہیں جائے گی تو وہ سسرال پہنچ کر قصر نہیں کرے گا، وہ اس کے لیے وطن ہوگیا اور اگر یہ شرط نہیں تو وہاں قصر کرے گا الا یہ کہ نیت اقامت کرے، یعنی کم از کم پندرہ روز وہاں رہنے کی نیت کرلے گا تو قصر نہیں کرے گا بلکہ پوری نماز پڑھے گا۔

(فتاوی محمودیہ ص ۲۲۸ ج ۴ و فتاوی دار العلوم ص ۴۵۸ ج ۴

وفتاوی رحیمیہ ص ۱۰ ج ۵ بحوالہ قاضی خان ص ۸۷ جلد اول)

مسئلہ :۔ مرد کی سسرال اگر مسافت سفر (اڑتالیس میل سوا ستتر کلومیٹر) پر ہے تو وہاں مسافر ہوگا اور بیوی کی اگر رخصتی ہو چکی ہے اور وہ اپنے میکہ ملنے کیلئے آئی ہے تو وہ بھی وہاں مسافر ہوگی۔ جب کہ اسکی نیت وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نہ ہو۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۳، جلد ۲ و در مختار، صفحہ ۴۲۷، جلد اول وفتاوی دار العلوم، صفحہ ۴۵۹، جلد ۴)

سُسرال میں رہنے کا حکم

مسئلہ :۔ بیوی اپنے والدین کے مکان پر شوہر کی اجازت سے رہے اور بیوی کے والد اپنی لڑکی کا خرچہ بخوشی برداشت کریں تو شوہر پر کوئی پکڑ نہیں اور اگر شوہر (داماد) کو خوش دلی سے کھانا کھلائیں تب بھی پکڑ نہیں، اگر شوہر کو اس کا احساس ہو کہ داماد کا کھانا ان پر بار ہے اور وہ اس پر خوش نہیں تو اس کو وہاں نہیں کھانا چاہیئے اور اگر داماد کے قیام سے بھی ان کو ناگواری ہو تو وہاں قیام بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ (فتاوی محمودیہ، صفحہ ۴۷۰، جلد ۱۳)

وہ مقام جو سسرال والوں کا وطن نہ ہو؟

سوال: اگر بیوی اپنے ماں باپ کے پاس گئی اور وہ مقام ماں باپ کا وطن نہیں ہے، مگر ماں باپ (بیوی کے) وہاں مقیم ہیں تو اگر شوہر وہاں عارضی طور پر (پندرہ روز سے کم) بحیثیت مسافر کے جائے تو وہ قصر کرے یا نہیں؟ اور اگر وہاں بیوی بھی موجود ہو مگر وہاں اس کا مستقل قیام نہیں بلکہ بطور مہمان کے گئی ہے تو اس صورت میں شوہر مسافر قصر کرے یا پوری

نماز پڑھے؟

جواب: اگر بیوی اپنے وطن میں نہیں رہتی بلکہ شوہر کے پاس رہتی ہے تو شوہر اور بیوی دونوں بحالت سفر وہاں (سسرال میں) قصر کریں گے۔ بدلیل قصرہ علیہ وسلم واہلہ بمکة محض تزوج ببلدہ موجب اتمام نہیں بلکہ اس کے ساتھ استقرار سکونت زوجین بہاپا استقرار زوج وحدہا شرط ہے۔ (صرف نکاح سے بیوی کا شہر وطن نہیں ہوتا بلکہ دونوں میں سے ایک کا سکونت اختیار کرنا ضروری ہے۔)

اور صورت مسئولہ میں استقرار سکونت نہیں ہے، نہ شوہر کے لیے اور نہ بیوی کے لیے، بخلاف جائے ملازمت کے کہ وہاں استقرار سکونت ہے کیونکہ وہاں شوہر کا مکان کرایہ پر لینا اور اسباب تعیش خانہ داری کے لیے مہیا کرنا ہے، پس وہ مثال اس جزئیہ کی ہے جو مجتبیٰ سے اوپر کی نقل کی گئی ہے، وہاں پہنچ کر زوج (شوہر) مسافر مقیم ہو جائے گا جب کہ وہاں شوہر کے اہل وعیال مقیم ہیں۔ (امداد الاحکام، صفحہ ۷۱۹، جلد اول)

بیوی کے وطن اقامت میں شوہر کے لیے حکم

سوال: اگر بیوی کسی مقام پر ایک ماہ کے لیے مقیم ہو جائے، علاوہ وطن اصلی کے تو شوہر اس کا اگر وہاں آئے جہاں مقیم ہے تو کیا شوہر کے لیے وطن اقامت ہو جائے گا؟

جواب: یہ جو مشہور ہے کہ وطن اقامت سفر سے باطل ہو جاتا ہے یہ مطلق نہیں ہے بلکہ اس صورت میں ہے جب کہ وطن اقامت میں تنہا مرد کا قیام ہو اور اگر وطن اقامت میں مرد کا قیام مع اہل وعیال کے ہے تو تنہا مرد کے سفر اور دورہ سے وطن اقامت باطل نہیں ہوا، بلکہ وہاں اہل وعیال کا قیام حکماً اسی (مرد) کا قیام ہے، پس اگر کوئی جگہ مرد کیلئے وطن اقامت نہ ہو بلکہ صرف بیوی کا وطن اقامت ہو کہ وہ (بیوی) اپنی ضرورت (یا ملازمت وغیرہ کی وجہ سے) بیس دن (یا زائد) کو گئی ہو وہاں مرد مسافر ہو کر جائے گا تو بیوی کے قیام سے مقیم نہ ہوگا۔ (امداد الاحکام، صفحہ ۷۲۳، جلد اول)

(یعنی بیوی کے وطن اقامت میں اگر شوہر مسافت شرعی کر کے آئے گا تو قصر کرے گا، بیوی کی وجہ سے مقیم نہ ہوگا، برخلاف شوہر کی جائے اقامت میں اگر بیوی آئے تو

شوہر کے تابع ہونے کی وجہ سے مقیم ہو جائے گی۔ رفعت)

مسئلہ: ۔صرف بیوی کے عارضی قیام سے وہ جگہ شوہر مسافر شرعی کے لیے موجب اتمام نہ ہوگی، یعنی قصر کرے گا۔ (امداد الاحکام، صفحہ ۱۹، جلد اول)

ہفتہ میں دو دن گھر رہنے والے کے لیے حکم

سوال: میں بلساڑ کا باشندہ ہوں، کاروبار بمبئی میں ہے اس لیئے بمبئی میں ایک کمرہ کرایہ پر لے رکھا ہے، پیر سے جمعہ تک یعنی پانچ دن بمبئی میں رہتا ہوں، ہفتہ اور اتوار کے دن اپنے وطن بلساڑ میں گزارتا ہوں اب سوال یہ ہے کہ (۱) پیر سے جمعہ تک بمبئی میں قیام کے دوران جماعت اکثر فوت ہو جاتی ہے، اس لیئے تنہا کمرہ پر نماز ادا کرتا ہوں، تو نماز قصر کروں یا پوری ادا کروں؟ (۲) ہفتہ کے روز جمعہ گھر آتا ہو تو راستہ میں قصر کروں یا اتمام؟ (۳) ہفتہ اور اتوار کے دن اپنے گھر (وطن) میں رہتا ہوں، مجھے یہاں قصر کرنا ہے یا پوری نماز؟

جواب: پہلی اور دوسری صورت میں آپ نمازوں میں قصر کریں کہ آپ مسافر ہیں اور تیسری صورت میں نماز پوری پڑھیں کہ بلساڑ (علاقہ کا نام ہے) آپ کا وطن اصلی ہے اور وطن اصلی میں داخل ہوتے ہی آدمی مقیم ہو جاتا ہے، اس لیئے پوری نماز ضروری ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۱۱، جلد ۵)

سوال: احقر کا وطن سورت ہے، دیوبند میں بغرض تعلیم پورے سال مقیم رہا، پھر رمضان المبارک کا پورا مہینہ سہارنپور میں شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی خدمت میں گزارا اس کے بعد یکم شوال کو دیوبند پہنچا اور یہاں دو تین روز رہ کر سورت اپنے وطن کا ارادہ ہے، تو کیا دیوبند میں پوری نماز پڑھوں یا قصر؟

سوال: کا منشاء یہ ہے کہ وطن اقامت، وطن اقامت سے باطل ہو جاتا ہے تو ان کے درمیان مسافت سفر ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

نوٹ: ۔ دیوبند اور سہارنپور کے درمیان مسافت سفر شرعی نہیں ہے۔

جواب: وطن اقامت وطن اقامت سے باطل ہو جاتا ہے، چاہے ان دونوں کے درمیان مسافت شرعی ہو یا نہ ہو، لہٰذا جب آپ یکم شوال کو دیوبند پہنچے اور دو تین روز قیام کر کے سورت

کا سفر کا ارادہ ہے تو آپ مسافر ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: صفحہ ۷، جلد ۵ بحوالہ درمختار مع الشامی، صفحہ ۷۴۳، جلد اول و جوہرہ نیرہ، صفحہ ۸۸، جلد اول)

ہاسٹل میں رہنے والوں کے لیے نماز قصر

سوال: میں یونیورسٹی میں پڑھتا ہوں، میرا گاؤں یہاں سے ۴۹ میل دور ہے اور میں ہاسٹل میں رہتا ہوں اور ہر جمعرات کو گھر جاتا ہوں تو کیا قصر کرنا چاہیئے ؟

جواب: اگر آپ ایک بار ہاسٹل میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لیں تو ہاسٹل آپ کا ''وطن اقامت'' بن جائے گا اور جب تک آپ وہاں طالب علم کی حیثیت سے مقیم ہیں وہاں پوری نماز پڑھیں گے اور اگر آپ نے ایک بار بھی وہاں پندرہ دن قیام نہیں کیا تو آپ وہاں مسافر ہیں اور قصر پڑھیں گے اور گھر پر تو ہر حال میں پوری نماز پڑھیں گے، خواہ گھر پر ایک گھنٹہ کے لیے آئے ہوں۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۴، جلد ۲)

ایک وطن کو باقی رکھتے ہوئے دوسرا وطن بنانا؟

سوال: میرا وطن اصلی راندیر ہے، اس کے بعد بمبئی مستقل قیام کے ارادہ سے راندیر (شہر) سے منتقل ہوا اور اب آج کل حیدرآباد میں کاروبار کے سلسلے میں مقیم ہوں، اب اگر میں بمبئی دو چار روز قیام کے ارادہ سے جاؤں تو نماز قصر پڑھوں یا پوری؟

جواب: راندیر کے وطن اصلی ہونے میں تو کوئی کلام نہیں، اب اگر اسے بالکل چھوڑ دیا ہو اور کوئی تعلق نہ رہا ہو اور حیدرآباد کو ہمیشہ رہنے کی غرض سے وطن اصلی بنالیا ہو، تو راندیر وطن اصلی باطل ہو گیا اور جب بھی راندیر بطور مہمان یا کسی ضرورت سے آنا ہو اور پندرہ روز سے کم رہنے کا ارادہ ہو تو قصر لازم ہے ورنہ نماز پوری پڑھنا ہوگی، بمبئی کا بھی یہی حکم ہے اور اگر راندیر کو وطن اصلی قائم رکھتے ہوئے حیدرآباد یا بمبئی کو ہمیشہ رہنے کی نیت سے وطن اصلی بنالیا ہو تو دونوں مقام (راندیر اور بمبئی یا راندیر اور حیدرآباد) وطن اصلی ہوں گے، وطن اصلی متعدد ہو سکتے ہیں اور اگر ہمیشہ رہنے کی غرض سے حیدرآباد یا بمبئی کو وطن اصلی نہیں بنایا ہے اور راندیر سے تعلقات ختم نہیں کیے ہیں تو راندیر وطن اصلی ہے اور حیدآباد اور بمبئی وطن اقامت اور جو حکم

آپ کے لیے ہے وہی حکم آپ کے اہلیہ کے لیے بھی ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۹، جلد ۵ و آپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۱، جلد ۲)

ملازمت کی جگہ پر نماز قصر؟

سوال: میں منڈی بہاؤالدین میں خطیب ہوں اور مستقل طور پر ملازمت کرتا ہوں اور ایک رہائشی مکان بھی ملا ہوا ہے، میری بیوی بچے گھریلو سامان کے ساتھ میرے پاس رہتے ہیں، البتہ میرا وطن اصلی ضلع سرگودھا ہے، وہیں کا رہنے والا ہوں اور وطن اقامت یہ منڈی ہے ایک عالم نے فرمایا کہ میں سفر شرعی کے لیے منڈی بہاؤالدین سے باہر جب بھی جاؤں اور پھر واپس منڈی میں آؤں گا تو نماز قصر کروں تاوقتیکہ واپسی کے بعد منڈی میں پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو۔

مثلاً کسی سفر شرعی سے واپسی کے بعد ہفتہ عشرہ تک کہیں دوبارہ سفر پر جانا ہو تو قصر لازم ہوگی اور پوری نماز نہیں پڑھا سکتے۔ کیا اس صورت میں سفر شرعی سے واپسی کے بعد اقامت شرعی کے لیے پندرہ روز کی نیت کرنا شرط ہے یا نہیں؟

جواب: جو شخص کسی شہر میں باقاعدہ بیوی بچوں سمیت رہائش رکھتا ہو اور اس کا ذریعہ معاش بھی اسی شہر سے متعلق ہے تو اس کا یہ وطن تب باطل ہوگا جب کہ اس شہر سے رہائش ختم کر کے چلا جائے گا، محض عارضی اور وقتی اسفار سے اس کا یہ وطن اقامت باطل نہیں ہوگا، وطن اقامت سے جب سفر بصورت ارتحال (بیوی بچوں سمیت مستقل کے لیے جانا) ہوگا تو یہ اس کے لیے مبطل ہوگا۔

پس صورت مسئولہ میں سائل سفر کے بعد جب بھی منڈی بہاؤالدین پہنچے گا مقیم تصور کیا جائے گا اور نماز پوری پڑھے گا بلکہ بعض اوقات عبارات سے تو ایسے مقام کے وطن اصلی ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ (تفصیل ملاحظہ ہو، احسن الفتاویٰ، صفحہ ۹۸ تا ۱۱۰، جلد ۴ و فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۱۴۱ ۵، جلد ۳ و کتاب الفقہ، صفحہ ۳۷۷، جلد اول)

کیا جائے ملازمت وطن اصلی ہے؟

مسئلہ :۔ از رُوئے فقہ آدمی کے وطن اصلی متعدد ہو سکتے ہیں اور شرعاً وطن اصلی صرف اس جگہ کو نہیں کہتے جہاں پیدا ہو، بلکہ ہر اس جگہ کو وطن اصلی کا درجہ حاصل ہے، جہاں انسان اپنے اثاثہ (سامان تعیش) اور اہل وعیال کے ساتھ مستقل قیام پذیر ہو، مثلاً آدمی کی جائے ملازمت جہاں وہ اپنے اہل وعیال وسامان کے ساتھ رہتا ہو وہ بھی وطن اصلی کے درجہ میں ہوتا ہے لہٰذا جب شرعی مسافر ہو کر وہاں پہنچ جائے گا نماز قصر نہیں کرے گا بلکہ پوری نماز پڑھنی لازم ہے خواہ پندرہ دن کے قیام کا ارادہ نہ کیا ہو۔ (ایضاح المسائل، صفحہ ۶۶، وامداد الاحکام، صفحہ ۷۱۸، جلد اول واحسن الفتاویٰ، صفحہ ۱۰۲، جلد ۴ و بحر الرائق، صفحہ ۱۳۶، جلد ۲ ومجمع الانہر، صفحہ ۱۶۴ جلد اول و کتاب الفقہ، صفحہ ۷۷۳، جلد اول)

مسئلہ :۔ اگر کوئی شخص مثلاً مرادآباد کا باشندہ ہے اور مرادآباد ہی وطن اصلی ہے اور اس کو باقی بھی رکھا ہے لیکن اس کے ساتھ دہلی میں اس کا مستقل کاروبار (تجارت) ہے اور وہاں اثاثہ اور اہل وعیال کے ساتھ رہتا ہے تو جب بھی وہاں مسافر (شرعی) ہو کر رہ جائے گا اور ایک دو روز میں پھر سفر کا ارادہ ہے تو اس درمیان میں وہاں پر نماز قصر درست نہ ہوگی بلکہ چار رکعت پوری پڑھنی ضروری ہوگی۔ (امداد الاحکام، صفحہ ۶۰۴، جلد ۱)

لیکن اس کے لیے یہ شرط ہے کہ ایک دفعہ دہلی میں پندرہ دن سے زائد قیام (کی نیت) کر چکا ہو، اس کے بعد مستقل پوری نماز کا حکم باقی رہے گا۔ (ایضاح المسائل، صفحہ ۶۷)

مسئلہ :۔ کسی کی دو بیویاں ہیں مثلاً ایک کو دہلی میں رکھا اور دوسری کو بمبئی میں اور دونوں جگہ سامان کیساتھ مستقل رکھا ہے تو یہ آدمی دونوں جگہ جاتے ہی مقیم ہو جائیگا اور پوری نماز پڑھنی پڑیگی، گو پندرہ دن اقامت کی نیت نہ کی ہو۔

(امداد الاحکام، صفحہ ۶۰۸، جلد اول و ایضاح المسائل، صفحہ ۶۷)

سیر و تفریح کے مقام پر نماز قصر؟

مسئلہ :۔ جس مقام پر انسان مع اہل وعیال کے مقیم ہو خواہ عارضی ہو مثلاً گرمی کے زمانہ

میں وہاں قیام کرتا ہوتو وہ اس کا وطن اقامت ہو جاتا ہے اور جب تک وہاں اس کے اہل وعیال مقیم رہیں گے وطن اقامت رہے گا، تنہا اس کے سفر سے وہ وطن باطل نہ ہوگا، جب تک کہ وہاں سے اہل وعیال کو منتقل نہ کرلے۔

مسئلہ:۔ جائے ملازمت پر جب تک اہل وعیال مقیم ہوں وہاں نماز پوری ہی پڑھنی چاہیئے

مسئلہ:۔ اور اگر مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے اس مقام پر نماز قصر پڑھتا رہا تو ان نمازوں کا اعادہ واجب نہیں (یعنی لوٹانے کی ضرورت نہیں) کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے۔

(امداد الاحکام، صفحہ ۱۸۷، جلد اول)

تاجر کے لیے نماز قصر کا حکم

سوال: زید نے اپنا تجارت کا سامان اپنے وطن سے سومیل کے فاصلے پر لے کر وہاں ایک مکان کرایہ پر لے رکھا ہے اور اس مقام سے سامان دیہات میں لے جاکر فروخت کرتا ہے، دیہات سے کبھی ہفتہ، کبھی دس دن میں اپنے جائے قامت (جو کرایہ پر لے رکھا ہے) واپس آتا ہے۔ دو چار روز وہاں قیام کر کے پھر اسباب لے کر چلا جاتا ہے اس کو فروخت کر کے آٹھ دس دن میں واپس آتا ہے۔ اسی طرح کچھ روز گزار کر وطن اصلی کو واپس آتا ہے، زید جس مقام پر تجارت کا سامان رکھتا ہے وہ وطن اقامت بن جائے گا یا نہیں اور زید کو نماز قصر ادا کرنی چاہیئے یا نہیں؟

جواب: ایک دفعہ اس جائے اقامت میں پندرہ دن کے قیام کی نیت کرلی ہے تو اس صورت میں وہاں اور قرب وجوار کے دیہات پر جہاں تک مسافت قصر نہ ہو نماز پوری پڑھتا رہے گا اور اگر جائے اقامت میں ایک دفعہ بھی پندرہ روز کے قیام کی نیت نہیں کی تو پھر برابر قصر کرے گا۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۵۶، جلد ۴ بحوالہ عالمگیری، مصری، صفحہ ۱۳، جلد ۱)

اس سفر کا حکم جس کے درمیان وطن واقع ہو؟

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص سفر میں ہو اور اس کا اصل شہر یا اس کی مستقل رہائش گاہ راستہ میں آجائے اور وہ اس شہر میں داخل ہو جائے تو داخل ہوتے ہی سفر کی حیثیت ختم ہو جائے گی اور

یہی حکم بیوی کے شہر (سسرال) کا ہے جو وہاں رہتی ہو (اور خود شوہر نے اپنی خوشی سے چھوڑ رکھا ہو) کہ وہاں پہنچتے ہی سفر ختم متصور ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر دوران سفر کسی نے مقام مذکور کے اندر جانے کی نیت کی تو فاصلہ کو دیکھا جائیگا کہ جہاں نیت کی ہے وہاں سے اس شہر کا، یعنی اسکے اصل وطن یا مستقل رہائش گاہ یا بیوی کے شہر کا فاصلہ کس قدر ہے؟ اگر اتنا فاصلہ ہے جسمیں قصر عائد ہوتا ہے تو دوران سفر قصر کرے، ورنہ نہ کرے۔ بعض اصحاب نے اس حال میں قصر ہی کرنے کو کہا ہے۔

ہاں اگر اس جگہ سے محض گزر جانا ہو تو قصر منع نہ ہوگا۔ جیسے اُس شہر میں سے گزرنے پر جو اس کی بیوی کا ہو جس سے تعلقات زوجیت قائم نہ ہوئے ہوں یا جس سے لڑائی ہو، تو قصر ممنوع نہیں ہوتا۔ (کتاب الفقہ، صفحہ ۷۷۷، جلد اول وتفصیل امداد الاحکام، صفحہ ۶۹۹، جلد ا تا صفحہ ۷۰۱، جلد اول)

مسئلہ:۔ تین منزل اڑتالیس میل (سوا ستتر کلومیٹر) جانے کا ارادہ ہے لیکن پہلی منزل پر اپنا گھر پڑے گا تب مسافر نہ ہوگا۔ (بہشتی زیور، صفحہ ۴۹، جلد ۲ وجوہرہ نیرہ، صفحہ ۸۷، جلد ۱)

قصر اور اتمام میں شبہ ہو جانے پر؟

سوال: ایک شخص کی زمین ومکان ضلع جالندھر میں ہے اور وہ مع اہل وعیال زمین ملنے کی وجہ سے ضلع فیصل آباد میں چلا گیا ہے اور وہاں سکونت اختیار کرلی ہے چونکہ ضلع جالندھر میں اس کے مکانات اور زمین ہیں۔ چھ ماہ بعد یا کم وبیش اسکے انتظام کے لیے وہاں آنا پڑتا ہے تو کیا وہ شخص یہاں آکر نماز پوری پڑھے یا قصر کرے؟

جواب: ایک اس میں اصح واحوط یہی ہے کہ وطن اول بھی وطن اصلی ہے، وہاں نماز پوری پڑھے، جیسا کہ بعض فقہاء کے اقوال سے اس کو ترجیح معلوم ہوتی ہے نیز اس قاعدہ سے بھی اتمام (پوری نماز) راجح ہے جس کو علامی شامیؒ نے امام ابو یوسف کے قول کی ترجیح میں نقل کیا ہے کہ جس موقع پر قصر اور اتمام میں شبہ ہو تو وہاں اتمام کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ احتیاط اسی میں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۱۷۴، جلد ۴، بحوالہ در مختار، صفحہ ۷۳۳، جلد اول)

تیمّم کی معنیٰ

"تیمّم" کے لغوی معنیٰ ہیں قصد کرنا اور شرعی اصطلاح میں اس لفظ کا مطلب ہوتا ہے پاکی حاصل کرنے کی نیت سے پاک مٹی یا پاک مٹی کے قائم مقام کسی چیز (جنس زمین، پتھر، چونا وغیرہ کہ جس پر گرد و غبار ہو) کا قصد کرنا اور اس پاک مٹی کو منہ اور ہاتھوں پر لگانا، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی وغیرہ پر مارتے ہیں، پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر جھاڑتے ہیں اس کے بعد ان ہاتھوں کو پورے چہرے پر کہنیوں تک دونوں ہاتھوں پر ملتے ہیں۔

تیمّم دراصل پانی دستیاب نہ ہونے یا پانی کے استعمال سے معذور ہونے کی صورت میں وضو اور غسل کا قائم مقام ہے اور اللہ تعالیٰ کی ان جلیل القدر نعمتوں میں سے ایک ہے جو اس نے اپنے فضل و کرم سے صرف اُمت محمدیہ کو عطا کی، گذشتہ اُمتوں میں یہ تیمم مشروع (یعنی جائز) نہ تھا۔

تیمم سنہ ۵ ہجری میں مشروع ہوا۔ ایک سفر جہاد کے دوران جبکہ آنحضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ مدینہ طیبہ واپس آرہے تھے، ایک ایسے مقام پر ٹھہرنا پڑ گیا جہاں پانی دستیاب نہ تھا، جب نماز کا وقت آیا تو لوگوں نے وضو کے بغیر نماز پڑھ لی اور آنحضرت ﷺ سے اسکا ذکر کیا، جب ہی یہ آیت تیمم نازل ہوئی (فلم تجدوا ماء الخ)۔ (پارہ ۵، سورۂ النساء) مظاہر حق، صفحہ ۴۷۰، جلد اول)

تیمّم کی شرائط

تیمّم کے رکن اور سب سے زیادہ بڑی ضروری چیزیں دو ہیں۔ اول دو ضربیں یعنی دو دفعہ دونوں ہاتھ مارنا، ایک دفعہ چہرے پر پھیرنے کے لیے اور دوسری دفعہ دونوں ہاتھوں پر پھیرنے کے واسطے یعنی کہنیوں تک۔

دوسرے مسح یعنی ہاتھ مارنے کے بعد تمام چہرہ اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں پر پھیر لینا، لیکن تیمّم خواہ مخواہ بلا ضرورت و بلا تکلف ہر کسی چیز پر ہر حالت میں جائز نہیں، بلکہ

جیسے یہ دو رکن ضروری ہیں، ایسے ہی ان کے ساتھ چند شرائط بھی قرآن وحدیث سے لازمی وضروری ہیں۔ مثلاً (۱) اسلام یعنی مسلمان ہونا (۲) قابل طہارت ہونا (۳) عذر ہونا، یعنی پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا، خواہ پانی میسر نہ ہو یا مرض کی وجہ سے استعمال نہ کر سکے (۴) جنس زمین (۵) استیعاب یعنی ضربیں لگا کر چہرے پر اور کہنیوں تک ہاتھوں پر ہر جگہ ہاتھ پھیرے کوئی جگہ خالی نہ رہ جائے (۶) نیت کرنا، یعنی دل سے ارادہ کرنا کہ تیمّم کرتا ہوں۔ ان مذکورہ بالا شرطوں میں سے اگر کوئی بھی موجود نہ ہوگی تو تیمم ہرگز جائز نہ ہوگا مثلاً پانچ شرطیں موجود ہیں مگر ایک شرط نہیں پائی جاتی تو تیمم صحیح نہ ہوگا، اسی طرح اگر ایک موجود ہے پانچ نہیں۔ غرض جب تک سب شرطیں نہ ہوں تیمم نہیں ہوسکتا۔

(طہور المسلمین، صفحہ ۸)

مسئلہ: ۔ ہر عاقل وبالغ مسلمان خواہ مسافر ہو یا مقیم اور خواہ شہر وآبادی میں ہو شہر وآبادی کے باہر، ان صورتوں (مذکورہ) میں تیمّم کرسکتا ہے۔ (مظاہر حق، صفحہ ۴۷۸، جلد۱)

تیمّم کرنے کا طریقہ

مسئلہ: ۔ پاک ہونے کی نیت کر کے دونوں ہاتھ پاک مٹی پر پھیر کر ان کو جھاڑ لیجئے اور اچھی طرح منہ پر مل لیجیے کہ ایک بال کی جگہ بھی خالی نہ رہے پھر دوبارہ مٹی پر ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک مل لیجیے گا۔

(آپ کے مسائل، صفحہ ۶۳، جلد۲ و کتاب الفقہ، صفحہ ۲۳۵، جلد۱ عالمگیری، صفحہ ۵۶، جلد۲)

مسئلہ: ۔ تیمم میں ڈاڑھی کا خلال کرنا سنت ہے۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۵۸، جلد۲)

تیمّم میں دو ضربیں کیوں ہیں؟

سوال: تیمم اعضائے وضو میں سے صرف دو اعضاء کیلئے کیوں مشروع ہے؟ یعنی محض چہرے اور ہاتھوں کا تیمم ہوتا ہے، باقی اعضاء کا نہیں ہوتا؟

جواب: تیمم کی اجازت سہولت کے پیش نظر ہے۔ لہٰذا اس میں وضو کا کچھ حصہ کافی خیال کیا گیا۔ علاوہ اس کے یہ دونوں اعضاء وہی ہیں جن کا وضو میں دھونا ہمیشہ واجب ہوتا ہے

یعنی چہرہ اور دونوں ہاتھ اور سر کا تو بہر حال مسح ہو جاتا ہے اور دونوں پاؤں بھی دھوئے جاتے ہیں اور کبھی جب موزہ پہن رکھا ہو، مسح کر لیا جاتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے صرف ان دو اعضاء کا جن کو دھونا ہمیشہ فرض ہوتا ہے، تیمم میں واجب فرمایا اور ظاہر ہے کہ اس میں سہولت ہو گئی۔

(کتاب الفقہ، صفحہ ۲۲۸، جلد اول)

غسل کی نیت سے تیمّم کرنا؟

سوال: آدمی جتنے دن بیمار ہے ہر نماز سے پہلے وضو کرنے سے قبل اس کو غسل کے طور پر تیمم کرنا ضروری ہے یا ایک بار تیمّم کرنا کافی ہے؟

جواب: غسل کیلئے تیمّم صرف ایک بار کر لینا کافی ہے۔ جب تک دوبارہ غسل کی حاجت پیش نہ آجائے۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۶۵، جلد ۲)

مسئلہ: ۔ وضو اور غسل کے تیمم میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کا طریقہ ایک ہی ہے۔ (صرف نیت کا فرق ہے)۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۶۴، جلد ۲)

مسئلہ: ۔ جو شخص وضو اور غسل کرنے سے معذور ہو وہ جنابت (ناپاکی) کی حالت میں ایک ہی تیمم بہ نیت غسل کر لے، اس کے لیے کافی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۲۶۳، جلد اول)

مسئلہ: ۔ جیسا کہ بے وضو آدمی پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے اسی طرح جس کو نہانے کی حاجت ہو وہ پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل کے لیے تیمم کر سکتا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۲۵۲، جلد اول)

سفر میں تیمّم کے مسائل

مسئلہ: ۔ اگر کوئی ایسا شہر اور ایسی بستی (علاقہ) ہے جہاں ایک میل (اکلومیٹر ۶۱۰ میٹر) تک کہیں پانی نہیں تو وہاں بھی تیمم جائز ہے۔ (طہور المسلمین، صفحہ ۹)

مسئلہ: ۔ ریل وغیرہ کے سفر میں بعض لوگ معمولی کپڑے اور رومال اور تکیہ وغیرہ پر ہاتھ مار کر بلا تکلف تیمم کر لیتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ اس پر غبار بھی ہے یا نہیں۔ گویا وہ کپڑے اور تکیہ ہی پر تیمم جائز سمجھتے ہیں۔ واضح رہے کہ جنس زمین کے سوا کپڑے وغیرہ پر تیمم اسی وقت

جائز ہے کہ اس پر غبار اڑ کر ہاتھ کو لگ جائے اور کپڑے پر تیمّم کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ تیمّم کی نیت کر کے ہاتھ مار کر ہاتھوں پر جو غبار لگے اس سے تیمّم کرے۔ (طہور المسلمین، صفحہ ۱۷)

مسئلہ: ۔ریل گاڑی میں پانی دستیاب نہ ہو تو تیمّم کر سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ ریل کے کسی ڈبے میں بھی پانی نہ ہو اور ایک میل شرعی کے اندر پانی کے موجودہ ہونے کا علم نہ ہو جہاں ریل رکتی ہو۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ٦٦، جلد ۲ و فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۲۹، جلد ۱۴)

مسئلہ: ۔ریل میں اگر پانی نہ ملے تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر یقین ہو کہ نماز کے وقت اندر پانی مل جائے گا تو نماز کو مؤخر کرنا مستحب ہے، اگر پانی مل جائے تو وضو کر کے نماز ادا کرے اور اگر نہ ملے اور وقت ختم ہونے کا اندیشہ ہے تو تیمّم کر کے نماز ادا کرے۔

(ہدایہ باب التیمم، صفحہ ۵۵، جلد ا و فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۲۹، جلد ۱۴ و کتاب الفقہ، صفحہ ۲٦۲، جلد اول)

پانی نہ ملنے کی صورت میں کم از کم ایک میل (اکلومیٹر ٦۱۰ میٹر) کی مسافت پر ہونا تیمّم کیلئے شرط ہے۔

مسئلہ: ۔اگر پانی ملنے کی صورت میں کسی آدمی نے تیمّم کر کے نماز پڑھنا شروع کر دی اور ابھی نماز ختم نہ ہوئی تھی کہ ریل کا اسٹیشن قریب آ گیا، جہاں پانی ملنے کا یقینی امر ہے تو اب نماز وضو کر کے ازسرِ نو نماز شروع کرنی چاہیئے اور اگر نماز ختم کرنے کے بعد ریل کا اسٹیشن جہاں پانی ملنے کا یقین ہے قریب آیا ہے تو وہ نماز ہو گئی۔ اب اس کو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (درمختار، صفحہ ۲۳۱، جلد اول)

مسئلہ: ۔ریلوے اسٹیشن پر اگر پانی دینے والے غیر مسلم ہیں تو اس سے پانی لے کر وضو کر لینا چاہیئے، ہاں اگر یقین ہے کہ اس کا پانی یا برتن ناپاک ہے تو تیمّم کرنا جائز ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۲۵۰، جلد اول و کتاب الفقہ، صفحہ ۲۴۷، جلد اول)

(اسٹیشن پر جو پانی ملتا ہے عموماً وہ پاک ہوتا ہے اور اس کا برتن بھی، لہٰذا بلا وجہ شبہ کر کے اپنے کو مشقت میں نہ ڈالنا چاہیئے اور اسی طرح سے ہر ایک ریل کے فلش کے اندر پانی کا انتظام ہوتا ہے اور وہ پانی بھی پاک ہی ہوتا ہے، اس سے وضو اور غسل جائز ہے، اسلئے تیمّم کی نوبت ریل میں نہیں آتی ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

تیمّم کے لیے کتنا بڑا ڈھیلا ہو؟

مسئلہ:۔ تیمّم میں احوط یہ ہے کہ ڈھیلہ اتنا بڑا ہو کہ جس پر دونوں ہاتھوں سے ایک دفعہ ضرب کرسکیں، یا یہ کہ کم از کم اتنا بڑا ہو کہ ایک ہاتھ پورا یعنی ہتھیلی مع انگلیوں کے اس پر آجائے اور یکے بعد دیگرے دونوں ہاتھوں کو اس پر مارسکیں، کیونکہ بعض علماء کے نزدیک ضرب (ہاتھ مارنا) تیمّم کا رکن ہے۔

مسئلہ:۔ اور جس ڈھیلے سے تیمّم کیا ہو اس کو استنجے میں استعمال کرنا جائز تو ہے مگر اچھا نہیں، فقہاء نے ناپاک جگہ وضو کرنے کو خلاف ادب کہا ہے اور وجہ یہی لکھی ہے کہ وضو کا پانی قابل احترام ہے، پس ایسے ہی تیمّم کا ڈھیلا بھی ہے۔ (امداد الاحکام، صفحہ ۳۸۷، جلد اول)

مسئلہ:۔ مٹی کے ڈھیلا پر بار بار تیمّم کرنا درست ہے اور اس پر نجاست حکمی کا اثر نہیں ہوتا، درمختار میں تصریح ہے کہ ایک جگہ پر بار بار تیمّم کرنا صحیح ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۲۶۱، جلد اول بحوالہ درمختار، صفحہ ۲۲۰، جلد اول)

مسجد کی دیوار پر تیمّم کرنا؟

مسئلہ:۔ مسجد کی دیوار پر تیمّم کرنا مکروہ ہے کیونکہ مال وقف کو غیر مصرف میں صرف کرنا ہے، لیکن اگر تیمّم کرلیا درست ہو جائے گا، بشرطیکہ جس چونا یا مٹی سے مسجد کی لپائی کی گئی ہے وہ چونا اور مٹی پاک ہو اس میں ناپاکی نہ ملی ہو۔

(امداد الاحکام، صفحہ ۳۴۰، جلد اول و فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۲۶۲، جلد اول بحوالہ ہدایہ، صفحہ ۵۳ ج۱)

نواقضِ وضو اور تیمّم جنابت

سوال: اگر جنبی (ناپاک آدمی) شرعی عذر کی وجہ سے غسل کے لیے تیمّم کرے تو وہ وضو کو توڑنے والی چیزوں سے ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ یعنی نواقض وضو سے ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

جواب:۔ جنبی (ناپاک آدمی) نے اگر بعذر شرعی تیمّم کیا تو اس عذر کے ختم ہونے پر وہ تیمّم بھی زائل ہو جائیگا، مثلاً پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کیا تھا، اگر پانی مل گیا اور قدرت بھی ہو گی تو تیمّم جنابت کا ٹوٹ جائے گا یا اگر مرض کی وجہ سے تیمّم کیا تھا تو جس وقت وہ مرض زائل ہو جائے

گا تیمم ٹوٹ جائے گا۔ یا اگر کوئی کام موجب غسل پایا جائے گا تو تیمم ٹوٹ جائے گا اور نواقض وضو (وضو کو توڑنے کی چیزوں) سے مطلقاً وہ تیمم نہ ٹوٹے گا۔ مثلاً کسی نے مرض کی وجہ سے تیمم جنابت (ناپاکی کا تیمم) کیا یا پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کیا اور پھر حدث موجب وضو اس کو پیش آ گیا (یعنی وضو کو توڑنے والی ریح وغیرہ پیش آ گئی) تو اس سے تیمم جنابت نہ ٹوٹے گا۔

(فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۲۵۹، جلد ا بحوالہ درمختار، صفحہ ۲۲۴، جلد اول)

(جو ناپاکی کی وجہ سے غسل تیمم کیا تھا وہ نہیں ٹوٹے گا لیکن وضو ٹوٹ جائے گا، رفعت قاسمی غفرلہٗ)

موزہ پر مسح کا ثبوت

مسئلہ: ۔ موزہ پر مسح کا جائز ہونا احادیث صحیحہ کثیرہ سے ثابت ہے، تقریباً اسی جلیل القدر صحابہؓ بیان کرنے والے ہیں کہ خود جناب سرور کائنات ﷺ نے مسح فرمایا اور اجازت دی ہے اور اجماع و اتفاق مسلمین اور تواتر سے یہی ثابت ہے کہ اور اس کا منکر خارج اہل سنت والجماعت ہے۔ (طہور المسلمین، صفحہ ۳۴، و فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۲۷۴، جلد اول بحوالہ درمختار، صفحہ ۲۲۵، جلد اول باب المسح علی الخفین۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو نصب الرایہ، صفحہ ۱۸۴، جلد اول و معارف السنن شرح ترمذی، صفحہ ۳۴۸، جلد اول و کتاب الفقہ، صفحہ ۲۱۹، جلد اول و فتاویٰ دارالعلوم، مع امداد المفتیین، صفحہ ۳۱۱، جلد ۲)

مسئلہ: ۔ موزوں پر مسح کرنا حدیث سے ثابت ہے۔ ثبوت اس کا سنت مشہورہ سے ہے اور راوی حدیث، موزوں پر مسح، کے اسی صحابہؓ سے زیادہ ہیں اور ان میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔

(فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۲۷۴، جلد اول درمختار، صفحہ ۲۲۵، جلد اول)

موزوں پر مسح کا مطلب

مسئلہ: ۔ جو شخص (چمڑے کے) موزے پہنے ہوئے ہو اور وضو کرنا چاہتا ہو تو وضو کے وقت پیروں سے ان موزوں کو اتار کر پیروں کا دھونا اس پر فرض نہیں، اسکو اجازت ہے کہ وضو میں پیروں کو دھونے کے بجائے موزوں پر مسح کرلے۔ (مظاہر حق، صفحہ ۲۶۴، جلد اول)

مسئلہ: ۔ اگر کوئی دوسرے آدمی سے موزوں پر مسح کرائے تو درست ہے مگر نیت وہ کرے جس کے موزہ پر مسح ہو۔ (رُکن دین، صفحہ ۲۷، بحوالہ عالمگیری)

موزے کیسے ہوں؟

مسئلہ: ۔وضو میں جن موزوں کو اتار کر پیروں کا دھونا فرض نہیں ان میں چار باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) ایسے دبیز (موٹے) ہوں کہ بغیر کسی چیز کے باندھے ہوئے پیروں پر کھڑے رہیں

(۲) ایسے دبیز ہوں کہ ان کو پہن کر تین میل (۴ کلومیٹر ۸۳۰ میٹر) یا اس سے زیادہ چل سکیں

(۳) ایسے دبیز اور موٹے ہوں کہ نیچے کی جلد نظر نہ آئے۔

(۴) پانی کو جذب کرنے والے نہ ہوں، یعنی اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو ان کے نیچے کی سطح تک نہ پہنچے۔

جن موزوں میں یہ باتیں پائی جائیں گی تو وہ خواہ چمڑے کے ہوں یا کپڑے کے اور خواہ کسی اور چیز کے ان پر مسح کرنا درست ہوگا، بشرطیکہ مسح کے شرائط پائے جائیں۔

(مظاہر حق، صفحہ ۲۶۲، جلد اول، و امداد الفتاویٰ صفحہ ۷۵، جلد اول)

مسئلہ: ۔عام طور پر چمڑے کے موزے پر مسح کیا جاتا ہے لیکن چمڑا ہونا کچھ ضروری نہیں، اگر کسی موٹے کپڑے یا کرچ وغیرہ کے ایسے موزے ہوں جو بغیر باندھنے کے ٹخنے پر کھڑے رہیں اور ان کو پہن کر (بغیر جوتوں کے) تین میل چل بھی سکیں تو ان پر مسح جائز ہوگا۔

مسئلہ: ۔جن موزوں پر مسح جائز ہے اُن میں چلنے کے قابل اور موٹا و دبیز ہونے کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ اس میں ٹخنے تک پاؤں چھپا رہے اس سے کم نہ ہو، خواہ زیادہ کتنا ہی ہو۔

(طہور المسلمین، صفحہ ۳۴، جلد ۱/ واحسن الفتاویٰ، ص ۶۱، ج ۲

وکتاب الفقہ، صفحہ ۲۱۸، و در مختار، صفحہ ۲۴، ج ۱)

مسئلہ: ۔جس موزہ پر مسح کرنا درست ہے، اس سے مراد وہ موزہ ہے جو دونوں پیروں میں ٹخنوں تک پہنا جائے، ٹخنوں سے مراد وہ اُبھری ہوئی ہڈی ہے جو قدم کے اوپر حصے میں ہوتی ہے اور یہ اسلئے ہے کہ ٹخنوں تک پورے قدم کا دھونا واجب ہے۔ اگر تھوڑی سی جگہ بھی دھونے سے رہ گئی تو وضو باطل ہو جائے گا۔ (کتاب الفقہ، صفحہ ۲۲۱، جلد ۱)

(موزہ ٹخنے سے کم نہ ہو زیادہ میں کوئی حرج نہیں۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسح کے صحیح ہونے کی شرط

مسئلہ: ۔موزوں پر مسح کرنے میں صحیح ہونے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ پورا وضو پہلے کرلیا گیا ہو، بلکہ اگر صرف پیروں کو جن کا دھونا فرض ہے دھولیا اور حدث (وضو ٹوٹ جانے) سے پہلے موزہ پہن لیا، اس کے بعد وضو پورا کیا تو صحیح ہوگا، بشرطیکہ وضو پانی کے ساتھ کیا گیا ہو اور وضو میں جن اعضاء کا دھونا فرض ہے ان میں سے کوئی عضو دھونے سے یا مسح کرنے سے نہ رہ گیا ہو، یعنی پانی وہاں تک نہ پہنچا ہو۔ (کتاب الفقہ، صفحہ ۲۲۳، جلد اول)

موزے حلال یا حرام چمڑے کے؟

سوال: موزوں کا پتہ کیسے لگایا جائے کہ یہ حلال جانور کے ہیں یا حرام جانور کے؟ اور کیا حلال وحرام دونوں جانوروں کے چمڑے سے بنے ہوئے موزوں پر مسح کرنے سے ہوجاتا ہے؟

جواب: کھال دباغت (رنگ لینا) سے پاک ہوجاتی ہے اور موزے پاک چمڑے ہی کے بنائے جاتے ہیں اس لیئے وسوسہ کی ضرورت نہیں۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۶۶، جلد ۲)

پلاسٹک کے موزے پر جراب ہوتو؟

سوال: اگر پلاسٹک کا موزہ بنوالیا جائے اور اسکے اوپر سوتی موزہ پہن لیا جائے تو اس پر مسح جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر پلاسٹک کو جراب کے ساتھ سی لیا جائے تو اس پر مسح جائز ہے، اس کو مبطن کہا جاتا ہے۔ (شرح منیہ، صفحہ ۱۲۱)

بغیر سلائی کیے جراب پر مسح جائز نہیں، اس لیئے کہ مسح چرمی (چمڑے کے) موزہ پر مشروع ہے اور جراب پر سلائی کرنے سے موزہ پر مسح متحقق نہیں ہوا، بخلاف مبطن کے کہ اس میں کپڑا اور چمڑا سلائی کے ذریعہ ایک ہوجاتا ہے، اس لیئے اس پر مسح جائز ہے۔

(احسن الفتاوی، صفحہ ۶۶، جلد ۲)

کانچ یا لوہے کے موزہ پر مسح کا حکم

مسئلہ: ۔اس موزہ مسح جائز نہیں جو کانچ (شیشہ) یا لوہے یا لکڑی کا بنا ہوا ہو، کیونکہ ان چیزوں کے بنے ہوئے موزے کو پہن کر آدمی بلا تکلف نہیں چل سکتا ہے۔

(درمختار، صفحہ ۳۴، جلد ۳ و عالمگیری، صفحہ ۶۵، جلد اول)

ایک پاؤں والے کے مسح کا حکم

مسئلہ: ۔اگر کسی کا پاؤں کاٹا گیا ہو تو اگر قدم کی پشت کی جانب سے بقدر فرض تین انگلیوں کے برابر باقی ہے تو موزوں پر مسح کرے اور اگر بقدر فرض پشت قدم باقی نہیں ہے تو دونوں پاؤں اس شخص کی طرح دھوئے جس کا پاؤں دونوں ٹخنوں سے کاٹ دیا گیا ہو، یعنی اس کے نیچے سے کہ اس کے لیے بھی مسح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مسح کرنے کی جگہ باقی نہیں رہی، ہاں دھونے کا محل البتہ باقی ہے، لہٰذا دھوئے گا۔

مسئلہ: ۔اگر کسی کا ایک ہی پاؤں ہے خواہ ایسا پیدائشی ہے یا ایک پاؤں ٹخنوں سے اوپر کٹ گیا ہے، اس حالت میں یہ شخص اسی ایک پیر کے موزے کا مسح کرے گا۔

(درمختار، صفحہ ۴۳، جلد اول)

مسئلہ: ۔اگر کسی کے پاؤں میں لنگ ہے اور پنجوں کے بل چلتا ہے اور ایڑی اپنی جگہ سے اٹھ جاتی ہے تو اس کے لیے بھی موزوں پر مسح کرنا جائز ہے جب تک اس کا پاؤں پنڈلی کی جانب نکل نہ جائے۔ (درمختار، صفحہ ۶۸، جلد اول)

مسئلہ: ۔اگر کسی کا ایک پاؤں کٹ گیا ہے تو کم از کم تین انگل کی مقدار باقی رہ جائے گی اگر اتنا حصہ بھی باقی نہ رہا اور موزہ چڑھا لیا تو اس پر مسح درست نہ ہوگا، لیکن اگر ٹخنے کے اوپر کا حصہ کٹا ہے اور یا دوسرا پاؤں سالم ہے تو موزے پر مسح کرنا صحیح ہوگا۔

(کتاب الفقہ، صفحہ ۲۲۶، جلد ۱)

عام سوتی موزہ پر مسح کا حکم

مسئلہ: ۔اگر اونی یا سوتی موزوں میں یہ چند شرائط ہوں تو ان پر مسح جائز ہے۔

اول گاڑھے، دبیز اور موٹے ایسے ہوں کہ صرف اس کو پہن کر اگر تین میل یعنی بارہ ہزار قدم چلیں تو وہ پھٹیں نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر اس کو پہن کر پنڈلی پر نہ باندھیں تو گرے نہیں۔ تیسرے اس میں سے پانی نہ چھنے۔ چوتھے اس کے اندر سے کوئی چیز نظر نہ آئے یعنی اگر آنکھ لگا کر اس میں سے دیکھے تو کچھ نہ دکھائی دے۔ (امداد الفتاوی، صفحہ ۷۷، جلد اول)

چمڑے کے موزے کے نیچے عام موزہ کا حکم

مسئلہ:۔ اگر کپڑے کی جرابیں خواہ موٹے کپڑے کی ہوں یا باریک ہوں، ان کو پہن کر اوپر چمڑے کے موزے پہنے جائیں تو ان پر مسح جائز ہے۔ (امداد الفتاوی، صفحہ ۷۷، جلد اول)

مسئلہ:۔ معمولی سوتی واونی (نائیلون وغیرہ کے) موزوں پر جو آج کل استعمال کیئے جاتے ہیں ان پر ہرگز مسح جائز نہیں ہے، البتہ اگر نیچے پہن کر اور اس کے اوپر چمڑے وغیرہ کا باقاعدہ موزہ پہن لیں تو اس پر مسح جائز ہے۔

(فتاوی دار العلوم، صفحہ ۲۶۷، جلد ا و امداد الاحکام ۳۹۳، جلد اول و احسن الفتاوی، صفحہ ۱۹۱، جلد ۲)

مسئلہ:۔ چمڑے کے موزوں کے اندر عام سوتی واونی وغیرہ موزے پہننا درست ہے۔

(امداد الفتاوی، صفحہ ۸۱، جلد ا و فتاوی دار العلوم قدیم، صفحہ ۲۰۹ و بحر، صفحہ ۱۹۰، جلد ا)

موزہ کا دھونا کیسا ہے؟

اگر موزہ کو (پہنے ہوئے) دھولیا اور مسح کی نیت نہ تھی: مثلاً موزہ کی صفائی ستھرائی وغیرہ پیش نظر تھی یا کوئی بھی نیت نہ تھی، تب بھی مسح ہو جائے گا، اگرچہ موزہ کا (پہنے ہوئے) دھونا امر مکروہ ہے۔ (کتاب الفقہ، صفحہ ۲۳۲، جلد اول)

مسئلہ:۔ موزوں پر مسح کے درست ہونے کے لیے موزوں کا (نجاست سے) پاک ہونا شرط نہیں ہے۔ اگر موزہ پر نجاست لگ جائے تب بھی اُس پر مسح کرنا صحیح ہے، البتہ اس کے ساتھ نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ اگر وہ نجاست معاف (قابل درگزر) نہ ہو۔ (نجاست معاف ہونے کی تفصیل استنجاء کے باب میں آئی ہے۔ (کتاب الفقہ، صفحہ ۲۲۳، جلد ا)

مسافر و مقیم کے لیے مدت مسح

مسئلہ :۔ جب شرطیں پائی جائیں تو حالت قیام میں ایک دن رات چوبیس گھنٹے تک موزے پر مسح جائز ہے اور حالت سفر (شرعی مسافر کیلئے سفر) میں تین دن تین رات تک یعنی بہتّر گھنٹے تک، خواہ یہ سفر طاعت ہو یا سفر معصیت، لیکن یہ مدت موزہ پہننے کے وقت سے محسوب نہ ہوگی بلکہ موزہ پہننے کے بعد جس وقت وضو جاتا رہا اس وقت سے چوبیس گھنٹے یا بہتر گھنٹے شما ہوں گے۔ موزہ پہننے کے وقت کا کچھ اعتبار نہیں، مثلاً کسی شخص نے ظہر کے وقت وضو کر کے دو بجے موزے پہنے اور عصر کے وقت پانچ بجے اس کا وضو جاتا رہا تو (مقیم کے) اگلے روز کے پانچ بجے تک ان موزوں پر مسح کرسکتا ہے اور سفر میں ہو تو تیسرے دن کے پانچ بجے تک کرسکتا ہے، ایسے ہی اگر مغرب کے بعد موزے پہنے اور اسی وضو سے رات کو دس بجے سو گیا، تو بس دس بجے سے حساب شروع ہوگا۔

لیکن یہ اختیار نہیں کہ جس وقت دل چاہے موزہ پہن کر پاؤں دھونے سے بچ جائے، بلکہ شرط یہ ہے کہ جس وقت پہلا وضو ٹوٹا ہو، اس وقت موزہ پہنے ہوئے ہو، مغرب کے وقت موزہ پر وہی شخص مسح کرسکتا ہے جس نے عصر کے وقت کا وضو ٹوٹنے سے پہلے موزہ پہن لیا ہو۔

مسئلہ :۔ اچھی صورت یہ ہے کہ جس وقت پورے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ دھونے کے بعد کامل وضو موجود ہو تو موزہ پہن لے، اس کے بعد جب وضو جاتا رہے اور وضو کرنا چاہے تو صرف منہ ہاتھ دھو کر سر پر اور موزے پر مسح کرلے اور اسی طرح چوبیس گھنٹے کے اندر جب کبھی وضو ٹوٹے منہ ہاتھ دھو کر سر اور موزہ پر مسح کرلے لیکن جیسا پہلے بیان کیا گیا ہے وضو ٹوٹنے کے وقت سے مدت کا شمار ہوگا، یہ نہیں کہ موزہ پہننے کے وقت سے حساب کریں اور یہ بھی نہیں کہ مسح کے وقت سے چوبیس گھنٹے لیں۔ مثلاً جو شخص باوضو موزہ پہن کر رات کو دس بجے سو گیا اور صبح کو پانچ بجے وضو کیا اور موزہ پر مسح کیا تو رات کے دس بجے سے مقیم کیلئے چوبیس گھنٹے لیئے جائیں گے، صبح کے پانچ بجے کا (جس وقت وضو کیا تھا اس وقت کا) اعتبار نہ ہوگا۔

مسئلہ :۔ یہ بھی جائز ہے کہ صرف پاؤں دھو کر موزہ پہن لے اور وضو توڑنے والی چیزوں

کے پیش آنے سے پہلے باقی اعضاء کو دھو کر وضو کامل کرے، اس کے بعد جب وضو ٹوٹ جائے گا اور دوبارہ وضو کرنا چاہے گا تو مسح جائز ہوگا، لیکن یہ خلاف ترتیب ہے، لہٰذا عمدہ صورت وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی ہے کہ پورا اور کامل وضو کر کے موزہ پہنے اور یہ ضروری نہیں کہ فوراً وضو کے بعد موزہ پہن لے بلکہ ٹوٹنے سے پہلے پہلے جب چاہے پہن لے۔

مسئلہ:۔ موزہ پر مسح اسی وقت جائز ہے جب کہ صرف وضو ٹوٹا ہو، اگر غسل واجب ہوا ہو تو موزوں کا مسح کافی نہیں، موزوں کو نکالنا پڑے گا، خواہ مدت پوری ہوئی ہو، یا نہ ہوئی ہو۔

(طہور المسلمین، صفحہ ۳۵، ومظاہر حق، صفحہ ۲۶۶، جلد اول وکتاب الفقہ، صفحہ ۲۳۱، جلد اول وفتاوٰی دار العلوم مع امداد المفتیین، صفحہ ۲۱۱، جلد ۲ ودرمختار، صفحہ ۳۴، جلد اول باب المسح علی الخفین)

مسح موزے کے کس حصہ پر اور کیسے؟

شارعؑ نے پورے موزے کا مسح، جس سے تمام پاؤں ڈھکا ہو، ضروری قرار نہیں دیا۔ حالانکہ موزہ پر مسح کرنا پاؤں دھونے کا قائم مقام ہے اور پیر پورے کا پورا دھونا فرض ہے اس کا سبب یہ ہے کہ موزے پر مسح کرنے کا حکم ایک خاص رعایت ہے، شارعؑ نے اس بارے میں سہولت رکھی ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ نرمی برتی جا سکے، رہی یہ بات کہ موزے کے کس قدر حصہ کا مسح فرض ہے، اس کے متعلق مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

مسئلہ: موزے کے اوپر تین انگلیوں کے بقدر جگہ پر مسح فرض ہے۔ انگلی کی چوڑائی ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کے برابر ہونی چاہیئے اور یہ شرط ہے کہ موزہ کی اس جگہ پر مسح ہو جس میں پیر ہے۔ اس مسئلہ میں موزوں پر مسح کرنے کو سر کے مسح پر قیاس کیا گیا ہے۔ پس اس کے سوا کسی اور حصہ پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً پنڈلی سے لگتے ہوئے حصہ پر یا پچھلے حصہ پر یا کناروں پر یا نیچے کی جانب یا پہلو پر (اوپر کے علاوہ کسی جگہ بھی مسح درست نہیں ہے) البتہ وہ حصہ جو ٹخنوں کے سامنے ہے اس پر مسح جائز ہے۔

مسئلہ: اگر چمڑے کے موزہ پر بال ہوں اور اوپر اس طرح پڑے ہوئے ہوں کہ مسح کرنے میں پانی کی تری جلد تک نہ پہنچے تو مسح درست نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر بالوں پر مسح کرنے کا ارادہ کیا اور پانی کی تری جلد تک پہنچ گئی تب بھی درست نہ ہوگا (کتاب الفقہ، صفحہ ۲۲۸، جلد ۱)

مسئلہ: موزہ ایسا پھٹا ہوا نہ ہو کہ اس پر مسح نہ کیا جاسکے اور پھٹنے کی مقدار زیادہ سے زیادہ پیر کی تین انگلی کے برابر ہے۔

مسئلہ: مسح ہاتھ کی انگلیوں سے کیا جائے، اگر ایک انگلی سے مسح کیا تو درست نہ ہوگا کیونکہ اس طرح ایک انگلی سے مسح کرنے میں یہ اندیشہ ہے کہ مسح کی مقدار پوری کرنے سے پہلے ہی انگلی کا پانی خشک ہوجائے گا تاہم اگر ایک ہی انگلی سے مسح کیا لیکن موزہ پر تین جگہ کیا اور ہر بار نیا پانی لیا تو مسح درست ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر انگلی کی نوک سے مسح کیا اور مقدار مفروض پر کرلیا اور پانی انگلی سے ٹپک رہا تھا تو مسح صحیح ہوجائے گا ورنہ نہ ہوگا۔ واضح ہو کہ موزہ پر ہاتھ سے مسح کرنا ضروری ہے، بلکہ اگر بارش کا پانی اس حصہ پر بہہ گیا جس پر مسح کرنا فرض تھا، یا اس پر پانی وغیرہ بہادیا تو مسح کے لیے یہ کافی ہے (کتاب الفقہ، صفحہ ۲۲۶، جلد۱ و در مختار، صفحہ ۳۸، جلد ۳)

مسئلہ: موزے کے مسح میں فرض صرف اس قدر ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں میں سے (تین انگلیوں سے مسح کرے) تین انگشت کے برابر جگہ پر ہر ایک موزہ پر پاؤں کے اوپر کی جانب مسح ہوجائے اور عمدہ طریقہ مسح کرنے کا یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو (ہتھیلی کو علیحدہ رکھے) پانی سے تر کرکے ذرا کشادہ کرکے ہر دو موزوں پر پاؤں کی انگلیوں پر رکھ کر اوپر کی طرف کو کھینچتا چلا جائے اور ٹخنے کی طرف کھینچ لے۔

مسئلہ: اگر کسی نے الٹا مسح کیا یعنی ٹخنے کی طرف سے کھینچ کر انگلیوں تک پہنچادیا تب بھی جائز ہوگیا، لیکن یہ خلاف سنت ہے۔ (طہور المسلمین، صفحہ ۳۵)

مسئلہ: پہلے دونوں ہاتھوں کو غیر مستعمل یعنی نئے پانی سے تر کیا جائے اور پھر داہنے ہاتھ کی انگلیاں کشادہ کرکے داہنے موزے کے سرے پر (جو انگلیوں کے اوپر ہوتا ہے) اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں کشادہ کرکے بائیں موزے کے سرے پر رکھ کر انگلیوں کو کھینچتے ہوئے ٹخنوں کے اوپر تک لایا جائے، اس طرح کہ پانی کی لکیریں سی بن جائیں۔ مسح کا مسنون و مستحب طریقہ یہ ہے اور اگر کسی نے نہ صرف ایک انگلی کے ساتھ تین بار اس طرح مسح کیا کہ ہر بار نیا پانی لیتا رہا اور ہر بار نئی جگہ اس انگلی کو پھیرا تو مسح جائز ہوجائے گا ورنہ نہیں یعنی اگر نیا پانی نہیں لیا تو مسح جائز نہ ہوگا۔ (مظاہر حق، صفحہ ۴۶۷، جلد اول و کتاب الفقہ، صفحہ ۲۳۰، جلد ۱)

مسئلہ: موزے کا مسح اگر انگلیوں سے نہ کیا بلکہ ہتھیلی سے مسح کیا ہاتھ سے نہیں کیا بلکہ کسی لکڑی یا کپڑے کو بھگو کر مسح کر دیا تو تب بھی جائز ہے،

مسئلہ:۔ اگر بارش وغیرہ کا پانی یا قطرے باہر سے لگ کر تین تین انگلیوں کے برابر جگہ دونوں موزوں کے اوپر سے تر ہوگئی یا شبنم پڑھی ہوئی گھاس میں چلنے سے اسی قدر تر ہوگیا تو کافی ہے مسح ہوگیا، یا ایسی گھاس پر چلے جو بارش کے پانی سے بھیگی ہوئی تھی تو کافی ہے۔

مسئلہ: اگر نیچے یعنی پاؤں کے تلوے کی طرف مسح کر دیا یا دائیں بائیں جانب یا ایڑی پر مسح کر دیا، یا تین انگلیوں سے کم مسح کیا تو ناجائز ہے۔

مسئلہ: اگر انگلیوں کو لٹکا کر نہیں رکھا بلکہ کھڑا کر دیا اور کھینچ دیا تو اگر ہاتھ خوب تر بھیگے ہوئے تھے، اوپر سے پانی ٹپک رہا تھا اور دونوں پاؤں پر تین انگشت کی مقدار جگہ تر ہوگئی تو جائز ہے اور اگر پانی کم تھا صرف تین تین نشان انگلیوں کے سرے پر بن گئے تو مسح جائز نہیں ہوا۔

(طہور المسلمین، صفحہ ۳۶، وکتاب الفقہ ص ۲۲۶ جلد ا عالمگیری، صفحہ ۶۵، جلد اول و در مختار، صفحہ ۴۲، جلد ۲)

مسئلہ: اگر ایک پاؤں پر دو انگلیوں کی مقدار کے برابر دوسرے پر پانچ انگلیوں کی مقدار کے برار مسح کرے تو جائز نہیں۔

مسئلہ: اگر ایک شخص کے پاؤں میں زخم ہے اور وہ اس کو نہ دھو سکتا ہے نہ مسح کر سکتا ہے تو اس کو دوسرے پر مسح کرنے کی اجازت ہے، اسی طرح اگر ٹخنوں کے اوپر سے پیر کٹ گیا تو اس کا بھی وہی حکم ہے اور اگر ٹخنے کے نیچے سے کٹا اور تین انگلیوں کے برابر اس پر مسح ہو سکتا ہے تو دونوں پر مسح کرے گا۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ ۶۵، جلد ۱)

مسئلہ: اگر انگوٹھے اور اس سے متصل انگلی سے مسح کیا اور دونوں کھلے ہوتے تھے تو مسح جائز ہوگا

مسئلہ: اگر اس طرح مسح کرے کہ تین انگلیاں رکھ دے اور ان کو نہ کھینچے تو جائز ہے لیکن سنت کے خلاف ہے۔

مسئلہ: اگر انگلیوں کے سروں سے مسح کیا اور ان سے پانی ٹپک رہا ہے تو مسح جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

مسئلہ: اعضاء کے دھونے میں جو تری رہ جاتی ہے اس سے مسح جائز ہے، خواہ ٹپکتی ہو یا ٹپکتی نہ ہو اور مسح کے دھونے میں جو تری رہ جاتی ہے اس سے مسح جائز ہے۔

مسئلہ: اگر دونوں موزوں پر چوڑائی میں مسح کرے تو مسح ہو جاتا ہے۔
مسئلہ: اگر ہتھیلی رکھ کر یا صرف انگلیاں رکھ کر کھینچے تو دونوں صورتیں جائز ہیں اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ پورے ہاتھ سے مسح کرے، اگر ہتھیلی کی پشت سے مسح کیا تب بھی جائز ہے۔
مسئلہ: مسح میں خطوط (پانی کے نشانات) کا ظاہر ہونا شرط نہیں ہے لیکن یہ صورت مستحب ہے
مسئلہ: مسح کئی بار کرنا سنت نہیں ہے صرف ایک بار کرے یعنی وضو میں تو ہر عضو کو تین بار دھونا سنت ہے لیکن مسح میں صرف ایک بار۔
مسئلہ: موزوں پر مسح کے لیے نیت شرط نہیں ہے۔ (فتح القدیر)
مسئلہ: اگر کسی نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا اور اس میں سکھانے کی نیت کی، پاکی کی نیت نہیں کی تو صحیح یہ ہے کہ مسح ہو جائے گا۔ (خلاصہ، فتاویٰ، عالمگیری، صفحہ ٦٦، جلد ا)
مسئلہ: موزہ کشادہ اور پھیلا ہوا ہے کہ اس کے اوپر سے پاؤں نظر آتا ہے، تو اس سے کوئی نقصان نہیں، ہاں پہلی صورت میں جو موزہ پاؤں سے بڑا ہے اور مسح زائد حصہ پر ہوتا ہو، تو اس صورت میں البتہ مسح کرنا درست نہ ہوگا، یعنی اس موزہ پر مسح کرنا معتبر نہیں ہے جو پاؤں سے خالی ہے (بہت ہی لمبا چوڑا ہو) لیکن اگر پاؤں کو اس خالی موزہ والے حصہ میں کر دیا اور اس پر مسح کیا تو جائز ہوگا اور جب اس سے پاؤں ہٹائے گا مسح کا اعادہ کرنا ہوگا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مسح کے لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔
تفصیل کیلئے دیکھئے طحاوی۔ (درمختار، صفحہ ۳۴، جلد ۳ و عالمگیری، صفحہ ٦٦، جلد اول)

موزہ پر مسح کب ناجائز ہے؟

مسئلہ:۔ اگر موزہ ٹخنے سے نیچا ہے تو مسح جائز نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۲۷۴، جلد ا)
مسئلہ: اگر موزہ زیادہ پھٹا ہوا ہے کہ چلتے ہوئے تین انگلیوں سے زیادہ پاؤں نظر آتا ہے تب بھی مسح جائز نہیں۔
مسئلہ:۔ اگر تھوڑا تھوڑا دونوں موزوں میں سے پھٹا ہوا ہے کہ اگر دونوں کی پھٹن کو اکٹھا (جمع) کریں تو تین انگشت سے زیادہ ہو جائے گا تو اس کا کچھ مضائقہ (حرج) نہیں ہے مسح جائز ہے، ناجائز تو جب ہے کہ ایک پاؤں میں تین انگلیوں سے زیادہ ہو۔

مسئلہ:۔ اگر تین انگشت سے زیادہ پھٹا ہوا ہے لیکن چلتے ہوئے چمڑا مل جاتا ہے اور تین انگشت سے کم پاؤں نظر آتا ہے تو مسح جائز ہے۔ (طہور المسلمین، صفحہ ۳۵، و در مختار، صفحہ ۴۴، جلد ۲)

ڈبل موزہ پر مسح کا حکم

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص چمڑے کے دو موزے ایک ساتھ ایک کے اوپر ایک پہن لے تو اوپر والے موزے کا اعتبار ہے، لہٰذا اگر اوپر والے موزہ پر مسح کر لیا ہے اور اس کے بعد اس کو اتار دیا تو مسح ختم ہو جائے گا، نیچے والے پر دوبارہ مسح کرنا لازم ہوگا۔ (شامی کراچی، صفحہ ۲۷۳، جلد ۱)

مسئلہ:۔ اندر کپڑے کا موزہ اوپر چمڑے کا موزہ ہو تو اوپر چمڑے کے موزہ پر مسح کرنا درست ہے۔ (شامی، صفحہ ۲۷۳، جلد اول و عالمگیری، صفحہ ۳۴، جلد اول)

مسئلہ:۔ اگر اوپر والا موزہ تین انگل کے بقدر پھٹ جائے تو مسح کرنا جائز نہیں ہوگا۔

(بدائع، صفحہ ۱۱، جلد اول و در مختار، صفحہ ۴۰، جلد ۳)

موزوں پر مسح کب باطل ہوتا ہے؟

مسئلہ:۔ اگر مدت کے اندر ہی موزہ میں سے پورے پاؤں کا اکثر حصہ نکال لیا تو مدت (مسح کی) ختم ہو گئی اور مسح باطل ہو گیا۔

مسئلہ:۔ اسی طرح سے اگر دفعۃً (اچانک) موزہ بہت سا پھٹ کر پاؤں کھل گیا اگر دونوں پاؤں یا ایک میں سے اکثر حصہ پانی سے تر ہو گیا تو باطل ہو گیا اب ان سب صورتوں میں دونوں پاؤں کو دھونا ضروری ہے خواہ دونوں پاؤں موزے سے نکلے ہوں یا ایک، دونوں تر ہوئے ہیں یا صرف ایک، پس اگر باوضو ہونے کی صورت میں مذکورہ بالا صورتیں پیش آ کر مسح باطل ہوا تو صرف پاؤں کو دھو لینا کافی ہے، تمام وضو کو لوٹانا ضروری نہیں ہے، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ از سرِ نو وضو کر لے، مگر پورا وضو کرنا واجب اور ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ غسل واجب ہونے سے بھی مسح باطل ہو جاتا ہے اور غسل کرنا اور پاؤں کا دھونا ضروری ہوتا ہے۔ (یعنی جنابت، حیض ونفاس سے بھی مسح باطل ہو جاتا ہے)

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص نے بے وضو ہونے کی حالت میں موزہ پہن کر بجائے پاؤں دھونے

کے اس پر مسح کرلیا تو بالکل باطل اور بے اعتبار ہے جب تک پاؤں نہ دھوئے بے وضو سمجھا جائے گا۔

مسئلہ:۔ جو شخص باقاعدہ موزہ پہن رہا ہے اس کو مسح جائز ہے وہ اگر وضو کے وقت مسح نہ کرے بلکہ موزے نکال کر پاؤں دھوئے تو بلاشبہ جائز ہے، (بلکہ افضل ہے) لیکن اگر نماز کا وقت نہایت تنگ ہو گیا ہو کہ موزہ نکال کر اوپر پاؤں دھونے میں دیر ہو کر نماز قضا ہو جائے گی تو اس کو جائز نہیں کہ موزے نکال دے بلکہ باقی اعضاء کا دھونا اور پاؤں پر مسح کرکے نماز ادا کرنا لازم اور ضروری ہے۔

مسئلہ:۔ اسی طرح اگر پانی بہت کم ہو کہ اگر موزے نکال دے گا تو سب اعضاء کے لیے پانی کافی نہ ہو گا، مجبوراً تیمم کرنا پڑے گا، اس کو بھی لازم ہے کہ موزہ نہ نکالے، ہاتھ منہ دھو کر سر اور پاؤں کا مسح کرکے باوضو نماز پڑھے۔

(طہور المسلمین، صفحہ ۴۷ و کتاب الفقہ، صفحہ ۲۳۲، جلد اول)

مسئلہ:۔ مسح کو وہ چیزیں توڑتی ہیں جو وضو کو توڑنے والی ہیں، اس لیئے کہ مسح وضو ہی کا ایک حصہ ہے، لہٰذا جو کُل کا ناقص (توڑنے والا) ہو گا وہ جز کا بھی توڑنے والا ہو گا اور اس کے ساتھ مسح کا توڑنے والا موزے کا اتار دینا ہے، اگرچہ ایک ہی پیر کا موزہ اتار گیا ہو اور موزے کی معین مدت کا گزر جانا بھی مسح کو توڑنے والا ہے۔ (درمختار، صفحہ ۴۶، جلد ۲)

مسئلہ:۔ شرعی موزے سے پاؤں کا اکثر حصہ نکلنا یا قصداً نکالنا تمام موزے کے نکال دینے کے حکم میں ہے، کیونکہ قاعدہ ,,للاکثر حکم الکل،، اور ایڑی کے نکلنے اور داخل ہونے کا کوئی اعتبار نہیں یعنی بلا ارادہ موزہ کی کشادگی کی وجہ سے ایڑی کے نکلنے اور داخل ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔ (درمختار، صفحہ ۴۷، جلد ۲)

مسئلہ:۔ دونوں موزوں کو یا ایک موزہ کو اتارنے سے یا مدت مسح ختم ہونے سے بھی مسح ٹوٹ جاتا ہے۔ (ہدایہ) لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے کہ پانی ملتا ہو، لیکن اگر پانی نہ ملے تو مدت کے گزرنے سے نہیں ٹوٹے گا بلکہ اس مسح سے مسح نماز ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ اگر مدت گزر گئی اور نماز پڑھ رہا ہے پانی نہیں ملتا تو نماز پڑھتا رہے۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ ۶۸، جلد اول)

مسئلہ:۔ اگر موزہ (اتنا ڈھیلا ہو کہ اس کے اندر انگلیاں ڈال کر مسح کرلیا تو درست نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ اسی طرح اگر موزے کے کنارہ پر یا پیچھے (ایڑی کی جانب) یا پنڈلیوں پر (یعنی ٹخنوں سے اوپر کی جانب موزہ پر مسح کیا) تو درست نہ ہوگا۔ (کتاب الفقہ، صفحہ ۲۲۶، جلد اول)

بلا وضو موزہ پر مسح کرنا؟

سوال: ہم نے بلا وضو کیے ہوئے موزہ پہنا اور اس کے بعد نماز کا وقت آگیا، تو وضو کیا اور موزہ پر مسح کیا تو نماز ہوگئی یا نہیں؟

اس مسئلہ میں فقہ کی کتابوں میں طہارت کا لفظ آیا ہے کیا وہ وضو پر دلالت کرتا ہے یا یہ کہ طہارت سے بدن کا طاہر (پاک) ہونا مراد ہے اور یا پاؤں کا نجاست سے؟

جواب: بلا وضو کے یعنی پیر دھوئے موزہ پہننے سے مسح اس پر درست نہیں ہے۔ طہارت سے مراد ہو وضو ہے، یہ مسئلہ باتفاق مسلم ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور آپ نے جو مطلب سمجھا ہے وہ غلط ہے (فتاوی دار العلوم، صفحہ ۲۷، جلد ۱، بحوالہ ہدایہ، صفحہ ۹۷، جلد اول باب مسح علی الخفین)

مسئلہ:۔ مسح کے جواز کے لیے یہ ضروری ہے کہ وضو پر پہنے جائیں۔

(فتاوی دار العلوم، صفحہ ۲۶۸، جلد اول بحوالہ ہدایہ، صفحہ ۵۷، جلد اول)

مسئلہ:۔ اگر موزوں پر نجاست لگ جائے تب بھی اس پر مسح کرنا صحیح ہے، البتہ اس کے ساتھ نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ (کتاب الفقہ، صفحہ ۲۲۳، جلد اول در مختار، صفحہ ۳۰۶، جلد اول)

مقیم مدت سے پہلے مسافر ہو گیا؟

مسئلہ:۔ اگر کسی مقیم کو موزے پہننے کے بعد ایک دن اور ایک رات سے پہلے سفر پیش آگیا (یعنی وہ شرعی مسافر ہو گیا) تو اس صورت میں اس کو اجازت ہوگی کہ مسافر کی مدت پوری کرے یعنی انہیں موزوں پر تین دن اور تین رات تک مسح کرلیا کرے۔

مسئلہ:۔ اسی طرح اگر کوئی مسافر تین دن اور تین رات سے پہلے مقیم ہو جائے تو اس کو مقیم ہی کی مدت تک مسح کی اجازت ہوگی، مثلاً ایک مسافر نے فجر کے وقت وضو میں اپنے پیروں کو دھو کر موزے پہنے اور پھر اسی دن غروب آفتاب کے وقت اپنے گھر پہنچ گیا تو اب اس کو صرف ایک رات اور مسح کی اجازت ہوگی۔ (مظاہر حق، صفحہ ۴۶۹، جلد اول)

مسئلہ:۔ اگر مقیم نے اپنی مدت (ایک دن رات) پوری کرنے کے بعد سفر کیا ہے تو وہ موزہ اتار دے گا اور پاؤں دھو کر وضو کرے گا اور اگر کوئی مسافر مقیم والی مدت (ایک دن رات) پوری کرنے کے بعد مقیم ہو گیا تو وہ موزہ اتار دے گا اور پاؤں دھوئے گا اور اگر ایک دن رات پوری نہیں ہوئی تو وہ ایک دن رات مقیم والی مدت پوری کرے گا۔ اس لیئے کہ اب وہ مقیم کے حکم میں ہو چکا ہے۔ (درمختار، صفحہ ۳۸، جلد ۳)

مسئلہ:۔ معذور کو اگر وضو کے وقت عذر موجود نہ تھا اور اس نے موزے پہن لیئے تو تندرست لوگوں کی طرح مدت معلومہ تک مسح جائز ہے اور اگر وضو کرتے ہوئے یا ایک موزہ پہنتے ہوئے عذر پیدا ہو گیا تو مسح وقت نماز میں جائز ہے اور وقت نکلنے کے بعد جائز نہیں۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ ۶۷، جلد ۲، بحوالہ بحر الرائق)

مسئلہ:۔ اگر ایک موزہ کے اندر پانی چلا جائے جس سے تمام پاؤں بھیگ جائے تو اس صورت میں مسح ٹوٹ جائے گا۔ پاؤں کو موزہ سے نکال کر پھر دھوئے۔

(رکن دین، صفحہ ۲۶، وفتاویٰ دار العلوم مع امداد المفتین، صفحہ ۲۱۱، جلد ۲ و عالمگیری، صفحہ ۶۸، جلد ۱)

نوٹ:۔ تفصیل کے ساتھ دیکھیئے احقر کی مرتب کردہ کتاب "مکمل و مدلل مسائل خفین"۔

سفر میں روزہ کے مسائل

مسئلہ:۔ سفر خواہ جائز ہو یا ناجائز، یا بے مشقت ہو جیسے ریل وغیرہ کا، یا با مشقت جیسے پیدل، گھوڑے وغیرہ کی سواری پر، ہر حال میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے مگر بے مشقت سفر میں مستحب یہی ہے کہ روزہ رکھ لے، ہاں اگر چند لوگ اس کے ہمراہ ہوں اور وہ روزہ نہ رکھیں اور تنہا اس کے روزہ رکھنے میں کھانے وغیرہ کے انتظام میں ان لوگوں کو تکلیف ہو تو پھر اگر مشقت بھی نہ ہو تب بھی نہ رکھے۔ (علم الفقہ، صفحہ ۱۳۵، جلد ۳)

مسئلہ:۔ سفر میں روزہ رکھنا درست ہے اور ثواب ہے، البتہ نہ رکھے تو رخصت (اجازت) ہے اور سفر کی مقدار اڑتالیس میل ہونا ضروری ہے۔

(قدیم فتاویٰ دار العلوم صفحہ ۳۷، جلد ۳، و مظاہر حق صفحہ ۱۵۶ جلد ۲)

مسئلہ:۔ سفر کی حالت میں روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے متعلق علماء سلف میں مختلف رائیں رہی

ہیں جن میں سب سے زیادہ معتدل اور احادیث کی روشنی میں سب سے زیادہ واضح رائے یہ ہے کہ جو ایسا سفر ہو جسمیں روزہ رکھنے میں کوئی پریشانی نہ ہو، یا کچھ پریشانی تو ہو مگر آدمی تندرست ہے بغیر کسی مشقت کے روزہ رکھ سکتا ہے تو روزہ رکھنا بہتر ہے اور جہاں روزہ رکھنے میں دشواری ہو یا وقتی تقاضوں کے تحت اس وقت روزہ نہ رکھنا بہتر ہو تو ایسے حالات میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔ (الترغیب والترہیب، صفحہ ۳۰۶، جلد ۲ و کتاب الفقہ، صفحہ ۹۳۳، جلد اول و مظاہر حق، صفحہ ۶۵۰، جلد ۲)

کیا روزہ میں بھی قصر ہے؟

مسئلہ:۔ روزہ کے لیے سفر میں یہ حکم کہ بعد میں قضا ان روزوں کی کرے جو سفر میں نہ رکھے ہوں ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضاً اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (سورۂ بقرہ، پارہ ۲) نماز کے لیے حدیث شریف میں یہ حکم آیا ہے کہ اس تخفیف (کمی) کو قبول کرو، لہٰذا امام اعظمؒ اس امر کو وجوب کے لیے لیتے ہیں کہ نماز میں قصر کرنا ضروری فرماتے ہیں اور روزہ کے لیے نص (قرآن کریم) سے اختیار ثابت ہوتا ہے کہ چاہے لکھو چاہو تو پھر قضا کرلو، اگر سفر سہولیت کا ہے اور روزہ میں کچھ دشواری نہیں ہے تو روزہ رکھنا بہتر ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے: ﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (سورۂ بقرہ، پارہ ۲) پس معلوم ہوا کہ سفر میں بحالت عدم مشقت روزہ رکھنے کی فضیلت اور بہتری خود اللہ تعالیٰ نے فرمادی ہے اور نماز میں قصر کرنے میں کفران نعمت ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ بھی حکم خدا تعالیٰ کا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۷۵، جلد ۶ بحوالہ رد المختار، صفحہ ۱۵۸، جلد ۲ فصل فی العوارض)

بارہ ماہ سفر میں رہنے والے کے لیے روزہ

سوال:۔ ایک شخص اکثر سفر میں رہتا ہے اور رمضان المبارک بھی سفر میں گزرتا ہے، رمضان کے بعد بھی اس کو اقامت (قیام) کا موقع نہیں ملتا، اگر ساری عمر اس کو اقامت کا موقع نہ ملے تو قضا اس پر لازم ہوگی یا نہیں اور وصیتِ فدیہ بھی اس پر لازم ہے یا نہیں؟

جواب:۔ نصِ قرآن میں قضائے مسافر و مریض کا سبب وجوب قیام عدة من اُخر کا ادراک

بتایا ہے، سو اگر ادراک ایام ہو تو قضائے روزہ بقدر ادراک واجب ہے، ورنہ وجوب نہیں ہوتا، خواہ مرض و سفر تمام عمر رہے۔ ((فلاتجب علیهم الوصية بالفدية لعدم ادراكهم عدة من ايام أُخر ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصية بقدر ادراكهم عدة من ايام أُخر. كذافي الدر المختار)) (امداد الفتاویٰ صفحہ ۱۴۴ جلد ۲)

کیا سفر میں آنحضرت ﷺ نے روزہ رکھ کر توڑ دیا تھا؟

سوال: حضور اکرم ﷺ نے سفر کی حالت میں روزہ رکھ کر توڑ دیا تھا اور اپنے رفقاء (صحابہؓ) سے افطار کرایا تھا، کیا یہ واقعہ مستند ہے؟

جواب: ہاں سفر کی حالت میں حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے روزہ کے افطار کا واقعہ صحیح اور مستند ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان شریف میں مدینہ سے مکہ مکرمہ کیلئے روانہ ہوئے تو راستہ میں مقام عسفان پر پانی منگوایا اور صحابہ کرامؓ کو بتا کر افطار فرمایا۔ پھر مکہ مکرمہ تک پہنچنے تک روزہ نہ رکھا۔

یہ اپنی مرضی پر ہے جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے۔ دوسری روایتوں میں یہ بھی تصریح ہے کہ روزہ کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کی حالت دِگرگوں تھی، اس لیئے آپ ﷺ نے ایسا کیا۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ بعض اصحاب نے افطار نہیں کیا تھا، جب آپ ﷺ کو خبر کی گئی تو آپ ﷺ نے (بانداز خفگی) فرمایا کہ یہ نافرمان ہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے رخصت پر عمل کیا اور آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ سب رخصت پر عمل کریں۔ خصوصاً اس لیئے کہ آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، یہ سفر جہاد کے لیے تھا، بہر حال کچھ صاحبان نے عمل نہیں کیا تو آپ کو ناگواری ہوئی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک سفر میں ایک صحابیؓ کی حالت بہت خراب ہوگئی، صحابہ کرامؓ جمع ہو کر اس کی خدمت کرنے لگے، اس پر سایہ کا انتظام کیا گیا، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا "سفر میں (جان پر ظلم کر کے) روزہ کوئی نیکی نہیں ہے"۔

ان احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ سفر کی حالت میں روزہ

رکھنا ضروری اور واجب نہیں ہے، اگر رکھا تو عزیمت پر عمل کیا اور نہ رکھا تو رخصت پر عمل ہوا اگر روزہ رکھنے سے طبیعت خراب نہ ہونے کا یا تکلیف پہنچنے کا ڈر نہ ہو تو رکھ لینا ہی بہتر ہے، اگر اس کو یا اسکے ساتھیوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑ دینا بہتر ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ٣٦، جلد ٢ بحوالہ درمختار، صفحہ ١٠، جلد ٢ و مسلم شریف، صفحہ ٣٦٥، جلد ٢)

روزے سے بچ کر سفر کرنا

سوال: اگر روزہ سے بچ کر حیلہ سفر یا مرض وغیرہ کا عذر کر کے روزہ قضا کرے؟
جواب: مسافر شرعی اور مریض کو افطار کرنا درست ہے اور حیلہ کرنا مذموم اور قبیح ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ٦٩٦، جلد ٦ بحوالہ درمختار، صفحہ ١٥٨، جلد ٢)

حالت تردد میں روزہ رکھنا

سوال: جو لوگ حالت تردد میں قصر نماز پڑھتے ہیں، ان کو رمضان المبارک میں روزہ قضا کرنا جائز ہے یا نہیں؟
جواب: مسافر کو جب تک وہ کسی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت نہ کرے اور تردد میں ہو، نماز میں قصر کرنا چاہیئے اور روزہ کو بھی افطار کرنا درست ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ٤٥٧، جلد ٦ بحوالہ درمختار، صفحہ ١٥٨، جلد ٢)

اڑتالیس میل سے کم سفر کا حکم

مسئلہ: اگر تین منزل اڑتالیس میل (سوا ستتر کلو میٹر) کا سفر ہو جب ہی روزہ افطار کرنا درست ہے، اس سے کم سفر میں روزہ افطار کرنا درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ١٤٣، جلد ٦ بحوالہ درمختار ١٥٠، جلد ٢)

سفر میں پندرہ دن کی نیت کا حکم

مسئلہ: اگر راستہ میں پندرہ دن رہنے کی نیت سے ٹھہر گئے تو اب روزہ چھوڑنا درست نہیں ہے، کیونکہ شرع میں اب وہ مسافر نہیں ہے، البتہ پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی ہو تو روزہ نہ رکھنا درست ہے۔ (بہشتی زیور، صفحہ ١٩، جلد ٣ بحوالہ شامی، صفحہ ١٢٨، جلد ٢)

صبح صادق کے بعد سفر کرنا

سوال: زید کا دن میں سفر میں جانے کا ارادہ ہے تو اگر وہ سحری کھالے، مگر روزہ کی نیت نہ کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جو شخص صبح کے وقت سفر میں نہ ہو، اس کے لیے روزہ چھوڑنا جائز نہیں، اگر چہ دن میں سفر کا پختہ ارادہ ہو۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۴۲۷، جلد ۴)

مسئلہ: اگر کوئی مقیم رمضان المبارک میں روزہ کی نیت کے بعد سفر کرے، تو اس پر اس دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے، لیکن اگر وہ اس روزہ کو فاسد کر دے تو کفارہ نہ ہوگا، صرف قضا ہوگی۔ (علم الفقہ، صفحہ ۳۵، جلد ۳)

دوپہر سے پہلے ہی گھر پہنچ جانا

مسئلہ: سفر میں روزہ نہ رکھنے کا ارادہ تھا لیکن دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے ہی (زوال سے) سے اپنے گھر پہنچ جائے یا ایسے وقت میں پندرہ دن کی نیت سے کہیں رہنا پڑے اور اب تک کچھ کھایا پیا نہیں ہے تو اب روزہ کی نیت کر لے۔

(بہشتی زیور، صفحہ سوم، صفحہ ۱۹ بحوالہ ہدایہ، صفحہ ۲۰۳، جلد اول)

مسئلہ: اگر کوئی مسافر نصف نہار (دوپہر) سے پہلے مقیم ہو جائے اور ابھی تک کوئی فعل روزہ کے خلاف نہیں ہوا مثلاً کھانا پینا وغیرہ اس سے صادر نہ ہوا ہو تو بھی روزہ رکھنا ضروری ہے، لیکن اگر فاسد کر دے تو کفارہ نہ دینا پڑے گا، صرف قضا ہوگی۔ (علم الفقہ، صفحہ ۳۵، جلد ۳)

مسافر کو روزہ توڑنے کی اجازت

سوال: زید نے فرض روزے کی نیت کی اور دن کا کچھ حصہ گزرا تھا کہ وہ اتفاقیہ سفر پر روانہ ہو گیا، سفر کافی طویل ہے، کیا زید اس روزے کو توڑ سکتا ہے؟

جواب: اگر مشقت ہے، روزہ کا پورا کرنا دشوار ہے تو اس کو توڑ سکتا ہے (بعد میں صرف قضا کرنا پڑے گی)۔ (فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۱۴۱، جلد ۳)

مسئلہ: سفر میں بروز سفر (اگر روزہ ہے) توڑنا نہ چاہیئے، لیکن اگر توڑ دیا تو قضا لازم ہے

کفارہ نہیں۔(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۴۱، جلد ۶ مظاہر حق، صفحہ ۶۵۲، جلد ۲)

روزہ دار مسافر کا روزہ فاسد کر دینا

مسئلہ:۔ اگر کوئی مقیم روزہ کی نیت کرنے کے بعد مسافر بن جائے، تھوڑی دور جا کر کسی بھولی ہوئی چیز کو لینے کے لیے اپنے گھر واپس آئے اور وہاں پہنچ کر روزہ کو فاسد کر دے (توڑ دے) تو اس کا کفارہ دینا ہوگا، اس لیئے کہ اس پر اس وقت مسافر کا اطلاق نہ تھا، گو وہ ٹھہرنے کی نیت سے نہ گیا ہو اور نہ وہاں ٹھہرا ہو۔(علم الفقہ، صفحہ ۳۶، جلد ۳)

مسئلہ:۔ مسافر نے سفر میں روزہ کی نیت کی، مگر بعد میں بدل دی اور کھا پی لیا تو اس پر کفارہ نہیں، البتہ روزہ رکھنے کے بعد سفر شروع کرنا وجوب کفارہ میں اختلاف ہے اور راجح یہ ہے کہ اس صورت میں بھی کفارہ واجب نہیں۔

(احسن الفتاویٰ، صفحہ ۴۴۸، جلد ۴ بحوالہ در مختار، صفحہ ۱۳۳، جلد ۲)

مسئلہ:۔ پیاس ایسی شدید ہے کہ اس پر مر جانے کا اندیشہ ہے یا عقل کے جاتے رہنے کا خوف ہو تو روزہ توڑ سکتا ہے صرف قضا لازم ہوگی۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۴۰، جلد ۲ و در مختار، صفحہ ۱۵۸، جلد ۲)

مسافر رمضان میں روزہ بنیت نفل رکھے

سوال:۔ مسافر یا مریض اگر رمضان المبارک میں بہ نیت نفل روزہ رکھے تو نفل ہوگا یا فرض؟

جواب:۔ شامی میں ہے کہ مریض اور مسافر اگر نفل کی نیت کریں تو رمضان المبارک کا روزہ ہوگا اور اگر واجب آخر کی نیت کریں تو واجب آخر ہوگا۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۴۵، جلد ۶ بحوالہ شامی، صفحہ ۱۱۷، جلد ۲ و کتاب الصوم)

ضیافت کی وجہ سے روزہ توڑنا

مسئلہ:۔ اگر کھانے میں شرکت نہ کرنے سے مہمان کی دل شکنی ہوتی ہو تو ضیافت عذر ہے، لہذا نفل روزہ توڑ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر بعد میں اس روزہ کی قضا ضروری ہوگی اور اگر یہ معلوم ہو کہ دل شکنی نہیں ہوگی تو روزہ نہ توڑنا چاہیئے۔

مسئلہ:۔ روزہ دار مہمان کے لیے مستحب ہے کہ وہ میزبان اور اس کے اہل وعیال کے حق میں دعائے خیر کرے۔ (مظاہر حق، صفحہ ۲۷۶، جلد ۲)

سفر کی وجہ سے روزوں کا کم یا زیادہ ہونا

سوال: ایک شخص جدہ میں کام کرتا ہے وہاں اس نے رمضان کے روزہ رکھنے شروع کیئے اور وہاں پر چاند انتیس کا ہوا تھا اور ہمارے ہاں تیس کا اور پھر وہ شخص یہاں آ گیا اور اس کے تیس روزے پورے ہو گئے، اب وہ یہاں والوں کے ساتھ اپنا اکتیسواں روزہ رکھے؟

جواب: یہ شخص یہاں والوں کے ساتھ روزہ رکھے، چاہے اس کے اکتیس روزے ہو جائیں جس طرح کسی نے تنہا چاند دیکھا اور اس کی گواہی قبول نہ کی گئی تو اس کو اپنی رؤیت کے اعتبار سے رمضان کا روزہ رکھنا چاہیئے اور اگر اتفاق سے تیس روزے پورے کرنے کے بعد چاند نظر نہ آئے تو اس کو (جس نے ایک دن پہلے روزہ رکھا تھا) تنہا افطار کرنا جائز نہیں بلکہ اس کیلئے یہ حکم ہے کہ وہ لوگوں کیساتھ روزہ رکھے اور سب کے ساتھ عید کرے۔

(فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۱۸۱، جلد ۵، بحوالہ شامی، صفحہ ۱۲۳، جلد ۲)

مسئلہ:۔ اسی طرح اگر کسی ملک میں ایک دو دن روزے آگے ہیں تو یہ شخص (وہاں پہنچنے والا) وہاں والوں کے ساتھ عید کرے اور بعد میں باقی ماندہ روزوں کی قضا کرلے۔ یعنی اگر ستائیس روزے اس کے ہوئے تو دو روزے رکھے اور اگر اٹھائیس ہوئے تو ایک روزہ رکھے کیونکہ مہینہ انتیس دن سے کم کا نہیں ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۱۸۱، جلد ۵)

سفر کے فوت شدہ روزوں کا حکم

سوال: سفر کی حالت میں فوت شدہ روزوں کی قضا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں قضا کا وقت ملے تو قضا رکھنا ضروری ہے اور نہ رکھے تو فدیہ دینے کی وصیت لازم ہے بشرطیکہ مال چھوڑ گیا ہو اور سفر کی حالت میں اگر مرا ہو یا مقیم ہو کر مرا لیکن قضا کا وقت نہیں ملا تو فدیہ دینے کی وصیت لازم نہیں۔ اگر چند روز قضا رکھنے کا وقت ملا تو اتنے روزوں کی قضا لازم ہے، اگر قضا نہ کرسکا تو ان دنوں کے فدیہ دینے کی وصیت ضروری ہے،

مثلاً سفر کی حالت میں دس دن کے روزے فوت ہو گئے اور پانچ روزے رکھنے کا وقت ملا لیکن قضا نہیں کی تو ان پانچ روزوں کے فدیہ دینے کی وصیت لازم ہے، اس سے زائد کی نہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۳۴، جلد ۲ بحوالہ شامی، صفحہ ۱۶۰، جلد ۲)

مسئلہ:۔ اگر مسافر سے لوٹنے کے بعد یا مریض صحت یاب ہونے کے بعد اتنا وقت نہ پائے جس میں قضا شدہ روزے ادا کر لے تو اس کے ذمہ قضا لازم نہیں، سفر سے لوٹنے یا بیماری سے صحت یاب ہونے کے بعد جتنے دن بھی ملیں اتنے ہی قضا لازم ہوگی۔

(جواہر الفقہ، صفحہ ۳۸۱، جلد اول)

مسئلہ:۔ اگر قضا کرنے یعنی رکھنے کا وقت نہ ملا تو یہ روزے معاف ہیں اور اگر حالت اقامت میں قضا رکھنے کا موقع مل گیا ہو تو ترکہ سے فدیہ ادا کرنے کی اور وصیت کرنا واجب ہے۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۴۵۸، جلد ۴ بحوالہ در مختار، صفحہ ۱۲۷، جلد ۲)

کیا مسافر روزہ کے بدلے فدیہ دے سکتا ہے؟

سوال: مسافر نے سفر میں چند روزے نہیں رکھے اور فدیہ دیا تو اس پر کچھ گناہ تو نہیں؟

جواب: ان روزوں کی بعد میں قضا کرنا ضروری ہے، فدیہ کافی نہیں ہے، جیسا کہ آیت شریفہ: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (سورۂ بقرہ، پارہ ۲) سے ثابت ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۶۳، جلد ۶ و فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۸۹، جلد ۷)

(یعنی جو شخص تم میں (ایسا) بیمار ہو (جس میں روزہ رکھنا مشکل ہو یا مضر ہو) یا (شرعی) سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار کر کے ان میں روزہ رکھنا اس پر واجب ہے۔

(ترجمہ مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ) رفعت قاسمی)

مسافر کا رمضان المبارک میں انتقال ہو جانا

سوال: ایک شخص رمضان شریف میں مسافر ہوا اور وہ روزہ سے نہیں تھا اور وہ انتقال کر گیا اس کے روزے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس کے ذمہ قضا روزہ کی نہیں لازم ہوئی اور فدیہ کی وصیت بھی لازم نہیں ہوا۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۳۲، جلد ۶ بحوالہ در مختار، صفحہ ۱۶۰، جلد ۲)

(رمضان المبارک میں روزے اگر کسی شرعی مجبوری کی وجہ سے چھوٹے تھے اور ابھی وہ مجبوری ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ شخص دنیا سے کوچ (انتقال) کر گیا تو اس پر کوئی شرعی مطالبہ نہیں ہے، کیونکہ اس کو ادا کرنے کا موقع ہی نہ ملا، ہاں اگر موقع مل گیا تھا مگر اس نے سستی کی اور روزوں کی قضا نہیں کی تو یہ فریضہ اس کے ذمہ واجب رہا، خدا کے یہاں اس کی پکڑ ہو گی مثلاً اگر سفر یا مرض کی وجہ سے دس دن کے روزے رہ گئے تھے اور وہ سفر یا صحت کے بعد پانچ دن زندہ رہا اور قضا شروع نہیں کی تھی تو پانچ ہی دن کی قضا اس کے ذمہ واجب رہی، وصیت کرنا لازم ہے، کیونکہ اس کو اتنا ہی وقت ملا۔ اس کے رشتہ داروں اور متعلقین کو چاہیئے کہ روزوں کا فدیہ دے دیں، اس کے ذمہ سے ادا ہو جائے گا اور اگر وہ شخص مال چھوڑ کر مرا ہے اور فدیہ دینے کی وصیت بھی کر گیا ہے تو وارثوں پر فدیہ دینا واجب اور ضروری ہے اور اگر وصیت کی اور مال نہیں چھوڑا یا اتنا کم ہے کہ ایک تہائی حصے میں اس کے روزوں کا بدلہ پورا نہیں ہوتا، یا مال تو کافی چھوڑا ہے مگر وصیت نہیں کی تھی تو ان سب صورتوں میں وارثوں پر اس کے روزوں کا فدیہ دینا واجب نہیں ہے مگر مرنے والے کے ساتھ ہمدردی اور تعلق اس میں ہی ہے کہ اس کی آخرت کے ساتھ بھلائی کی نیت سے دے دینا اچھا ہی ہے مرنے والے کی طرف سے اس کے رشتہ دار یا ملنے والے فدیہ دے دیں تو دے سکتے ہیں، لیکن اس کی طرف سے نماز یا روزہ کی قضا نہیں کر سکتے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ مرتب)

مسافر عید کب کرے؟

سوال: ایک شخص سعودی عرب چلا گیا، اس کے دو روزے کم ہو گئے (تاریخ کے فرق سے) تو اب وہ کیا سعودی چاند کی تاریخ کی حساب کے مطابق عید کرے یا اپنے روزے پورے کر کے عید کرے؟

جواب: عید سعودیہ کے مطابق (ان کی تاریخ میں) کرے اور جو روزے رہ گئے ہیں انکے قضا کرے۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۲۶۱، جلد ۲)

جہاز وریل وغیرہ میں نماز عید

سوال: سفر کی حالت میں بحری جہاز میں عید کی نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: نماز عید کی وہی شرائط ہیں جو نماز جمعہ کی ہیں یعنی جس بستی میں جمعہ درست ہے، اسی بستی میں نماز عید بھی درست ہے اور جہاں جمعہ درست نہیں وہاں عید بھی درست نہیں ہے اور جمعہ کے لیے مصر (شہر) یا قصبہ یا قریہ کبیرہ ہونا شرط ہے اور یہی عید کے لیے بھی شرط ہے۔

جہاز بحری ہو یا ہوائی، نہ مصر ہے نہ قصبہ ہے اور نہ قریہ کبیرہ ہے، نہ وہاں جمعہ درست ہے اور نہ ہی عید درست ہے۔ اگر جہاز میں پندرہ روز قیام رہے تو اس سے آدمی مقیم نہیں بن جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۲۷، جلد ۱۴ بحوالہ طحطاوی، صفحہ ۳۴۶، مصری)

(اور یہی مسئلہ ریل وغیرہ کی سواری میں ہے کہ وہاں پر بھی عید کی نماز نہیں کر سکتے۔ محمد رفعت قاسمی، مدرس دارالعلوم دیوبند)

نوٹ:۔ روزہ کے تفصیلی احکام دیکھیے احقر کی کتاب "مکمل و مدلل مسائل روزہ" میں۔ مرتب کتاب ہذا۔

سفر حج کے وقت کی دُعا

حج کو جانے سے پہلے احباب واقربا سے ملاقات کرے اور ان سے اپنا قصور معاف کرائے اور اُن سے دعائے خیر کی درخواست کرے، جب گھر سے نکلنے کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز نفل پڑھے اور جب دروازہ کے قریب آئے تو سورۂ "اِنَّا اَنْزَلْنَا" الخ پڑھے اور جب گھر سے باہر آئے اپنی استطاعت کے موافق کچھ صدقہ کرے اور آیت الکرسی (پارہ ۳ میں ہے) پڑھے، اس کے بعد مندرجہ دعا پڑھے:

((اللھم انی اعوذبک ان اضل او اضل او ازل او اذل او اظلم او اظلم او اجھل اویجھل علی))

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کر دیا جائے، یا ظلم کروں یا مجھ پر ظلم ہو، یا جہالت کروں یا مجھ پر جہالت ہو۔

نوٹ :۔ اگر عربی دعا کے الفاظ یاد نہ ہوتو دعاؤں کا مضمون جو ترجمہ میں لکھا ہوا ہے اپنی اپنی زبان میں اس کی دعا مانگے۔ (احکام حج، مصنفہ مفتی محمد شفیع، صفحہ ۲۶)

اور سوار ہوتے وقت مندرجہ بالا دعا پڑھے۔

(اور تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "احکام حج" از مولانا مفتی محمد شفیع (رفعت)

حالت حیض و نابالغی میں سفر حج

سوال: (۱) ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ حج کے لیے چلی، گھر سے روانہ ہوتے وقت وہ حائضہ تھی، مسافت قصر کرنے کے بعد مکۃ المکرمہ پہنچ گئی، یہاں آکر پاک ہوگئی، اب سوال یہ ہے کہ وہ عورت نماز قصر کرے گی یا پوری پڑھے گی؟ واضح رہے کہ وہ عورت شوہر کے تابع ہے اور مسافت سفر بھی طے کر چکی ہے، اسی طرح ایک بچہ سفر کے شروع کرتے وقت نابالغ تھا، مکۃ المکرمہ پہنچنے کے بعد بالغ ہوگیا۔

(۲) مسافت سفر سوا ستتر کلومیٹر ہے، جب وہ اپنے وطن ہندوستان سے چلی تو پاک تھی مگر مسافت قصر سے پہلے ہی مثلاً پچاس کلومیٹر سفر طے کیا تھا کہ حائضہ ہوگئی تو حیض آنے سے پہلے قصر کرے یا اتمام کرنا ضروری ہے، اسی طرح بچہ پچاس کلومیٹر سفر طے کرنے کے بعد ہی بالغ ہوگیا۔

(۳) ایک حائضہ عورت گھر سے چلی اور ایسی حالت میں پاک ہوئی کہ مکہ مکرمہ مسافت قصر سے کم مثلاً تیس کلومیٹر رہ گیا تو کیا حکم ہے؟ اس طرح بچہ مکۃ المکرمہ سے تیس کلومیٹر پہلے بالغ ہوا؟

(۴) ایک عورت پانی کے جہاز سے حج کو گئی ایسی حالت میں پاک ہوئی کہ مکہ مکرمہ مسافت قصر یا اس سے بھی بعید ہے؟ اسی طرح بچہ مکہ مکرمہ سے سوا ستتر کلومیٹر سے پہلے بالغ ہوا؟ تو یہ قصر کریں گے یا اتمام؟

(۵) مکہ مکرمہ میں بحالت حیض داخل ہوئی اور وطن ہی سے حائضہ ہے اور ایام حج میں صرف دس دن باقی ہیں تو وہاں پاک ہونے کے بعد قصر کریگی یا اتمام اسی طرح بچہ مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد حج سے دس دن پہلے بالغ ہوا؟

(۶) ایام حج میں تو بیس دن باقی ہیں، مگر یہ عورت پاک ہوئی تیرہ دن قبل تو کیا حکم ہے؟

(۷) بحالت پاکی داخل ہوئی اور ایام حج میں دس دن ہیں تو کیا حکم ہے؟

(۸) اگر ایام حج شروع ہونے میں پندرہ دن یا زیادہ دن ہوں تو کیا حکم ہے؟

احقر محمد ابراہیم قاسمی (افریقی) مقیم چھتہ مسجد دارالعلوم دیو بند۔

الجواب: باسمہ سبحانہ وتعالیٰ۔

الجواب: بعون الملک الوہاب۔ حامداً ومصلیاً ومسلماً۔

(۱) حالتِ حیض و نابالغی میں شروع کیئے ہوئے سفر کا قصد قصر کے حق میں شرعاً اعتبار نہیں ہے لہٰذا اس صورت میں مذکورہ عورت اور بالغ ہونے والے بچہ پر مکۃ المکرمہ (زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً) میں رہتے ہوئے اتمام واجب ہے۔ ((طهرت الحائض وبقي لمقصدها يومان تتم في الصحيح كصبي بلغ بخلاف كافر اسلم... الخ))

(فتاویٰ الدر المختار علی رد المختار، صفحہ ۵۳۵، جلد ۱)

(۲) اس صورت میں اپنی آبادی سے باہر آنے پر ہی اس عورت پر قصر واجب ہو گیا چونکہ پاکی کی حالت میں مسافت شرعیہ طے کرنے کے قصد سے نکلنا پایا گیا پس حیض آنے سے پہلے قصر کرے گی اور بچہ جب پچاس کلو میٹر کے بعد بالغ ہوا تو اب وہ شرعی مسافر بن گیا، لہٰذا اس پر قصر واجب ہو گیا۔

(۳) گھر سے نکلتے وقت جب وہ عورت حائضہ تھی اور مکۃ المکرمہ زادہا اللہ شرفاً سے تیس کلو میٹر پہلے حیض سے پاک ہوئی تو چونکہ پاک ہونے کے بعد مسافت شرعیہ نہیں پائی گئی اس لیئے اس عورت پر پوری نماز پڑھنا واجب ہے اور بچہ بھی اس صورت میں بالغ ہونے کے بعد شرعی مسافر نہ ہو گا لہٰذا وہ بھی اتمام کرے گا۔

(۴) اس صورت میں دونوں پر قصر واجب ہے۔

(۵) چونکہ شرعاً اس سفر کا اعتبار نہیں کیا گیا پس صورت مسئولہ میں عورت پاک ہونے کے بعد اور بچہ بالغ ہونے کے بعد اتمام کریں گے۔

(۶) اس صورت میں بھی مذکورہ بالا عورت اور بچہ پر اتمام واجب ہے۔

(۷) پاک ہونے کے بعد اگر مسافت شرعیہ پائی گئی تھی تو مسافر ہو جائے گی اور اس پر

قصر واجب ہوگا اور اگر نہ پائی گئی تو اتمام واجب ہے۔

(۸) اگر مسافت شرعیہ پائی گئی تھی تو اس صورت میں چونکہ پندرہ یا اس سے زائد دن مکۃ المکرمہ میں ٹھہرنے کی نیت ہے اس لیئے وہ عورت مقیم ہو جائے گی اور اس پر اتمام واجب ہوگا اور اس صورت میں اپنی نیت کے سلسلہ میں شوہر کے تابع ہے۔

((والمعتبر نية المتبوع لانه الاصل لاالتابع كامرأة عبدجسدی واجیر مع زوج ومولیٰ وامیر ومستأجر...اھ

(فتاویٰ الدر المختار علی الرد، صفحہ ۵۳۳، جلد ۱)

نوٹ:۔ نمبر ۱ تا نمبر ۷ کے لیے عبارت مندرجہ نمبر ۱ کافی ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم احقر محمود غفرلہٗ۔

علماء کرام کی تصدیق کا عکس ص: ۱۷۸، پر ملاحظہ کریں۔ (ادارہ)

مسئلہ:۔ ماہواری کی حالت میں احرام باندھنا، وقوف عرفات وقوف مزدلفہ، میدان منیٰ میں، رمی جمار، صفا و مروہ کی سعی وغیرہ تمام امور جائز ہیں، لیکن طواف کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر طواف سے پہلے ماہواری شروع ہو جائے تو حاجیوں کے ساتھ سب کام کر لے اور طوف نہ کرے بلکہ ماہواری ختم ہونے کا انتظار کرتی رہے اور جب ماہواری ختم ہو جائے تو طواف کر لے اور عورتوں کے لیے ماہواری کے عذر کی وجہ سے ایام نحر میں طواف لازم نہیں جب بھی پاک ہوگی اس وقت لازم ہوتا ہے اور طواف زیارت کے بغیر حج نہیں ہوتا ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۵۲، جلد ۲)

سفر حج میں اپنا پیشہ اختیار کرنا

سوال: ایک حجام حج کو جاتا ہے، اگر وہ آنے جانے کے راستہ میں یا مکہ میں رہ کر اپنے پیشہ کو اختیار کر کے کمائے تو اس کے حج میں کسی قسم کی کراہت وغیرہ تو نہیں؟

جواب: جائز ہے، رہا یہ کہ ثواب تو کم نہ ہوگا، تو اگر اصل مقصود کمائی ہے تو بے شک ثواب کم ہو جائے گا اور اگر اصل مقصود حج ہے اور کمائی تابع ہے تو ثواب کم نہ ہوگا مگر شبہ عدم اخلاص کا ہے اور اگر کمائی سے مقصود سفر حج کی سہولت ہے تا کہ وہاں تنگی نہ پیش آئے تو کچھ شبہ نہیں ہے بے غبار جائز بلکہ افضل ہے۔ (امداد الاحکام، صفحہ ۱۶۰، جلد ۲ و فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۶۰، جلد ۲)

سفرِ حج کی راہ میں قصر

مسئلہ: جو اڑتالیس میل کے قصد سے نکلے وہ شرعی مسافر ہے، اس کو راہ میں قصر کرنا لازم ہے، جب تک پندرہ روز قیام کی نیت سے ٹھہر نہ جائے، قصر کرتا رہے، لہٰذا دو ماہ مکہ معظمہ میں قیام کی نیت سے جانے والا ہندوستانی حاجی بھی راستہ میں قصر ہی کرے گا۔

(فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۲۳۶، جلد اول)

حج سے پہلے پہنچنے والا مقیم ہے یا مسافر؟

سوال: جو شخص یکم ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے اور بیس روز قیام کی نیت کرے اور حج سے فارغ ہو کر اکیس ذی الحجہ کو مدینہ طیبہ جانے کا قصد کرے تو وہ شخص قیام مکہ معظمہ میں نماز پوری پڑھے گا یا قصر؟ ایسا شخص مقیم ہے یا مسافر؟

جواب: وہ شخص مقیم نہیں ہے بلکہ مسافر ہے، اس کو چاہیئے کہ مکہ مکرمہ میں بھی قصر کرے اور منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں بھی قصر کرے، البتہ مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے گا تو قصر نہیں کرے گا، پوری نماز پڑھے گا جیسا کہ ہر مسافر کا حال ہوتا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۱۸۴، جلد ۳، بحوالہ بحر، صفحہ ۱۴۳، جلد ۲ ورکن دین، صفحہ ۱۴۴، بحوالہ عالمگیری)

مدینہ طیبہ میں کیا قصر کرے؟

سوال: مدینہ طیبہ کے قیام میں مسافر رہے گا یا مقیم، کیونکہ سنا ہے وہاں آٹھ یوم سے زیادہ قیام کی اجازت نہیں؟

جواب: پندرہ یوم کی نیت سے مقیم ہو جائے گا، دس روز تو ضابطہ میں قیام ہوتا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۵۸۵، جلد ۳)

مسئلہ: حاجی اگر ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں مکہ میں داخل ہو جائے اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو صحیح نہیں، اس لیئے کہ اس کو عرفات میں ضرور جانا پڑے گا اور شرط متحقق نہ ہوگی۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ ۵۹، جلد ۳)

منیٰ میں نماز قصر کیوں؟

مسئلہ:۔ کوئی شخص پاکستان یا دوسرے ممالک سے حج یا عمرہ کو جاتا ہے تو مکہ میں پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کے بعد احرام حج باندھ کر منیٰ اور عرفات کو جاتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ منیٰ وعرفات ومزدلفہ میں نمازیں قصر پڑھے؟

بعض کہتے ہیں کہ قصر پڑھے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مکہ میں مقیم ہونے کے باوجود قصر پڑھی اگر حنفی مسلک کے ماننے والے نے قصر پڑھی ہو تو اس کی نمازیں ہوگئیں یا دوبارہ قضا کرے؟

جواب:۔ قصر کا حکم صرف مسافر کو ہے اور جو شخص منیٰ جانے سے پہلے خواہ اس وجہ سے کہ وہ مکہ مکرمہ کا رہنے والا ہے، خواہ اس وجہ سے کہ وہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ عرصہ سے مکہ مکرمہ میں ٹھہرا ہوا تھا، اس کو منیٰ مزدلفہ اور عرفات میں قصر کی اجازت نہیں وہ پوری نماز پڑھے اور اگر قصر کر چکا ہے تو وہ نمازیں نہیں ہوئیں، ان کو دوبارہ پڑھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو حاجی صاحبان ایسے وقت مکہ مکرمہ جاتے ہیں کہ آٹھ تاریخ (جو منیٰ جانے کا دن ہے) تک مکہ مکرمہ میں ان کے پندرہ دن نہیں ہوتے وہ مکہ مکرمہ میں بھی مسافر شمار ہوں گے اور منیٰ عرفات میں بھی، لہٰذا قصر کریں گے اور اگر آٹھ تاریخ تک مکہ مکرمہ میں ان کے پندرہ دن پورے ہو جاتے ہیں تو وہ مکہ مکرمہ میں مقیم ہو جائیں گے اور منیٰ عرفات میں بھی مقیم رہیں گے۔

(آپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۵، جلد ۲)

مسئلہ:۔ منیٰ وعرفات اور مزدلفہ میں نماز امام کے ساتھ پڑھیں کیونکہ وہ مسافر شرعی نہ ہونے کے باوجود قصر کرتے ہیں، لہٰذا الگ خیمہ میں جماعت کریں۔

(احسن المسائل، صفحہ ۵۶۷، جلد ۴ وفتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۲۳۷، جلد اول)

جہاز پر سوا ہو کر طواف کرنا

ہوائی جہاز میں سوار ہو کر طواف کرنے سے طواف تو صحیح ہو جائے گا، بشرطیکہ ہوائی جہاز مسجد کی حد میں داخل رہے لیکن بلا عذر ایسا کرنے سے دم (قربانی) واجب ہوگا، جیسا کہ مرکب غیر ہوائی میں بھی بلا عذر سوار ہو کر طواف کرنے کا یہی حکم ہے۔

ہوائی جہاز میں سوار ہو کر عرفات کے مرور (یعنی میدان عرفات پر سے گزر جانے) سے وقوف عرفہ ادا نہ ہوگا۔ چونکہ طواف کی حقیقت بیت اللہ کے چاروں طرف گھومنا ہے اور بیت اللہ کے متعلق یہ تصریح موجود ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک کعبہ ہے، اس لیئے طواف، خانہ کعبہ سے اوپر ہو کر بھی جائز ہے، اس لیئے ہوائی جہاز میں بشرط مذکورہ طواف صحیح ہو جائے گا۔

لیکن وقوف عرفہ کے متعلق یہ کہیں تصریح نہیں ملی کہ زمین سے آسمان تک بحکم عرفہ ہے بلکہ اکثر کتب میں وقوف (ٹھہرنے) کو زمین کے ساتھ مقید کیا ہے۔

(امداد الاحکام، صفحہ ۲۰۰، جلد ۲ و فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۶۰، جلد ۲)

مسافر حاجی پر قربانی

حاجی پر سفر کی وجہ سے عید کی قربانی واجب نہیں، البتہ اگر کوئی آٹھ ذی الحجہ سے کم از کم پندرہ روز قبل مکہ مکرمہ میں آکر رہا تو وہ مقیم ہوگیا، اسلیئے قربانی کے دنوں میں اگر وہ صاحب نصاب ہو تو اس پر دم شکر کے علاوہ عید کی قربانی بھی واجب ہے، خواہ منیٰ میں ذبح کرے یا اپنے وطن میں کرائے۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۵۶۸، جلد ۴)

مسئلہ:۔ اگر مقیم نہ ہو تو نہ صدقہ فطرہ واجب ہے اور نہ قربانی۔

(امداد الفتاویٰ، صفحہ ۳۶۰، جلد ۳ و ہدایہ، صفحہ ۴۲۹، جلد اول)

مسئلہ:۔ مسافر اگر نفلی طور پر قربانی کرے تو ثواب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی بھیڑ بکرا وغیرہ قربانی کے ارادہ سے خریدا ہو اور اس کا وقت آنے سے پہلے سفر درپیش ہو جائے تو اس کو بیچا جا سکتا ہے، کیونکہ مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

(کتاب الفقہ، صفحہ ۱۱۸۲، جلد اول)

مسئلہ:۔ تکبیرات تشریق (ذی الحجہ کے ایام میں بعد نماز تکبیرات) اقتداء کی وجہ سے مسافر پر بھی واجب ہو جاتی ہیں۔ (درمختار ص ۷۶، جلد اول)

حالت مسافت کی موت کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسری جگہ مرتا ہے تو اس کے وطن سے لے کر اس کے مرنے کے مقام تک اس کے لیے جنت کی پیمائش کی جاتی ہے''۔ (نسائی، ابن ماجہ)

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''حالت سفر کی موت شہادت ہے''۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص وطن سے دور حالت سفر میں مرتا ہے تو اس کے وطن اور اس کے مرنے کی جگہ تک درمیان میں جتنی مسافت ہوتی ہے اس کے بقدر جگہ اس کو جنت میں ملتی ہے لیکن اس بارہ میں صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ سفر سے مراد سفر اطاعت یعنی جہاد وغیرہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اجر و انعام اس شخص کو ملتا ہے جو جہاد کیلئے یا دینی تعلیم حاصل کرنے کیلئے یا اسی قسم کے دوسرے با مقصد و مطلوب کام کے لیے وطن سے دور مرا ہو۔

(مظاہر حق جدید، صفحہ ۳۷۳، جلد۲)

پانی کے سفر میں موت ہو جانا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دریا سمندر کے سفر میں جس شخص کا سر گھومنے لگے اور اس کی وجہ سے اس کو قے ہو تو اس کو ایک شہید کا ثواب ملے گا اور جو شخص سفر کے دوران دریا میں ڈوب جائے تو اس کو دو شہیدوں کا ثواب ملے گا''۔ (ابوداؤد)

ان دونوں کو شہید کا ثواب اس صورت میں ملے گا جب کہ وہ جہاد کے لیے یا طلب علم اور حج جیسے مقاصد کے لیے دریا و سمندر میں سفر کر رہا ہو، نیز اگر اس کے سفر کا مقصد تجارت ہو اور اس تجارت کی غرض اپنے جسم کو زندہ رکھنے اور طاقتور رکھنے اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی کو پورا کرنا ہو اور وہ تجارت اس دریائی سفر کے بغیر ممکن الحصول نہ ہو تو اس صورت میں بھی یہ حکم ہے۔ (ڈوب کر مرنا ضروری نہیں ہے بلکہ مطلقاً ہی ہوگا)۔

(رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مرنے والے مسافر کے چندہ کی بقیہ رقم کا حکم

سوال: گاؤں میں مسافر آکر وفات پا گیا اس کی تجہیز و تکفین کے لیے چندہ کیا گیا، اس میں سے کچھ رقم بچ گئی تو کیا کرے؟

جواب: اگر یہ معلوم ہو کہ بقیہ رقم فلاں شخص نے دی ہے تو وہ رقم اس کو دے دی جائے اور اگر معلوم نہیں کہ یہ بقیہ رقم کس نے دی ہے تو کسی غریب کی تجہیز و تکفین میں استعمال کی جائے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو وہ رقم محتاج غریب کو صدقہ میں دے دی جائے۔

(فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۲۷۲، جلد اور وعالمگیری، صفحہ ۱۶۱، جلد ۱)

سفر حج میں موت ہو جانا

مسئلہ:۔ جو شخص سفر حج میں ہو اور اگر راستہ میں انتقال ہو جائے یا کوئی حادثہ پیش آجائے تو ثواب موافق حج کے پورا ملے گا اور عنداللہ ان کا اجرِ عظیم ہے اور بڑا درجہ ہے اور اس میں ثواب حاصل ہوتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۵۸۴، جلد ۶ بحوالہ مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۳۴۸، جلد ۲)

سفر حج میں مرنے والے کا حج؟

سوال:۔ اگر کسی شخص کا سفر حج کرنے سے قبل انتقال ہو جائے تو کیا اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائیگا؟

جواب:۔ اگر اس پر اس سال حج فرض ہوا تھا تو راستہ میں موت واقع ہونے سے فرض ساقط ہو گیا اور اگر حج پہلے سے فرض ہو چکا تھا تو اس میں تفصیل ہے کہ وقوف عرفہ کے بعد انتقال ہوا تو فرض ادا ہو گیا اور اگر اس سے قبل فوت (مرا) ہوا تو فرض ساقط نہیں ہوا، اس لیئے کہ اس کے شہر سے حج بدل کی وصیت کرنا فرض ہے، اگر ثلث مال اس کے شہر سے کافی نہ ہو تو جہاں سے بھی ثلث میں حج ہو سکے وہیں سے کرایا جائے۔

(احسن الفتاویٰ، صفحہ ۲۳، جلد ۴ درمختار، صفحہ ۲۶۳، جلد ۲)

سفر میں انتقال ہونے پر غسل کون دے؟

سوال: ہم تین افراد ہم سفر تھے اور سفر ہمارا ریگستان کا تھا، میرے ہم سفر کی بیوی کا انتقال ہوگیا، اس کو غسل کون دے گا؟

جواب: عورت کو مرد اور مردوں کو عورتیں غسل نہیں دے سکتیں۔ خدانخواستہ ایسی صورت پیش آجائے کہ عورت کو غسل دینے والی کوئی عورت نہ ہو، یا مرد کو غسل دینے والا کوئی مرد نہ ہو تو تیمّم کرادیا جائے، اگر عورت کا کوئی محرم مَرد یا مَرد کی کوئی محرم عورت ہو تو وہ تیمّم کرائے اور اگر محرم نہ ہو تو اجنبی اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر تیمّم کرائے اور صورت مسئولہ میں شوہر کپڑا ہاتھ پر لپیٹ کر تیمّم کرادے۔

اس مسئلہ کی پوری تفصیل کسی عالم سے سمجھ لیں۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۱۰۰، جلد ۳ و علم الفقہ، صفحہ ۱۸۷، جلد ۲)

کیا مسافر زکوٰۃ لے سکتا ہے؟

مسئلہ:۔ مسافر نے بطور قرض کرایہ مانگا مگر دینے والے نے مسافر کو زکوٰۃ کی نیت سے دے دیا، تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اگر وہ مسافر گھر جا کر روپیہ واپس کردے تو بہتر یہ ہے کہ وہ روپیہ واپس نہ لیا جائے۔ (یہ کہہ دے کہ میں نے معاف کیا) اور اگر لے لیا تو افضل یہ ہے کہ اس رقم کو صدقہ کردے۔ (الاحکام، صفحہ ۲، جلد ۲)

مسئلہ:۔ مسافر کو زکوٰۃ لینا درست ہے جبکہ اس کے پاس مال بقدر نصاب نہ ہو اگرچہ اس کے مکان پر ہو۔ (فتاوٰی دارالعلوم، صفحہ ۳۸۳، جلد ۶ و کتاب الفقہ، صفحہ ۱۰۱۹، جلد اول)

مسئلہ:۔ مسافر پر بھی (جبکہ وہ صاحب نصاب ہو) اپنے مال کی زکوٰۃ اس لیئے واجب ہے کہ اسے اپنے نائب کے ذریعہ سے اپنے مال میں تصرف کی قدرت حاصل ہے۔

(فتاوٰی عالمگیری، صفحہ ۷، جلد ۲ و مسائل زکوٰۃ، صفحہ ۲۵۹

مسئلہ:۔ مسافر کو اس کی مرضی سے ٹکٹ خرید کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اگر وہ مسافر کسی عذر کی وجہ سے سفر میں نہ جائے اور ٹکٹ کینسل ہو جائے تو تب بھی وہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

(مکمل و مدلل مسائل زکوٰۃ، صفحہ ۲۵۹، جلد ۲)

تفصیلی احکام دیکھیئے احقر کی کتاب مکمل و مدلل مسائل زکوٰۃ)

بیوی کو چھوڑ کر علم کے لیے سفر کرنا

سوال: ایک شخص کی جوان بیوی ہے اور وہ بیوی کو چھوڑ کر طلب علم کے لیے سفر اختیار کرتا ہے اور سال بھر گھر نہیں آتا تو کیا اس کے لیے یہ امر جائز ہے یا بیوی کے پاس رہنا واجب ہے؟

جواب: عورت کا نفقہ (ضروری خرچہ) اور ہر چار ماہ میں ایک دفعہ جماع کرنا شوہر پر واجب ہے۔ پس اگر شوہر ان حقوق کی تکمیل میں کوتاہی نہ کرے تو طلب علم کیلئے سفر پر جانا جائز ہے البتہ اس کے باوجود عورت کیلئے فتنہ کا مظنہ ہو تو سفر میں رہنا جائز نہیں۔

(احسن الفتاویٰ، صفحہ ۳۹۹، جلد اول۔ بحوالہ درمختار، صفحہ ۲۳۳، جلد ۲ باب القسم)

سفر میں عمداً قصر نہ کرنے پر حکم کیا ہے؟

سوال: اگر کوئی شخص سفر میں جان بوجھ کر قصر نہ کرے بلکہ پوری نماز پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: مسافر پر قصر واجب ہے، یہ شخص عمداً ترک واجب کی وجہ سے گنہگار ہوگا، اس لیئے اس پر توبہ اور اس نماز کا اعادہ واجب ہے۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۷۷، جلد ۴)

مسئلہ:۔ مسافر بہ سفر شرعی کو قصر کرنا واجب ہے، جو شخص قصر کا اعتقاد نہ رکھے یا قصر نہ کرے وہ مبتدع اور عاصی ہے اور تارک واجب، یعنی واجب کو چھوڑنے والا ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۴۶۵، جلد ۴۔ بحوالہ عالمگیری، صفحہ ۱۳۰، جلد اول و آپ کے مسائل، صفحہ ۳۹۱، جلد ۳)

حنفی مسافر اگر شافعی مسلک پر عمل کرے؟

سوال: ایک مسافر حنفی نے نماز میں قصر نہ کیا، دریافت کرنے پر جواب دیا کہ جب قصر کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ نماز ہی نہیں پڑھی اور دل اُچاٹ ہو جاتا ہے، اس وجہ سے قصر نہیں کرتا، مجبوراً امام شافعیؒ کے مسلک کو لیتا ہوں، اس صورت میں اس مسافر کی نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب: یہ اس مسافر نے برا کیا، امام شافعیؒ کے مذہب پر اس بارہ میں حنفی کو عمل کرنا درست نہیں ہے، اپنے مذہب کے موافق ضرور قصر کرے، قصر کرنا واجب ہے، باقی اگر اس نے تنہا نماز پڑھی ہوگئی اور اگر امام ہوا تو مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی۔

(فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۴۴۶، جلد ۴۔ بحوالہ غنیۃ المستملی، صفحہ ۵۰۰، و ردالمختار، صفحہ ۳۹۷، جلد اول، باب صلوٰۃ المسافر)

مسافر کی امامت

مقیم کی نماز مسافر کی امامت میں اور مسافر کی مقیم کی امامت میں جائز ہے لیکن جب مسافر امام ہو تو نماز سے پہلے مقتدیوں کو اطلاع دے کہ میں مسافر ہوں، دو رکعت پڑھوں گا، تم اپنی نماز پوری کر لینا اور سلام پھیرنے کے بعد بھی اعلان کر دے اور خود اپنی دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر لے اور جو مقتدی مقیم ہیں وہ اپنی دو رکعتیں باقی اس طرح پڑھیں کہ قیام میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھیں بلکہ اتنی دیر خاموش کھڑے رہیں جتنی دیر میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ (شامی واحکام سفر، صفحہ ۴۸، وامداد الاحکام، صفحہ ۱۶۸، جلد اول)

(آج کل عموماً مسائل سے ناواقفیت ہے، اس لیئے مسافر امام جب مقیم کی امامت کرے تو نماز شروع کرنے سے پہلے ہی اپنے کو مسافر ہونے اور دو رکعت پڑھنے اور باقی دو رکعت مقیم کی طرح پڑھیں بتا دے ورنہ مسائل نہ معلوم ہونے کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسافر امام کے پیچھے جماعت کا ثواب ہوگا

سوال: دریافت کرنا یہ ہے کہ مسجد میں نماز با جماعت پڑھنے جاتے ہیں جس کی بڑی تاکید آئی ہے، اُن کی جماعتوں کی نماز ایک مسافر پیر سے امامت کرا کے ضائع کر دینا اور (دیر سے پہنچنے پر) جماعت کی نماز سے محروم کر دینا کیا جائز ہے؟ نیز جماعت سے نماز ادا نہ کرنے کا وبال کس پر ہوگا؟

جواب: اگر مسافر امام ہو تو دو رکعت کے بعد سلام پھیر دے گا اور اس کے پیچھے جو مقتدی مقیم ہیں اُٹھ کر اپنی دو رکعتیں پوری کر لیں گے (بغیر قرأت کے) مقتدیوں کو چار فرض انفرادی (الگ سے اپنے) طور پر ادا کرنے کی ضرورت نہیں اور مسافر کی امامت سے اس کی اقتدا کرنے والے مقیم مقتدیوں کو بھی جماعت کا ثواب ملتا ہے۔ اس لیئے آپ کا یہ سوال ہی بے محل ہے کہ جماعت سے نماز نہ پڑھنے کا وبال کس پر ہوگا؟

کیونکہ نماز جماعت سے پڑھی گئی، اس لیئے ترک جماعت کے وبال کا سوال ہی

پیدا نہیں ہوا البتہ جو مقتدی اپنی سستی کی وجہ سے آپ کی طرح دیر سے آئیں اور جماعت سے محروم رہیں اس کا وبال خود انہی کی سستی پر ہے۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۶، جلد ۲)

مسافر کا مقیم کی اقتدا کرنا

مسئلہ:۔ حنفیہ کے نزدیک مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا صرف نماز کے اندر اندر جائز ہے اور مقیم کے پیچھے مسافر کو پوری نماز (چار رکعت) پڑھنا چاہئیں کیونکہ اقتداء کی حالت میں مسافر پر دو کی بجائے چار رکعت فرض ہو جاتی ہے (امام کے تابع ہونے کی وجہ سے) نماز کا وقت نکل جانے کے بعد کسی مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نماز کا وقت ختم ہونے کے بعد مسافر کا فرض دو کی بجائے چار رکعت نہ ہوگا، بلکہ اس کے ذمہ مستقل طور پر دو رکعت فرض عائد ہو چکا ہے، اگر وقت گزرنے کے بعد مسافر نے مقیم کی اقتدا میں نماز پڑھی تو باطل ہو جائے گی، کیونکہ اس وقت مسافر مقتدی پر تو قعدہ اولیٰ فرض ہوگا اور امام کے لیے وہ فرض نہ ہوگا اور قاعدہ یہ ہے کہ امام کی حیثیت مقتدی کے مقابلہ میں ہر نماز میں وقت کے اندر کی ہو یا وقت کے بعد کی، زیادہ مضبوط ہونی چاہیے۔

(کتاب الفقہ، صفحہ ۶۸۷، جلد اول و علم الفقہ، صفحہ ۱۳۲، جلد ۲ و فتاوی دار العلوم، صفحہ ۴۷۹، جلد ۴ و رد المحتار، صفحہ ۱۷۴، جلد اول)

مقیم کا مسافر امام کی اقتدا کرنا

مسئلہ:۔ مقیم کی اقتداء مسافر کے پیچھے ہر حال میں درست ہے خواہ ادا نماز ہو یا قضا اور مسافر امام جب دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دے تو مقیم مقتدی کو چاہیئے کہ اپنی نماز اٹھ کر تمام کرلے اور اس میں قرأت نہ کرے بلکہ چپ کھڑا رہے اسلئے کہ وہ لاحق (شروع سے شریک نماز) ہے اور قعدۂ اولیٰ اس مقتدی پر بھی فرض ہوگا۔

(علم الفقہ، صفحہ ۱۳۲، جلد ۲ و کتاب الفقہ، صفحہ ۶۸۷، جلد اول و عالمگیری، صفحہ ۶۲، جلد ۳)

مسافر مقیم امام کے پیچھے نیت کیسے کرے؟

سوال: مسافر کو مقیم امام کے پیچھے نماز ظہر وغیرہ میں چار رکعت کی نیت کرنا چاہیئے یا دو رکعت

کی؟ کیونکہ مقیم کا دو رکعت کے بعد قعدہ کرنا واجب ہے اور مسافر کا فرض۔

جواب: چار رکعت کی نیت کرنی چاہیئے، کیونکہ مسافر پر بھی مقیم امام کی (اتباع) اقتدا کرنے کی وجہ سے چار رکعت فرض ہو جاتی ہیں اور قعدۂ اولیٰ (اس پر) فرض نہیں رہتا۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۲۴۰، جلد ۴ بحوالہ باب صلاۃ المسافر، صفحہ ۱۴۹، جلد اول و احسن الفتاویٰ، صفحہ ۸۳، جلد ۴ و فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۱۶۴، جلد ۷ عالمگیری مصری، صفحہ ۱۳۳، جلد اول)

مسئلہ:۔ امام مقیم ہو تو مقتدی مسافر بھی اس کی اقتداء میں پوری نماز پڑھے گا اور پوری ہی نماز کی نیت کرے گا۔ مسافر کو قصر کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ اکیلا ہو یعنی تنِ تنہا نماز پڑھ رہا ہو، یا مسافر کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۳۸۶، جلد ۲)

مسافر نے سہواً چار رکعت کی نیت کر لی

مسئلہ:۔ مسافر نے سہواً چار رکعت کی نیت باندھ لی تو وہ دو ہی رکعت پڑھے اور سجدۂ سہو نہ کرے۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۶۱، جلد ۴ بحوالہ رد المحتار، صفحہ ۱۳۵، جلد اول باب صلاۃ المسافر)

مسئلہ:۔ رہا نیت میں دو کی بجائے چار کی غلطی، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(رد المحتار، باب شرائط الصلوٰۃ مطلب فی النیۃ، صفحہ ۳۹۰)

مسئلہ:۔ نماز ہی میں نیت کی تصحیح کرلے مگر زبان سے نیت کے الفاظ ادا نہ کرے بلکہ دل ہی دل میں نیت کرے۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۷۷، جلد ۲)

مسافر امام و مقتدی مقیم کی نیت کا حکم

سوال:۔ امام مسافر ہے اور دو رکعت کی نیت کرتا ہے اور مقتدی مقیم ہیں تو کیا امام کی متابعت کی وجہ سے دو رکعت کی نیت کریں یا چار کی نیت کریں؟

جواب:۔ امام دو رکعت پڑھتا ہے۔ اس لیئے دو رکعت کی نیت کرے گا اور مقتدی چار رکعت کی نیت کریں، اس لیئے کہ اُس کے ذمہ چار رکعت واجب ہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ ۴۳۷، جلد......)

مسئلہ:۔ مقیم کو مسافر امام کے پیچھے مثلاً ظہر و عصر و عشاء میں چار رکعت کی نیت کرنی چاہیئے

دو رکعت اپنی امام کے ساتھ اور دو بعد میں پڑھے گا۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۸۲، جلد ۴، بحوالہ رد المختار، صفحہ ۴۷، جلد اول)

مسافر مقتدی کو امام کا مسافر ہونا معلوم نہ ہو

سوال: امام مسافر ہے، لیکن مقتدی مسافر کو امام کا مسافر ہونا معلوم نہیں تھا، اس لیئے اس نے چار کی نیت کی تو کیا وہ پوری چار رکعت پڑھے یا امام کے ساتھ دو رکعت ہی پر سلام پھیر دے؟

جواب: جس وقت امام نے دو رکعت پر سلام پھیرا، اگر مسافر کو معاً (فوراً) یہ خیال آ گیا کہ امام مسافر ہے اور اس کے مقیم ہونے کا اور سہواً دو رکعت پر سلام پھیرنے کا شبہ نہیں ہوا، تب تو مقتدی کو دو رکعت پر سلام پھیر کر مطمئن رہنا چاہیئے اور اگر امام کے متعلق سہواً دو رکعت پر سلام پھیرنے کا شبہ ہو تو مقتدی (مسافر) کو امام کے ساتھ نماز ختم کر کے اگر تحقیق سے مسافر یا مقیم ہونا معلوم ہو گیا ہو تو مسافر ہونے کی صورت میں نماز صحیح ہو گئی اور مقیم ہونے کی صورت میں اعادہ کرے (نماز لوٹائے) اور اگر تحقیق نہیں کی اور اسی شبہ کی حالت میں مقتدی نے دو رکعت پر اکتفا کیا تو اس نماز کا اعادہ کرلے (لوٹالے)۔ (امداد الاحکام، صفحہ ۲۴۷، جلد اول و بہشتی زیور ۹ گوہر، صفحہ ۵۷، بحوالہ رد المختار، صفحہ ۸۲۷، ۸۷۵، جلد اول)

مسافر نے امام کو مقیم سمجھا؟

مسئلہ: ۔مسافر نے امام کو مقیم سمجھ کر اقتدا کی، سلام پھیرنے پر معلوم ہوا کہ امام مسافر تھا تو اب وہ مقتدی مسافر امام کے ساتھ سلام پھیر دے۔ (فتاویٰ دار العلوم صفحہ ۴۶۱ جلد ۴)

مسافر نے مقیم امام کے پیچھے نماز ادا کی، پھر معلوم ہوا کہ نماز فاسد ہو گئی

سوال: ۔ایک مسافر نے سفر میں مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ نماز فاسد ہو گئی تھی، اب وہ مسافر وہ نماز تنہا ادا کرتا ہے تو دو رکعت پڑھے یا چار؟

جواب: ۔اگر کوئی ایسی بات پیش آئی ہو جس کی وجہ سے نماز باطل ہو گئی اور سجدۂ سہو سے بھی

اس کی تلافی نہ ہوسکتی ہو (مثلاً کوئی رکن چھوٹ گیا ہو، تو بعد میں دو رکعت پڑھے گا کیونکہ پہلی نماز سے فریضہ ہی ادا نہیں ہوا، پس متابعت امام بھی باقی نہ رہی۔

(فتاویٰ رحیمیہ، بحوالہ وفتاویٰ عالمگیری، صفحہ ۹۱، جلد اول)

اور عمدۃ الفقہ میں ہے کہ مسافر کی اقتدا مقیم کے پیچھے وقت کے اندر درست ہے پس اگر مسافر نے وقت کے اندر مقیم امام کی اقتداء کی تو چار رکعتیں پوری پڑھے، امام کی متابعت کی وجہ سے اور اگر اس کو فاسد کر دیا، یا کسی وجہ سے فاسد ہوگئی تو اب تنہا پڑھے یا کسی مسافر کی اقتدا کرے تو دو رکعتیں پڑھے، کیونکہ جس وجہ سے وہ چار لازم ہوئی تھیں وہ زائل ہوگئی اور اگر پھر مقیم کی اقتدا کی تو چار پڑھے۔ (عمدۃ الفقہ، صفحہ ۴۲۲، جلد ۲)

اور اگر ایسا فساد ہے جس کی تلافی سجدۂ سہو سے ہوسکتی ہے تو ایسی نماز سے فریضہ ادا ہو جاتا ہے، البتہ واجب چھوٹنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اور سجدۂ سہو نہ کرنے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے، لہٰذا اگر ایسی صورت ہے تو بعد میں چار رکعت پڑھے گا کیونکہ فریضہ پہلی نماز سے ادا ہو چکا ہے، یہ دوسری نماز اس کی تکمیل کے لیے ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۱۴، جلد ۵)

مسئلہ:۔ اگر کسی مسافر نے دوسرے مسافر کی اقتدا کی، امام کو حدث لاحق ہوا (وضو جاتا رہا) اور اس نے کسی مقیم کو خلیفہ بنا دیا تو مقتدی پر پوری نماز پڑھنا لازم نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر مسافر نے مقیم کی اقتدا کی تو چار رکعت پوری پڑھے اور اگر نماز فاسد کر دی گئی تو دو رکعتیں پڑھے اور بہ نیت نفل اقتدا کی پھر نماز فاسد کر دی تو چار رکعتیں لازمی ہوں گی۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ ۶۲، جلد ۳)

مسافر نے بے وضو نماز پڑھ لی

سوال: اگر کسی نے ظہر کی نماز پڑھ کر اور اسی وقت کے اندر سفر کیا، پھر عصر کی اپنے وقت کی نماز پڑھی، پھر سفر کو سورج غروب ہونے سے پہلے ختم کر دیا، پھر یاد آیا کہ اس نے ظہر و عصر کی نماز بے وضو پڑھی تھی، تو اب وہ کون سی نماز قصر پڑھے اور کون سے پوری؟

جواب: ظہر کی نماز قصر کرے کیونکہ اس وقت مسافر تھا، عصر کی نماز پوری پڑھے کیونکہ اس

وقت سفر ختم کر چکا تھا اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ سفر شرعی ہو (۴۸ میل)۔
(فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۲۴، جلد ۱۴)

مسئلہ:۔ اگر ظہر و عصر کی نماز ایسی حالت میں پڑھی کہ وہ مقیم تھا، پھر آفتاب غروب ہونے سے پہلے شروع کر دیا، پھر اس کو یاد آیا کہ ظہر اور عصر کی نمازیں بے وضو پڑھی ہیں، تو ظہر کی چار رکعت اور عصر کے دو رکعت قضا کرے۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ ۶۲، جلد ۳)

مسافر نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا

سوال: مقتدی مسافر ہے اور امام مقیم ہے، مقتدی نے دو رکعت کے بعد ہی سلام پھیر دیا، بعد میں امام صاحب کے کہنے پر اس نے چار رکعت پڑھ دی تو کیا اس مقتدی مسافر کو فقط دو رکعت دوبارہ پڑھنی تھی یا کہ امام کے پیچھے اقتدا کر کے تمام نہ کرنے سے چار رکعت پڑھنا ٹھیک ہے؟

جواب: درمختار، صفحہ ۸۲۸، جلد اول سے دو امر معلوم ہوتے ہیں ایک یہ کہ مسافر کو امام مقیم کے ساتھ نماز پوری چار رکعت کرنا چاہیئے تھا، دوسرے یہ کہ جب وہ نماز فاسد ہوگئی تو تنہا پڑھنے کے وقت قصر کرنا چاہیئے۔ (امداد الفتاویٰ، صفحہ ۵۷۹، جلد اول و فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۳۳۵، جلد اول)

مسافر امام نے چار رکعتیں پڑھائیں تو؟

سوال: اگر مسافر امام نے ظہر کی نماز کو قصر کے بجائے پوری چار رکعت پڑھائیں تو مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسافر کیلئے دو رکعتیں ایسی ہیں کہ جیسے فجر کی دو رکعتیں، جس طرح فجر کی دو رکعتوں پر اضافہ جائز نہیں، اسی طرح مسافر کا ظہر و عصر اور عشاء کی چار رکعتیں پڑھنا بھی جائز نہیں ہے اور جو مقیم ایسے امام کی اقتدا کریں گے تو ان کی نماز تو ظاہر ہے کہ نہیں ہوگی بلکہ مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ وہ دو رکعتوں میں نفل تو ظاہر ہے کہ نہیں ہوگی بلکہ مقتدیوں کے نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ وہ دو رکعتوں میں نفل پڑھنے والے امام کی اقتدا کر رہے ہیں اور خود امام اور اس کے مقتدی مسافروں کا حکم یہ ہے کہ اگر امام نے بھول کر چار رکعتیں پڑھی تھیں اور دوسری رکعت پر قعدہ بھی کیا تھا (یعنی بیٹھا تھا) اور

آخر میں سجدۂ سہو بھی کر لیا تھا تو ان کی نماز ہو گئی اور اگر مسافر امام نے قصداً چار رکعتیں پڑھائیں اور دو رکعت پر قعدہ بھی کیا تو فرض ادا ہو گیا لیکن یہ شخص (امام) گنہگار ہوا۔ اس پر توبہ لازم ہے اور نماز کا اعادہ (لوٹانا) بھی واجب ہے۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۳۹۱، جلد ۲ وفتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۵۱، جلد ۴، صفحہ ۴۸۹، بحوالہ رد المختار، صفحہ ۴۱۷، جلد اول)

مسئلہ:۔ امام اگر دو رکعت پر بیٹھ گیا ہے تو اس کی نماز ہو گئی اور مقتدیوں نے اگر اس کے ساتھ ساتھ نماز پوری کی تو ان کی نماز نہیں ہوئی۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۸۱، جلد ۴ بحوالہ رد المختار، صفحہ ۴۱۷، جلد اول وفتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۱۶۲، جلد ۷)

مسئلہ:۔ اس صورت میں مسافر امام اور مسافر مقتدیوں کی نماز صحیح ہو جائے گی مقیم کی نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۱۰، جلد ۵ بحوالہ شامی، صفحہ ۴۱۷، جلد اول)

مسافر نے سہواً پوری نماز پڑھ لی

سوال: مسافر نے بھول کر دو رکعت کی بجائے چار رکعتیں پڑھ لیں خواہ درمیان میں قعدہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، دونوں صورتوں میں نماز ہوئی یا نہیں؟ اور اگر قعدہ کر لیا ہو تو سجدۂ سہو سے کیا تلافی ہو جائے گی؟

جواب:۔ قعدہ اولیٰ کر لیا ہو تو سجدہ سہو سے نماز ہو جائیگی ورنہ نہیں ہوگی۔

(درمختار، صفحہ ۴۷۰، جلد اول)

اگر تیسری رکعت کے سجدہ سے قبل یاد آ گیا تو لوٹ آئے ورنہ نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۷۷، جلد ۴ وفتاویٰ دار العلوم، جلد ۴، وبہشتی زیور، صفحہ ۲۸، جلد ۳ ومراقی الفلاح ۲۳۱، وفتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۲۷، جلد ۲)

مسئلہ:۔ چار رکعتوں کی نماز میں مسافر پر دو رکعتیں فرض ہیں، ہمارے نزدیک قصر واجب ہے، اگر مسافر شرعی نے چار رکعت پڑھیں اور دوسری رکعت کے بعد بقدر تشہد قعدہ کیا تو نماز ہو جائے گی اور آخر کی دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی لیکن یہ فعل بُرا ہے، اس لیئے کہ سلام پھیرنے میں تاخیر ہو گئی اور دوسری رکعت کے بعد التحیات کے بقدر قعدہ نہ کیا تو نماز فرض باطل ہو جائے گی۔ نماز کا لوٹانا ضروری ہے، سجدۂ سہو سے تلافی نہ ہوگی۔

اسی طرح اگر پہلی دو رکعتوں میں ایک رکعت میں قرأت چھوڑ دی تو ہمارے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ (عالمگیری، صفحہ ۵۸، جلد ۳ بحوالہ ہدایہ وفتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۴۹۴، جلد ۴ بحوالہ شامی، صفحہ ۳۸ ۷، جلد اول)

مسئلہ:۔ اگر سہواً چار پڑھے گا تو گنہگار نہ ہوگا اور سجدۂ سہو کرنے سے نماز صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ دوسری رکعت پر قعدہ کیا ہو، اگر دو رکعت کے بعد قعدہ نہ کیا ہو تو فرض باطل ہو جائے گا اور یہ چار رکعت نفل ہوگی اور اس صورت میں بھی سجدۂ سہو کرنا ہوگا۔

(فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۵۲، جلد ۳)

مسافر کی نماز فاسد ہونے کا حکم

سوال: ایک مسافر نے مقیم امام کے ساتھ نماز شروع کی، تیسری رکعت میں شامل ہوا اور امام کے ساتھ ہی (ایک رکعت پڑھ کر) سلام پھیر دیا، اس کے بعد علم ہوا کہ امام کے تابع ہونے کی وجہ سے اس پر چار رکعت فرض تھیں، اب اعادہ کے وقت دو رکعتیں پڑھے یا چار کا اعادہ کرے؟

جواب: دو رکعتیں پڑھے۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۸۰، جلد ۴ بحوالہ ردالمختار، صفحہ ۷۴۱، جلد ۱)

مقیم بقیہ نماز کیسے پوری کرے؟

سوال: امام مسافر اور مقتدی مقیم جب امام دو رکعت پوری کر چکے تو اب مقتدی الحمد پڑھیں یا ساکت کھڑے ہو کر رکوع کریں؟

جواب: جب امام مسافر ہے تو مقتدی بقیہ نماز بغیر قرأت وفاتحہ کے پوری کریں۔

(فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۴۵۸، جلد ۴ بحوالہ درمختار، صفحہ ۷۴۰، جلد اول)

مسئلہ:۔ مقیم بقیہ دو رکعت میں الحمد شریف نہ پڑھے بلکہ اتنی ہی دیر کھڑے ہو کر (بغیر قرأت) رکوع کر دے۔ (فتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۷۱، جلد ۷، وفتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۳۳۵، جلد ۱)

مسئلہ:۔ مقیم نے مسافر امام کی اقتدا کی اُسے بعد میں اپنی بقیہ رکعتوں میں تسمیع اور تحمید کا کہنا افضل ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ ۱۶۵، جلد ۲)

مسافر بقیہ نماز کیسے پڑھے؟

سوال: مقیم امام کا مقتدی مسافر مسبوق اپنی رہی ہوئی نماز بحساب قصر پڑھے یا امام کی اقتدا کی وجہ سے پوری چار رکعت پڑھے؟

جواب: ابتدا نماز میں امام کے تابع ہونے کی وجہ سے پوری چار رکعتیں پڑھے۔

(احسن الفتاویٰ، صفحہ ۸۳، جلد ۴)

مسئلہ:۔ مقیم امام کے پیچھے مسافر تیسری رکعت میں شامل ہوا تو مسافر دو رکعت امام کے ہمراہ آخری پڑھ کر سلام نہ پھیرے بلکہ دو رکعت اور پڑھے یعنی چار پڑھے متابعت کی وجہ سے۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۵۵، جلد ۴ وعالمگیری، صفحہ ۱۴۳، جلد ۱)

مسافر کی نماز میں وضو ٹوٹ گیا

سوال: نمبر ۴۰۶، ۵۲۱: مسافر نے مقیم کی اقتدا کی نماز کے درمیان مسافر مقتدی کو حدث لاحق ہوا یعنی وضو ٹوٹ گیا۔ وضو کرنے کے لیے مسافر گیا اور امام نماز پوری کر کے سلام پھیر چکا تو اب یہ مقتدی مسافر چار رکعت پڑھے گا یا دو رکعت؟ سائل محمد روشن علی قاسمی اکولوی۔

جواب: باسمہ تعالیٰ وباللہ التوفیق حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ مسافر نے جب مقیم کی اقتدا کر لی تو اسکے ذمہ چار رکعت ہوگئیں، اب حدث پیش آنے سے اقتدا کا حکم ختم نہ ہوگا خواہ امام نماز پوری کر چکا ہو، بلکہ اس کو چار رکعت ہی پڑھنا فرض ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، احقر محمود غفرلہٗ بلند شہری دار العلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: نظام الدین غفرلہٗ، الجواب صحیح کفیل الرحمن نشاط۔ الجواب صحیح: حبیب الرحمن عفا اللہ عنہ دار الافتاء دار العلوم دیوبند۔ ۱۴۱۴-۲-۳ھ

مقیم نے امام مسافر کے ساتھ ایک رکعت یا قعدہ پایا تو؟

سوال: اگر مقتدی مقیم نے مسافر امام کے ساتھ ایک رکعت پائی تو اب اس کو تین رکعت جو ادا کرنی ہوں گی تو یہ کون سی رکعت کو بھری (قرأت کے ساتھ پڑھے) اور کون سی رکعت خالی؟

اور اگر مسافر امام کے ساتھ قعدہ میں شریک ہوا تو اب یہ اپنی چار رکعت کس طرح ادا کرے گا؟

جواب: اگر مقتدی مقیم کی ایک رکعت امام کے ساتھ ہوئی تو مسافر امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ مقتدی اٹھ کر اول ایک رکعت خالی پڑھ کر بیٹھ جائے، تشہد کے بعد اٹھ کر پھر ایک رکعت خالی (بغیر قرأت یعنی بقدر قرأت خاموش کھڑا رہے) پڑھے، پھر چوتھی رکعت بھری پڑھے پھر بیٹھ کر تشہد (التحیات) وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دے۔

اور اگر قعدہ میں شریک ہوا تو اول دو رکعت خالی پڑھے، آخر میں (دو رکعت) بھری پڑھے، کیونکہ یہ شخص مسبوق لاحق ہے۔ (عزیز الفتاویٰ، دار العلوم قدیم، صفحہ ۴۹، جلد ۲)

یعنی جس کو ایک رکعت مسافر امام کے ساتھ ملی ہے وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت خالی پڑھ کر قعدہ کرے پھر اُٹھ کر ایک رکعت پڑھے اور آخری رکعت قرأت کیساتھ پوری کرے کیونکہ وہ بحکم لاحق مسبوق ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۹۴، جلد ۳ بحوالہ شامی درمختار، صفحہ ۵۵۶، جلد ۲ وفتاویٰ قدیم، صفحہ ۳۹، جلد ۳ باب الامامت وفتاویٰ محمودیہ، صفحہ ۲۶۷، جلد ۷ وشامی ص ۶۲۳ جلد اول ورکن دین، صفحہ ۱۴۶)

مسافر کی اقتدا کرنے والا مسبوق

سوال: امام مسافر ہے، دوسری رکعت کی التحیات میں ایک شخص مقیم شریک نماز ہوا، امام نے اپنی دو رکعت پوری کر کے سلام پھیر دیا تو مقتدی مقیم کو ہر چار رکعت میں خاموش بقدر الحمد کھڑا رہ کر نماز پوری کرنی چاہیئے یا ہر دو رکعت اخیرہ میں صرف الحمد پڑھنا چاہیئے؟

جواب: شامی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی مقیم مسبوق بھی ہے اور لاحق بھی ہے، پس پہلی دو رکعت بلاقرأت پڑھے اور بعد میں دو رکعت قرأت سے پڑھے، یعنی ان میں الحمد اور سورت دونوں کو پڑھے۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۳۸۸، جلد ۳ بحوالہ درمختار، صفحہ ۵۵۷، جلد اول)

مسبوق پر سجدۂ سہو واجب ہو جائے تو؟

مسئلہ:۔ جس مقیم نے مسافر امام کی اقتدا قعدۂ اخیرہ میں کی تو اب یہ مقیم مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر اول دو رکعت بلا فاتحہ پڑھے اور ان دو رکعت میں اگر سجدۂ

سہو واجب ہو جائے تو سجدۂ سہو بھی واجب ہے۔ قعدہ (دو رکعت) کے بعد پھر دو رکعت فاتحہ (الحمد شریف) اور سورۃ کے ساتھ پڑھے اور اگر ان دو رکعت میں سجدۂ سہو واجب ہو جائے تو سجدۂ سہو کرے۔ (امداد الفتاویٰ، صفحہ ۵۹۷، جلد اول و رکن دین، صفحہ ۱۴۶)

مسافر کا قضا نماز میں مقیم کی اقتدا کرنا

مسئلہ:۔ مسافر کو مقیم امام کی اقتدا چار رکعت والی نماز میں وقت گزر جانے یعنی قضا ہو جانے کے بعد نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسافر کے فرض وقت کے اندر امام کے اتباع کی وجہ سے پورے چار ہو جاتے ہیں اور وقت گزرنے کے (قضا کے) بعد یہ حکم نہیں ہے، اب اگر وقت کے بعد امام کے پیچھے نماز پڑھے گا تو قعدہ و قرأت کے حق میں فرض پڑھنے والے کی اقتدا غیر فرض پڑھنے والے کے پیچھے ہوگی اور یہ ناجائز ہوگا یعنی مقیم امام پر بیچ کا قعدہ واجب ہے اور مقتدی مسافر پر فرض، اسی طرح پچھلے دوگانہ میں مقیم امام پر قرأت سنت ہے اور مقتدی مسافر پر فرض۔ غرض ظہر اور عصر اور عشاء میں مسافر کو قضا نمازوں میں مقیم کی اقتدا صحیح نہیں، ہاں مغرب اور فجر میں درست ہے۔ (رکن دین، صفحہ ۱۴۵، درمختار و شامی)

(یعنی اگر مسافر اول نماز کی دو رکعتوں میں اقتدا کرتا ہے تو امام پر قعدہ واجب ہے اور مسافر پر فرض اور پچھلی دو رکعتوں میں اقتدا کرتا ہے تو ان دو رکعتوں میں امام کی قرأت مسنون ہے اور مسافر پر فرض۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسافر امام کی اقتدا قضا نماز میں

سوال:۔ جیسے وقتی نماز میں اقتدا مقیم نے مسافر کا کیا تو کیا اسی طرح قضا نماز میں بھی کرے یا نہیں؟

جواب: ہاں کرلے، مقیم کو بعد وقت کے بھی مسافر کی اقتدا درست ہے، برخلاف مسافر کے کہ اس کو مقیم امام کا اقتدا چار رکعت والی نماز میں وقت گزر جانے کے بعد جائز نہیں۔

(رکن دین، صفحہ ۱۴۵، و عالمگیری)

(لیکن دو رکعت کے بعد مقیم اقتدا کرنے والے بقیہ نماز اپنی حسب قواعد شرعیہ پوری کرے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسافر، مقیم امام کے پیچھے قضا نماز میں اقتدا کیوں نہیں کرسکتا؟

سوال: مسافر کی اقتدا مقیم کے پیچھے وقت کے بعد جائز نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: مسافر کی نماز میں وقت کے اندر تبدیلی کی صلاحیت ہے، مثلاً اقامت کی نیت کرلے تو بجائے دو کے چار پڑھے گا، اسی طرح مقیم کی اقتدا کرلے تو امام کی متابعت میں چار پڑھنا ضروری ہوگا لیکن وقت ختم ہوجانے پر دو رکعت متعین ہوجاتی ہیں، اسلئے مقیم ہونے کے بعد دو رکعت ہی قضا کرے گا، لہٰذا وہ مقیم کی اقتدا نہیں کرسکتا، کیونکہ امام کا قعدۂ اولیٰ فرض نہیں ہے، جبکہ مسافر مقتدی کے قعدہ میں قعدۂ اولیٰ فرض ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ، صفحہ۱۳، جلد۵، وہدایہ صفحہ۱۴۶، جلد اول)

کم مسافت سمجھ کر پوری نماز پڑھتا رہا؟

سوال: ایک شخص ایک مقام کو گیا جس کی مسافت بعد تحقیق اپنے خیال میں حدِ سفر سے کم مسافت کرتا ہے، اس وجہ سے پوری نماز پڑھتا رہا، چند دن بعد معلوم ہوا کہ یہ مسافت شرعی ہے، کیا نماز کا اعادہ کرے؟

جواب: جو نمازیں سفر میں پوری پڑھی گئیں ان میں اگر قعدہ اولیٰ کرچکا ہے تو وہ ہوگئیں۔

(فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ۴۵۳، جلد۴ بحوالہ درمختار، صفحہ۴۳۹،
جلد اول وامداد الاحکام، صفحہ۱۸۷، جلد اول)

قصر پڑھتا رہا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مسافر نہ تھا

سوال: کسی شخص نے اس خیال سے کہ وہ مسافر ہے، نماز قصر پڑھی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دراصل مسافر (شرعی) نہ تھا تو کیا ان نمازوں کی قضا کرنی ضروری ہے؟

جواب: ان نمازوں کی قضا کرنا ضروری ہے اور طریقہ قضا کا یہ ہے کہ جتنے دنوں کی نماز پڑھی ان کو شمار کرکے وہ سب نمازیں مع وتر کے قضا کریں اور سنتوں کی قضا نہیں ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم، صفحہ۳۳۳، جلد۴)

(اور جب نماز نہیں ہوتیں تو سب قضا میں شمار ہوئیں اور یہ طے ہے کہ قضا الفرض،

فرض ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

سفر اور حضر کی قضا نمازوں کا حکم

مسئلہ:۔ اگر کسی کی نمازیں سفر میں قضا ہوگئیں تو گھر پہنچ کر بھی ظہر و عصر اور عشاء کی دو ہی رکعتیں پڑھے اور اگر سفر سے پہلے (حضر میں) مثلاً ظہر وغیرہ کی نماز قضا ہوگئی تو سفر کی حالت میں چار رکعتیں اس کی قضا پڑھے۔ (بہشتی زیور، صفحہ ۵۰، جلد ۲ بحوالہ مجمع، صفحہ ۱۶۳، وفتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۴۵۲، جلد ۴ و کتاب الفقہ، صفحہ ۷۹۴، جلد اول و در مختار، صفحہ ۷۴۵، جلد اول باب صلاۃ المسافر و احسن الفتاویٰ، صفحہ ۲۱، جلد ۴)

قضا نماز پڑھنے کا وقت

مسئلہ:۔ قضا نماز کا پڑھنا تین اوقات میں ناجائز ہے۔ (۱) سورج طلوع ہونے کے وقت (۲) زوال کے وقت (۳) اور غروب کے وقت۔ اس کے علاوہ ہر وقت قضا کا پڑھنا جائز ہے خواہ وہ عصر کے بعد کا وقت ہو۔ (کتاب الفقہ، صفحہ ۸۰۱، جلد اوّل)

مسئلہ:۔ البتہ قضا نماز ان اوقات میں جائز ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ ان اوقات میں قضا نماز لوگوں کے سامنے نہ پڑھی جائے بلکہ تنہائی میں پڑھے۔

(آپ کے مسائل، صفحہ ۳۵۴، جلد ۲)

(نماز کا قضا کرنا خود گناہ ہے اور اس کا اظہار یعنی سب کے سامنے پڑھنا یہ بھی گناہ ہے، اس لئے کہ اور لوگوں کو کیا معلوم کہ قضا پڑھ رہا ہے یا بے وقت نماز ادا کر رہا ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

کیا قضا نمازوں میں ترتیب ضروری ہے؟

مسئلہ:۔ فوت شدہ نمازوں کی (قضا) میں بھی ان کی باہمی ترتیب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے یعنی قضا و حاضر (موجودہ) نمازوں میں جو ترتیب ہے ان کا قائم رکھنا لازم ہے۔

لہٰذا نماز حاضر کی فوت شدہ نماز کی قضا سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح مثلاً ظہر اور فجر کی نماز فوت ہوئی تو فجر کی قضا سے پہلے ظہر کے کی قضا نہیں پڑھی جا سکتی۔ یہی

ترتیب فرض اور وتر کے درمیان ملحوظ رہنی چاہیئے ، لہٰذا فجر کی نماز کو وتر کی قضا سے پہلے نہ پڑھنا چاہیئے اور نہ عشاء ادا کرنے سے پہلے وتر پڑھنا چاہیئے۔

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، صفحہ ۷۹۵، جلد اول)

صاحب ترتیب کسے کہتے ہیں؟

مسئلہ:۔ نمازوں میں ترتیب قائم رکھنا، اُسی حالت میں ہے جبکہ فوت شدہ (قضا) نمازوں کی تعداد وتر کو نکال کر چھ نہ ہوگئی ہو پس اگر چھ نمازوں سے کم فوت شدہ نمازوں کی قضا کسی کے ذمہ ہے تو لازم ہے کہ ان کی قضا ترتیب وار پڑھی جائے، مثلاً فجر کی قضا ظہر کی قضا سے پہلے اور ظہر کی عصر سے پہلے وعلیٰ ہذا القیاس (اس طرح ترتیب قائم رکھے)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے ظہر کی نماز فجر کی قضا سے پہلے پڑھی تو ظہر کی نماز فاسد ہو جائے گی اور فجر کی قضا پڑھنے کے بعد اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے، جبکہ عصر کی نماز ظہر کی قضا سے پہلے پڑھی جائے۔ اسی طرح دوسری نمازوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔

(یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جبکہ فوت شدہ نمازیں چھ سے کم ہوں)

مسئلہ:۔ لیکن اگر فوت شدہ نمازوں کی تعداد وتر کے علاوہ چھ ہو جائے تو اب ترتیب باقی نہ رہے گی، جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی کے ذمہ چھ نمازوں سے کم کی قضا ہے اور ان کو نماز حاضر (موجودہ) کے ساتھ پڑھنا ہے تو لازم ہے کہ نماز سے پہلے ان کی قضا ترتیب وار پڑھی جائے، لیکن اگر وقت تنگ ہے، اس کے مسائل بھی آگے بتائے جائیں گے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی کی ایک نماز فوت ہوئی ہے اور اس کو اگلی نماز ادا کرنے کے وقت یاد آئی اور اس نے دوسری نماز پڑھ لی اور پہلی نہیں پڑھی تو دوسری نماز کی فرضیت سَر دست فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر تیسری نماز پڑھی تو تیسری بھی فاسد ہو جائے گی، یہی حال چوتھی اور پانچویں کا ہے۔ اگر پانچویں نماز کا وقت بھی نکل جائے اور پہلی فوت شدہ نماز نہیں پڑھی گئی تو وہ تمام نمازیں جو پڑھی گئیں صحیح متصور ہوں گی اور صرف فوت شدہ نمازوں کی قضا واجب ہوگی، کیونکہ یہ نمازیں اب ایسی نمازیں ہیں جن کی ترتیب ساقط ہو چکی ہے، کیونکہ

جس طرح فوت شدہ (قضا) اور نماز حاضر کے درمیان قضا نمازوں کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں ترتیب قائم نہیں رہتی، اسی طرح اداشدہ نمازوں کی تعداد زیادہ ہونے سے بھی (فوائت کی ترتیب) ساقط ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر فجر کی نماز فوت ہوئی اور فجر کی نماز فوت شدہ یاد ہوتے ہوئے بھی ظہر کی نماز پڑھ لی تو ظہر کی نماز سر دست فاسد ہوگی، پھر اگر عصر کی نماز بھی قضائے فجر پڑھے بغیر پڑھ لی تو یہ عصر کی نماز عارضی طور پر فاسد ہوگی اور یہی حال اگلے روز کی نماز فجر تک رہے گا۔

اور اگر پچھلے دن کی فوت شدہ نماز فجر کی قضا اس دن کی نماز فجر سے پہلے پڑھ لی تو جتنی نمازیں پڑھی گئیں، ان سب کی فرضیت جاتی رہی اور وہ تمام نمازیں نفل نمازیں متصور ہوں گی اور ان سب کا اعادہ لازم ہوگا ورنہ (یعنی اگر فوت شدہ نماز فجر کی قضا دوسرے دن کی نماز فجر سے پہلے نہیں پڑھی تو) تمام نمازیں صحیح ہو جائیں گی اور صرف ایک فوت شدہ نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص کو اپنی ایک یا زیادہ فوت شدہ نمازیں، نماز پڑھتے ہوئے یاد آجائیں تو وہ نماز نفل ہو جائے گی، ایسی صورت میں چاہیئے کہ اس نماز کو دو رکعتیں پڑھ کر ختم کر دے، پھر اس ترتیب کے مطابق جس طرح وہ فوت شدہ نمازیں جو اُس وقت تک فوت ہوئی ہیں پڑھی جائیں۔

مسئلہ:۔ اگر جمعہ کی نماز پڑھتے وقت فجر کی قضا یاد آجائے اور جمعہ کا وقت نکل جانے اندیشہ نہ ہو تو جمعہ کو چھوڑ کر پہلے فوت شدہ نماز کی قضا پڑھے، پھر اُس وقت کی نماز جمعہ یا ظہر پڑھے، لیکن اگر جمعہ کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہے تو جمعہ کو پورا کرے اور فوت شدہ کی قضا بعد میں پڑھے۔ (کتاب الفقہ، صفحہ ۷۹۶، جلد اول)

قضا نماز میں ترتیب کب ساقط ہوتی ہے؟

مسئلہ:۔ تین امور ایسے ہیں جن سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے:

اول یہ کہ فوت شدہ نمازوں کی تعداد چھ ہو جائے، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا اور اس تعداد میں وتر شامل نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ وقت اتنا تنگ ہو کہ فوت شدہ اور نماز حاضر (موجودہ) ادا نہ کی جا سکے۔

تیسرے یہ کہ فوت شدہ نماز ادائے نماز کے دوران یاد آ جائے (یعنی اس صورت میں بھی ترتیب نہیں رہتی) کیونکہ ظہر کا وقت تو اس کی نماز سے پہلے ہی آ جاتا ہے اور فوت شدہ نماز کا وقت بوجہ اسکے کہ وہ فراموش (بھولا ہوا) ہے اُس وقت آتا ہے جب وہ یاد آ ئے، لہٰذا دونوں کے اَوقات میں تصادم نہیں ہوگا اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی "میری اُمت سے بھول چُوک کو درگزر فرمایا گیا ہے اور اس میں کوئی جبر نہیں ہے"۔

(کتاب الفقہ، صفحہ ۷۹۷، جلد اول، تفصیل دیکھیے فتاویٰ دار العلوم از صفحہ ۳۲۷، ۳۷۰، جلد ۴)

مسافر مہمان کے حقوق

مہمان کے حقوق مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) آمد کے وقت بشاشت کا ظاہر کرنا، جانے کے وقت کم از کم دروازہ تک ساتھ چلنا۔

(۲) اس کے معمولات وضروریات کا انتظام کرنا کہ جس سے اس کو راحت پہنچے۔

(۳) تواضع وتکریم ومدارات کے ساتھ پیش آنا۔ بلکہ اپنے ہاتھ سے اس کی خدمت کرنا۔

(۴) کم از کم ایک روز اس کے لیے کھانے میں کسی قدر متوسط درجہ کا تکلف کرنا، مگر اتنی ہی کہ جس میں نہ اپنے کو تردد ہو نہ اس کو حجاب ہو اور کم از کم تین روز تک اس کی مہمان داری کرنا، اتنا تو اس کا حق ہے، اس کے بعد جس قدر رہ وہ ٹھہرے میزبان کی طرف سے احسان ہے۔ مگر خود مہمان کو مناسب ہے کہ اس کو تنگ نہ کرے، نہ زیادہ ٹھہر کر، نہ بے جا فرمائشیں کر کے، نہ اس کے تجویز کردہ کھانے اور اٹھنے بیٹھنے وخدمت وغیرہ میں دخل دے۔

(آداب زندگی حقوق الاسلام، صفحہ ۱۱۸ از مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ)

مہمان کا اکرام کرنا

مہمان کی عزت اور مناسب خاطر داری بھی ایمان کے شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ ہے جس کی اسلام میں بہت تاکید کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

(من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ)

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے''۔

(بخاری و مسلم)

مہمان کے اکرام کا مطلب یہ ہے کہ اس کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا جائے، اگر کھانے کا وقت ہو تو بقدر استطاعت کھانے سے اس کی تواضع کی جائے، بلکہ ایک حدیث کی رُو سے یہ بھی مہمان کا حق ہے کہ اگر استطاعت و گنجائش ہو تو پہلے دن اس کے لیے کوئی خصوصی کھانا تیار کیا جائے، جس کو حدیث میں ''جائزہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری عن ابی شریح رضی اللہ عنہ)

البتہ ان تمام باتوں میں محض رسمیات، نام و نمود اور تکلفات سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

مہمان کے اکرام کا سب سے اول مطلب یہ ہے کہ اس کو آرام پہنچانے کی فکر کی جائے، لہٰذا اگر مہمان کو کھانے سے تکلیف ہو تو محض رسم کی خاطر کھانے پر اصرار کرنا اکرام کے خلاف ہے۔ ایسی صورت میں مہمان کا اکرام یہی ہے کہ اس کے آرام اور منشاء کو مدنظر رکھا جائے۔ دوسری طرف مہمان بھی یہ ضروری ہے کہ وہ میزبان پر ناواجبی بوجھ نہ ڈالے اور اتنی دیر میزبان کے پاس نہ ٹھہرے کہ جس سے اس پر بار ہونے لگے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی صریح ممانعت آئی ہے۔ (آسان نیکیاں، صفحہ ۹۳)

مسئلہ:۔ مہمان کی سواری کی رکاب اور لگام کو از راہ تواضع اور خاطر داری پکڑنا مسنون ہے

مسئلہ:۔ مہمان کو رخصت کرتے وقت مکان کے دروازے یا باہر کچھ دُور تک اس کے ساتھ جانا سنت ہے، میزبان کیلئے یہ مسنون ہے کہ وہ مہمان سے طلب دعا کرے اور مہمان کیلئے بھی یہ مسنون ہے کہ میزبان کیلئے دعا کرے۔ (مظاہر حق، صفحہ ۲۲۱، جلد ۳)

مہمان کے احترام میں نماز قضا کرنا

مسئلہ:۔ نماز کو عین میدان جنگ میں بھی جب دونوں فوجیں بالمقابل کھڑی ہوں، قضا کرنا صحیح نہیں ورنہ ''نماز خوف'' کا حکم نازل نہ ہوتا۔ مہمانوں کے احترام میں نماز قضا کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ (آپ کے مسائل، صفحہ ۳۵۲، جلد)

مہمان کے لیے شرعی ہدایات

مسئلہ: اگر کسی کے ہاں مہمان جاؤ اور تم کو کھانا کھانا منظور نہ ہو، خواہ اس وجہ سے کہ تم کھا چکے ہو یا روزہ سے ہو، یا کسی وجہ سے کھانے کا ارادہ نہ ہو تو فوراً جاتے ہی ان (میزبان) کو اطلاع کر دو کہ میں اس وقت کھانا نہ کھاؤں گا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ انتظام کرے اور انتظام میں اس کو تعب بھی ہو اور پھر کھانے کے وقت اس سے اطلاع کرو تو اس پر یہ سب اہتمام و کھانا ضائع ہو گیا۔

مسئلہ: اسی طرح مہمان کو چاہیئے کہ کسی کی دعوت بغیر میزبان سے اجازت حاصل کیئے ہوئے قبول نہ کرے۔

مسئلہ: مہمان کو چاہیئے کہ جہاں جائے میزبان کو اطلاع کر دے تا کہ اس کو کھانے کے وقت تلاش کرنے میں پریشانی نہ ہو۔

مسئلہ: اگر کوئی حاجت لے کر کہیں جائے تو موقع پا کر فوراً اپنی بات کہہ دے، انتظار نہ کرائے، بعض آدمی پوچھنے پر تو کہہ دیتے ہیں کہ صرف ملنے آئے ہیں اور جب وہ میزبان بے فکر ہو گیا اور موقع بھی نہ رہا۔ اب کہتے ہیں کہ ہم کو کچھ کہنا ہے، تو اس سے بہت ہی اذیت ہوتی ہے۔ (آداب زندگی، صفحہ ۶۴، از مولانا تھانویؒ)

مسئلہ: کہیں مہمان جاؤ تو وہاں کے انتظامات میں مہمان ہونے کی حیثیت سے ہرگز دخل نہ دے، البتہ اگر میزبان کوئی خاص انتظام اس کے سپرد کر دے تو اس کے اہتمام کا مضائقہ نہیں۔ (آداب زندگی، صفحہ ۶۸)

مسئلہ: کسی سے ملنے جاؤ تو وہاں اتنا مت بیٹھو یا اس سے اتنی دیر باتیں مت کرو کہ وہ تنگ ہو جائے یا اس کے کسی کام میں حرج ہونے لگے۔

مسئلہ: جس کے گھر جاؤ تو اس سے کسی چیز کی فرمائش مت کرو، بعض دفعہ چیز تو ہوتی ہے بے حقیقت، مگر وقت کی بات ہے کہ میزبان اس کو پوری نہیں کر سکتا ناحق اس کو شرمندگی ہوگی

مسئلہ: مہمان کو چاہیئے کہ اگر پیٹ بھر جائے تو تھوڑا سالن روٹی (ڈش ڈونگہ وغیرہ میں) دستر خوان پر چھوڑ دے تا کہ گھر والوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ مہمان کو کھانا کم ہو گیا اس سے وہ

شرمندہ ہوتے ہیں۔ (آداب زندگی، صفحہ ۹۶)

مسئلہ:۔ مہمان کو چاہیئے کہ اگر نمک مرچ کم کھانے کا عادی ہو یا پرہیزی کھانا کھاتا ہے تو پہنچتے ہی میزبان سے اطلاع کردے۔ (آداب زندگی، صفحہ ۷۸)

مسئلہ:۔ جو شخص کھانا کھانے کے لیے جارہا ہو یا مدعو (بلایا گیا) ہو، اس کے ساتھ اس مقام تک مت جاؤ، کیونکہ صاحب خانہ شرما کر کھانے کی تواضع کرتا ہے اور دل اندر سے نہیں چاہتا۔ (آداب زندگی، صفحہ ۶۵)

مسئلہ:۔ جب کسی کے یہاں جاؤ تو سلام کرو، مصافحہ کے یا معانقہ کے لیے آگے بڑھنا صاحب مکان کا کام ہے، اگر وہ آگے نہیں بڑھتا یا کسی کام میں مصروف ہے تو اس کی مصروفیات میں خلل نہ ہوں۔

مسئلہ:۔ اندر داخل ہو کر سب سے بڑھیا جگہ نہ بیٹھئے اور صاحب مکان کی نشست پر بھی نہ بیٹھئے، معمولی عام جگہ پر بیٹھ جایئے، یہ کام مالک مکان کا ہے کہ وہ آپ کو خود اپنی جگہ بٹھائے یا آپ کے بیٹھنے کیلئے مناسب جگہ تجویز کرے۔ (مکمل و مدلل آداب ملاقات، صفحہ ۶۸)

مہمان کا اکرام کتنے دن ہے؟

مہمان کی خاطر کرنا شرعی طور پر یہ ہے کہ جب کوئی مہمان آئے تو اسکے ساتھ کشادہ پیشانی، خوش خلقی اور ہنس مکھ چہرے کیساتھ پیش آئے، اس کیساتھ خوش گفتاری، نرمی کیساتھ بات چیت کرے اور اسکو تین دن تک اس طرح کھلائے پلائے کہ پہلے دن تو اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق کچھ پُر تکلف میزبانی کرے، بشرطیکہ اسکی وجہ سے اپنے متعلقین ولواحقین کی حق تلفی نہ ہو اور بعد کے دو دنوں میں بلا تکلف جو حاضر ہو، اسکے سامنے پیش کرے تاکہ دونوں (مہمان و میزبان) کو گرانی نہ ہو اور پھر تین دن کے بعد (بھی اگر مہمان ٹھہرا رہے تو) اسکو کھلانا پلانا صدقہ کے حکم میں ہوگا کہ میزبان چاہے تو کھلائے پلائے اور اگر نہ چاہے تو انکار کردے۔ (مظاہر حق، صفحہ ۱۱۳، جلد ۵)

مسئلہ:۔ مہمان کیلئے یہ جائز نہیں کہ جو شخص کسی کے ہاں مہمان جائے، اس کے لیے یہ مطلقاً مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے میزبان کے ہاں تین دن سے زائد ٹھہرے، ہاں اگر خود میزبان

کی خواہش ہو اور وہ درخواست کرے تو اس کی استدعا پر تین دن سے زائد ٹھہرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی مسافر (مہمان) کسی کے یہاں ٹھہرے اور کسی عذر مثلاً بیماری وغیرہ کے سبب اسکو تین دن سے زائد قیام کرنا پڑ جائے تو وہ تین دن کے بعد اپنے پاس سے کھائے پیئے، صاحب خانہ کو تنگی اور کلفت میں نہ ڈالے۔ (مظاہر حق جدید، صفحہ ۱۱۴، جلد ۵)

مہمان کے استقبال وو داع کا طریقہ

یہ بھی مہمان کی خاطر داری اور اس کا اکرام ہے کہ جب وہ آئے تو گھر کے دروازہ پر (اگر آنے کی اطلاع ہو تو) اس کا استقبال کیا جائے اور جب وہ جانے لگے تو دروازہ تک نکل کر اس کو رخصت کیا جائے، اس میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے دوسرے لوگ گھر میں ایک اجنبی کے آنے سے کسی وہم و وسوسہ کا شکار نہیں ہوں گے۔

''یہ سنت ہے'' کا مطلب یا تو یہ ہے کہ یہ عمل یعنی مہمان کے استقبال وو داع کے لیے گھر کے دروازہ تک جانا قدیم عادت ہے جس کو ہمیشہ تہذیب و شائستگی کا مظہر بھی سمجھا گیا ہے اور انسان کی فطرت سلیم کا غماز بھی ہے، یا یہ مطلب ہے کہ یہ میری سنت اور میرے طریقے کے مطابق ہے۔ (مظاہر حق جدید، صفحہ ۱۲۵، جلد ۵)

رخصت کرتے وقت خدا حافظ کہنا

سوال: اس دور ترقی میں رخصت کے وقت السلام علیکم کی بجائے ''خدا حافظ'' کہنے کا عام دستور ہو گیا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ رسم ناجائز ہے۔ اگر السلام علیکم کی بجائے خدا حافظ کہا تو یہ شریعت کی تحریف ہے اور اگر السلام علیکم کے ساتھ ہو تو شریعت پر زیادتی ہے۔ البتہ اگر سلام وو داع سے الگ خدا حافظ اور کچھ اور دعائیہ کلمات کہہ دیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں، بلکہ ان ہی الفاظ کے التزام سے واضح ہے کہ موقع وداع کے لیے اپنی طرف سے مخصوص الفاظ متعین کیئے جا رہے ہیں جس کا زیادہ فی الدین ہونا ظاہر ہے اور اگر اصطلاح کسی غیر قوم سے لی گئی ہے تو اور بھی زیادہ قبیح ہے۔ (احسن الفتاویٰ، صفحہ ۳۸۵، جلد اول)

سفر سے آنحضرت ﷺ کی واپسی کا وقت

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر والوں کے پاس (سفر سے) رات کے وقت واپس نہیں آیا کرتے تھے بلکہ دن کے ابتدائی حصہ یعنی صبح کے وقت یا آخری حصہ شام کے وقت (گھر میں) داخل ہوا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم و مظاہر حق، صفحہ ۵۳۸، جلد ۴)

رات کے وقت سفر سے واپس نہ آنے کی ہدایت

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کی غیر حاضری کا عرصہ طویل ہو جائے (یعنی اُس کو سفر میں زیادہ دن لگ جائیں) تو وہ (سفر سے واپسی کے وقت) اپنے گھر میں رات کے وقت داخل نہ ہو"۔ (بخاری و مسلم)

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ سفر سے واپسی کے لیے رات کا وقت اختیار کرنا مناسب نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ سفر سے واپسی کی ابتدا ایسے وقت کی جائے کہ اپنے گھر والوں کے پاس رات ہونے سے پہلے پہنچ جائے تاکہ رات کے وقت گھر پہنچنے کی وجہ سے گھر والے بے آرام نہ ہوں اور ان کی نیندوں میں خلل نہ پڑے اور اگر اپنے شہر اور آبادی میں پہنچتے پہنچتے رات ہو جائے تو ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ گھر میں داخل ہونے کے لیے اس وقت تک انتظار کرے کہ اس کی بیوی کو اس کا آنا معلوم نہ ہو جائے اور وہ بناؤ سنگار کے ذریعہ اپنے آپ کو آراستہ اور جنسی اختلاط کے لیے تیار نہ کرلے تاکہ شوہر جب اس کے پاس جائے تو سفر کی تکان اور جدائی کی پژمردگی، جسمانی انبساط و نشاط میں تبدیل ہو جائے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں (رات کے وقت سفر سے واپسی اور کچھ دیر انتظار وصبر کے بغیر گھر میں داخل ہو جانا) اس شخص کے حق میں مکروہ ہیں جو لمبے سفر سے واپس آرہا ہو، ہاں جو شخص کسی چھوٹے سفر سے واپس آرہا ہو، یا اس کے گھر والوں کو رات کے وقت اس کے پہنچنے کی اطلاع پہلے سے ہو تو اس کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(مظاہر حق، صفحہ ۵۳۹، جلد ۴)

سفر سے واپسی میں پڑھنے کی دعا

﴿ائِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ﴾ (حصن حصین، ص۱۷۲)

نوٹ:۔ گھر سے نکلتے اور سوار ہوتے وقت تو وہی دعائیں جو پہلے گزر چکی ہیں پڑھے اور یہ دعا سفر سے واپسی کے وقت راستہ میں پڑھتا رہے۔ (رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ دورانِ سفر بے ہودہ اور ناجائز باتوں سے پرہیز رکھے، جہاں تک ہوسکے ذکر اللہ میں یا ایسی دینی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہے جس سے عمل کی اصلاح اور آخرت کی فکر پیدا ہو۔ (احکام حج، صفحہ ۲۷)

سفر سے واپس آنے پر پہلے مسجد جانے کا حکم

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں (ایک) سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھا، چنانچہ جب ہم مدینہ واپس آئے تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھو''۔ (بخاری)

مسافر کا سفر سے واپس آنے پر پہلے مسجد میں جانا آنحضرت ﷺ سے فعلاً بھی ثابت ہوا اور قولاً بھی، نیز مذکورہ بالا حکم میں نہ صرف شعار اللہ کی تعظیم کی طرف اشارہ ہے بلکہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مسجد گویا اللہ کے گھروں میں سے ایک گھر ہے اور مسجد میں جانے والا گویا اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ملاقات کرنے والا ہے، لہٰذا جو کوئی سفر سے واپس آئے اس کے حق میں اس سے بہتر اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ وہ سب سے پہلے اللہ کے گھر میں جائے اور اللہ سے ملاقات کرے جس نے اس کو سفر کی آفات سے محفوظ رکھ کر بعافیت اس کے اہل وعیال کے درمیان واپس پہنچایا۔ (مظاہر حق، صفحہ ۵۴۰، جلد ۲)

سفر سے آنے پر معانقہ کرنا

سفر سے واپس آنے والے کیساتھ معانقہ وتقبیل بلا کراہت جائز ہے۔ حدیث شریف اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ سفر سے آنے والے کیساتھ معانقہ اور تقبیل یعنی گلے لگانا اور ہاتھ وپیشانی چومنا بلا کراہت جائز ہے۔

مسئلہ:۔ حدیث میں سفر سے آنے والے کو خوش آمدید کہنے کا ذکر ہے۔

(مظاہر حق، صفحہ۳۷۲، جلد۵)

مسئلہ:۔ ملاقات کے وقت بھی سلام کرو اور رخصت ہوتے وقت بھی سلام کرنا سنت ہے۔

(مظاہر حق، صفحہ۳۸۴، جلد۵)

مسئلہ:۔ عرصہ کے بعد ملاقات ہونے یا سفر سے واپس آنے کے مواقع پر معانقہ کرنا، یعنی بغل گیر ہو کر ملنا مسنون و مستحب ہے۔ (الجواب المتین، صفحہ۴۲)

مسئلہ:۔ جس معانقہ و تقبیل سے کسی بُرائی میں مبتلا ہو جانے یا شک و شبہ کے پیدا ہو جانے کا خوف یا بے جا خوشامد اور تعظیم کے طور پر ہو وہ مکروہ ہے۔ (مظاہر حق، صفحہ۳۷۱، جلد۵)

مسافر کا استقبال کرنا؟

مسئلہ:۔ کسی کا استقبال کرنا یعنی شہر سے باہر یا مکان کے آگے جا کر مہمان سے ملاقات کرنا جائز و مسنون ہے (اگر آنے کی اطلاع پہلے سے ہو)۔

حدیث:۔ حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے تشریف لائے تو ہم لوگ مع بچوں کے ثنیۃ الوداع تک آپ کی ملاقات کیلئے گئے تھے۔

(بخاری، ترمذی، ابوداؤد، الجواب المتین، صفحہ۴۲)

ایک حدیث میں تو یہاں تک ہے کہ جب آپ ﷺ سفر سے واپس تشریف لائے تو صحابہ کرامؓ اپنے بچوں کو آپ کے استقبال کے لیے لے جاتے تھے جو بچہ سب سے پہلے پہنچتا، اس کو آپ ﷺ آگے سوار کر لیتے۔ (الجواب المتین، صفحہ۴۴، و مظاہر، صفحہ۵۳۸، جلد۴)

سفر سے واپسی پر ہدیہ دینا

سفر سے واپس ہو کر اپنے اقارب اور دوستوں کے لیے ہدیہ اور تحفہ لانا نہایت پسندیدہ اور نیک کام اور موجب ثواب ہے کیونکہ باہم ہدیہ دینے، لینے کا سرکار دو عالم ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ ایسے ہدیہ میں تو کئی امر خیر جمع ہو گئے۔

حدیث:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی اپنے

اہل وعیال میں سفر سے واپس آئے تو ان کے لیے کچھ تحفہ لیتا آئے اگر چہ ایک پتھر ہی ہو۔ یہ بطور تاکید ومبالغہ کے لیے فرمایا، یعنی کچھ نہ مل سکے تو پتھر ہی لائے۔

(بیہقی والجواب المتین، صفحہ ۴۶)

یہ تحفہ وہدیہ کے لے جانے میں ترغیب کیلئے ایسا مبالغہ کیا گیا ہے، کیونکہ سفر سے آنے والے کی طرف سب کی نگاہیں لگی رہتی ہیں اور تحفہ سے دلوں کو سُرور ہوتا ہے اور اس خیال سے کہ اس نے (یعنی مسافر نے) ہم کو سفر میں یاد رکھا اور زیادہ خوش ہوجاتے ہیں اور اسی وجہ سے تحفہ کا لے جانا مستحب ہوا ہے۔ (احیاء العلوم، صفحہ ۴۲۱، جلد ۲)

سفر سے واپس آنے پر دعوت کرنا

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لاتے تو آپ ﷺ نے اونٹ یا گائیں ذبح کیں۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ سفر سے واپس آنے کے بعد ضیافت کرنا اور لوگوں کو اپنے کھانے وغیرہ پر مدعو کرنا مسنون ہے۔ (مظاہر حق، صفحہ ۵۲۹، جلد ۴)

(لیکن دعوت پر جانے کے لیے ہدیہ وتحائف پیش کرنے کو ضروری اور لازم قرار دینا غلط ہے اور غیر مسنون طریقہ ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

جو مسافر وطن پہنچ کر بھی قصر کرتا رہا

سوال: زید سفر کی حالت میں قصر نماز ادا کرتا ہو وطن اصلی پہنچا چونکہ مسئلہ معلوم نہ تھا، اس لئے زمانہ قیام وطن میں بھی قصر پڑھتا اور پڑھاتا رہا تو امام ومقتدیوں کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: اس صورت میں جس قدر نمازیں اس نے اپنے وطن اصلی میں قصر کی ہیں ان کا اعادہ کرنا اس کے ذمہ اور ان لوگوں کے ذمہ جنہوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھی ہے لازم ہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم، صفحہ ۵۴۷، جلد ۴، بحوالہ در مختار، صفحہ ۷۴۲، جلد اول وفتاویٰ رحیمیہ، صفحہ ۵۴، جلد ۳)

اپنے کو مسافر اور دنیا کو سرائے سمجھو

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم دنیا میں اس

طرح رہو گویا کہ تم مسافر بلکہ راہ گیر ہو۔ (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ تم دنیا کی طرف رغبت نہ رکھو، اس لئے کہ تم دنیا سے آخرت کی طرف سفر کرنے والے ہو، لہٰذا تم اس دنیا کو اپنا وطن نہ بناؤ، دنیا کی لذتوں کے ساتھ الفت نہ رکھو، دنیادار لوگوں اور ان کے اختلاط سے اپنے آپ کو بچاؤ، کیونکہ تم ان سب لوگوں سے جدا ہونے والے ہو، اس دنیا میں بقاء کا وہم وگمان بھی نہ رکھو، ان امور سے قطعاً اجتناب کرو جن سے ایک مسافر غیر وطن میں اجتناب کرتا ہے اور ان چیزوں میں مشغول نہ رہو جن میں وہ مسافر کہ جو اپنے اہل وعیال اور اپنے وطن کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہے، مشغول نہیں ہوتا، گویا تم کلیۃً اس دنیا میں بالکل اسی طرح رہو جس طرح ایک مسافر اپنے وطن اور اپنے اہل وعیال سے دُور غیر وطن میں رہتا ہے۔

پھر آگے زیادہ مبالغہ کے ساتھ فرمایا: ”بلکہ راہ گیر (راستے چلنے والے) کی طرح رہو، کیونکہ مسافر تو اپنے سفر کے دوران مختلف شہروں میں قیام بھی کر لیتا ہے، بخلاف راستہ چلنے والے کے کہ وہ تو کسی طرح بھی قیام نہیں کرتا۔ لہٰذا دنیا کو نہ صرف یہ کہ سفرگاہ سمجھنا چاہیئے بلکہ یہ خیال کرنا چاہیئے کہ راستہ چل رہا ہوں نہ تو وطن میں ہوں اور نہ حالت سفر میں کہیں ٹھہرا ہوا ہوں۔ (مظاہر حق، صفحہ ۳۸۰، جلد ۲)

یعنی جس طرح کوئی مسافر پردیس کو اور رہ گزر کو اپنا اصلی وطن نہیں سمجھتا اور وہاں اپنے لئے لمبے چوڑے انتظامات نہیں کرتا، اسی طرح مومن کو چاہیئے کہ اس دنیا کو اپنا اصلی وطن نہ سمجھے اور یہاں کی ایسی فکر نہ کرے جیسے کہ یہاں ہی اس کو ہمیشہ رہنا ہے بلکہ اس کو ایک پردیس اور رہ گزر سمجھے۔ (معارف الحدیث، صفحہ ۷۰، جلد ۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب انسان مرجاتا ہے کہ اس کے عمل منقطع ہوجاتے ہیں، مگر تین عمل منقطع نہیں ہوتے، ان میں سے ایک مسجد یا مسافر خانہ جس کو وہ مسافروں کے لیے بنوا گیا ہو۔ (الجواب المتین از میاں صاحب صفحہ ۵۹)

احقر! محمد رفعت قاسمی ...... خادم التدریس دار العلوم دیوبند،

۲۷/ رمضان المبارک، بروز جمعہ ۱۴۱۴ھ بمطابق ۱۹۹۴ء۔

مآخذ و مراجع

نام کتاب	مصنف و مؤلف	مطبع
معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان	ربانی بک ڈپو دیوبند
معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مد ظلہم	الفرقان بک ڈپو ۳۱ نیا گاؤں لکھنو
فتاویٰ دار العلوم	مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سابق مفتی اعظم دیوبند	مکتبہ دار العلوم دیوبند
فتاویٰ رحیمیہ	مولانا سعید عبد الرحیم صاحب مد ظلہم	مکتبہ فنشی اسٹریٹ راندیر سورت
فتاویٰ محمودیہ	مفتی محمود صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند	مکتبہ محمودیہ جامع مسجد شہر میرٹھ
فتاویٰ عالمگیری	علماءِ وقت عہد اورنگ زیبؒ	شمس پبلشرز دیوبند
کفایت المفتی	مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
علم الفقہ	مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی	ایضاً
عزیز الفتاویٰ	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب	ایضاً
امداد المفتیین	مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان	ایضاً
امداد الفتاویٰ	مولانا اشرف علی تھانوی صاحب	ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند
فتاویٰ رشیدیہ کامل	مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ	کتب خانہ رحیمیہ دیوبند
کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ	علامہ عبد الرحمٰن الجزری	اوقاف پنجاب لاہور پاکستان عارف کمپنی دیوبند
جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان	پاکستانی
در مختار	علامہ ابن عابدینؒ	مکتبہ تھانوی دیوبند
بہشتی زیور	مولانا اشرف علی تھانویؒ	مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ
معارف مدینہ	افادات مولانا حسین احمد صاحب مدنی	ندوۃ المصنفین

الترغیب والترہیب	مولانا نازک الدین عبدالعظیم المنذری	ندوۃ المصنفین
احسن الفتاویٰ	فقیہ اعصر مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہ	سعید کمپنی کراچی پاکستان
مظاہر حق جدید	نواب قطب الدین خان صاحب	ادارۂ اسلامیات دیوبند
آپ کے مسائل اور ان کا حل	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
امداد الاحکام	مرتبہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب	مکتب دار العلوم کراچی
	عثمانی ومولانا عبدالکریم صاحب	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
طہور المسلمین	حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ	
الجواب المتین	ایضاً	ایضاً
احیاء العلوم	الحجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ	ادارہ رشیدیہ دیوبند
ایضاح المسائل	حضرت مولانا مفتی محمد شبیر صاحب مدظلہٗ (مفتی شاہی)	جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد
کیمیائے سعادت	حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ	ادبی دنیا دہلی
غنیۃ الطالبین	شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	مسلم اکیڈمی سہارنپور
حجۃ اللہ البالغہ	شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ	دارالکتاب دیوبند
اسرار شریعت	مولانا محمد فضل خان صاحبؒ	پنجاب پاکستان
بہشتی جواہر الفقہ	حضرت مولانا تھانویؒ	مکتبہ تھانوی دیوبند
جواہر الفقہ	مولانا محمد شفیع صاحبؒ	عارف کمپنی دیوبند
آداب سفر	ایضاً	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
رفیق سفر	مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ	ایضاً
احکام سفر	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ	ایضاً
آسان نیکیاں	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی	مکتبہ دارالعلوم کراچی

مکمل ومدلل مسائل مجموعہ خطباتِ ماثورہ

قرآن وسنت کی روشنی میں

دارالعلوم دیوبند کے حضرات مفتیان کرام کے تصدیق کے ساتھ

حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی

مفتی ومدرس دارالعلوم دیوبند

وحیدی کتب خانہ

میونسپل کابلی پلازہ قصہ خوانی بازار پشاور

نام کتاب: مکمل ومدلل مسائل مجموعہ خطباتِ ماثورہ

تالیف: حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی مفتی ومدرس دارالعلوم دیوبند

کمپوزنگ: دارالترجمہ وکمپوزنگ سنٹر (زیرنگرانی ابوبلال برہان الدین صدیقی)

تصحیح ونظرثانی: مولانا لطف الرحمٰن صاحب

سٹنگ: برہان الدین صدیقی فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی ووفاق المدارس ملتان
وخریج مرکزی دارالقراء مدنی مسجد نمک منڈی پشاور/ایم اے عربی پشاور یونیورسٹی

اشاعت اول: جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

ناشر: وحیدی کتب خانہ پشاور

استدعا: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی کے تمام مراحل میں پوری احتیاط کی گئی ہے لیکن پھر بھی انسان کمزور ہے اگر اس احتیاط کے باوجود بھی کوئی غلطی نظر آئے تو مطلع فرمائیں انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کیا جائے گا۔
منجانب: عبدالوہاب وحیدی کتب خانہ پشاور

دیگر ملنے کے پتے

کراچی: اسلامی کتب خانہ بالمقابل علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
: مکتبہ علمیہ سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی
: کتب خانہ اشرفیہ قاسم سنٹر اردو بازار کراچی
: زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی
: مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی
: مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی جامعہ فاروقیہ کراچی
راولپنڈی: کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ بلوچستان
پشاور: حافظ کتب خانہ محلہ جنگی پشاور
: معراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور

لاہور: مکتبہ رحمانیہ لاہور
: المیزان اردو بازار لاہور
صوابی: تاج کتب خانہ صوابی
اکوڑہ خٹک: مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
: مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک
بنیر: مکتبہ اسلامیہ سواڑی بنیر
سوات: کتب خانہ رشیدیہ منگورہ سوات
تیمرگرہ: اسلامی کتب خانہ تیمرگرہ
باجوڑ: مکتبۃ القرآن والسنۃ خار باجوڑ

فہرست مضامین

مسائل خطباتِ ماثورہ

☆☆

عرض حال

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجموعہ خطبات ماثورہ ایک عرصہ سے اغلاط کے ساتھ لیتھو پر تھا۔اب اسکو بفضلہٖ تعالیٰ تصحیح اغلاط اور آفسٹ کتابت وطباعت کرا کر اس میں مندرجہ ذیل مسائل کا اضافہ کیا گیا ہے.

خطبہ کیا ہے؟ خطبہ کے شرائط ورکن، خطیب وخطبہ سے متعلق ضروری مسائل اور خطبہ کس زبان میں ہو؟ نیز نکاح کے فضائل، نکاح میں آنحضرت ﷺ کا عمل، نکاح کی فقہی حیثیت، نکاح کے ارکان وشرائط، گونگے ونابینا کا نکاح کس طرح ہو، قاضی وگواہوں کے مسائل اور مہر کی اہمیت ومسائل، مہر معجل وموجل کی تعریف ، مہر فاطمی کی موجودہ مقدار اور حیثیت سے زیادہ مہر باندھنا اور متعلقہ اہم مسائل اور نماز استسقاء کا وقت وطریقہ اور چادر پلٹنے کا طریقہ اور متعلقہ ضروری مسائل۔

”یا اللہ محض اپنے کرم وفضل سے اس کاوش کو بھی قبول فرما کر
آئندہ بھی دینی خدمت کی توفیق عطا فرما آمین یارب العالمین“

”ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم“

محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ
خادم التدریس دارالعلوم دیوبند
لیلۃ البرأت ۱۵ شعبان ۱۴۱۵ھ
مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۹۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد وصلوٰۃ یہ احقر الخلائق متبعان سنت نبویہ کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ مدت سے اپنے زمانے کے بعضے طویل وغیر بلیغ خطبے دیکھ کر دل چاہتا تھا کہ اگر سرورِ عالم ﷺ اور خلفاء راشدین کے بعض خطبے کتب حدیث وسیر سے نکال کر جمع کر دیئے جائیں تو ان کا پڑھنا موجبِ برکت بھی ہے اور بوجہ ان کے مختصر ہونے کے سامعین کو بھی ملال نہ ہو۔ عبارتِ منقولہ پر حاشیہ میں منقول عنہ کا نشان بھی دے دیا ہے۔ اس میں بعض عبارات تو ایک جگہ کی ہیں۔ بعض عبارات متفرق جگہ سے ملائی گئی ہیں اور نام اس کا مجموعہ خطبات ماثورہ رکھا گیا۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتب احادیث سے کچھ آداب ضروری خطبے ونماز جمعہ کے لکھے جائیں تا کہ خطبہ پڑھنے والے رعایت رکھیں۔ (زاد المعاد)۔

(۱) رسول اللہ ﷺ خطبہ چھوٹا پڑھتے تھے اور نماز کو طویل[۱] کرتے تھے۔

(۲) اثنائے خطبہ میں اگر کوئی بات نا قابل امر ونہی پیش آجاتی تھی تو آپ ﷺ اس کی تعلیم فرماتے تھے۔

(۳) آپ ﷺ کے آگے نہ کوئی چوب دار پکارتا چلتا تھا، نہ کسی خاص وضع کا لباس ہوتا تھا۔

(۴) مسجد میں تشریف لا کر سب کو سلام کرتے تھے۔

(۵) منبر پر چڑھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے۔

(۶) پھر حضرت بلالؓ اذان کہتے، جب وہ اذان کہہ چکتے، آپ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ شروع فرماتے، اذان وخطبہ میں کچھ فصل نہ ہوتا تھا۔

(۷) کبھی کمان پر، کبھی عصاء پر سہارا لگا کر کھڑے ہوتے۔

(۸) خطبے کے وقت آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہوتی، اور غضب شدید ہوتا جیسے غنیم سے لوگوں کو ڈراتے ہوں۔

(۹) اکثر نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ منافقون پڑھتے اور

---

[۱] یعنی بہ نسبت خطبہ کے ورنہ امام کو تخفیفِ صلوٰۃ کا حکم ہے۔۱۲

کبھی پہلی میں "سبح اسم ربک الاعلی" دوسری میں "هَلْ اَتَاکَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَه" پڑھتے تھے۔
اب بعض احکام ضروری متعلق جمعہ وخطبہ کے لکھ کر خطبے لکھے جاتے ہیں۔

احکام الجمعہ والصّف

اذان[۱] سن کر بیع وشرا معاملاتِ دنیویہ چھوڑ کر جمعہ کا اہتمام کریں۔ سب[۲] سے پہلے اوراول وقت آ کر امام کے پاس بیٹھنے کا قصد کریں، مگر مسجد[۳] میں باتیں کر کے اپنی نیکیاں اکارت نہ کریں، اول[۴] وقت آنے کا ثواب ایسا ہے کہ گویا ایک اونٹ قربانی کیا، پھر ایسا جیسے گائے قربانی کی، پھر ایسا جیسے مینڈھا قربان کیا، پھر ایسا جیسے مرغ تصدق کیا پھر ایسا جیسے انڈا تصدق کیا۔ پہلی[۵] صف میں جگہ ہوتے ہوئے دوسری صف میں نہ بیٹھیں۔ جب ایک صف پوری ہوجاوے تو دوسری میں بیٹھنا شروع کریں۔ صف میں خوب کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوں اور ذرا بھی جگہ نہ چھوڑیں، ورنہ اس میں شیطان گھس کر نمازیں خراب کرتا ہے۔[۶] لوگوں کو پھاند پھاند کر اول صف میں نہ جائیں۔[۷] ہاں! اگر اگلی صف میں جگہ باقی ہو اسے بھر لینا چاہئے، جگہ کم ہو تو دو آدمیوں کے بیچ میں بیٹھ کر تکلیف نہ دیویں، جو پہلے آ کر بیٹھ جاوے وہ جگہ اس کا حق ہے، تو اگر کوئی کسی ضرورت سے جائے اور پھر لوٹ آنے کی

---

۱ ﴿ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ﴾ (سورۂ جمعہ، رکوع ۲)

۲ بکر وابتکر الیٰ قوله ودنامن الامام الخ۔ (مشکوٰۃ)

۳ یاتی علی الناس زمان یکون حدیثهم فی مساجدهم فی امر دنیاهم. (مشکوٰۃ)
قال ابن الهمام فی شرح الهدایة الکلام المباح فی مسجد مکروه وتأکل الحسنات۔۱۲ (حاشیہ مشکوٰۃ)

۴ (مشکوٰۃ ۱۲)

۵ اتمو الصف المقدم ثم الذی یلیه فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر ۱۲ (مشکوٰۃ)

۶ رصوا صفوفکم وقاربوا بینهما وحاذوا بالاعناق فوالذی نفسی بیده انی لاری الشیطان یدخل من خلل الصف کانها الحذف. ۱۲ (مشکوٰۃ)۔

۷ من تخطی رقاب الناس یوم الجمعة اتخذ جسرا الی جهنم. ۱۲ (مشکوٰۃ)۔

اُمید ہو[1] تو اس کی جگہ پر قبضہ نہ کریں۔ کسی کو اُٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھیں کسی حیلہ سے جاء نماز وغیرہ بچھا کر جگہ نہ روکیں، جو جہاں بیٹھے بیٹھنے دیں، لڑکوں کو بیچ صف میں نہ کھڑا ہونے دیں، وہ سب سے اخیر میں کھڑے ہوں۔[2]

احکام استمعین

خطبہ سننا واجب ہے۔ اس وقت باتیں کرنا، درود شریف، کلام مجید، نماز وغیرہ نہ پڑھنا چاہئے۔ جس وقت خطیب منبر کی طرف چلے اسی وقت سے سب چھوڑ کر ہمہ تن خطیب کی طرف متوجہ ہوں،[3] اگر کوئی سنت پڑھتا ہو تو اختصار قرأت کیساتھ اس کو پورا کرلے۔ خطبہ کی آواز نہ آتی ہو، تب بھی کچھ نہ پڑھیں، نہ بات کریں، اسی طرف کان لگائے بیٹھے رہیں[4]۔ اگر کوئی[5] کچھ پڑھتا یا باتیں کرتا ہو اس کو بھی منع نہ کریں۔ ہاں! اگر کسی طرح اشارہ سے خاموش کردیں تو خیر، حضرت ﷺ کا اسمِ مبارک آئے اس وقت بھی درود شریف نہ پڑھیں۔ بلا حرکت زبان صرف دل سے پڑھ لینے میں مضائقہ نہیں۔ جب آیت کریمہ[6] ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْواً انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِماً﴾) ''ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی، الخ '' پڑھی جائے، دل ہی دل میں درود وسلام بھیجیں۔[7] خطبہ عیدین میں بعد نماز کے بھاگنا اور خطبہ نہ سننا ممنوع ہے، چاہیے کہ بعد خطبہ کے جائیں، گو آواز وہاں تک نہ آتی ہو۔

---

[1] بنی بناء یظلک بمنی قال لا منی مناخ من سبق. ۱۲ (مشکوٰۃ).
لایقمن احدکم اخاہ یوم الجمعۃ ثم یخالف الی مقعدہ الحدیث ۱۲۔ (مشکوٰۃ)

[2] وصف الرجال وصف خلفھم الغلمان الحدیث ۱۲۔ (مشکوٰۃ)

[3] ولیتجو د فیھا. ۱۲ (مشکوٰۃ)

[4] والصواب انہ یصلی علی النبی ﷺ عند سماع اسمہ فی نفسہ ۱۲۔ (درمختار)

[5] درمختار ۱۲۔

[6] و کذا یحب الاستماع بسائر الخطب کخطبۃ نکاہ و خطبۃ عید. ۱۲ (درمختار)

[7] رواہ ابوداؤد ۱۲۔

خطبات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

مرتبہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب قدس سرہ

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّآتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِھِمَا فَاِنَّہٗ لَا یَضُرُّ اِلَّآ نَفْسَہٗ وَلَا یَضُرُّ اللّٰہَ شَیْئًا. اَمَّابَعْدُ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَ خَیْرُ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ وَ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَکُلَّ ضَلَالَۃٍ [۱] فِی النَّارِ یآاَیُّھَاالنَّاسُ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا وَبَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَۃِ قَبْلَ اَنْ تُشْغَلُوْا وَصِلُوْا الَّذِیْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ رَبِّکُمْ بِکَثْرَۃِ ذِکْرِکُمْ لَہٗ وَکَثْرَۃِ الصَّدَقَۃِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ تُرْزَقُوْا وَتُنْصَرُوْا وَتُجْبَرُوْا. [۲] وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ قَدِافْتَرَضَ عَلَیْکُمُ الْجُمُعَۃَ فِیْ مَقَامِیْ ھٰذَا فِیْ یَوْمِیْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِیْ ھٰذا مِنْ عَامِیْ ھٰذَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فَمَنْ تَرَکَھَا فِیْ حَیَاتِیْ اَوْ بَعْدِیْ وَلَہٗ اِمَامٌ عَادِلٌ اَوْ جَائِرٌ نِ اسْتِخْفَافًا بِھَا اَوْ جُحُوْدًا لَھَا فَلاَ جَمَعَ اللّٰہُ لَہٗ شَمْلَہٗ وَلاَ بَارَکَ لَہٗ فِیْ

---

۱ رواہ مسلم من خطبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔۱۲

۲ رواہ ابن ماجہ عن جابر بن عبداللّٰہ ۔۱۲

اَمْرِهٖ اَلَا وَلَا صَلٰوةَ لَهٗ وَلَا حَجَّ لَهٗ وَلَا صَوْمَ لَهٗ وَلَا بِرَّ لَهٗ حَتّٰى يَتُوْبَ فَمَنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اِلَّا لَا تَؤُمَّنَّ اِمْرَاَةٌ رَجُلًا وَلَا يَؤُمُّ اَعْرَابِيٌّ مُهَاجِرًا وَلَا يَؤُمُّ فَاجِرٌ مُؤمِنًا اِلَّا اَنْ يَّقْهَرَهٗ بِسُلْطَانٍ يُخَافُ سَيْفُهٗ وَسَوْطُهٗ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَّدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنَنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ.[1]

خطبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَاِنَّهٗ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا[2] **اَمَّا بَعْدُ** فَاِنَّ اَصْدَقَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ اَوْثَقُ الْعُرٰى كَلِمَةُ التَّقْوٰى وَخَيْرُ الْمِلَلِ مِلَّةُ اِبْرَاهِيْمَ وَ خَيْرُ السُّنَنِ سُنَّةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَشْرَفُ الْحَدِيْثِ ذِكْرُ اللّٰهِ وَ اَحْسَنُ الْقَصَصِ هٰذَا الْقُرْاٰنُ وَخَيْرُ الْاُمُوْرِ عَوَازِمُهَا وَ شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَاَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ الْاَنْبِيَاءِ وَاَشْرَفُ الْمَوْتِ قَتْلُ الشُّهَدَاءِ وَاَعْمَى الْعَمٰى الضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُدٰى وَخَيْرُ الْاَعْمَالِ مَا نَفَعَ وَخَيْرُ الْهَدْيِ مَا اتُّبِعَ وَ شَرُّ الْعَمٰى عَمَى الْقَلْبِ وَ الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى وَمَا قَلَّ وَ كَفٰى

....

[1] رواه مسلم. ۱۲

[2] رواه ابو داؤد من خطبة النبی صلی اللہ علیہ وسلم. ۱۲

خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَأَلْهٰى وَشَرُّ الْمَعْذِرَةِ حِيْنَ يَحْضُرُ الْمَوْتُ وَ شَرُّ النَّدَامَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ لَا يَاْتِي الْجُمُعَةَ اِلَّا دُبُرًا. وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ اِلَّا هُجْرًا. وَمِنْ اَعْظَمِ الْخَطَايَا اللِّسَانُ الْكَذُوْبُ وَخَيْرُ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ وَخَيْرُ الزَّادِ التَّقْوٰى وَ رَأْسُ الْحِكَمِ مَخَافَةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَخَيْرُ مَا وَقَرَ فِي الْقُلُوْبِ الْيَقِيْنُ وَ الْاِرْتِيَابُ مِنَ الْكُفْرِ وَ النِّيَاحَةُ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ وَالْغُلُوْلُ مِنْ جُثَاءِ جَهَنَّمَ وَالْكَنْزُ كَيٌّ مِنَ النَّارِ وَالشِّعْرُ مِنْ مَزَامِيْرِ اِبْلِيْسَ وَالْخَمْرُ جُمَّاعُ الْاِثْمِ وَشَرُّ الْمَاكِلِ مَاْكُلُ مَالُ الْيَتِيْمِ وَالسَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهٖ وَالشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ فِي بَطْنِ اُمِّهٖ وَ اِنَّمَا يَصِيْرُ اَحَدُكُمْ اِلٰى مَوْضِعِ اَرْبَعَةِ اَذْرُعٍ وَالْاَمْرُ اِلَى الْاٰخِرَةِ وَمِلَاكُ الْعَمَلِ خَوَاتِمُهٗ وَ شَرُّ الرَّوَايَا رَوَايَا الْكِذْبِ وَكُلُّ مَا هُوَ اٰتٍ قَرِيْبٌ وَ سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ وَ قِتَالُهٗ كُفْرٌ وَ اَكْلُ لَحْمِهٖ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَ حُرْمَةُ مَالِهٖ كَحُرْمَةِ دَمِهٖ وَمَنْ يَتَاَلَّ عَلَى اللّٰهِ يُكَذِّبْهُ وَمَنْ يَغْفِرْ يُغْفِرْلَهٗ وَمَنْ يَسْتَعِفَّ يَعِفَّهُ اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ يَكْظِمِ الْغَيْظَ يَاْجُرْهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّصْبِرْ عَلَى الرَّزِيَّةِ يُعَوِّضْهُ اللّٰهُ وَمَنْ تَتَبَّعَ السُّمْعَةَ يُسَمِّعُ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ يَصْبِرْ يُضَعِّفُ اللّٰهُ لَهٗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ يُعَذِّبُهُ اللّٰهُ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ، غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ[1]

---

[1] رواه في زادالمعاد عن البهقي وحاكم من حديث عقبة بن عامر من خطبة النبي صلى الله عليه وسلم في عزوة تبوک لکن صيغة الاستغفار وبنايا بالمعنى لان لفظ الحديث ثم استغفر للثا. ۱۲

خطبة نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّآتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَىِ السَّاعَةِ مَن يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَاِنَّهٗ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا خَطَبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اِنَّ مِمَّا اَخَافُ عَلَيْكُمْ بَعْدِىْ مَا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مِنْ زُهْرَةِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَوَ يَاْتِى الْخَيْرُ بِالشَّرِّ فَسَكَتَ عَنْهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَرَاَيْنَا اَنَّهٗ يَنْزِلُ عَلَيْهِ جِبْرَئِيْلُ فَقِيْلَ لَهٗ مَا شَاْنُكَ تَكَلَّمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا يُكَلِّمُكَ فَسُرِّىَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَمْسَحُ عَنْهُ الرُّحَضَآءَ فَقَالَ اَيْنَ السَّائِلُ وَ كَاَنَّهٗ حَمِدَهٗ فَقَالَ اِنَّ الْخَيْرَ لَا يَاْتِىْ بِالشَّرِّ وَ اِنَّ مِمَّا يُنْبِتُ الرَّبِيْعُ يَقْتُلُ اَوْ يُلِمُّ حَبَطًا اَلَمْ تَرَ اِلٰى اٰكِلَةِ الْخَضِرَةِ اَكَلَتْ حَتّٰى اِذَا امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا وَ اسْتَقْبَلَتْ عَيْنَ الشَّمْسِ فَثَلَطَتْ وَبَالَتْ ثُمَّ رَتَعَتْ، [1] وَاِنَّ الْمَالَ حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَنِعْمَ صَاحِبُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ هُوَ لِمَنْ اَعْطٰى مِنْهُ الْمِسْكِيْنَ وَالْيَتِيْمَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ اِنَّ الَّذِىْ اَخَذَهٗ بِغَيْرِ حَقِّهٖ كَمَثَلِ

---

[1] رواه ابو داؤد من خطبة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم. ۱۲

الَّذِیْ یَاْکُلُ وَلَا یَشْبَعُ فَیَکُوْنُ عَلَیْهِ شَهِیْدًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ[1] اَلَامَنْ وَلِیَ یَتِیْمًا لَّهٗ مَالٌ فَلْیَتَّجِرْ فِیْهِ وَلَا یَتْرُکْهُ حَتّٰی تَاْکُلَهُ الصَّدَقَةُ[2] اِتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّکُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَکُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَکُمْ وَاَدُّوْا زَکٰوةَ اَمْوَالِکُمْ وَاَطِیْعُوْا اِذَا اَمَرَکُمْ.

خطبة نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ و اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِهِمَا فَاِنَّهٗ لَا یَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ وَلَا یَضُرُّ اللّٰهَ شَیْئًا[3] قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْهَا فَنَاظِرٌ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ اِلَّا فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَآءَ وَ ذَکَرَ اِنَّ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ بِقَدْرِ غَدْرَتِهٖ فِی الدُّنْیَا وَلَا غَدْرَ اَکْبَرُ مِنْ غَدْرِ اَمِیْرِ الْعَامَّةِ یُغْرَزُ لِوَآءُهٗ عِنْدَ اِسْتِهٖ وَلَا یَمْنَعَنَّ اَحَدًا مِّنْکُمْ هَیْبَةُ النَّاسِ اَنْ یَّقُوْلَ بِحَقٍّ اِذَا عَلِمَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّ بَنِیْ اٰدَمَ خُلِقُوْا عَلٰی طَبَقَاتٍ شَتّٰی فَمِنْهُمْ مَنْ یُّوْلَدُ مُؤْمِنًا وَ یَحْیٰی مُؤْمِنًا وَ یَمُوْتُ مُؤْمِنًا وَمِنْهُمْ مَنْ یُوْلَدُ کَافِرًا وَیَحْیٰی کَافِرًا وَیَمُوْتُ کَافِرًا وَمِنْهُمْ مَنْ

....

[1] رواه احمد من خطبة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم. ۱۲

[2] راوه الترمذی. ۱۲

[3] رواه ابو دوٗد. ۱۲

يُوْلَدُ مُؤْمِنًا وَيَحْيٰى مُؤْمِنًا وَيَمُوْتُ كَافِرًا وَ مِنْهُمْ مَنْ يُوْلَدُ كَافِرًا وَ يَحْيٰى كَافِرًا وَ يَمُوْتُ مُؤْمِنًا قَالَ وَذَكَرَ الْغَضَبَ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ سَرِيْعُ الْغَضَبِ سَرِيْعُ الْفَيْئِ فَاِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰى وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ بَطِيٌّ الْغَضَبِ بَطِيٌّ الْفَيْئِ فَاِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰى وَخِيَارُكُمْ مَنْ يَّكُوْنُ بَطِيٌّ الْغَضَبِ سَرِيْعُ الْفَيْئِ وَشِرَارُكُمْ مَنْ يَّكُوْنُ سَرِيْعُ الْغَضَبِ بَطِيٌّ الْفَيْئِ قَالَ اِتَّقُوا الْغَضَبَ فَاِنَّهٗ جَمْرَةٌ عَلٰى قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ اَلَا تَرَوْنَ اِلٰى انْتِفَاخِ اَوْدَاجِهٖ وَحُمْرَةُ عَيْنَيْهِ فَمَنْ اَحَسَّ بِشَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ فَلْيَضْطَجِعْ وَلْيَتَلَبَّدْ بِالْاَرْضِ قَالَ وَذَكَرَ الدَّيْنَ فَقَالَ مِنْكُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ حَسَنُ الْقَضَاءِ وَ اِذَا كَانَ لَهٗ اَفْحَشَ فِي الطَّلَبِ فَاِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰى وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ سَيِّءَ الْقَضَاءِ وَاِنْ كَانَ لَهٗ اَجْمَلَ فِي الطَّلَبِ فَاِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰى وَخِيَارُكُمْ مَنْ اِذَا كَانَ عَلَيْهِ الدَّيْنِ اَحْسَنُ الْقَضَاءِ وَ اِنْ كَانَ لَهٗ اَجْمَلَ فِى الطَّلَبِ وَشِرَارُكُمْ مَنْ اِذَا كَانَ عَلَيْهِ الدَّيْنِ اَسَاءَ الْقَضَاءَ وَ اِنْ كَانَ لَهٗ اَفْحَشَ فِي الطَّلَبِ[1]

خطبة نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

فی آخر جمعة من شعبان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ

....

[1] رواه الترمذی. ۱۲

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَاِنَّهٗ لَا يَضُرُّ اِلَّانَفْسَهٗ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا [۱] يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَقِيَامُ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَ هُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَ شَهْرٌ يُّزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَآئِماً كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةٌ لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقُ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْئٌ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَا نُفَطِّرُ بِهِ الصَّآئِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَآئِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْشَرْبَةٍ مِّنْ مَّآءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَآئِماً سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةٌ لَّايَظْمَاُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَ اَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ وَ اَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ [۲]

خطبة نبي كريم ﷺ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ

....

[۱] رواه ابو داؤد. ۱۲

[۲] رواه البيهقي في شعب الايمان. ۱۲

وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ اَرْسَلَهُ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ مَن يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَاِنَّهُ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهُ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا[1] اَلَا اِنَّ رَبِّيْ اَمَرَنِيْ اَنْ اُعَلِّمَكُمْ مَا جَهِلْتُمْ مِّمَّا عَلَّمَنِيْ يَوْمِيْ هٰذَا كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهُ عَبْدًا حَلَالٌ وَ اِنِّيْ خَلَقْتُ عِبَادِيْ حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَ اِنَّهُمْ اَتَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِيْنِهِ وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَّا اَحْلَلْتُ لَهُمْ وَ اَمَرَتْهُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بِيْ مَالَمْ اُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا، وَاَنَّ اللّٰهَ نَظَرَ اِلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ فَمَقَتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ اِلَّا بَقَايَا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَ قَالَ اِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِاَ بْتَلِيَكَ وَ اَبْتَلِيْ بِكَ وَ اَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَّا يَغْسِلُهُ الْمَآءُ تَقْرَؤُهُ نَآئِمًا وَيَقْظَانَ وَ اَنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اُحَرِّقَ قُرَيْشًا فَقُلْتُ رَبِّ اِذًا يَّثْلَغُوْا رَاْسِيْ فَيَدَعُوْهُ خُبْزَةً قَالَ اسْتَخْرِجْهُمْ كَمَا اَخْرَجُوْكَ وَ اغْزُهُمْ نُغْزِكَ وَ اَنْفِقْ فَسَنُنْفِقُ عَلَيْكَ وَ ابْعَثْ جَيْشًا نَبْعَثْ خَمْسَةً مِّثْلَهَا وَ قَاتِلْ بِمَنْ اَطَاعَكَ مَنْ عَصَاكَ[2] اَلَا وَ اسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ لَيْسَ تَمْلِكُوْنَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذٰلِكَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اَلَا اِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا فَاَمَّا حَقُّكُمْ عَلٰى نِسَائِكُمْ فَلَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَّنْ تَكْرَهُوْنَ وَلَا يَاْذَنَّ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُوْنَ اَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ اَنْ

....

[1] مرسندہ۔ ۱۲

[2] رواہ مسلم۔ ۱۲

تُحْسِنُوْآ اِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ لَا تُنْفِقُ اِمْرَأَةٌ شَيْئًا مِّنْ بَيْتِ زَوْجِهَا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا.[1]

خطبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ وَالنُّوْرِ وَالْمَوْعِظَةِ وَالْحِكْمَةِ عَلٰى فِتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ وَقِلَّةٍ مِّنَ الْعِلْمِ وَ ضَلَالَةٍ مِّنَ النَّاسِ وَانْقِطَاعٍ مِّنَ الزَّمَانِ وَدُنُوٍّ مِّنَ السَّاعَةِ وَ قُرْبٍ مِّنَ الْاَجَلِ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ غَوٰى وَ فَرَّطَ وَضَلَّ ضَلَالًا بَعِيْدًا اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَاِنَّهٗ خَيْرٌ مَّآ اَوْصٰى بِهِ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ اَنْ يَّحُضَّهٗ عَلَى الْاٰخِرَةِ وَ اَنْ يَّأْمُرَهٗ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَاحْذَرُوْا مَاحَذَّرَكُمُ اللّٰهُ بِنَفْسِهٖ فَاِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ لِمَنْ عَمِلَ بِهٖ عَلٰى وَجَلٍ وَّمَخَافَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ عَوْنٌ وَصِدْقٌ عَلٰى مَا يَبْتَغُوْنَ مِنَ الْاٰخِرَةِ وَ مَنْ يُّصْلِحِ الَّذِيْ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ اللّٰهِ مِنْ اَمْرِهٖ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ لَا يَنْوِيْ بِهٖ اِلَّا وَجْهَ اللّٰهِ يَكُنْ لَّهٗ ذِكْرًا فِيْ عَاجِلِ اَمْرِهٖ وَ ذُخْرًا فِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ حِيْنَ يَفْتَقِرُ الْمَرْءُ اِلٰى مَا قَدَّمَ وَمَا كَانَ مِمَّا سِوٰى ذٰلِكَ يَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهٗ اَمَدًا بَعِيْدًا وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ هُوَ الَّذِيْ صَدَّقَ قَوْلَهٗ وَانْجَزَ وَعْدَهٗ لَا خِلْفَ لِذٰلِكَ وَاِنَّهٗ يَقُوْلُ مَا

[1] رواہ الترمذی۔ ۱۲

يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَىَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ فَاتَّقُوْا اللّٰهَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِكُمْ وَاٰجِلِهٖ فِيْ السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُعْظِمْ اَجْرًا وَّ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا، وَ اِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ تُوَقِّيْ مَقْتَهٗ وَتُوَقِّيْ عُقُوْبَتَهٗ وَ سَخَطَهٗ وَ اِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ تُبَيِّضُ الْوَجْهَ وَتُرْضِي الرَّبَّ وَتَرْفَعُ الدَّرَجَةَ فَخُذُوْا بِحَظِّكُمْ وَلَا تُفَرِّطُوْا فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ فَقَدْ عَلَّمَكُمْ بِكِتَابِهٖ وَنَهَجَ لَكُمْ سَبِيْلَهٗ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَيَعْلَمَ الْكَاذِبِيْنَ فَاَحْسِنُوْا كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ وَعَادُوْا اَعْدَآءَهٗ وَ جَاهِدُوْا فِيْ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَاَكْثِرُوْا ذِكْرَ اللّٰهِ وَاعْمَلُوْا لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَاِنَّهٗ مَنْ يُّصْلِحْ مَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ اللّٰهِ يَكْفِهِ اللّٰهُ مَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ النَّاسِ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يَقْضِيْ عَلَى النَّاسِ وَ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ[1]

خطبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى نَسْأَ لُ

[1] رواه القرطبی فی تفسیره وغیره كذا فی المواهب اللدنیه ۱۲

اللّٰهَ رَبَّنَا اَنْ يَّجْعَلَنَا مِمَّنْ يُّطِيْعُهُ وَ يُطِيْعُ رَسُوْلَهُ وَ يَتَّبِعُ رِضْوَانَهُ وَيَجْتَنِبُ سَخَطَهُ [۱] يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا وَبَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ قَبْلَ اَنْ تَشْتَغِلُوْا عَنْهَا هَرَمًا نَاغِضًا وَّ مَوْتًا خَالِصًا وَّ مَرَضًا حَابِسًا وَّتَسْوِيْفًا مُّوْلِيًا وَصِلُوْا الَّذِىْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ تَسْعَدُوْا وَاَكْثِرُوا الصَّدَقَةَ فِى السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ تُوْجَرُوْا وَ تُحْمَدُوْا وَ تُرْزَقُوْا وَ تُنْصَرُوْا تُجْبَرُوْا وَاْمُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ تُخْصِبُوْا وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ تُنْصَرُوْا، اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اَكْيَسَكُمْ اَكْثَرُكُمْ ذِكْرًا لِّلْمَوْتِ وَاَكْرَمَكُمْ اَحْسَنُكُمْ اِسْتِعْدَادًا لَّهُ وَ اِنَّ مِنْ عَلَامَاتِ الْعَقْلِ التَّجَافِىْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةِ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّزَوُّدَ لِسُكْنَى الْقُبُوْرِ وَالتَّاَهُّبَ لِيَوْمِ النُّشُوْرِ. [۲]

خطبہ نبی کریم ﷺ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ اَرْسَلَهُ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَىِ السَّاعَةِ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى نَسْاَلُ اللّٰهَ رَبَّنَا اَنْ يَّجْعَلَنَا مِمَّنْ يُّطِيْعُهُ وَ يُطِيْعُ رَسُوْلَهُ وَ يَتَّبِعُ رِضْوَانَهُ وَ يَجْتَنِبُ

---

[۱] روى ابو دؤد فى مراسله عن الزهرى قال كان الله خطبة النبى صلى الله عليه وسلم الحمد لله الخ وقال الزرقانى الظاهر من نسال الله الخ من كلام الزهرى و يحتمل انه من المرفوع تعليما للامة. ۱۲

[۲] رواه فى المواهب والزرقانى. ۱۲

سَخَطَهٗ[۱] يٰۤاَيُّهَاالنَّاسُ اِنَّ لَكُمْ مَّعَالِمَ فَانْتَهُوْا اِلٰى مَعَالِمِكُمْ وَاِنَّ لَكُمْ نِهَايَةً فَانْتَهُوْا اِلٰى نِهَايَتِكُمْ فَاِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ بَيْنَ مَخَافَتَيْنِ بَيْنَ اَجَلٍ قَدْ مَضٰى لَا يَدْرِىْ مَااللّٰهُ صَانِعٌ بِهٖ، وَبَيْنَ اَجَلٍ قَدْ بَقِىَ لَا يَدْرِىْ مَااللّٰهُ قَاضٍ بِهٖ فَلْيَتَزَوَّدِ الْعَبْدُ مِنْ نَّفْسِهٖ لِنَفْسِهٖ، وَمِنْ حَيٰوتِهٖ لِمَوْتِهٖ وَمِنْ شَبَابِهٖ لِكِبَرِهٖ، وَمِنْ دُنْيَاهُ لِاٰخِرَتِهٖ فَوَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ مُّسْتَعْتَبٍ وَّلَا بَعْدَ الدُّنْيَا دَارٌ اِلَّا الْجَنَّةُ اَوِ النَّارُ اَقُوْلُ قَوْلِىْ هٰذَاوَاَسْتَغْفِرُاللّٰهَ لِىْ وَ لَكُمْ.[۲]

خطبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِىَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَىِ السَّاعَةِ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى نَسْأَلُ اللّٰهَ رَبَّنَا اَنْ يَّجْعَلَنَا مِمَّنْ يُّطِيْعُهٗ وَ يُطِيْعُ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَّبِعُ رِضْوَانَهٗ وَيَجْتَنِبُ سَخَطَهٗ[۳] اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ اَلَا وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ اَجَلٌ صَادِقٌ يَقْضِىْ فِيْهَامَلِكٌ قَادِرٌ اَلَا وَاِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهٗ بِحَذَافِيْرِهٖ فِى الْجَنَّةِ اَلَا وَاِنَّ الشَّرَّ كُلَّهٗ بِحَذَافِيْرِهٖ فِى النَّارِ اَلَا فَاعْلَمُوْا وَاَنْتُمْ مِنَ اللّٰهِ

---

[۱] مرسنده. ۱۲

[۲] رواه الفقيه ابو الليث في كتاب تنبيه الغافلين في رفض الدنيا. ۱۲

[۳] مرسنده. ۱۲

عَلٰی حَذَرٍ وَّاعْلَمُوْا اَنَّکُمْ مَعْرُوْضُوْنَ عَلٰی اَعْمَالِکُمْ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ[1] اِنَّکُمْ مَّحْشُوْرُوْنَ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ عُرَاۃً غُرْلًا کَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ، وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا کُنَّا فَاعِلِیْنَ ثُمَّ اِنَّ اَوَّلَ مَنْ یُّکْسٰی یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِبْرَاھِیْمُ اَلَا اِنَّہٗ یُجَآءُ بِرِجَالٍ مِّنْ اُمَّتِیْ فَیُؤْخَذُ بِھِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ اَصْحَابِیْ فَیُقَالُ لَا تَدْرِیْ مَآ اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ کَمَاقَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَکُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْھِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبُ عَلَیْھِمْ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ شَھِیْدٌ فَیُقَالُ اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ لَمْ یَزَالُوْا مُرْتَدِّیْنَ عَلٰی اَعْقَابِھِمْ مُّنْذُ فَارَقْتَھُمْ[2]

خطبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِھِمَا فَقَدْ غَوٰی نَسْاَلُ اللّٰہَ رَبَّنَا اَنْ یَّجْعَلَنَا مِمَّنْ یُّطِیْعُہٗ وَ یُطِیْعُ رَسُوْلَہٗ وَ یَتَّبِعُ رِضْوَانَہٗ وَیَجْتَنِبُ سَخَطَہٗ اِنَّہٗ لَمْ یَکُنْ نَبِیٌّ قَبْلِیْ اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَیْہِ اَنْ یَّدُلَّ اُمَّتَہٗ عَلٰی مَا یَعْلَمُہٗ خَیْرًا لَّھُمْ وَیُنْذِرَھُمْ مَّا یَعْلَمُہٗ شَرًّا لَّھُمْ وَاِنَّ اُمَّتَکُمْ ھٰذِہٖ

---

[1] رواہ الشافعیؒ عن عمرؓ ۔۱۲

[2] رواہ البخاری عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ۔ ۱۲

جُعِلَتْ عَافِيَتُهَا فِيْ اَوَّلِهَا وَاِنَّ اٰخِرَهُمْ يُصِيْبُهُمْ بَلَاءٌ وَاُمُوْرٌ تُنْكِرُوْنَهَا ثُمَّ تَجِيْءُ فِتَنٌ يُرَقِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيَقُوْلُ الْمُؤْمِنُ هٰذِهٖ مُهْلِكَتِيْ ثُمَّ تَنْكَشِفُ فَمَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّزَحْزَحَ مِنَ النَّارِ وَيَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَلْتُدْرِكْهُ مَوْتَتُهٗ وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَاْتِ اِلَى النَّاسِ الَّذِيْنَ يُحِبُّ اَنْ يَّاْتُوْا اِلَيْهِ وَمَنْ بَايَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَمِيْنِهٖ وَثَمَرَةَ قَلْبِهٖ فَلْيُطِعْهُ مَااسْتَطَاعَ فَاِنْ جَاءَ اٰخَرُ يُنَازِعُهٗ فَاضْرِبُوْا عُنُقَ الْاٰخَرِ قَالَ فَاَدْخَلْتُ رَاْسِيْ مِنْ بَيْنِ النَّاسِ فَقُلْتُ اُنْشِدُكَ اللّٰهُ اَنْتَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاَشَارَ بِيَدِهٖ اِلٰى اُذُنَيْهِ فَقَالَ سَمِعَتْهُ اُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِيْ[1]

خطبة سيدنا ابی بكر الصديق رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَحْمَدُهٗ وَاَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْاَلُهُ الْكَرَامَةَ فِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَاِنَّهٗ قَدْ دَنَا اَجَلِيْ وَاَجَلُكُمْ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّسِرَاجًا مُّنِيْرًا، لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَاِعْتِصَامٍ بِاَمْرِ اللّٰهِ الَّذِيْ شَرَعَ لَكُمْ وَهَدٰكُمْ بِهٖ فَاِنَّ جَوَامِعَ هُدَى الْاِسْلَامِ بَعْدَ كَلِمَةِ الْاِخْلَاصِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِمَنْ وَّلَّاهُ اللّٰهُ اَمْرَكُمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَاُولِي الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَدَّى الَّذِيْ عَلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ وَاِيَّاكُمْ وَاِتِّبَاعَ الْهَوٰى فَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ

[1] رواہ ابن ماجہ ۱۲

حُفِظَ مِنَ الْهَوٰى وَالطَّمْعِ وَالْغَضَبِ وَاِيَّاكُمْ وَالْفَخْرِ وَمَافَخْرُ مَنْ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِلَى التُّرَابِ يَعُوْدُثُمَّ يَأْكُلُهُ الدُّوْدُ ثُمَّ هُوَ الْيَوْمَ حَيٌّ وَغَدًا مَّيِّتٌ فَاعْمَلُوْا يَوْمًا بِيَوْمٍ وَسَاعَةً بِسَاعَةٍ وَتَوَقُّوْا دُعَاءَ الْمَظْلُوْمِ وَعُدُّوْا اَنْفُسَكُمْ فِي الْمَوْتٰى وَاصْبِرُوْا فَاِنَّ الْعَمَلَ كُلَّهُ بِالصَّبْرِ وَاحْذَرُوْا وَالْحَذْرُ يَنْفَعُ وَاعْمَلُوْا وَالْعَمَلَ يُقْبَلُ وَاحْذَرُوْا مَا حَذَّرَكُمُ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِهٖ وَسَارِعُوْا فِيْمَا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَافْهَمُوْا وَتَفَهَّمُوْا وَاتَّقُوْا وَتَوَقُّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَيَّنَ لَكُمْ مَا اَهْلَكَ بِهٖ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَمَا نَجٰى بِهٖ مَنْ نَجٰى قَبْلَكُمْ قَدْ بَيَّنَ لَكُمْ فِيْ كِتَابِهٖ حَلَالَهٗ وَحَرَامَهٗ وَمَا يَجِبُ مِنَ الْاَعْمَالِ وَمَا يَكْرَهُ فَاِنِّيْ لَا اٰلُوْكُمْ وَنَفْسِيْ نُصْحًا وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مَا اَخْلَصْتُمْ لِلّٰهِ مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَرَبَّكُمْ اَطَعْتُمْ وَحَظَّكُمْ وَاغْتَبَطْتُمْ وَمَا تَطَوَّعْتُمْ بِهٖ لِدِيْنِكُمْ فَاجْعَلُوْهُ نَوَافِلَ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ تَسْتَوْفُوْا لِسَلَفِكُمْ وَتُعْطَوْا جَزَآئَكُمْ حِيْنَ فَقْرِكُمْ وَحَاجَتِكُمْ اِلَيْهَا ثُمَّ تَفَكَّرُوْا عِبَادَاللّٰهِ فِيْ اِخْوَانِكُمْ وَصَحَابَتِكُمُ الَّذِيْنَ مَضَوْا قَدْ وَرَدُوْا عَلٰى مَا قَدَّمُوْا فَاَقَامُوْا عَلَيْهِ وَحَلُّوْا فِي الشَّقَاءِ وَالسَّعَادَةِ فِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ اِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ لَهٗ شَرِيْكٌ وَلَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهٖ نَسَبٌ يُّعْطِيْهِ بِهٖ خَيْرًا وَّلَا يَصْرِفُ عَنْهُ سُوْءً اِلَّا بِطَاعَتِهٖ وَاتِّبَاعِ اَمْرِهٖ فَاِنَّهٗ لَا خَيْرَ فِيْ خَيْرٍ بَعْدَهُ النَّارُ وَلَاشَرَّ فِيْ شَرٍّ بَعْدَهُ الْجَنَّةُ اَقُوْلُ قَوْلِيْ هٰذَاوَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَ لَكُمْ وَصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ[1]

....

[1] اورد هذه الخطبة تامة في تاريخ الخلفا. ۱۲

خطبة سيدنا ابى بكر الصديق رضى اللّٰه تعالىٰ عنه

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَحْمَدُهٗ وَ اَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْأَلُهُ الْكَرَامَةَ فِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَاِنَّهٗ قَدْ دَنَا اَجَلِيْ وَاَجَلُكُمْ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّسِرَاجًا مُّنِيْرًا، لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً مُّبِيْنًا[1] اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَاِنْ تُثْنُوْا عَلَيْهِ بِمَا هُوَلَهٗ اَهْلٌ وَاَنْ تَخْلُطُوْا الرَّغْبَةَ بِالرَّهْبَةِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَثْنٰى عَلٰى زَكَرِيَّا وَاَهْلِ بَيْتِهٖ فَقَالَ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَرَهَبًاوَ كَانُوْا لَنَا خَاشِعِيْنَ، ثُمَّ اعْلَمُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ قَدِ ارْتَهَنَ بِحَقِّهٖ اَنْفُسَكُمْ وَاَخَذَ عَلٰى ذٰلِكَ مَوَاثِيْقَكُمْ وَاشْتَرٰى مِنْكُمُ الْقَلِيْلَ الْفَانِىْ بِالْكَثِيْرِ الْبَاقِىْ هٰذَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيْكُمْ لَا يَطْفَأُ نُوْرُهٗ وَلَاتَنْقَضِىْ عَجَآئِبُهٗ فَاسْتَضِيْئُوْآ بِنُوْرِهٖ وَانْتَصِحُوْا كِتَابَهٗ وَاسْتَضِيْئُوْا مِنْهُ لِيَوْمِ الظُّلْمَةِ فَاِنَّهٗ اِنَّمَا خَلَقَكُمْ لِعِبَادَتِهٖ وَوَكَّلَ بِكُمْ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ثُمَّ اعْلَمُوْا عِبَادَاللّٰهِ اَنَّكُمْ تَغْدُوْنَ وَتَرُوْحُوْنَ فِى اَجَلٍ قَدْغِيْبَ عَنْكُمْ عِلْمُهٗ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْقَضِىَ الْاٰجَالُ وَاَنْتُمْ فِىْ عَمَلِ اللّٰهِ فَافْعَلُوْا وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا ذٰلِكَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ سَابِقُوْا فِىْ اٰجَالِكُمْ قَبْلَ اَنْ تَنْقَضِىَ اٰجَالُكُمْ فَتَرُدَّكُمْ اِلٰى اَسْوَءِ اَعْمَالِكُمْ فَاِنَّ قَوْمًا جَعَلُوْا اٰجَالَهُمْ لِغَيْرِهِمْ وَنَسُوْآ اَنْفُسَهُمْ فَاَنْهَا كُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا اَمْثَالَهُمْ

....

[1] مرسنده ۱۲

فَالْوَحا اَلنَّجا اَلنَّجا فَاِنَّ وَرَآئَکُمْ طَالِبًا حَثِیْثًا اَمْرُہٗ سَرِیْعٌ اَیْنَ الْوُضَاۃُ الْحَسَنَۃُ وُجُوْھُھُمُ الْمُعْجَبُوْنَ بِشَبَابِھِمْ اَیْنَ الْمُلُوْکُ الَّذِیْنَ بَنَوُا الْمَدَآئِنَ وَحَصَّنُوْھَا اَیْنَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُعْطَوْنَ الْغَلَبَۃَ فِیْ مَوَاطِنِ الْحَرْبِ قَدْ تَضَعْضَعَ اَرْکَانُھُمْ حِیْنَ اَخْنٰی بِھِمُ الدَّھْرُ وَاَصْبَحُوْا فِیْ ظُلُمَاتِ الْقُبُوْرِ اَلْوَحا اَلْوَحا ثُمَّ النَّجا اَلنَّجا[1]

خطبہ سید نا عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَحْمَدُہٗ وَ اَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْأَلُہُ الْکَرَامَۃَ فِیْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَاِنَّہٗ قَدْ دَنَا اَجَلِیْ وَاَجَلُکُمْ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّسِرَاجًا مُّنِیْرًا، لِیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا وَّیَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِھِمَا فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا، اَیُّھَا النَّاسُ اَلَا اِنَّ اَصْحَابَ الرَّاْیِ اَعْدَآءُ السُّنَّۃِ اَعْیَتْھُمُ الْاَحَادِیْثُ اَنْ یَّحْفَظُوْھَا وَتَفَلَّتَتْ مِنْھُمْ اَنْ یَّعُوْھَا وَاسْتَحْیَوْا اِذَا سَأَلَھُمُ النَّاسُ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَا نَدْرِیْ فَعَانَدُوا السُّنَنَ بِرَاْیِھِمْ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا وَالَّذِیْ نَفْسُ عُمَرَ بِیَدِہٖ مَاقَبَضَ اللّٰہُ نَبِیَّہٗ وَلَا رَفَعَ الْوَحْیَ عَنْھُمْ حَتّٰی اَغْنَاھُمْ عَنِ الرَّاْیِ وَلَوْ کَانَ الدِّیْنُ یُؤْخَذُ بِالرَّاْیِ لَکَانَ اَسْفَلُ الْخُفِّ اَحَقُّ بِالْمَسْحِ مِنْ ظَھْرِہٖ فَاِیَّاکَ وَاِیَّاھُمْ[2] سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ،

---

[1] اخرجه ابن ابی الدنیا. ۱۲
[2] من خطبة ابی بکرؓ. ۱۲

فَهِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوْ اِمْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ[1] اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ الطَّمْعَ فَقْرٌ وَاِنَّ بَعْضَ الْيَاْسِ غِنًى وَاِنَّكُمْ تَجْمَعُوْنَ مَالَا تَأْكُلُوْنَ وَتَاْمَلُوْنَ مَالَا تُدْرِكُوْنَ وَاَنْتُمْ مُؤَجَّلُوْنَ فِيْ دَارِ غُرُوْرٍ وَاعْلَمُوْا اَنَّ بَعْضَ الشُّحِّ شُعْبَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ فَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. اَيُّهَا النَّاسُ اَطِيْبُوْا مَثْوٰكُمْ وَاَصْلِحُوْا اُمُوْرَكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَلَا تَلْبِسُوْا نِسَائَكُمُ الْقَبَاطِيَّ فَاِنَّهُ اِنْ لَّمْ يَشُفَّ فَاِنَّهُ يَصِفُ[2] وَاِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ اٰيَةَ الرَّجْمِ فَقَرَأْنَاهَا وَعَقَلْنَاهَا وَوَعَيْنَاهَا رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدُ فَاَخْشٰى اِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ اَنْ يَّقُوْلَ قَائِلٌ وَاللّٰهِ مَا نَجِدُ اٰيَةَ الرَّجْمِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى اِذَآ اَحْصَنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ اِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ اَوْ كَانَ الْحَبَلُ اَوِ الْاِعْتِرَافُ ثُمَّ اِنَّا كُنَّا نَقْرَأُ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ اَنْ لَّا تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِكُمْ فَاِنَّهُ كُفْرٌ بِكُمْ اَنْ تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِكُمْ اِلَّا ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا اُطْرِيَ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ وَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ[3]

---

[1] ازالۃ الخفاء۔ ۱۲

[2] ازالۃ الخفاء۔ ۱۲

[3] رواہ البخاری عن ابن عباسؓ۔ ۱۲

خطبہ سید نا عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَحْمَدُهٗ وَ اَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْأَلُهُ الْكَرَامَةَ فِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَاِنَّهٗ قَدْ دَنَا اَجَلِيْ وَاَجَلُكُمْ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّسَرَاجًا مُّنِيْرًا، لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقُّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا[1] اِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَبِحَمْدِهٖ قَدِ اسْتَوْجَبَ عَلَيْكُمُ الشُّكْرَ وَاتَّخَذَ عَلَيْكُمُ الشُّكْرَ وَاتَّخَذَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فِيْمَا اٰتٰكُمْ مِّنْ كَرَامَةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ مِّنْكُمْ وَلَا رُغْبَةٍ مِنْكُمْ فِيْهِ اِلَيْهِ فَخَلَقَكُمْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَلَمْ تَكُوْنُوْا شَيْئًا لِّنَفْسِهٖ وَعِبَادَتِهٖ قَدْ كَانَ قَادِرًا عَلٰٓى اَنْ يَّجْعَلَكُمْ لِاَهْوَنِ خَلْقِهٖ عَلَيْهِ فَجَعَلَ لَكُمْ عَآمَّةَ خَلْقِهٖ وَلَمْ يَجْعَلْكُمْ لِشَيْءٍ غَيْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً وَحَمَلَكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ثُمَّ جَعَلَ لَكُمْ سَمْعًا وَبَصَرًا وَمِنْ نِعَمِ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ نِعَمٌ عَمَّ بِهَا بَنِيْ اٰدَمَ وَمِنْهَا نِعَمٌ اخْتَصَّ بِهَا اَهْلُ دِيْنِكُمْ ثُمَّ صَارَتْ تِلْكَ النِّعَمُ خَوَآصُّهَا فِيْ دَوْلَتِكُمْ وَطَبْقَتِكُمْ وَلَيْسَ مِنْ تِلْكَ النِّعَمِ نِعْمَةٍ وَصَلَتْ اِلٰى امْرِءٍ خَاصَّةً اِلَّا لَوْقَسَمْتُمْ مَا وَصَلَ اِلَيْهِ مِنْهَا بَيْنَ النَّاسِ كُلِّهِمْ اَتْعَبَهُمْ شُكْرَهَا وَقَدْ حُكِّمَ حَقُّهَا اِلَّا بِعَوْنِ اللّٰهِ مَعَ الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاَنْتُمْ مُّسْتَخْلَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ قَاهِرُوْنَ

[1] فيه ما مرّسابقاً. ۱۲

لِاَهْلِهَا قَدْ نَصَرَ اللّٰهُ دِيْنَكُمْ فَلَمْ تُصْبِحْ اُمَّةٌ مُخَالِفَةٌ لِدِيْنِكُمْ اِلَّا اُمَّتَانِ اُمَّةٌ مُسْتَعْبَدَةٌ لِلْاِسْلَامِ وَاَهْلِهٖ يَتَحَرَّوْنَ لَكُمْ يَسْتَضْعِفُوْنَ مَعَايِشَهُمْ وَكَدَائِحَهُمْ وَرَشْحَ جِبَاهِهِمْ عَلَيْهِمُ الْمَؤُنَةُ وَلَكُمُ الْمَنْفَعَةُ وَاُمَّةٌ يَّنْتَظِرُوْنَ وَقَائِعَ اللّٰهِ وَسَطَوَاتِهٖ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ قَدْ مَلَأَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ رُعْبًا فَلَيْسَ لَهُمْ مَّعْقِلٌ يَّلْجَأُوْنَ اِلَيْهِ وَلَامَهْرَبٌ يَّتَّقُوْنَ بِهٖ وَهَمَتْهُمْ جُنُوْدُ اللّٰهِ وَنَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ مَّعَ رِفَاعَةِ الْعَيْشِ وَاسْتِفَاضَةِ الْمَالِ وَتَتَابُعِ الْبُعُوْثِ وَسَيِّدِ الثُّغُوْرِ بِاِذْنِ اللّٰهِ فِي الْعَاقِبَةِ الْجَلِيْلَةِ الْعَامَّةِ الَّتِيْ لَمْ تَكُنِ الْاُمَّةُ عَلٰى اَحْسَنِ مِنْهَا مُنْذُ كَانَ الْاِسْلَامُ وَاللّٰهِ الْمَحْمُوْدِ مَعَ الْفُتُوْحِ الْعِظَامِ فِيْ كُلِّ بَلَدٍ فَمَا عَسٰى اَنْ يَّبْلُغَ شُكْرَ الشَّاكِرِيْنَ وَذِكْرُ الذَّاكِرِيْنَ وَاجْتِهَادُ الْمُجْتَهِدِيْنَ مَعَ هٰذِهِ النِّعَمِ الَّتِيْ لَا تَعُدُّ وَلَا يُحْصِيْ عَدَدُهَا وَلَا يَقْدِرُ قَدْرُهَا وَلَا يُسْتَطَاعُ اَدَاءُ حَقِّهَا اِلَّا بِعَوْنِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ وَلُطْفِهٖ فَنَسْأَلُ اللّٰهَ الَّذِيْ اَبْلَانَا هٰذَا اَنْ يَّرْزُقَنَا الْعَمَلَ لِطَاعَتِهٖ وَالْمُسَارَعَةَ اِلٰى مَرْضَاتِهٖ وَاذْكُرُوْا عِبَادَاللّٰهِ بَلَاءَ اللّٰهِ عِنْدَكُمْ وَاسْتَتِمُّوْا نِعَمَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَفِيْ مَجَالِسِكُمْ مَثْنٰى وَفُرَادٰى فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَالَ لِمُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيَّامِ اللّٰهِ وَقَالَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَلَوْ كُنْتُمْ اِذْ اَنْتُمْ مُسْتَضْعَفِيْنَ مَحْرُوْمِيْنَ خَيْرَ الدُّنْيَا عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنَ الْحَقِّ تُؤْمِنُوْنَ بِهَا وَتَسْتَرِيْحُوْنَ اِلَيْهَا مَعَ الْمَعْرِفَةِ بِاللّٰهِ وَبِدِيْنِهٖ وَتَرْجُوْنَ الْخَيْرَ فِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ اَشَدَّ النَّاسِ عِيْشَةً وَاَعْظَمَ النَّاسِ بِاللّٰهِ جَهَالَةً فَلَوْ كَانَ هٰذَا الَّذِيْ اسْتِسْلَامُكُمْ بِهٖ لَمْ يَكُنْ مَعَهٗ حَظٌّ فِيْ دُنْيَاكُمْ غَيْرَ اَنَّهٗ ثِقَةٌ لَّكُمْ فِيْ اٰخِرَتِكُمْ

الَّتِیْ اِلَیْهَا الْمَعَادُ وَالْمُنْقَلَبُ وَاَنْتُمْ مِنْ جُهْدِ الْمَعِیْشَةِ عَلٰی مَا کُنْتُمْ عَلَیْهِ اَجْرِیَآءُ وَاِنْ تَشْحُوا عَلَی اللّٰهِ تُصِبْکُمْ مَنْهُ غَرْبَلَةٌ اَمَآ اِنَّهُ قَدْ جَمَعَ لَکُمْ فَضِیْلَةُ الدُّنْیَا وَکَرَامَةُ الْاٰخِرَةِ اَوْلِمَنْ شَآءَ اَنْ یَّجْمَعَ لَهُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَاذْکُرُکُمُ اللّٰهَ الْحَآئِلَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ قُلُوْبِکُمْ اَلَامَا عَرَفْتُمْ حَقَّ اللّٰهِ فَعَمِلْتُمْ لَهُ وَیَسَّرْتُمْ اَنْفُسَکُمْ عَلٰی طَاعَتِهٖ وَجَمَعْتُمْ مَّعَ السُّرُوْرِ بِالنِّعَمِ خَوْفًا لِّزَوَالِهَا وَاِنْتِقَالِهَا وَوَجَلًا مِّنْ تَحْوِیْلِهَا فَاِنَّهُ لَا شَیْءَ اَسْلَبُ لِنِعْمَةٍ مِّنْ کُفْرَانِهَا وَاِنَّ الشُّکْرَ اَمْنٌ لِّلْعِزِّ وَنَمَآءٌ لِّلنِّعْمَةِ وَاسْتِجْلَابٌ لِّلزِّیَادَةِ وَهٰذَا عَلَیَّ مَا فِیْ اَمْرِکُمْ وَنَهْیِکُمْ وَاجِبٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی[1]

خطبہ سیدنا عثمان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَحْمَدُهٗ وَاَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْاَلُهُ الْکَرَامَةَ فِیْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَاِنَّهٗ قَدْ دَنَا اَجَلِیْ وَاَجَلُکُمْ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّسِرَاجًا مُّنِیْرًا، لِیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا وَّیَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِهِمَا فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا[2] اِذَا قَامَ الْاِمَامُ یَخْطُبُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا فَاِنَّ لِلْمُنْصِتِ الَّذِیْ لَا یَسْمَعُ مِنَ الْحَظِّ مِثْلَ مَا لِلْمُنْصِتِ السَّامِعِ فَاِذَا قَامَتِ الصَّلٰوةُ فَاعْدِلُوا الصُّفُوْفَ حَاذُوْا بِالْمَنَاکِبِ فَاِنَّ اِعْتِدَالَ الصُّفُوْفِ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ[3]

---

[1] ازالۃ الخفاء۔ ۱۲
[2] من خطبۃ ابی بکر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ۔ ۱۲
[3] رواہ مالک۔ ۱۲

خطبہ سید نا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَحْمَدُهٗ وَ اَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْأَلُهُ الْكَرَامَةَ فِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَاِنَّهٗ قَدْ دَنَا اَجَلِيْ وَاَجَلُكُمْ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّسِرَاجًا مُّنِيْرًا، لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا[1] ظَهَرَ عَلَيْنَا اَبُوْطَالِبٍ وَاَنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نُصَلِّيْ بِبَطْنِ نَخْلَةٍ فَقَالَ مَاذَا تَصْنَعَانِ يَا ابْنَ اَخِيْ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْاِسْلَامِ فَقَالَ مَا بِالَّذِيْ تَصْنَعَانِ بَأْسٌ اَوْ بِالَّذِيْ تَقُوْلَانِ بَأْسٌ وَلٰكِنْ وَاللّٰهِ لَا تَعْلُوْنِيْ اِسْتِيْ اَبَدًا وَّضَحِكَ تَعَجُّبًا لِّقَوْلِ اَبِيْهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَا اَعْتَرِفُ اَنَّ عَبْدًا لَّكَ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ عَبَدَكَ قَبْلِيْ غَيْرَ نَبِيِّكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ لَقَدْ صَلَّيْتُ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ النَّاسُ سَبْعًا وَاللّٰهِ مَا عِنْدَنَا كِتَابٌ نَّقْرَئُوْهُ عَلَيْكُمْ اِلَّا كِتَابَ اللّٰهِ وَهٰذِهِ الصَّحِيْفَةُ مُعَلَّقَةٌ بِسَيْفِهٖ اَخَذْتُهَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا فَرَائِضُ الصَّدَقَةِ مُعَلَّقَةٌ بِسَيْفٍ وَحِلْيَتُهٗ حَدِيْدٌ اَوْقَالَ بَكَرَاتُهٗ حَدِيْدٌ اَیْ حِلَقُهٗ وَعَنْ وَهَبِ السَّوَآئِيِّ قَالَ خَطَبَنَا عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ وَمَا نَبْعُدُ اَنَّ السَّكِيْنَةَ تَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ[2]

---

[1] من خطبة ابی بکر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ. ۱۲

[2] مسند، ص : ۱۰۲. ۱۲

خطبه سید نا علی رضی اللہ تعالیٰ عنه

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَحْمَدُهٗ وَ اَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْأَلُهُ الْكَرَامَةَ فِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَاِنَّهٗ قَدْ دَنَا اَجْلِيْ وَاَجْلُكُمْ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّسِرَاجًامُّنِيْرًا، لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقُّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ وَمَن يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَافَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًا [1] يَاْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ عَضُوْضٌ يَّعَضُّ الْمُوْسِرُ عَلٰى مَافِيْ يَدَيْهِ قَالَ وَلَمْ يُؤْمَرْ بِذٰلِكَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ وَيَنْهَدُ الْاَشْرَارُ وَيَسْتَذِلُّ الْاَخْيَارُ وَيُبَايِعُ الْمُضْطَرُّوْنَ قَالَ وَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّيْنَ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ اَنْ تُدْرِكَ [2] وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَكْذِبُوْا عَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّكْذِبُ عَلَيَّ يَلِجُ النَّارَ [3] اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَقْطَعُ الصَّلٰوةَ اِلَّا الْحَدَثُ لَا اَسْتَحْيِيْكُمْ مِّمَّا لَايَسْتَحْيِيْ مِنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالْحَدَثُ اَنْ يَّفْسُوْا [4] اَوْ يَضْرُطْ يٰاَيُّهَاالنَّاسُ اَقِيْمُوْا عَلٰى اَرِقَّائِكُمُ الْحُدُوْدَ مَنْ اَحْصَنَ مِنْهُمْ وَلَمْ يُحْصِنْ فَاِنَّ اَمَةً لِّرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَنَتْ فَاَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

---

[1] مرسنده ۱۲۰

[2] مسند، ص: ۱۱۶ ۱۲۰

[3] مسند، ص: ۱۳۳ ۱۲۰

[4] مسند، ص: ۱۳۵ ۱۲۰

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اُقِيْمَ عَلَيْهَا الْحَدَّ فَاَتَيْتُهَا فَاِذَا هِيَ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِقَاسٍ فَخَشِيْتُ اِنْ اَنَا جَلَدْتُّهَا اَنْ تَمُوْتَ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ اَحْسَنْتَ[1]

خطبة سيدنا عمر بن عبدالعزيز رحمة اللّٰه عليه

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّآتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ مَن يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى، اَيُّهَا النَّاسُ اَصْلِحُوْا اَسْرَارَكُمْ تُصْلَحُ عَلَانِيَتُكُمْ وَاعْمَلُوْا لِاٰخِرَتِكُمْ تُكْفُوْا دُنْيَاكُمْ وَاعْمَلُوْا اَنَّ رَجُلًا لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اٰدَمَ اَبٌ حَيٌّ لِمَعْرِقٌ لَّهُ فِي الْمَوْتِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اِتَّقُوْا اللّٰهَ اَيُّهَا النَّاسُ وَاَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ فَاِنَّهُ اِنْكَانَ لَكُمْ رِزْقٌ فِيْ رَاْسِ جَبَلٍ اَوْحَضِيْضِ اَرْضٍ يَاْتِهٖ اِلَّا اَنَّ مَاسَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَاحِبَاهُ فَهُوَ دِيْنٌ وَنَنْتَهِيْ اِلَيْهِ وَمَاسَنَّ سِوَاهُمَا فَاِنَّا نُرْجِئُهُ يَاعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا، اِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ، وَاَنِيْبُوْا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهُ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ، وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ، أَن تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتَى عَلَى مَا فَرَّطتُ

[1] مسند، ص: ١٢.٦٥٦

فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ وَإِن كُنتُ لَمِنَ السَّاخِرِيْنَ،أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللّٰهَ هَدَانِيْ لَكُنتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ،أَوْ تَقُولَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِيْ كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ،بَلَى قَدْ جَاءَ تْكَ آيَاتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنتَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ ،وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوا عَلَى اللّٰهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ أَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ،وَيُنَجِّيْ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ،اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيْلٌ.[۱]

الخطبة الثانية لجميع الخطب من المؤلف

يعنى حضرت مولانا شاه محمد اشرف على صاحب عليه الرحمة

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَنزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَل لَّهُ عِوَجًا،قَيِّماً لِّيُنذِرَ بَأْساً شَدِيْداً مِن لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْراً حَسَناً، مَاكِثِيْنَ فِيْهِ أَبَدا،وَيُنذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدا، مَّا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبا .إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيْماً مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِيْ التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِيْ الْإِنجِيْلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ

---

[۱] تاريخ الخلفاء. ۱۲

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيْماً وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً، إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْراً . رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُونَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوبِنَا غِلّاً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيْمٌ ، يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيْلاً،[1] إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ فَاذْكُرُونِيْ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِيْ وَلَا تَكْفُرُونِ .

---

[1] كان بنو امية يسبون على بن طالب فى الخطبة فلما ولى عمر بن عبدالعزيز ابطله وكتب الى نوابه بابطال قرأ مكانه ان الله يأمر الأية فاستمرت قرأتها الى الان. تاريخ الخلفاء. ١٢

خطبة جمعة

تالیف مولانا شاہ ولی اللّٰہ صاحب محدث دھلوی رحمة اللّٰہ علیه

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَقَدْ اَتٰی حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئاً مَّذْکُوراً[1] فَسَوّٰهُ وَعَدَّلَهٗ وَعَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ فَضَّلَهٗ وَجَعَلَهٗ سَمِیْعًا بَصِیْرًا، ثُمَّ هَدَاهُ السَّبِیْلَ وَنَصَبَ لَهُ الدَّلِیْلَ اِمَّا شَاکِراً وَاِمَّا کَفُوراً، اَمَّا الْکَافِرُوْنَ فَاَعْتَدْنَا لَهُمْ سَلَاسِلَ وَاَغْلَالاً وَّسَعِیْراً. یُعَذَّبُوْنَ بِاَصْنَافِ الْعَذَابِ یُنَادَوْنَ وَیْلاً وَیَدْعُوْنَ ثُبُوْرًا[2] وَاَمَّا الشَّاکِرُوْنَ فَنَعَّمَهُمْ وَکَرَّمَهُمْ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا. اِنَّ هٰذَا کَانَ لَکُمْ جَزَاءً وَکَانَ سَعْیُکُمْ مَّشْکُوراً، فَسُبْحَانَ مَنْ بِیَدِهٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ لَّمْ یَزَلْ وَلَا یَزَالُ عَلِیْمًا قَدِیْرًا. وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ بَعَثَهٗ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا. وَاٰتَاهُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ[3] وَمَنَابِعَ الْحِکَمِ[4] وَوَعَدَهٗ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا[5] وَّجَعَلَهٗ سِرَاجًا مُّنِیْرًا

. . . .

[1] یعنی جب پیدا ہوا تھا تب اس کی کوئی فکر بھی نہیں کرتا تھا۔۱۲

[2] یعنی موت چاہیں گے اور موت ہرگز نہ آئیگی۔۱۲

[3] یعنی ایسی باتیں جو بولنے میں تھوڑی ہوں اور مطلب ان کا بہت ہو۔۱۲

[4] یعنی سب [illegible] کی اونچ نیچ سمجھ کر کام کرنا۔۱۲

[5] مقام محمود وہ ہے کہ قیامت کے دن سب لوگ کیا عام کیا خاص کیا نبی کیا ولی ڈر سے کچھ بول نہ سکیں گے تب ہمارے حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کو نہایت عاجزی سے راضی کر کے سفارش فرمائینگے تو اللہ تعالیٰ ہمارے رسول اللہ ﷺ کو مقام محمود عطا فرمائیگا اور آپ ﷺ وہاں کھڑے ہو کر سفارش کرینگے اور قبول ہوگی۔۱۲

اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّی اُوْصِیْکُمْ وَنَفْسِیْ اَوَّلاً بِتَقْوَی اللّٰهِ وَاُحَذِّرُکُمْ یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا. یَوْمَ تُبْلٰی کُلُّ نَفْسٍ وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَجِدُ نَصِیْرًا. یَوْمَئِذٍ یَّنْدَمُ الْاِنْسَانُ وَلَا یَنْفَعُهُ النَّدَمُ وَیَطْلُبُ الْعَوْدُ اِلَی الدُّنْیَا وَهَیْهَاتَ اَنْ یَّعُوْدَ وَیَخْرُجُ لَهٗ کِتَابٌ یَّلْقَاهُ مَنْشُوْرًا. یَا ابْنَ اٰدَمَ مَنْ اَصْبَحَ عَلَی الدُّنْیَا حَزِیْنًا لَمْ یَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا بُعْدًا وَفِی الدُّنْیَا اِلَّا کَدًّا وَفِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا جُهْدًا وَلَمْ یَزَلْ مَمْقُوْتًا مَهْجُوْرًا[1] یَاابْنَ اٰدَمَ تُرْزَقُ بِالرِّزْقِ فَاِنَّ الرِّزْقَ مَقْسُوْمٌ وَالْحَرِیْصَ مَحْرُوْمٌ وَالْاِسْتِقْصَاءَ شُوْمٌ وَالْاَجَلُ مَحْتُوْمٌ وَقَدْ فَازَ مَنْ لَّمْ یَحْمِلْ مِنَ الظُّلْمِ نَقِیْرًا. یَاابْنَ اٰدَمَ خَیْرُ الْحِکْمَةِ خَشْیَةُ اللّٰهِ. وَخَیْرُ الْغِنٰی غِنَی الْقَلْبِ. وَخَیْرُ الزَّادِ التَّقْوٰی. وَخَیْرُ مَا اُعْطِیْتُمُ الْعَافِیَةُ وَکَانَ رَبُّکَ قَدِیْرًا. وَخَیْرُ الْکَلَامِ کَلَامُ اللّٰهِ. وَاَحْسَنُ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا. لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ وَکَفٰی بِرَبِّکَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا **اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ.** مَّنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ یَصْلَاهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا، وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰی لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْکُوْرًا. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذُنُوْبَنَا وَامْحُ عُیُوْبَنَا وَاَدِّ دُیُوْنَنَا وَکُنْ لَّنَا مُعِیْنًا وَّظَهِیْرًا. وَاقْضِ حَاجَتَنَا وَاشْفِ عَاهَاتِنَا وَاسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَکَفٰی بِکَ مُجِیْبًا قَرِیْبًا عَلِیْمًا خَبِیْرًا.

---

[1] اللہ تعالیٰ کے غضب میں ۱۲۔

خطبة ثانية

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. **اَمَّا بَعْدُ** فَاِنِّيْ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالْمُوَاظَبَةِ عَلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ، اَلاخَيْرُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ وَاَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ، مَنْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ غَوٰى رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ، اَللّٰهُمَّ اَمْطِرْ شَآبِيْبَ رِضْوَانِكَ عَلَى السَّابِقِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ. وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ. خُصُوْصًا عَلَى الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِي الْغَارِ[1] رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ. وَعُمَرَ الْفَارُوْقِ قَامِعِ اَسَاسِ الْكُفَّارِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ. وَعُثْمَانَ ذِي النُّوْرَيْنِ[2]

[1] اس میں اشارہ ہے آیت ﴿ ثاني اثنين اذهما في الغار﴾ کی طرف۔۱۲

[2] حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب مبارک ذی النورین اس وجہ سے ہوا کہ حضرت ﷺ کی دو صاحبزادیاں آپؓ سے منسوب تھیں بلکہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری اور بیٹیاں ہوتیں تو پے در پے عثمان سے منسوب کرتا۔۱۲

كَامِلِ الْحَيَاءِ وَالْوَقَارِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ. وَعَلِيِّ الْمُرْتَضٰى اَسَدُ اللّٰهِ الْجَبَّارِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ. وَعَلٰى سَيِّدِى شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْإِمَامَيْنِ الْهُمَامَيْنِ اَبِىْ مُحَمَّدِ الْحَسَنِ وَاَبِىْ عَبْدِاللّٰهِ الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا. وَعَلٰى اُمِّهِمَا سَيِّدَةِ النِّسَآءِ فَاطِمَةَ الزُّهْرَآءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا. وَعَلٰى عَمَّيْهِ الْمُكَرَّمَيْنِ بَيْنَ النَّاسِ اَبِىْ عَمَّارَةَ الْحَمْزَةَ وَاَبِى الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ. اُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ، اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. اَللّٰهُمَّ اَيِّدِ الْإِسْلَامَ وَاَنْصَارَهُ وَاَذِلَّ الشِّرْكَ وَاَشْرَارَهُ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى وَاجْعَلْ اٰخِرَتَنَا خَيْرًا مِّنَ الْاُوْلٰى. اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ عِبَادَ اللّٰهِ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ اُذْكُرُوا اللّٰهَ الْعَلِيَّ الْعَظِيْمَ يَذْكُرْكُمْ وَادْعُوْهُ يَسْتَجِبْ لَكُمْ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَعْلٰى وَاَوْلٰى وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَهَمُّ وَاَعْظَمُ وَاَكْبَرُ.

خطبة جمعة

تاليف مولانا محمد اسمٰعيل شهيد دهلوى رحمه اللّٰه

بسم اللّٰه الرّحمٰن الرحيم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلِيِّ الذَّاتِ عَظِيْمِ الصِّفَاتِ سَمِيِّ السِّمَاتِ كَبِيْرِ الشَّانِ. جَلِيْلِ الْقَدْرِ، رَفِيْعِ الذِّكْرِ مُطَاعِ الْاَمْرِ جَلِيِّ الْبُرْهَانِ، فَخِيْمِ

الْاِسْمِ عَزِيْزِ الْعِلْمِ وَسِيْعِ الْحِلْمِ كَثِيْرِ الْغُفْرَانِ. جَمِيْلِ الثَّنَاءِ جَزِيْلِ الْعَطَاءِ مُجِيْبِ الدُّعَآءِ عَمِيْمِ الْاِحْسَانِ. سَرِيْعِ الْحِسَابِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ اَلِيْمِ الْعَذَابِ عَزِيْزِ السُّلْطَانِ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ فِي الْخَلْقِ وَالْاَمْرِ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهُ الْمَبْعُوْثُ اِلَى الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ[1] الْمَنْعُوْتُ بِشَرْحِ الصَّدْرِ وَرَفْعِ الذِّكْرِ[2] وَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَآءِ. وَخَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَآءِ **اَمَّا بَعْدُ** فَيَآ اَيُّهَا النَّاسُ وَحِّدُوا اللّٰهَ فَاِنَّ التَّوْحِيْدَ رَأْسُ الطَّاعَاتِ[3] وَاتَّقُوا اللّٰهَ فَاِنَّ التَّقْوٰى مَلَاكُ الْحَسَنَاتِ وَعَلَيْكُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنَّ السُّنَّةَ تَهْدِيْ اِلَى الْاِطَاعَةِ. وَمَنْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَاهْتَدٰى وَاِيَّاكُمْ وَالْبِدْعَةَ فَاِنَّ الْبِدْعَةَ تَهْدِيْ اِلَى الْمَعْصِيَّةِ. وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ وَغَوٰى. وَعَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يُنْجِيْ وَالْكِذْبَ يُهْلِكُ. وَعَلَيْكُمْ بِالْاِحْسَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ[4] وَلَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ. وَلَا تُحِبُّوا الدُّنْيَا فَتَكُوْنُوْا

---

[1] یعنی سب کی طرف بھیجے گئے ہیں خواہ سیاہ ہوں یا سرخ۔۱۲ (مولانا محمد رشید مرحوم)

[2] سینہ کے کھولنے میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے "الم نشرح لک صدرک" یعنی کیا ہم نے تمہارا سینہ نہیں کھولا اور بلندی ذکر سے مراد یہ ہے کہ اذان میں آں حضرت ﷺ کا نام خدائے تعالیٰ نے اپنے نام کیساتھ متصل کیا۔۱۲ (مولانا رشید مرحوم ومغفور).

[3] توحید کے معنی اللہ تعالیٰ کو یکتا ماننا اور اسکی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ماننا۔ جب توحید کے یہ معنی ہوئے تو سب طاعات سے بڑھ کر توحید ہوئی اسلئے کہ بدون توحید کے کوئی عمل صالح قبول نہیں ہوسکتا۔۱۲ (جعفر علی نگینوی)

[4] احسان کی بھی حدیث شریف میں بڑی فضیلت ہے اور احسان کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور سمجھا جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہوں۔ ورنہ اتنا خیال تو ضرور ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دیکھتا ہے۔۱۲.

مِنَ الْخَاسِرِيْنَ اَلَا وَاِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا فَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِى الطَّلَبِ وَتَوَكَّلُوْا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ. وَادْعُوْهُ فَاِنَّ رَبَّكُمْ مُجِيْبُ الدَّاعِيْنَ وَاسْتَغْفِرُوْهُ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُوْنِىْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِىْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ، بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِى الْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ. وَنَفَعَنَا وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِىْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.

خطبة ثانيه [1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ اَصْدَقَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ اَوْثَقُ الْعُرٰى كَلِمَةُ التَّقْوٰى وَخَيْرُ الْمِلَلِ مِلَّةُ اِبْرَاهِيْمَ وَ خَيْرُ السُّنَنِ سُنَّةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وعلى اله وَسَلَّمَ وَاَشْرَفُ الْحَدِيْثِ ذِكْرُ اللّٰهِ وَ اَحْسَنُ الْقَصَصِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ وَخَيْرُ الْاُمُوْرِ عَوَازِمُهَا وَ شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا [2] وَاَحْسَنُ الْهَدْىِ

[1] خطیب جب خطبہ اول ختم کرے تو اس قدر بیٹھے کہ جسمیں اسکے تمام اعضاء کو سکون ہو جاوے اور اس وقت میں بغیر ہاتھ اُٹھائے دعاء کرے اور اسکے بعد دوسرا خطبہ شروع کرے۔۱۲ (منہ)

[2] یعنی نئی رسمیں دین کی جن کی اصل کتاب اور سنت سے ثابت نہ ہو، انکا نکالنا اور اسی کا نام محدثات ہے۔۱۲

هَـدْيُ الْاَنْبِيَاءِ وَاَشْرَفُ الْمَوْتِ قَتْلُ الشُّهَدَاءِ وَاَعْمَى الْعَمَى الضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُـدٰى وَخَيْرُ الْعَمَلِ مَانَفَعَ[۱] وَخَيْرُ الْهُدٰى مَا اتُّبِعَ،وَمِنَ النَّاسِ مَنْ لَّا يَاْتِي بِالصَّلٰوةِ اِلَّادُبُرًا. وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يَذْكُرُ اللّٰهَ اِلَّاهُجْرًا. وَاَعْظَمُ الْخَطَايَا اَللِّسَانُ الْكَذُوْبُ. وَخَيْرُ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ .وَخَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى. وَخَيْرُ مَا اُلْقِيَ فِي الْقُلُوْبِ الْيَقِيْنُ.وَالْاِرْتِيَابُ مِنَ الْكُفْرِ وَالنِّيَاحَةُ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ وَالْغُلُوْلُ مِنْ جُثَاءِ جَهَنَّمَ. وَالْكَنْزُ كَيٌّ مِّنَ النَّارِ. وَالشِّعْرُ مِنْ مَّزَامِيْرِ اِبْلِيْسَ. وَالْخَمْرُ جُمَّاعُ الْاِثْمِ. وَالنِّسَآءُ حِبَالَةُ الشَّيْطٰنِ وَالشَّبَابُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْجُنُوْنِ. وَشَرُّ الْمَكَاسِبِ كَسْبُ الرِّبٰوا.وَشَرُّ الْمَآكِلِ مَالُ الْيَتِيْمِ وَالسَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهٖ[۲] وَالشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ فِي بَطْنِ اُمِّهٖ وَ اِنَّمَا يَصِيْرُ اَحَدُكُمْ اِلٰى مَوَاضِعِ اَرْبَعَةِ اَذْرُعٍ وَمِلَاكُ الْعَمَلِ خَوَاتِمُهٗ وَ سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ وَ قِتَالُهٗ كُفْرٌ وَ اَكْلُ لَحْمِهٖ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ[۳] وَ حُرْمَةُ مَالِهٖ كَحُرْمَةِ دَمِهٖ وَمَنْ يَتَاَلَ عَلَى اللّٰهِ يُكَذِّبْهُ وَ شَرُّ الرَّوَايَا رَوَايَا الْكِذْبِ وَمَنْ يَكْظِمِ الْغَيْظَ يَاْجُرْهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّصْبِرْ عَلَى الرَّزِيَّةِ يُعَوِّضْهُ اللّٰهُ[۴] وَمَنْ يَّسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَغْفِرْلَهٗ وَمَنْ يَسْتَعِفَّ يُعِفُّهُ اللّٰهُ ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

---

۱ دنیااورآخرت۔۱۲

۲ یعنی نصیحت قبول کرے دوسرے کا حال دیکھ کر۔۱۲

۳ مسلمان کے گوشت کھانے سے مراد ہے کہ اسکی برائی اسکے پیچھے بیان کرے۔۱۲

۴ کسی کام کواللہ تعالی کی مرضی پر چھوڑ دینے پر قسم کھا بیٹھنا کہ جو کچھ وہ کرے مجھ کو منظور ہے اور اپنی تدبیر کچھ نہ کرے، سو یہ بہت بھاری بات ہے۔ اسکا نباہ بہت مشکل ہے۔ اگر اللہ تعالی کی حکمت نے اس کام کو پورا نہ کیا تو اس وقت گھبرا کر اللہ رب العزت سے منکر ہو جانے کا خوف ہے۔ اللہ تعالی کے ساتھ گمان نیک باقی رہنا ایسے وقت میں دشوار ہے۔۱۲

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ وَاَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ عُمَرُ. وَاَحْیَاھُمْ عُثْمَانُ. وَاَقْضَاھُمْ عَلِیٌّ.وَسَیِّدُ شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ.وَسَیِّدَۃُ نِسَآءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَاطِمَۃُ وَسَیِّدُ الشُّھَدَآءِ حَمْزَۃُ. اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِہٖ مَغْفِرَۃً ظَاھِرَۃً وَبَاطِنَۃً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا. اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ مِنْ بَعْدِیْ غَرَضًا [۱] مَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُم [۲] وَخَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ [۳] وَالسُّلْطَانُ ظِلُّ اللّٰہِ مَنْ اَکْرَمَہٗ اَکْرَمَہُ اللّٰہُ.وَمَنْ اَھَانَہٗ اَھَانَہُ اللّٰہُ. اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ آمَنُوا رَبَّنَا اِنَّکَ رَؤُوْفٌ رَّحِیْمٌ، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ اَلْاَحْیَاءِ مِنْھُمْ وَالْاَمْوَاتِ، اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَاتَجْعَلْنَا مِنْھُمْ عِبَادَ اللّٰہِ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ اُذْکُرُوا اللّٰہَ یَذْکُرْکُمْ وَادْعُوْہُ یَسْتَجِبْ لَکُمْ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَعْلٰی وَاَوْلٰی وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَھَمُّ وَاَعْظَمُ وَاَکْبَرُ.

---

[۱] یعنی بعد میرے تم اس پر طعن کرو اور برائی اور عیب بینی نہ کرو۔۱۲

[۲] یعنی جو دوست ان کا ہے وہ میرا ہے اور جو دشمن انکا ہے وہ دشمن میرا ہے۔۱۲.

[۳] یعنی زمانہ بہتر میرا، پھر میرے اصحاب کا، پھر تابعین کا پھر تبع تابعین کا۔۱۲

خطبة جمعة

تاليف حضرت مولانا وشيخنا

سيد حسين احمد صاحب مدني عليه الرحمة

اَلْحَمْدُلِلّٰه الَّذِیْ هدانا لخَيْرِ الْاَدْيَانِ وَما كُنَّا لنَهْتَدِیَ لَوْ لا أنْ هَدانا اللّٰهُ، وَاَكْمَلَ لنا دِيْننا واتمَّ عَلَيْنا نِعْمَتَهٗ وَرضِیَ لنا الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَلا نَعْبُدُ وَلَانَسْتَعِيْنُ اِلَّا اِيَّاهُ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِ اَهْلِ الْاِيْمَان فاَصْبَحُوْا بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا وَحَثَّهُمْ عَلٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا كَاَعْضَآءِ جَسَدٍ وَّاحِدٍ اَنْصَاراً وَاَخْدَانًا. نَهَاهُمْ عَنْ مُّوَالَاةِ اَعْدَآئِه اَعْداءِ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ. وَاَوْعدهُمْ بِمَسِّ النَّارِ وَالْخُذْلَانِ عَلی الرُّكُوْنِ اِلَی الظّٰلِمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى شَمْسِ الْهِدَايَةِ وَالْيَقِيْنِ. اَلْمُمَيِّزِبَيْنَ الطَّيِّبِ وَالْخَبِيْثِ الْمُهِيْنِ. اَلْمَامُوْرُ بِالْغِلْظَةِ وَالْجِهَادِ عَلَى الْكُفَّارِ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاِعْدَادِ الْمُسْتَطَاعِ مِنَ الْقُوَّةِ الْمُرْهِبَةِ قُلُوْبَ اَعْدَاءِ اللّٰهِ الْمَخْذُوْلِيْنَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ مُنْقِذًا لِّلْخَلَائِقِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ ذِی الْقُوَّةِ الْمَتِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ، اَلْاَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ الرُّحَمَاءُ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِتْبَاعِهٖ وَتَابِعِيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَلْحُمَاةِ بَيْضَةِ الْاِسْلَامِ والدِّيْنِ الْمُبِيْنِ. **اَمَّا بَعْدُ** فَيَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِلَامَ هٰذا التَّنَاعُمَرُ الْفَظِيْعُ وَلَمْ يَزَلِ الْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ يُنَبِّهُكُمْ وَاِلَامَ هٰذَا التَّنَاوُمُ الشَّنِيْعُ وَلَمْ يَبْرَحِ الدَّهْرُ الْيَقْظَانُ يُوْقِظُكُمْ. اَمَا بَانَ لَكُمْ اَنَّ الْاُمَمَ قَدْ تَدَاعَتْ عَلَيْكُمْ تَدَاعِیَ الْاَكِلَةِ عَلَى الْقَصْعَةِ وَاجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ تَبْلَعَ الْمُسْلِمِيْنَ وَبِلَادَهُمْ فَتَمْضَغَهَا مُضْغَةً حَتَّامَ تَخْشَوْنَ النَّاسَ وَاللّٰهُ

اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ وَحَتَّامَ تَتَوَلَّوْنَ الْاَعْدَآءَ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَقُّ اَنْ تَوَلَّوْهُ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْاَمَدُ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ فَقَسَتْ قُلُوْبُكُمْ اَمْ زَالَ عَنْكُمُ الْخُشُوْعُ لِذِكْرِ اللّٰهِ فَتَحَجَّرَتْ اَفْكَارُكُمْ وَعُقُوْلُكُمْ اَلَا تَرَوْنَ اَنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ عَنْ مَخَافَةِ اللّٰهِ. وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ اَوْيَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، اَفَحَسِبْتُمْ وَأَن تُتْرَكُوْا اَنْ تَقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَاَنْتُمْ لَا تُفْتَنُوْنَ. أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِن قَبْلُ وَتُبْتَلُوْا بِمِثْلِ مَا كَانُوْا يُبْتَلُوْنَ فَوَاللّٰهِ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِيْنَ، وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِيْنَ، وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَيَعْلَمَنَّ الصَّابِرِيْنَ، فَقَدْ وَرَدَ فِي الْخَبَرِ عَنِ النَّبِيِّ الصَّادِقِ الْاَبَرِّ. صَاحِبِ الْقَبْرِ الْاَعْظَمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ سَيَكُوْنُ بَعْدِيْ اُمَرَآءُ فَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَاَعَانَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُ وَلَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَى الْحَوْضِ وَمَنْ لَّمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَهُوَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَارِدٌ عَلَى الْحَوْضِ. وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا. وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ الْعَظِيْمِ بَشِّرِ الْمُنَافِقِيْنَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَاباً أَلِيماً، الَّذِيْنَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِيْنَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِيْنَ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعاً، بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنَا وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ.

الخطبة الثانية

الْحمدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ انْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فلا ھادِیَ لہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ الٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لا شَرِیْکَ لَہٗ وَنشْھَدُ انَّ سیدنا ومولانامُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ فَیَآ اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوا اللّٰہَ تعالٰی فِی السِّرِّ وَالْعَلَنِ وَذرُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَابَطَنَ وَحَافِظُوْا عَلَی الْجُمَعِ وَالْجَماعَةِ وَ وَطِنُوْآ اَنْفُسَکُمْ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ. وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ اَمَرَکُمْ بِاَمْرٍ بَدَأَ فِیْہِ بِنَفْسِہٖ ثُمَّ ثَنّٰی بِمَلٰئِکَةِ قُدْسِہٖ. ثُمَّ ثَلَّثَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ بَرِیَّةِ جِنِّہٖ وَاِنْسِہٖ. فَقَالَ وَلَمْ یَزَلْ قَائِلاً کَرِیْمًا. تَبْجِیْلاً لِقَدْرِ حَبِیْبِہٖ وَتَشْرِیْفًاوَتَعْظِیْمًا. اِنَّ اللّٰہَ وَمَلاَئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیْما،وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ وَھُوَفِیْ قَبْرِہٖ حَیٌّ، اَلْبَخِیْلُ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ وَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ. وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ وَکَفٰی بِہٖ ابْتِھَاجًا وَّفَخْرًا مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا. اَللّٰھُمَّ فَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی اَحَبِّ خَلْقِکَ اِلَیْکَ وَاَکْرِمُھُمْ لَدَیْکَ سَیِّدِنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَتَابِعِیْہِ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی یَاکَرِیْمُ. وَارْضَ اَللّٰھُمَّ عَنْ صَدِّیْقِ نَبِیِّکَ وَ صَدِیْقِہٖ وَاَنِیْسِہٖ فِی الْغَارِ وَرَفِیْقِہٖ. مَنْ قَالَ فِیْ حَقِّہٖ سَیِّدُمَنْ جَآءَ مِنْکَ بِالنَّھْیِ وَالْاَمْرِ وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلاً غَیْرَ رَبِّیْ لاَ تَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ رَضِیَ

اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَارْضَ اَللّٰھُمَّ عَنِ النَّاطِقِ بِالصِّدْقِ وَالصَّوَابِ. اَلْفَارِقُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ اَلْاَوَّاہِ الْاَوَّابِ، مَنْ قَالَ فِیْ حَقِّہٖ سَیِّدُ الْجِنِّ وَالْبَشَرِ، لَوْکَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَارْضَ اَللّٰھُمَّ عَنْ کَامِلِ الْحَیَاءِ وَالْاِیْمَانِ مُحْیِی اللَّیَالِیَ قِیَامًا وَّدَرَاسَۃً وَّجَمْعًا لِّلْقُرْآنِ مَنْ قَالَ فِیْ حَقِّہٖ اَکْمَلُ الْخَلَائِقِ وَسَیِّدُ وُلْدِ عَدْنَانَ. لِکُلِّ نَبِیٍّ رَفِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَرَفِیْقِیْ فِیْھَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَارْضَ، اَللّٰھُمَّ عَنْ مَرْکَزِ الْوَلَایَۃِ وَالْقَضَاءِ وَبَابِ مَدِیْنَۃِ الْعِلْمِ وَالْبَھَآءِ لَیْثُ بَنِیْ غَالِبِ اِمَامِ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ، مَنْ قَالَ فِیْ حَقِّہٖ النَّبِیُّ الْاَوَّاہُ. مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَارْضَ، اَللّٰھُمَّ عَنِ السَّیِّدَیْنِ الشَّھِیْدَیْنِ الْقَمَرَیْنِ الْمُنِیْرَیْنِ رَیْحَانَتَیْ سَیِّدِ الْکَوْنَیْنِ، مَنْ قَالَ فِیْ حَقِّھِمَا مُنِیْرُ فِضَاءِ الدَّارَیْنِ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا، وَارْضَ اَللّٰھُمَّ عَنْ اُمِّھِمَا الْبَتُوْلِ الزَّھْرَآءِ بِضْعَۃِ جَسَدِ النَّبِیِّ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَلْعَزِیْزَۃِ الْغَرَّآءِ مَنْ قَالَ فِیْ حَقِّھَا مُنْقِذُ الْخَلَائِقِ عَنِ النَّارِ الْحَاطِمَۃِ سَیِّدَۃُ نِسَآءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَاطِمَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا، وَارْضَ اَللّٰھُمَّ عَنْ عَمَّیْ نَبِیِّکَ الْمَخْصُوْصَیْنِ بِالْکَمَالَاتِ بَیْنَ النَّاسِ اَبِیْ عُمَارَۃَ الْحَمْزَۃِ وَاَبِی الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا، وَارْضَ اَللّٰھُمَّ عَنِ السِّتَّۃِ الْبَاقِیَۃِ مِنَ الْعَشَرَۃِ الْمُبَشَّرَۃِ بِالْجَنَّۃِ الْکِرَامِ وَعَنْ سَائِرِ الْبَدْرِیِّیْنَ وَ اَصْحَابِ بَیْعَۃِ الرِّضْوَانِ اللُّیُوْثِ الْعِظَامِ. وَعَنْ سَائِرِ الْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرِیْنَ مِنَ الصَّحَابَۃِ وَالتَّابِعِیْنَ، وَاَتْبَاعِھِمْ وَتَابِعِیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ

الدِّيْنِ . اَللّٰهُمَّ لاتَجْعَلْ لِاَحَدٍ مِّنْهُمْ فِيْ عُنُقِنَا ظَلامَةً وَنَجِّنَا بِحُبِّهِمْ عَنْ اَهْوَالِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَاجْعَلْهُمْ شُفَعَآءَ لَنَا وَمُشَفَّعِيْنَ بَيْنَ يَدَيْكَ يَوْمَ الْمَحْشَرِ اَللّٰهُمَّ يَامَنْ اَمْرَهُ بَيْنَ الْكَافِ وَالنُّوْنِ، وَمَنْ اَرَادَ شَيْئًاقَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ، نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِجَاهِ نَبِيِّكَ الْاَمِيْنِ الْمَاْمُوْنِ اَنْ تَنْصُرَ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ. وَتُنْجِزُ الْوَعْدَوَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَوَفِّقْ وَلَاةَ الْاِسْلَامِ وَسَلَاطِيْنِهِمْ لِمَا تُحِبُّهُ وَتَرْضَاهُ. وَاعْصِمْهُمْ عَنِ الضَّلَالِ وَالْغَيِّ وَالْمَيْلِ اِلَى الشَّيْطٰنِ وَمَا يَهْوَاهُ. اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ الدِّيْنَ الْقَوِيْمَ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ الْمُسْلِمِيْنَ وَلاَ تَجْعَلْنَا مَعَهُمْ وَاغْفِرْ اَللّٰهُمَّ جَمِيْعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَاتِ، اِنَّكَ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ مُجِيْبُ الدَّعْوَاتِ يَارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ،رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ،رَبَّنَا لاَتُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ،وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنتَ مَوْلاَنَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ، عِبَادَ اللّٰهِ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ اُذْكُرُوا اللّٰهَ الْعَلِيَّ الْعَظِيْمَ يَذْكُرْكُمْ وَادْعُوْهُ يَسْتَجِبْ لَكُمْ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَعْلٰى وَاَوْلٰى وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَهَمُّ وَاَعْظَمُ وَاَكْبَرُ.

خطبة جمعة

اَلْحَمْدُلِلّٰه، اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِىْ لَايُرْجٰى لِكَشْفِ الشَّدَائِدِ اِلَّاهُوَ وَلَا يُدْعٰى لِرَفْعِ الْمَكَائِدِ اِلَّاهُوَ، وَمَا مُرَادُ الْعَاشِقِيْنَ فِي الدَّارَيْنِ اِلَّا هُوَ. وَمَا مَطْلُوْبُ الْوَاصِلِيْنَ فِي الْكَوْنَيْنِ اِلَّاهُوَ. اَلْمَخْلُوْقُ كُلُّهُمْ ضُعَفَاءُ، لَاقَوِىَّ اِلَّا هُوَ، وَالنَّاسُ كُلُّهُمْ فُقَرَاءُ لَاغَنِىَّ اِلَّاهُوَ، لَا وَاجِدَ وَلَامَاجِدَ اِلَّاهُوَ، لَاحَافِظَ وَلَانَاصِرَ اِلَّاهُوَ، غَافِرِ الذَّنبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، وَمَنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ اِلَّا هُوَ، وَمَنْ يَّعْلَمُ الْجَهْرَ وَالسِّرَّ اِلَّاهُوَ، مُوْسٰى عَلَى الطُّوْرِ حِيْنَ نَادَاهُ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّا هُوَ، يُوْنُسُ فِىْ بَطْنِ الْحُوْتِ حِيْنَ نَادَاهُ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّا هُوَ، يُوْسُفُ فِىْ قَعْرِ الْبِيْرِ حِيْنَ نَادَاهُ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّاهُوَ، اِبْرَاهِيْمُ فِىْ نَارِ الْحَرِيْقِ حِيْنَ نَادَاهُ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّاهُوَ، وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَهُوَ الْحَىُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، وَنَشْهَدُ اَنَّ ان سيدنا ومولنا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اِعْلَمُوْا اَنَّ الدُّنْيَادَائِرَةٌ وَلَذَّتُهَا فَانِيَةٌ وَطَاعَتُهَابَاقِيَةٌ وَحَاصِلُهَا فَوْتٌ وَآخِرُهَا مَوْتٌ. اِخْوَانِىْ بَدَنٌ ضَعِيْفٌ ضَعِيْفٌ، وَسَفَرٌ طَوِيْلٌ طَوِيْلٌ وَ زَادٌ قَلِيْلٌ قَلِيْلٌ، وَبَحْرٌ عَمِيْقٌ عَمِيْقٌ، وَالنَّارُ حَرِيْقٌ حَرِيْقٌ، وَالصِّرَاطُ دَقِيْقٌ دَقِيْقٌ، وَالْمِيْزَانُ عَدِيْلٌ عَدِيْلٌ، وَالْقِيَامَةُ قَرِيْبٌ قَرِيْبٌ وَالْحَاكِمُ رَبٌّ جَلِيْلٌ جَلِيْلٌ وَالْمُنَادِىْ جِبْرِيْلٌ وَيَقُوْلُ الْجَنَّةُ وَعْدِىْ وَعْدِىْ وَيَقُوْلُ النَّارُ عَهْدِىْ عَهْدِىْ وَيَقُوْلُ الْكَعْبَةُ زَوَّارِىْ زَوَّارِىْ وَيَقُوْلُ

اٰدَمُ صَفِیُّ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَارَبِّ نَفْسِیْ یَا رَبِّ نَفْسِیْ وَیَقُوْلُ نُوْحُ نَجِیُّ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَارَبِّ نَفْسِیْ یَا رَبِّ نَفْسِیْ وَیَقُوْلُ اِبْرَاھِیْمُ خَلِیْلُ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَارَبِّ نَفْسِیْ یَا رَبِّ نَفْسِیْ وَیَقُوْلُ اِسْمٰعِیْلُ ذَبِیْحُ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَارَبِّ نَفْسِیْ یَا رَبِّ نَفْسِیْ وَیَقُوْلُ دَاوٗدُ خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَارَبِّ نَفْسِیْ یَا رَبِّ نَفْسِیْ وَیَقُوْلُ سُلَیْمَانُ صَاحِبُ الْمُمْلَکَتِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَارَبِّ نَفْسِیْ یَا رَبِّ نَفْسِیْ وَیَقُوْلُ یُوْسُفُ صَدِّیْقُ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَارَبِّ نَفْسِیْ یَا رَبِّ نَفْسِیْ وَیَقُوْلُ مُوْسٰی کَلِیْمُ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَارَبِّ نَفْسِیْ یَا رَبِّ نَفْسِیْ وَیَقُوْلُ عِیْسٰی رُوْحُ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَارَبِّ نَفْسِیْ یَا رَبِّ نَفْسِیْ وَیَقُوْلُ رَسُوْلُنَا وَنَبِیُّنَا وَھَادِیْنَا وَشَفِیْعُنَا وَسَیِّدُنَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَارَبِّ اُمَّتِیْ یَارَبِّ اُمَّتِیْ وَیَقُوْلُ الْجَلِیْلُ الْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ عَمَّ نَوَالُہٗ حَبِیْبِیْ یَا عِبَادِ لَاخَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ، بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ. وَنَفَعَنَا وَاِیَّاکُمْ بِالْاٰیَاتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ. اِنَّہٗ تَعَالٰی جَوَّادٌ کَرِیْمٌ مَلِکٌ بَرٌّ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ.

خطبۃ[1] عید الفطر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ

[1] خطبہ عیدین ماثورہ نہیں پایا گیا، اسلئے احادیث جمع کردیں تا کہ مجموعہ ناقص نہ رہے۔۱۲

وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَاِنَّهٗ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا[۱] اَللّٰهُ اَكْبَرُ[۲] اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ تَمَرَاتٍ وَيَاْكُلُهُنَّ وِتْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى اِلَى الْمُصَلّٰى فَاَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَاُ بِهِ الصَّلٰوةُ. ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰى صُفُوْفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيُوْصِيْهِمْ وَيَاْمُرُهُمْ وَاِنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَّقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهٗ اَوْيَاْمُرُ بِشَيْءٍ اَمَرَ بِهٖ ثُمَّ يَنْصَرِفُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، عَنْ اِبْنِ عُمَرَؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلٰوةَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَبَدَاَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَامَ مُتَكِّئًا عَلٰى بِلَالٍ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ وَحَثَّهُمْ عَلٰى

---

[۱] ابوداؤد۔۱۲

[۲] كان النبی ﷺ يكبر بين اضعاف الخطبة يكثر التكبير فی خطبة العيدين. (ابن ماجه) ۱۲

طَاعَتِهٖ وَمَضٰى اِلَى النِّسَاءِ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَاَمَرَهُنَّ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىْ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ اَضْحٰى اَوْ فِطْرٍ اِلَى الْمُصَلّٰى فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّىْ اُرِيْتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ مَا رَاَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ اَذْهَبُ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدٰكُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ نِصْفُ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا قَالَ اَلَيْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَدِمَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَاهٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِى الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، عَنْ اِبْنِ عُمَرؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ اِلَى الْعِيْدِ مَاشِيًا وَ يَرْجِعُ مَاشِيًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَاخَرَجَ اِلَى الْعِيْدِ رَجَعَ فِىْ غَيْرِهٖ وَعَنْهُ اَنَّهٗ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فَصَلّٰى بِهِمُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِيْدِ فِى الْمَسْجِدِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ

اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، عَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا خَطَبَ یَعْتَمِدُ عَلٰی عَنْزَتِہٖ اِعْتِمَادًا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، عَنِ الْبَرَاءِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نُوْوِلَ یَوْمَ الْعِیْدِ قَوْسًا فَخَطَبَ عَلَیْہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، عَنْ اَبِی الْحُوَیْرِثِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی عَمْرِو ابْنِ حَزْمٍ وَھُوَ بِنَجْرَانَ عَجِّلِ الْاَضْحٰی وَاَخِّرِ الْفِطْرَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ اَشَھِدْتَّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْعِیْدَ قَالَ نَعَمْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ یَذْکُرْ اَذَانًا وَلَا اِقَامَۃً ثُمَّ اَتَی النِّسَاءَ فَوَعَظَھُنَّ وَذَکَّرَھُنَّ وَ اَمَرَھُنَّ بِالصَّدَقَۃِ فَرَاَیْتُھُنَّ یَھْوِیْنَ اِلٰی اٰذَانِھِنَّ وَحُلُوْقِھِنَّ یَدْفَعْنَ اِلٰی بِلَالٍ ثُمَّ ارْتَفَعَ ھُوَ وَبِلَالٌ اِلٰی بَیْتِہٖ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، قَالَ اَخْبَرَنِیْ جَابِرُ ابْنُ عَبْدِاللّٰہِ اَنْ لَّا اَذَانَ لِلصَّلٰوۃِ یَوْمَ الْفِطْرِ حِیْنَ یَخْرُجُ الْاِمَامُ وَلَا بَعْدَ مَا یَخْرُجُ وَلَا اِقَامَۃَ وَلَا نِدَاءَ وَلَا شَیْءٌ لَا نِدَآءَ یَوْمَئِذٍ وَلَا اِقَامَۃَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ عَلَی الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی وَالصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاَمَرَ بِھَا اَنْ تُؤَدّٰی قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَی الصَّلٰوۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ. عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکٰوۃَ

الْفِطْرِ طُهْرًا لِّلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِيْ فِجَاجِ مَكَّةَ اَلَا اِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى حُرٍّ اَوْ عَبْدٍ صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ اَوْ سِوَاهُ اَوْ صَاعٌ مِّنْ طَعَامٍ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ[1]

خطبة عيد الاضحٰى

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَاِنَّهٗ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا[2] اَللّٰهُ اَكْبَرُ[3] اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صلى لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَا يُطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَنَّ اَبَابَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِيْ اَيَّامِ مِنًى تُدَفِّقَانِ وَفِيْ رِوَايَةٍ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ

---

[1] كله عن المشكوة الاماروى عن ابن عمرؓ كان رسول الله عليه وسلم يخرج الى العيدين ما شيا الخ فهو عن ابن ماجه. ۱۲

[2] ابوداود۔۱۲

[3] كان النبى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يكبر بين اضعاف الخطبة يكثر التكبير فى خطبة العيدين. (ابن ماجه) ۱۲

الْاَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَغَشٍّ فَانْتَهَرَهُمَا اَبُوْبَكْرٍ فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ فَقَالَ دَعْهُمَا يَا اَبَابَكْرٍ فَاِنَّهَا اَيَّامُ عِيْدٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَآ اَبَابَكْرٍ اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْداً وَهٰذَا عِيْدُنَا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى اِلَى الْمُصَلّٰى فَاَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلٰوةُ. ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰى صُفُوْفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيُوْصِيْهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ وَاِنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَّقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهٗ اَوْيَأْمُرُ بِشَيْءٍ اَمَرَ بِهٖ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَضْحٰى اَوْ فِطْرٍ اِلَى الْمُصَلّٰى فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ يَآ مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّيْ اُرِيْتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ مَا رَاَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ اَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدٰكُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ نِصْفُ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا قَالَ اَلَيْسَ اِذَا

حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، عَنِ الْبَرَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُوْوِلَ يَوْمَ الْعِيْدِ قَوْسًا فَخَطَبَ عَلَيْهِ، عَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَطَبَ يَعْتَمِدُ عَلٰى عَنَزَتِهِ اعْتِمَادًا اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعُ فَنَنْحَرُ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ نُصَلِّيَ فَإِنَّمَا هُوَ شَاةُ لَحْمٍ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرٰى وَمَنْ لَّمْ يَذْبَحْ حَتّٰى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلٰى اسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى وَعَنْ أَبِي الْحُوَيْرِثِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى عَمْرِوبْنِ حَزْمٍ وَهُوَبِنَجْرَانَ عَجِّلِ الْاَضْحٰى وَاَخِّرِ الْفِطْرَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يَّعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذْعَةً مِنَ الضَّأْنِ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَمَسُّ مِنْ شَعْرِهٖ وَبَشَرِهٖ شَيْئًا وَفِيْ رِوَايَةٍ اِذَا رَاٰى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَاَرَادَ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَاْخُذْ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا مِنْ اَظْفَارِهٖ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّاُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، عَنْ اَنَسٍ قَالَ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ اَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهٖ وَسَمّٰى وَكَبَّرَ قَالَ رَاَيْتُهٗ وَاضِعًا قَدَمَهٗ عَلٰى صِفَاحِهِمَا وَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُّضَحِّيَ بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْاُذُنِ وَعَنْهُ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْاُذُنَ وَاَنْ لَّا نُضَحِّيَ بِمُقَابَلَةٍ وَلَا مُدَابِرَةٍ وَلَاشَرْقَاءَ وَلَاخَرْقَاءَ وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقٰى مِنَ الضَّحَايَا فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعَرْجَآءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا وَالْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا وَالْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَالْعَجْفَآءُ الَّتِيْ لَا تُنْقِيْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔[1]

﴿خطبہ ثانی (ص:۲۸ پر ملاحظہ ہو)﴾

خطبة النكاح عن النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا، يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ، يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا، يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔[2]

---

[1] كله من المشكوٰة ۱۲۰

[2] علامہ طحاوی نے حصن حصین سے نقل کیا ہے کہ یہ وہی خطبہ ہے جو نبی کریم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔ مشکوۃ میں یہ خطبہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے منقول ہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

یہ خطبہ نکاح بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَحْمُوْدِ بِنِعْمَتِهٖ، اَلْمَعْبُوْدِ بِقُدْرَتِهٖ، اَلْمُطَاعِ بِسُلْطَانِهٖ، اَلْمَرْهُوْبِ مِنْ عَذَابِهٖ وَسَوْطِهٖ، اَلنَّافِذِ اَمْرُهٗ فِیْ سَمَائِهٖ، وَاَرْضِهٖ الَّذِیْ خَلَقَ الْخَلْقَ بِقُدْرَتِهٖ، وَاَمَرَهُمْ بِاَحْکَامِهٖ وَاَعَزَّهُمْ بِدِیْنِهٖ، وَاَکْرَمَهُمْ بِنَبِیِّهٖ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی وَتَبَارَکَ اسْمُهٗ وَتَعَالَتْ عَظْمَتُهٗ جَعَلَ الْمُصَاهَرَةَ سَبَبًا لَّاحِقًا وَاَمْرًا مُّفْتَرِضًا اَوْشَجَ بِهِ الْاَرْحَامَ وَاَلْزَمَ الْاَنَامَ، فَقَالَ عَزَّ مِنْ قَائِلٍ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَکَانَ رَبُّکَ قَدِیْرًا. فَاَمْرُ اللّٰهِ یَجْرِیْ اِلٰی قَضَائِهٖ وَقَضَاءُهٗ یَجْرِیْ اِلٰی قَدَرِهٖ وَلِکُلِّ قَضَآءٍ قَدَرٌ وَلِکُلِّ قَدَرٍ اَجَلٌ وَلِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ یَّمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ عِنْدَهٗ اُمُّ الْکِتَابِ۔[1]

خطبة الاستسقاء

عن النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ

[1] یا یہ خطبہ پڑھا جائے جو حسب نقل مواہب لدنیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت پڑھا تھا۔۱۲ (رفعت قاسمی غفرلہٗ ماخوذ از علم الفقہ ج ۶)

وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَاِنَّهٗ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا[1] اِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِيْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ اِبَّانِ زَمَانِهٖ عَنْكُمْ وَقَدْ اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ لَكُمْ[2] اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ تَفْعَلُ مَا تُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَآءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَآ اَنْزَلْتَهٗ عَلَيْنَا قُوَّةً وَّبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ، اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا غَيْثًا مُّرِيْعًا طَبَقًا عَاجِلًا غَيْرَ رَآئِثٍ نَّافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ، اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَآئِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مُرِيْئًا نَّافِعًا غَيْرَ ضَآرٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَّافِعًا اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مُرِيْئًا غَدَقًا مُجَلِّلًا عَآمًّا طَبَقًا سَحًّآءً دَآئِمًا، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّ بِالْبِلَادِ وَالْعِبَادِ وَالْبَهَآئِمِ وَالْخَلْقِ مِنَ الْاَوَاءِ وَالْجُهْدِ وَالضَّنْكِ مَا لَا نَشْكُوْهُ اِلَّا اِلَيْكَ، اَللّٰهُمَّ اَنْبِتْ لَنَا الزَّرْعَ وَاَدِرَّ لَنَا الضَّرْعَ وَاَسْقِنَا مِنْ بَرَكَاتِ السَّمَاءِ وَاَنْبِتْ لَنَا مِنْ بَرَكَاتِ الْاَرْضِ. اَللّٰهُمَّ ارْفَعْ عَنَّا الْجُهْدَ وَالْجُوْعَ وَالْعُرْيَ وَاكْشِفْ عَنَّا مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَا يَكْشِفُهٗ غَيْرُكَ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ اِنَّكَ كُنْتَ غَفَّارًا فَاَرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْنَا مِدْرَارًا[3] اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْ عَلٰى اَرْضِنَا زِيْنَتَهَا وَسَكَنَهَا

---

[1] ابوداؤد ۱۲

[2] پہلے دو رکعت نماز جماعت سے پڑھے اور قرآت جہر سے پڑھے پھر خطبہ پڑھے اور دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ بھی کرے۔ پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگے اور امام قلب ردا کرے مقتدی قلب ردا نہ کریں اور وہاں کفار نہ جانے پائیں۔۱۲

[3] زاد المعاد۔۱۲

اَللّٰھُمَّ ضَاحَتْ جِبَالُنَا وَاغْبَرَّتْ اَرْضُنَا وَھَامَتْ دَوَآبُنَا مُعْطِیَ الْخَیْرَاتِ مِنْ اَمَاکِنِھَا وَمُنْزِلِ الرَّحْمَۃِ مِنْ مَّعَادِنِھَا وَمُجْرِیَ الْبَرَکَاتِ عَلٰی اَھْلِھَا بِالْغَیْثِ الْمُغِیْثِ اَنْتَ الْمُسْتَغْفِرُ الْغَفَّارُ فَنَسْتَغْفِرُکَ لِلْخَاصَّاتِ مِنْ ذُنُوْبِنَا وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ مِنْ عَوَامِّ خَطَایَانَا اَللّٰھُمَّ فَاَرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَیْنَا مِدْرَاراً وَاَوْصِلْ بِالْغَیْثِ وَاکْفِ مِنْ تَحْتِ عَرْشِکَ حَیْثُ یَنْفَعُنَا وَیَعُوْدُ عَلَیْنَا غَیْثًا عَامًّا طَبَقًا غَبَقاً مُّجَلَّلاً غَدَقًا خِصْبًا رَاتِعًا مُمْرِعَ النَّبَاتِ"

(حصن حصین۔۱۲)

﴿خطبہ ثانیہ، ص ۲۸ پر ملاحظہ ہو﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ کیا ہے؟

لفظ ''خطبہ''، 'خا' کے پیش سے مصدر ہے اس کا اطلاق اس کلام پر ہوتا ہے جس سے کسی کے ساتھ ہم کلام ہو اور عرف شرع میں اس کلام سے عبارت ہے جو ذکر، تشہد، درود اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہو۔

خطبہ نماز جمعہ شرط اور فرض ہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس کی ادنیٰ مقدار فرض اتنے الفاظ ہیں جو تسبیح و تحمید پر مشتمل ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فاسعوا الی ذکر اللّٰہ" کہ اس آیت میں مطلق ذکر فرمایا۔ لمبی مقدار کلام میں جیسے خطبہ کہا جائے اور مختصر کلام میں جیسے خطبہ نہ کہا جائے، کوئی فرق نہ کیا تو ثابت ہوا کہ مطلق ذکر شرط ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ سے خطبہ کے نام سے جو منقول و ماثور ہے اور جسے آپ ﷺ نے ہمیشہ پڑھا اور اسکا پڑھنا واجب ہے یا سنت ہے۔ صحت جمعہ کیلئے اس کا پڑھنا شرط نہیں کہ اس کے بغیر کوئی ذکر کفایت نہ کرے۔ البتہ صاحبینؒ یہ کہتے ہیں کہ خطبہ کیلئے ذکر طویل ہونا شرط ہے جسے خطبہ کہا جائے اور عرف میں صرف سبحان اللہ اور الحمد للہ کو خطبہ نہیں کہتے ہیں۔

(مظاہر حق جدید، ج ۲ ص ۲۶)

جمعہ کی نماز بھی بے شک فرض ہے مگر عام فرائض سے کچھ زیادہ اسمیں خصوصیت ہے اور یہ خطبہ عام خطبوں سے بڑھ کر ایک نئی شان رکھتا ہے جو امتیازی شان ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ ظہر کے چار فرض ہیں، جمعہ کے دو ہو جاتے ہیں، دو فرضوں کے قائم مقام یہ دو خطبے ہوتے ہیں جو امام دیتا ہے، اسی لیے ان خطبوں کے آداب عام خطبات سے زائد ہیں کہ امام کو دیکھو تو تلاوت قرآن مت کرو، عبادت بھی مت کرو، بڑی عبادت یہ ہے کہ خطبہ سنو اور امام کو دیکھو، گویا بمنزلہ نماز کے ہیں، یہ دو خطبے تو چار رکعتیں ہو جاتی ہیں اس شان سے کہ دو رکعتیں جمعہ کی اور دو رکعتیں قائم مقام ان دو خطبوں کے، اسلیے ان خطبوں کے آداب زیادہ رکھے گئے ہیں۔ (فضائل جمعۃ المبارک ص ۱۶)

شرائط خطبہ

واضح ہو کہ جمعہ کے دونوں خطبوں کیلئے چند شرائط ہیں۔

(۱) ایک تو خطبات نماز سے پہلے ہوں۔ لہذا اگر نماز کے بعد ہوئے تو ان کو خطبہ نہ قرار دیا جائے گا۔

(۲) دوسرے خطبہ کی نیت۔ چنانچہ حنفیہؒ اور حنابلہؒ کے نزدیک اگر خطبہ کی نیت کے بغیر پڑھا گیا تو اسکو اس نماز کا خطبہ شمار نہ کیا جائیگا۔

(۳) تیسرے یہ کہ خطبے عربی زبان میں ہوں۔

(۴) چوتھے یہ کہ دونوں خطبے وقت کے اندر ہوں۔ اگر خطبے پہلے پڑھ لئے گئے اور نماز وقت آنے پر ہوئی تو بالاتفاق نماز درست نہ ہوگی۔

(۵) پانچویں یہ کہ خطبہ کو خطیب اونچی آواز سے پڑھے تاکہ حاضرین سن سکیں۔ حنفیہؒ کے نزدیک خطبہ کا اونچی آواز سے ہونا شرط ہے تاکہ حاضرین اسکو سن سکیں بشرطیکہ سننے سے مانع کوئی امر نہ ہو۔ پس اگر کوئی امر مانع موجود ہو، مثلاً بہرہ پن یا خطیب سے بہت فاصلہ پر ہونا وغیرہ تو یہ شرط نہیں کہ وہ لوگ خطبہ کو سنیں، کیونکہ حنفیہؒ کے نزدیک صحت خطبہ کیلئے صرف **لاالہ الااللہ** یا **الحمد للہ** یا **سبحان اللہ** کہہ دینا کافی ہے اگر یہ الفاظ اونچی آواز سے کہہ دیئے گئے تو خطبہ ہو گیا، گو اس کو کسی نے نہ سنا ہو، لیکن ان ہی الفاظ پر اکتفا کرنا مکروہ ہے

اور بہر حال خطبہ سننے کیلئے کم سے کم ایسے ایک شخص کا موجود ہونا ضروری ہے جس سے جمعہ ہوسکتا ہے یعنی وہ شخص مرد اور بالغ و عاقل ہو، گو سفر یا مرض کے باعث معذور ہو۔

(کتاب الفقہ ص ۶۲۴ ج ا و ص ۶۲۶ ج ا)

خطبہ کا رکن

حنفیہؒ کے نزدیک خطبہ میں صرف ایک چیز رکن ہے، یعنی ذکر الٰہی مطلقاً کم ہو یا زیادہ، لہٰذا خطبہ کا فرض ادا ہونے کیلئے صرف ایک بار تحمید (الحمد للہ کہنا) یا تسبیح (سبحان اللہ کہنا) یا تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ کہنا کافی ہے۔ البتہ محض اسی پر اکتفا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک صرف ایک خطبہ شرط ہے اور دوسرا خطبہ سنت ہے۔ (کتاب الفقہ ص ۶۲۳ ج ا)

خطبہ جمعہ میں فرض دو ہیں۔ ایک وقت جمعہ، دوسرا مطلق ذکر اللہ

(جواہر الفقہ ص ۳۵ ج ا)

خطبہ کے صحیح ہونے کی شرط

حنفیہؒ کے نزدیک خطبہ کے صحیح ہونے کی چھ شرائط ہیں۔ (۱) خطبہ نماز سے پہلے ہو۔ (۲) خطبہ ہی کی نیت سے خطبہ پڑھا جائے۔ (۳) وقت کے اندر ہو۔ (۴) کم سے کم ایک شخص اسکو سننے والا موجود ہو۔ (۵) یہ شخص ان میں سے ہو جن کے ساتھ نماز جمعہ ہوسکتی ہو۔ (۶) خطبہ اور نماز کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو۔ (کتاب الفقہ: ص ۶۲۸ ج ا)

خطبہ کی سنتیں

خطبہ میں پندرہ سنتیں ہیں۔ (۱) طہارت: اسلیئے کہ بے وضو اور ناپاک کا خطبہ پڑھنا مکروہ ہے۔ (۲) کھڑے ہونا: اگر بیٹھ کر یا لیٹ کر خطبہ پڑھا، تب بھی جائز ہے۔ (۳) قوم کی طرف متوجہ ہونا۔ (۴) خطبہ سے پہلے اپنے دل میں اعوذ باللہ پڑھنا۔ (۵) لوگوں کو خطبہ سنانا: اگر لوگوں کو خطبہ نہ سنایا تو بھی جائز ہے۔ (یعنی آہستہ پڑھنا) (۶) الحمد سے شروع کرنا۔ (۷) اللہ کی ایسی تعریف کرنا جو اسکے لائق ہو۔ (۸) اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد ا رسول اللہ پڑھنا۔ (۹) نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا۔

(۱۰)وعظ ونصیحت کا ذکر کرنا۔(۱۱)قرآن شریف پڑھنا: اسکا چھوڑنا برا ہے، خطبہ میں پڑھنے کی مقدار چھوٹی تین آیتیں یا بڑی ایک آیت ہے۔(۱۲)اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور نبی کریم ﷺ پر درود، دوسرے خطبہ میں پڑھنا۔(۱۳)مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے دُعا کی زیادتی کرنا۔(۱۴)خطبہ میں تخفیف کرنا یعنی طوال مفصل میں سے کسی سورۃ کے برابر رہے، اس سے زیادہ خطبہ پڑھنا مکروہ ہے۔(۱۵)دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا، دونوں خطبوں میں بیٹھنے کی مقدار تین آیتوں کی مقدار ہے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے یہ بیان کی ہے کہ خطیب اپنے بیٹھنے کی جگہ پر اطمینان سے بیٹھ جائے، اور اسکے سب اعضاء اپنی اپنی جگہ ٹھہر جائیں اس سے زیادہ نہ بیٹھے اور کھڑا ہو جائے۔ (عالمگیری کتاب الصلوٰۃ: ص ۶۸ ج ۳)

خطبہ کے مستحب

بلند آواز، دوسرے خطبے میں پہلے خطبے سے کم جہر کرنا، خطبہ ثانیہ الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ سے شروع کرنا، منبر پر خطبہ دینا، دوسرے خطبہ میں نبی ﷺ کے آل واصحاب، ازواج مطہرات، خصوصاً خلفاء راشدین اور حضرت حمزہ وعباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیلئے دعا کرنا، خطبہ میں بادشاہ اسلام کیلئے دعا کرنا جائز ہے لیکن اس کی غلط تعریف یا اس میں مبالغہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (شامی معارف السنن، معارف مدینہ: ص ۸۷ ج ۸)

خطبہ میں ہاتھ چلانا

خطبہ میں ہاتھ اٹھانا یا چلانا (جیسا کہ آج کل مقررین کا طریقہ ہے) مکروہ ہے، نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے، اگر آپ ﷺ کبھی اشارہ فرماتے تو شہادت کی انگلی سے فرماتے۔ (معارف مدینہ: ص ۹۴ ج ۳)

خطبہ کے وقت بیٹھنے کا طریقہ

سوال: خطبہ کے وقت یا دوسری نماز کے وقت گھٹنے پر پاؤں رکھ کر بیٹھنا جیسے کہ امراء بیٹھتے ہیں، شرعاً کیسا ہے؟

جواب: اس طرح کی نشست میں تکبر اور گھمنڈ نہ ہو، محض ضرورۃً ہو تو جائز ہے مگر

اس کی عادت بنانا بالخصوص مسجد میں اور وہ بھی خطبہ کے وقت، اس کی عادت مناسب نہیں۔ مسجد میں عاجزی اور خشوع کیساتھ بیٹھنا چاہئے۔(فتاویٰ رحیمیہ: ص۲۵۴ج۱)

خطبے کے وقت چہرے کا رُخ

خطبہ کے وقت نمازیوں کا امام کی طرف چہرہ کا رُخ کرنا مستحب ہے بشرطیکہ استقبال قبلہ باقی رہے، ورنہ قبلہ کی طرف رُخ کرنا چاہئے، کیونکہ قبلہ کی طرف پشت کرنے کی صورت میں صفیں سیدھی کرنا دشوار ہو جائیں گی۔ نیز حلقہ پیدا کرنے کا رُخ امام کی طرف کرلیا کرتے تھے۔(معارف مدینہ: ص۸۸ج۸)

خطبہ کے مسائل

خطبہ میں چند امور سنت ہیں۔ بعض کا تعلق خطیب سے ہے اور بعض امور کا تعلق خطبہ سے ہے۔ خطیب کیلئے سنت یہ ہے کہ وہ حدیث اصغر(باوضو) وحدیث اکبر(جنابت سے پاک ہو) دونوں سے پاک ہو۔ ایسا نہ ہوتو گو خطبہ ہو جائیگا لیکن مکروہ ہوگا۔ اگر حالت جنابت(غسل ضروری ہونے) میں خطبہ دیا تو مستحب یہ ہے کہ دوبارہ خطبہ پڑھا جائے اور یہ کہ خطیب خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر بیٹھ جائے اور خطبہ کھڑے ہوکر دیا جائے بیٹھ کر یا لیٹ کر خطبہ دینا مکروہ ہے۔

اور سنت یہ ہے کہ خطبوں کے دوران امام کا رُخ حاضرین کی جانب رہے، دائیں بائیں متوجہ نہ ہو۔ دو خطبے پڑھے جائیں۔ دونوں میں سے ایک سنت ہے اور دوسرا جمعہ کے صحیح ہونے کی شرط ہے اور یہ کہ دونوں خطبوں کے درمیان اتنی دیر کیلئے بیٹھ جائے کہ جس میں تین آیتیں پڑھی جاسکیں(یعنی اپنے بیٹھنے کی جگہ پر اطمینان سے بیٹھ جائے اور اسکے سب اعضاء اپنی اپنی جگہ ٹھہر جائیں) نہ بیٹھنا ناپسندیدہ عمل ہے۔

پہلا خطبہ شروع کرنے سے پہلے دل میں اعوذ باللہ اخیر تک کہہ کر اونچی آواز سے پڑھنا شروع کیا جائے اور خطبہ میں اللہ کی حمد وثنا جو اس کی شان کے شایاں ہے کلماتِ شہادت، آں حضرت ﷺ پر درود وسلام اور گناہوں کی مذمت پر مشتمل وعظ، اللہ تعالیٰ کے

غضب اور اسکے عذاب سے بچنے اور اسے ڈرنے کی تلقین ہواور اپنے اعمال کا بیان ہو جو نجات دنیوی واُخروی کے باعث ہیں، نیز قرآن کریم کی کوئی آیت بھی پڑھی جائے۔

دوسرا خطبہ حمد وثنائے الٰہی اور رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام سے شروع کیا جائے، اسمیں ایمان دار مردوں اور عورتوں (آل واصحاب وازواج مطہرات خصوصاً خلفائے راشدین اور حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے لیے دُعائے مغفرت مانگی جائے۔ نیز بادشاہ (مومن) کے حق میں فتح مندی، تائید الٰہی اور توفیق عمل وغیرہ کی دعا مانگنا مستحب ہے جس میں اس کی رعایا کی بھلائی ہو کیونکہ حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خطبہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے دُعاء کیا کرتے تھے اور اس پر اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ (کتاب الفقہ: ص ۶۳۲ ج ۱)

دوسرے خطبے میں پھر ان سب چیزوں کا اعادہ کرنا، خطبہ کو زیادہ طول نہ دینا بلکہ نماز سے کم رکھنا۔ خطبہ منبر پر پڑھنا، اگر منبر نہ ہو تو کسی لاٹھی وغیرہ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا، ہاتھ کا ہاتھ پر رکھ لینا جیسا کہ بعض لوگوں کی ہمارے زمانے میں عادت ہے منقول نہیں۔ دونوں خطبوں کا عربی زبان میں ہونا کسی اور زبان میں خطبہ پڑھنا یا اسکے ساتھ کسی اور زبان کے اشعار وغیرہ ملا دینا جیسا کہ ہمارے زمانے میں بعض عوام کا دستور ہے سنت مؤکدہ کے خلاف ہے، خطبہ سننے والوں کو قبلہ رو ہو کر بیٹھنا۔ (علم الفقہ: ص ۱۴۸ ج ۲)

مسئلہ:۔ سنت یہ ہے کہ خطبہ بلند آواز سے پڑھا جائے تا کہ سب لوگ سنیں، آہستہ پڑھنا مکروہ ہے۔ (بحر، عالمگیری)

مسئلہ:۔ سنت ہے کہ خطبہ مختصر پڑھا جائے، زیادہ طول نہ ہو اور اسکی حد یہ ہے کہ طوالِ مفصل کی سورتوں میں سے کسی سورت کے برابر ہو۔ اس سے زیادہ طویل پڑھنا مکروہ ہے۔

(شامی، بحر، عالمگیری: ص ۶۸ ج ۳ کتاب الصلوٰۃ)

مسئلہ:۔ خطبہ مختصر پڑھنا جو دس چیزوں پر مشتمل ہو۔ (۱) حمد سے شروع کرنا۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی ثناء کرنا۔ (۳) کلمہ شہادتین پڑھنا۔ (۴) نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا۔ (۵) وعظ ونصیحت کے کلمات کہنا۔ (۶) کوئی آیت قرآن مجید کی دوسرے خطبہ میں دوبارہ الحمد للہ اور ثناء اور درود

پڑھنا۔(۱۰) دونوں خطبوں کو مختصر کرنا، اس طرح کہ طوالِ مفصل کی سورتوں سے نہ بڑھے۔
(جواہر الفقہ: ص ۶۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ خطبہ کی سنتوں میں سے کسی سنت کا چھوڑنا مکروہ ہے۔ خطبہ کی ان سنتوں میں سے جس نے کوئی سنت چھوڑی اس نے فعل مکروہ کیا۔ (کتاب الفقہ: ص ۶۳۲ ج ۱)

مسئلہ:۔ جو سنتیں جمعہ کے خطبہ کیلئے ہیں، ان کے خلاف کرنا مکروہ مگر خطبہ ادا ہو جاتا ہے اور نماز جمعہ صحیح ہو جاتی ہے۔ (بحر، جواہر الفقہ: ص ۳۵۰ ج ۱)

مسئلہ:۔ جب سب لوگ جماعت میں آجائیں یعنی وقت ہو جائے تو امام کو چاہیئے کہ منبر پر بیٹھ جائے اور مؤذن اس کے سامنے کھڑے ہو کر اذان کہے، اذان کے فوراً بعد امام کھڑے ہو کر خطبہ شروع کردے۔

مسئلہ:۔ خطبہ پڑھنے والے کا بالغ ہونا شرط نہیں، اگر کوئی نابالغ خطبہ پڑھ دے تب بھی جائز ہے۔ (درمختار)

مسئلہ:۔ خطبے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا فرض ہے، اگر نہ کیا جائے تو وہ خطبہ معتبر نہ ہوگا اور نماز جمعہ کی شرط ادا نہ ہوگی۔ یا اگر صرف الحمد للہ یا سبحان اللہ کہہ لیا جائے مگر خطبہ کی نیت نہیں کی، خطبہ ادا نہ ہوگا۔ (علم الفقہ: ص ۴۷ ج ۲)

مسئلہ:۔ خطبے کا کسی کتاب وغیرہ سے دیکھ کر پڑھنا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ رمضان کے اخیر جمعے کے خطبے میں وداع فراق رمضان کے مضامین پڑھنا اگرچہ جائز ہے لیکن نبی کریم ﷺ اور ان کے اصحابؓ سے منقول نہیں ہے، نہ کتب فقہ میں کہیں اس کا پتہ ہے، لہٰذا اس پر ہمیشہ پابندی کرنا جس سے عوام کو اس کے سنت ہونے کا خیال پیدا ہونے لگے، نہ کرے۔ (علم الفقہ: ص ۱۴۱ ج ۲)

مسئلہ:۔ خطبہ ختم ہوتے ہی فوراً اقامت (تکبیر) کہہ کر نماز شروع کر دینا مسنون ہے۔ خطبے اور نماز کے درمیان میں کوئی دنیاوی کام کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر درمیان میں فصل زیادہ ہو جائے تو اسکے بعد خطبے کے اعادہ کی ضرورت ہے۔ ہاں کوئی دینی کام مثلاً کسی کو کوئی شرعی مسئلہ بتائے یا وضو نہ رہے اور وضو کرنے جائے یا خطبہ کے بعد معلوم ہو کہ اس کو غسل کی

ضرورت تھی اور غسل کرنے جائے تو کچھ کراہت نہیں ہے۔

(بہشتی زیور: ص۸۴ ج۱۱ بحوالہ شامی ص۷۷۰ ج۱)

مسئلہ:۔ جمعہ کا خطبہ شرط نماز ہے بغیر خطبہ کے نماز جمعہ ادا نہیں ہوتی اور یہ شرط صرف ذکر اللہ سے ادا ہو جاتی ہے۔ (جواہر الفقہ: ص۳۶۶ ج۱)

مسئلہ:۔ چند امور میں خطبہ جمعہ اور عیدین میں فرق ہے۔(۱) خطبہ عیدین جمعہ کی طرح نماز کیلئے شرط نہیں۔ بلکہ بغیر خطبہ بھی نمازِ عیدین صحیح ہو جاتی ہے۔(۲) عیدین کا خطبہ فرض واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ خطبہ عیدین بعد نماز عید پڑھا جائے پہلے نہیں۔

(جواہر الفقہ: ص۳۶۵، ج۱)

مسئلہ:۔ خطبہ سننے والوں کو قبلہ رخ ہو کر بیٹھ جانا چاہیے۔ (فتاویٰ ہندیہ، ص:۱۴۵، ج،۱)

مسئلہ:۔ خطبہ شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ آہستہ سے پڑھے بسم اللہ نہ پڑھے، اعوذ باللہ زور سے نہ پڑھے۔ اور کسی نے بھی خطبہ سے قبل بسم اللہ پڑھنے کو نہیں لکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ خود بسم اللہ پڑھنا مطلوب نہیں ہے۔

(امداد الفتاویٰ، ص:۶۸۰، ج:۱، بحوالہ بحرالرائق، ص:۱۵۹، ج:۲)

مسئلہ:۔ سنت یہ ہے کہ (نماز جمعہ سے پہلے) خطیب اپنے گوشہ خلوت میں رہے امام کا لوگوں کو سلام کرنا، خطبہ سے پہلے محراب میں نماز کا ادا کرنا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر (یعنی نیک کام کا حکم اور بری بات سے روکنے) کے علاوہ کچھ اور کہنا مکروہ ہے۔

(کتاب الفقہ، ص:۶۳۲، ج:۱)

مسئلہ:۔ بہتر یہ ہے کہ جو شخص خطبہ پڑھے وہی نماز بھی پڑھائے اور اگر کوئی دوسرا پڑھائے تب بھی جائز ہے (درمختار) اگر کوئی دوسرا شخص امام بنایا جائے تو وہ ایسا شخص ہو جس نے خطبہ سنا ہو، اگر کوئی ایسا شخص امام بنا دیا جائے جس نے خطبہ نہیں سنا تو نماز نہیں ہوگی، اور اگر وہ کسی دوسرے کو امام بنالے تب بھی جائز نہیں۔ ہاں! اگر نماز جمعہ شروع کر دینے کے بعد امام کو حدث (وضو کا نہ رہنا) ہو جائے اور وہ اس وقت کسی کو امام بنائے تو اسمیں یہ شرط نہیں، جس نے خطبہ نہیں سنا، اسکا امام بنانا بھی درست ہے۔ (علم الفقہ: ص۱۵۳ ج۲)

مسئلہ:۔ خطبہ پڑھنے کے بعد اگر خطیب کا وضو ٹوٹ جائے اور کسی دوسرے شخص کو خلیفہ بنایا، اگر وہ شخص خطبہ میں حاضر تھا تو جائز ہے اور اگر وہ خطبہ میں حاضر نہ تھا تو جائز نہ ہوگا، اگر نماز شروع کرنے کے بعد وضو ٹوٹا، تو کسی بھی شخص کو خلیفہ بنانا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ (یعنی بیٹھ جانا) کا چھوڑنا برا ہے، خطبہ سے پہلے بیٹھنا سنت ہے۔

مسئلہ:۔ خطیب کیلئے یہ شرط ہے کہ اسمیں جمعہ کی امامت کی صلاحیت ہو۔

مسئلہ:۔ خطیب کا بلند آواز سے خطبہ پڑھنا مستحب ہے اور دوسرے خطبہ میں پہلے خطبہ کے لحاظ سے کم جہر کرے یعنی آواز کو زیادہ بلند نہ کرے۔

مسئلہ:۔ دوسرا خطبہ اس طرح شروع کرنا چاہئے "الحمد لله نحمده ونستعينه الخ" خطبہ میں رسول اللہ ﷺ کے دونوں چچا اور خلفاء راشدین کا ذکر مستحسن ہے، اسی طرح برابر معمول چلا آرہا ہے۔ (عالمگیری، کتاب الصلوٰۃ: ص۶۹ ج۳)

مسئلہ:۔ آدھی استین کی قمیص پہن کر خطبہ پڑھنا یا نماز پڑھانا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ وضع مسلمان کی عبادت کی وضع نہیں ہے۔ (کفایت المفتی: ص۶۶ ج۳)

مسئلہ:۔ خطبہ جمعہ وعیدین میں خالص عربی نثر میں خطبہ پڑھنا مسنون ومتوارثہ ہے اسکے سوا کسی اور زبان میں خطبہ پڑھنا یا عربی نظم میں پڑھنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے گو خطبہ تو ادا ہو جائے گا لیکن خلاف متوارث ہونے کی وجہ سے کراہت ہوگی (کفایت المفتی: ص۲۲۲ ج۳)

مسئلہ:۔ دونوں خطبوں کے درمیان اگر دُعا مانگے تو دل سے مانگنے، زبان سے اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا اس حالت میں درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم: ص۱۵۷ ج۵ بحوالہ رد المختار: ص۷۶۹ ج۱)

جمعہ پڑھنے کے بعد دوسری جگہ خطبہ دینا

سوال: ایک شخص جو کہ خود جمعہ پڑھ چکا ہو، دوسری جگہ خطبہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اس بارے میں صریح جزئیہ نہیں ملا، البتہ چونکہ صحت خطبہ کیلئے یہ شرط نہیں کہ خطیب پر جمعہ فرض ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا شخص (صرف) خطبہ پڑھ سکتا ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ص۱۲۸ ج۴ بحوالہ رد المختار: ص۷۷۱ ج۱)

نماز سے پہلے خطبہ

جمعہ کی ادائیگی کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ نماز سے قبل خطبہ پڑھا جائے، اگر خطبہ کے بغیر نماز جمعہ پڑھ لیں، یا وقت سے پہلے خطبہ پڑھ لیں تو جائز نہیں ہے۔ خطبہ میں کچھ چیزیں فرض ہیں اور کچھ سنت ہیں۔ نماز جمعہ کے خطبہ میں فرض صرف دو چیزیں ہیں، ایک ''وقت'' ہے اور وہ زوال کے بعد نماز سے پہلے ہے پس اگر زوال سے پہلے یا نماز کے بعد خطبہ پڑھا تو جائز نہ ہوگا۔ (عینی شرح کنز)

اور دوسرا فرض ذکر اللہ ہے (بحر الرائق)۔ الحمد للہ یا لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ پڑھنا کافی ہے، اور یہ جب ہے کہ خطبہ کی نیت سے پڑھے لیکن اگر چھینک آئی، اور الحمد للہ یا سبحان اللہ پڑھا یا کسی چیز پر تعجب کرتے ہوئے لا الہ الا اللہ پڑھا تو بالا جماع خطبہ کے قائم مقام نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر خطیب نے تنہا پڑھا' یا (صرف) عورتوں کے سامنے پڑھا تو صحیح یہ ہے کہ جائز نہ ہوگا۔ اگر ایک یا دو آدمیوں کے سامنے خطبہ پڑھا اور تین آدمیوں کے سامنے نماز پڑھائے تو جائز ہے اگر خطیب کے خطبہ کے وقت سب لوگ سو رہے ہیں یا بہرے ہیں تب بھی خطبہ جائز ہوگا۔ (عالمگیری: ص ۶۸ ج ۳ کتاب الصلوٰۃ)

نماز فجر پڑھے بغیر خطبہ دینا

سوال:۔ اگر کسی نے نماز فجر پڑھے بغیر خطبہ دیا تو درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ درست ہو جائیگا لیکن نماز جمعہ نہ پڑھائے اگر صاحب ترتیب ہو تو دوسرے سے نمازِ جمعہ پڑھوائے۔ (امداد الفتاویٰ: ص ۲۳۳ ج ۱)

جمعہ کے خطبہ کیلئے امام کے علاوہ کم از کم تین مردوں کا ہونا ضروری ہے جن سے جماعت قائم ہو سکے۔ (احسن الفتاویٰ: ص ۱۲۳ ج ۴)

خطیب کو لقمہ دینا

چونکہ خطبہ میں کوئی متعین مضمون پڑھنا ضروری نہیں، اگر ایک مضمون میں خطیب رُک گیا چل نہ سکا تو اور کچھ پڑھ سکتا ہے، لہٰذا لقمہ دینے کی ضرورت نہیں اور خطبہ کی حالت

میں ہر قسم کا تکلم (بولنا) ناجائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ص ۱۴۱ ج ۴)

خطبہ کی غلطی کا حکم

جمعہ میں خطبہ فرض ہے اور خطبہ کی غلطی ہو جانے سے نماز میں کچھ خلل نہیں آتا ہے۔
(فتاویٰ دارالعلوم: ص ۱۰۴ ج ۵ بحوالہ ردالمختار باب الجمعہ: ص ۷۵۷ ج ۱)

کیا عورت خطبہ دے سکتی ہے؟

سوال:۔ یہاں پر جمعہ کے دن کوئی شخص خطبہ پڑھانے والا نہ تھا مجبوری کی وجہ سے عورت نے خطبہ پڑھایا اور مرد نے نماز جمعہ پڑھائی، کیا حکم ہے؟

جواب:۔ عورت کا خطبہ صحیح نہیں ہوا اور خطبہ شرائط صحت جمعہ میں سے ہے تو جمعہ بھی صحیح نہیں ہوا۔ ان سب لوگوں کو ظہر کی نماز کی قضا پڑھنی چاہیے۔

اگر کوئی خطبہ پڑھنے والا نہ تھا تو جس نے نماز پڑھائی ہے وہی کچھ ذکر اللہ یا کچھ قرآن پڑھ دیتا یا صرف سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر ہی کہہ لیتا تو فرض ادا ہو جاتا جس سے فرض نماز ادا ہو جاتی۔ (امداد الفتاویٰ: ص ۷۰۹ ج ۱)

کیا خطیب سنت پڑھنے والوں کا انتظار کرے؟

خطیب کو انتظار کرنا سنت پڑھنے والوں کی فراعت کا لازم نہیں ہے جس وقت کہ مقررہ وقت ہو جائے تو خطیب خطبہ کیلئے کھڑا ہو سکتا ہے، اس پر کچھ مواخذہ اور گناہ نہیں ہے کیونکہ خطیب متبوع ہوتا ہے تابع نہیں۔ مقتدیوں کو تو یہ حکم ہے کہ جس وقت خطیب خطبہ کیلئے منبر پر جائے نوافل وسنن نہ پڑھیں لیکن خطیب کو یہ حکم نہیں ہے کہ وہ فراعت کا انتظار کرے، اور اگر دو چار منٹ وہ انتظار کر لے تو اس میں کچھ حرج بھی نہیں ہے لیکن انتظار نہ کرنے سے گنہگار نہ ہوگا۔

(فتاویٰ دارالعلوم: ص ۶۷ ج ۵ بحوالہ ردالمختار باب الجمعہ: ص ۷۶۵ ج ۱)

بیٹھ کر خطبہ دینا

قیام خطبہ کا سنت مؤکدہ ہے اور اگر واجب بھی ہوتا تب بھی عذر میں ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قیام الصلوٰۃ (نماز میں کھڑے ہونا) اور عیدین کا خطبہ مثل خطبہ جمعہ کے احکام میں

ہے، پس عذر میں خطبہ اور عیدین بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ص: ۶۳۱ ج ۱)

خطبہ میں عصا لینا

جب آں حضرت ﷺ نے لاٹھی پر سہارا دے کر خطبہ پڑھا تو سنت ہوگیا۔ کسی چیز کے سنت ہونے کیلئے مواظبت شرط نہیں۔ اور جس سنت پر ہیشگی ہو وہ سنت مؤکدہ ہو جاتی ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم: ص ۱۷۸ ج ۵)

حدیث سے سہارا لگانا عصا یا قوس پر ثابت ہے اور قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے کہ عصا کا لینا سنت ہے۔ پس شاید تطبیق کی یہ صورت ہو کہ ضرورت ہو تو عصاء (لاٹھی بید وغیرہ) ہاتھ میں رکھ لے تو کچھ حرج نہیں ہے اور اگر ضرورت نہ ہو تو نہ لیوے۔

(فتاویٰ دارالعلوم: ص ۶۶ ج ۵ بحوالہ ردالمختار باب الجمعہ: ص ۲۷۷ ج ۱)

عصاء ہاتھ میں لے کر خطبہ پڑھنا ثابت تو ہے لیکن بغیر عصاء کے خطبہ پڑھنا اس سے زیادہ ثابت ہے۔ پس حکم یہ ہے کہ عصاء ہاتھ میں لینا بھی جائز ہے اور نہ لینا بہتر ہے اور حنفیہؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے پس اس کو ضروری سمجھنا اور نہ لینے والے کو طعن و تشنیع کرنا درست نہیں اسی طرح لینے والے کو بھی ملامت کرنا درست نہیں ہے۔

(کفایت المفتی: ص ۲۱۴ ج ۳)

عصاء کس ہاتھ میں پکڑے؟

دونوں صورتیں جائز ہیں جس کو جو صورت موافق ہو اس پر عمل کرے اگر خطبہ ہاتھ میں نہ ہو تو عصاء سیدھے ہاتھ میں پکڑنا اولیٰ ہے اور اگر خطبہ ہو تو عصاء کو سیدھے ہاتھ میں نہ لے اور عصاء کو بائیں ہاتھ میں لینا (اس وقت) اولیٰ ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ص ۸ ج ۳ بحوالہ مراقی الفلاح: ص ۲۹۸ ج ۲)

بغیر خطبہ کے نماز جمعہ

سوال: اگر کسی مسجد میں خطبہ کی کتاب موجود نہ ہو اور نہ زبانی یاد ہو تو بغیر خطبہ نماز جمعہ پڑھی جائے یا نمازِ ظہر؟

جواب: خطبہ جو فرض ہے وہ ایک دفعہ سبحان اللہ یا الحمدللہ یا اللہ اکبر کہنے سے بھی خطبہ ادا ہو جاتا ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک یک بقدر تین آیت یا بقدر تشہد سے خطبہ ادا ہو جاتا ہے۔ پس اگر خطبہ معروفہ یاد نہ ہو تو قدر مذکور پر اکتفاء کر کے جمعہ کی نماز ادا کی جائے اور جس جگہ واجب ہے (جمعہ) یعنی شہر اور قصبہ اور قریہ کبیرہ میں جمعہ چھوڑا نہ جائے۔

(فتاویٰ دار العلوم: ص۲۷ ج۵ بحوالہ غنیۃ المستملی: ص۵۱۵، ۵۰۸)

خطبہ کی جگہ قرآن پڑھنا

سوال: اگر بجائے خطبہ کے کوئی قرآن شریف کا رکوع پڑھ دیا جائے تو جمعہ درست ہے یا نہیں؟

جواب: خطبہ کیلئے کافی ہے کہ ایک دفعہ الحمدللہ پڑھنا یا لا الہ الا اللہ پڑھنا یا سبحان اللہ پڑھنا۔ درمختار باب الجمعہ: ص۵۸۷ ج۲ میں کافی ہے خطبہ کیلئے تحمید یا تسبیح وغیرہ۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کا رکوع پڑھنے سے خطبہ فرض ادا ہو جاتا ہے لیکن اس پر اکتفاء کرنا خلاف سنت ہے۔ سنت یہ ہے کہ دو خطبے پڑھے جائیں۔

(فتاویٰ دار العلوم: ص۳۵ ج۵)

کیا خطیب لوگوں کو بٹھا سکتا ہے؟

سوال: خطیب کا خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر سے لوگوں کو یہ کہنا کہ پہلی صف میں آجایئے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اسمیں کچھ حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ص۱۱۶ ج۵ بحوالہ ردالمختار باب الجمعہ: ص۶۸۷ ج۱)

خطبہ کے شروع میں بسم اللہ کا حکم

خطبہ سے پہلے جہراً (بلند آواز سے) اعوذ باللہ اور بسم اللہ نہ پڑھے، یہ منقول اور معمول نہیں ہے۔ (درمختار باب الجمعہ: ص۵۹۷ ج۱) میں ہے کہ سراً (یعنی آہستہ) پڑھ سکتا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم: ص۱۲۶ ج۵)

کسی خطبہ سے پہلے بسم اللہ زور سے نہ پڑھے بلکہ آہستہ پڑھے۔ حنفیہؒ کے نزدیک

یہی سنت ہے اور جہر کرنا خلاف سنت ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ص ۱۱۲ ج ۵)

شروع خطبہ میں دومرتبہ الحمدللہ کہنا

خطبہ میں الحمد للہ دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے، اسمیں کوئی مضائقہ نہیں ہے جبکہ اسکو ضروری نہ سمجھا جائے، بزرگانِ دین کا یہ طریقہ رہا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ص ۸۰ ج ۵)

خطبہ میں جہر کرنا

خطبہ میں اس قدر جہر (بلند آواز سے پڑھنا) شرط ہے کہ پاس بیٹھنے والا شخص سن سکے۔
(احسن الفتاویٰ: ص ۱۳۱ ج ۴)

ہر جمعہ کو نیا خطبہ ضروری نہیں ہے

خطبہ عربی میں پڑھا جاتا ہے، حاضرین عموماً عربی سے ناواقف ہوتے ہیں، سمجھ نہیں پاتے، اسلیے بھی ہر جمعہ نیا خطبہ پڑھنا کیا مفید ہوگا؟

امام صاحب کو پانچ چھ خطبے اگر یاد ہوں تو کافی ہے، نماز میں کسی قسم کی کراہت نہیں آتی۔ اگر نیا خطبہ سننے کا شوق ہو تو عربی زبان سیکھیں اور اچھے عالم، حافظ، قاری کو رکھا جائے۔ لوگ مسجد کی عمارت پر تو ہزاروں، لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں مگر امام اور مؤذن پر خرچ کرنے میں ہاتھ تنگ کر لیتے ہیں۔ یہ بات مناسب نہیں کیونکہ عمدہ عمدہ عمارت مقصود نہیں ہے، البتہ قابل امام اور مؤذن مطلوب شرعی ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ص ۹۰ ج ۵)

ہر ماہ الگ الگ خطبہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ص ۱۳۹ ج ۵)

جمعہ کا خطبہ سننا واجب ہے

جمعہ کا خطبہ فرض ہے، اسکے یہ معنیٰ ہیں کہ جمعہ کی نماز سے پہلے خطبہ ضرور ہونا چاہئے اور خطبہ کا سننا ان لوگوں پر واجب ہے جو کہ خطبہ کے وقت حاضر ہو پس اگر کوئی شخص خطبہ کے ختم ہونے کے بعد آیا اور جماعت میں شامل ہوگیا، اسکی نماز ہوگئی اور خطبہ میں حاضر نہ ہونے اور نہ سننے کی وجہ سے جو قصور ہوا اور آنے میں تاخیر ہوئی، اس سے استغفار اور توبہ کرے اور آئندہ کو احتیاط رکھے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ص ۱۲۸ ج ۵ بحوالہ ردالمختار باب الجمعہ: ص ۷۶۸ ج ۱)

دونوں خطبوں کا حکم ایک ہی ہے

(۱)　جمعہ کا خطبہ فرض ہے اور اسکے دو حصے ہونا سنت ہے۔

(۲)　اول وثانی دونوں کے کچھ فرق نہیں۔

(۳)　سننا سب خطبوں کا واجب ہے۔(امداد الفتاویٰ: ص ۶۷۶ ج ۱)

خطبہ کے دوران کے مسائل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمُ قَالَ اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِکَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ

(رواه الستة وابن خزيمة)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ ''جمعہ کے دن امام کے خطبہ دینے کے دوران اگر تم نے اپنے ساتھی سے یہ بھی کہا کہ ''چپ رہو'' تب بھی تم نے غلطی کی''۔

تشریح:۔ خطبہ کے دوران ہر وہ کام ممنوع ہے جس سے خطبہ سننے میں خلل ہو اور مجمع میں اسکی وجہ سے انتشار ہو۔ایسے مواقع پر خدانخواستہ اگر کوئی ناواقف مسجد میں آکر زور سے بولنے لگے اور دوسرے لوگ بھی اسکو خاموش کرنے کیلئے ہر طرف سے بولنے لگیں تو بہت انتشار ہو جائیگا اور خطیب کی آواز سب آوازوں میں دب کر رہ جائیگی ،اسلیے حکم دیا گیا کہ دوسروں کو خاموش کرنے کیلئے بھی نہ بولیے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خطبہ کے دوران یا عام نمازوں کے وقت مسجد میں بچے یا کچھ ناسمجھ لوگ باتیں کرنے لگتے ہیں تو اچھے خاصے سمجھدار لوگ ان کو اتنی تیز آواز سے روکتے ہیں کہ خود یہ آواز ان بچوں کی آواز سے بڑھ جاتی ہے اور اسطرح ان بچوں سے زیادہ یہ لوگ نماز میں خلل ڈالنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

نماز سے فارغ ہونے تک خاموش رہے اسلیے کہ جمعہ کا دن عبادت اور توجہ الی اللہ کا خاص دن ہے۔اس دن کے قیمتی لمحات کو ہرگز ضائع نہ کرنا چاہئے اور اگر کوئی غافل خود نہ کچھ

کر سکے تو جو خدا کے بندے تلاوت، ذکر، درود شریف وغیرہ میں مصروف ہیں، ایسے وقت میں بولنے، آواز بلند کرنے سے انھیں تکلیف ہوگی، اسی طرح خطبہ کے وقت بات کرنا حتیٰ کہ بات کرنے والوں کو منع کرنا گناہ بتایا گیا ہے اسلیے بہت ہی خاموشی سے مسجد میں جا کر یا تو نماز میں مشغول ہو جانا چاہئے یا خاموش بیٹھ کر ذکر اور دُعا میں لگ جانا چاہئے۔

(الترغیب: ص ۱۵۹ ج ۲ و ص ۳۳۳ ج ۱)

مجمع جتنا زیادہ بڑا ہوتا ہے اتنے ہی اس میں قسم قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور اسی تناسب سے باہم ایذاء رسانی اور تکلیف کے امکانات بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اس دن صفائی ستھرائی، لباس کی پاکیزگی و نظافت اور حسب حیثیت خوشبو کے اہتمام کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ مسجد میں آتے جاتے لوگوں کے اوپر سے پھلانگنے اور تکلیف پہنچانے سے خاص طور پر منع کیا گیا ہے۔ (الترغیب: ص ۱۴۵ ج ۲)

مسجد میں ہر اس چیز سے احتیاط اور بچنا ضروری ہے جس سے لوگوں کو ایذاء پہنچے اور باہمی تعلقات خراب ہونے کا اندیشہ ہو، جیسے پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کے بیچ میں گھس کر بیٹھنا یا لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کر جانا وغیرہ۔

مسئلہ:۔ خطبہ شروع ہو جائے تو تمام حاضرین کو خطبہ کا سننا واجب ہے، خواہ امام کے نزدیک بیٹھے ہوں یا دور، اور کوئی ایسا فعل کرنا جو خطبہ سننے میں مخل ہو مکروہ تحریمی ہے اور کھانا پینا، بات چیت کرنا، چلنا پھرنا، سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا، یا تسبیح پڑھنا یا کسی کو شرعی مسئلہ بتانا جیسا کہ نماز کی حالت میں ممنوع ہے ویسا ہی خطبہ کے وقت بھی ممنوع ہے۔ ہاں خطیب کو جائز ہے کہ خطبہ پڑھنے کی حالت میں کسی کو شرعی مسئلہ بنا دے۔

مسئلہ:۔ خطبہ اگر سنت یا نفل پڑھنے میں شروع ہو جائے تو راجح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ تو پوری کر لے اور نفل میں دو رکعت پر سلام پھیر دے۔ (بہشتی زیور: ص ۷۲ ج ۱۱)

مسئلہ:۔ دونوں خطبوں کے درمیان میں بیٹھنے کی حالت میں امام کو یا مقتدیوں کو ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں بغیر ہاتھ اُٹھائے ہوئے اگر دل میں دعا مانگی جائے تو جائز ہے لیکن آنحضرت ﷺ سے یا اصحاب ؓ سے منقول نہیں ہے۔

(علم الفقہ: ص ۱۴۹ ج ۲ بحوالہ شامی: ص ۷۷۲ ج ۱)

مسئلہ:۔ خطبے میں جب نبی کریم ﷺ کا نام مبارک آئے تو مقتدیوں کو اپنے دل میں درود شریف پڑھ لینا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ جمعہ کے دن خطبہ کے درمیان کوئی شخص پہنچے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کیلئے کوئی نفل (وغیرہ) درست نہیں۔ (معارف مدینہ: ص۸۹ ج۳)

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خطبہ کے دوران کلام کرنا مکروہ تحریمی ہے اور بقول صحیح (کراہت سب کیلئے ہے) کوئی فاصلہ پر ہو یا قریب ہو، بات چیت امور دنیا کی یا ذکر الٰہی وغیرہ ہو، بقول مشہور (سب مکروہ تحریمی ہے) اور خواہ خطیب سے بیان میں کوئی نامناسب بات سرزد ہوئی ہو اور یا نہ ہوئی ہو۔

جب حضور پرنور ﷺ کا نام مبارک (خطبہ میں) کوئی سنے تو اپنے دل میں درود پڑھے اور اگر (خطبہ کے دوران) کوئی ناپسندیدہ بات پیش آجائے تو ہاتھ یا سر کے اشارہ سے منع کیا جاسکتا ہے۔ واضح ہو کہ خطبہ کے دوران جس طرح کلام کرنا مکروہ ہے اسی طرح نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ اسمیں تمام مسالک کا اتفاق ہے اور سلام کا جواب دینا بھی زبان سے ہو یا دل میں کلام مکروہ کے زمرہ میں ہے۔ اور خطبہ کے وقت یا بعد میں (جماعت کے وقت) سلام کرنا کسی پر لازم نہیں ہے، کیونکہ وہاں سلام میں پہل کرنے کا کوئی شرعی حکم نہیں ہے، بلکہ ایسا کرنا گناہ ہے۔ لہذا (سلام کا) جواب دینا بھی لازم نہیں ہے۔ یہی حکم چھینک کے جواب کا ہے۔ امام کا بھی لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ البتہ سانپ، بچھو سے بچانے یا نابینا شخص کو نقصان سے محفوظ رکھنے کیلئے آواز دینا کلام مکروہ میں نہیں ہے۔ (کتاب الفقہ: ص۶۳۵ ج۱)

مسئلہ:۔ اگر زبان سے نہ بولے اور ہاتھ، سر یا آنکھوں سے اشارہ کردے۔ مثلاً ایک شخص کو برا کام کرتے دیکھا اور ہاتھ سے منع کردیا، یا کوئی خبر سنی اور سر سے اشارہ کردیا تو صحیح یہ ہے کہ اسمیں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور جو شخص امام سے دور ہے وہ قریب شخص کے حکم میں ہے اس شخص کیلئے بھی خاموش رہنے کا حکم ہے۔

مسئلہ:۔ امام کے قریب ہونے کیلئے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر نہ جائے، ابوجعفرؒ نے کہا کہ جب تک امام خطبہ شروع نہ کرے اس وقت تک پھلانگنا جائز ہے اور جب امام خطبہ شروع

کردے تو مکروہ ہے اسلیئے کہ جب تک امام نے خطبہ شروع نہیں کیا ہر مسلمان کو آگے بڑھنا چاہئے اور محراب سے قریب ہوجائے تا کہ پیچھے آنے والے لوگوں کیلیئے گنجائش باقی رہے اور امام سے قریب ہونے کی فضلیت بھی حاصل ہوجائے اور اگر پہلے شخص نے ایسا نہ کیا یعنی آگے نہ بڑھا گویا اس نے بلا عذر اپنی جگہ ضائع کی اور جو شخص بعد میں آیا اسکو اس جگہ کے لینے کا اختیار ہے، جو شخص امام کے خطبہ پڑھنے کی حالت میں آئے اسکو مسجد میں اپنی جگہ پر بیٹھ جانا چاہئے۔ اسلیئے کہ چلنا اور آگے بڑھنا خطبہ کے وقت عمل ہے۔

مسئلہ:۔ لوگوں سے مانگنے کیلیے پھلانگ لگانا سب احوال میں بالا جماع مکروہ ہے، سائل اگر نماز پڑھنے والوں کے سامنے سے گزرے اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے اور لوگوں سے گڑ گڑا کر نہ مانگے اور وہ چیز مانگے جس کا مانگنا ضروری ہوتو اسکے مانگنے اور اسے دینے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس طریقے کے موافق نہ ہوتو مسجد کے اندر مانگنے والے کو دینا جائز نہیں ہے۔ (عالمگیری ص ۷۰ ج ۳)

لیکن خطبہ کے درمیان مانگنا یا چندہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۶ ج ۳)

مسئلہ:۔ جو شخص خطبہ کے وقت حاضر ہو وہ خواہ گھٹنے اُٹھا کر بیٹھے یا چار زانو جس طرح چاہے بیٹھے، اسلیئے کہ خطبہ حقیقت اور عمل میں نماز نہیں ہے لیکن جس طرح نماز میں بیٹھتے ہیں اسی طرح بیٹھنا مستحب ہے۔

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص نفل پڑھ رہا ہے اور امام نے خطبہ شروع کردیا تو اگر اس نے سجدہ نہیں کیا ہے تو نماز توڑ ڈالے، اور اگر سجدہ کرلیا تو دو رکعتوں کے بعد نماز پوری کردے۔

(عالمگیری کتاب الصلوٰۃ ص ۷۰ ج ۳)

مسئلہ:۔ خطبہ کے دوران اس صورت میں بول پڑنا واجب ہوجاتا ہے جب کسی نابینا شخص کو غلط راستہ سے ہٹانا یا کسی کو سانپ بچھو وغیرہ سے بچانا مقصود ہو۔ (کتاب الفقہ ص ۶۳۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ خطبہ کے وقت جب کہ نماز اور درود شریف پڑھنے کی بھی ممانعت حدیث شریف میں آئی ہے تو اس وقت چندہ جمع کرنا اور ڈبہ لیے پھرنا اور نمازیوں کو مشغول کرنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۳۱ ج ۵ بحوالہ در المختار باب الجمعہ ص ۷۶۸ ج ۱)

خطیب کا خطبہ میں درود پڑھنا

سوال: خطبہ میں جہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک آئے تو خطیب کا آں حضرت رسول اللہ ﷺ کے نام کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم کہنا کیسا ہے؟

جواب: خطبہ میں جہاں نام آں حضرت ﷺ کا آئے خطیب درود شریف پڑھے (صلی اللہ علیہ وسلم) کہے اور سامعین یعنی خطبہ سننے والے دل دل میں درود شریف پڑھیں۔ حکم شرعی یہ ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۶۷ ج ۵ بحوالہ رد المختار باب الجمعہ ص ۷۶۸ ج ۱)

مقامی زبان میں خطبہ احتیاط کے خلاف ہے

خطبہ چونکہ سوائے عربی زبان کے کسی زبان میں سلفؒ سے ثابت نہیں، اسلیئے غیر زبان عربی کو اسمیں محققین نے مکروہ اور بدعت کہا ہے۔

اور عید الفطر و عید الاضحیٰ میں چونکہ احکام عیدین بتلانے مقصود ہوتے ہیں تو وہ خطبہ سے خارج سمجھے جاتے ہیں گویا خطبہ عربی علیحدہ ہوگیا اور یہ احکام خطبہ سے علیحدہ بتلائے جاتے ہیں اور جمعہ کے خطبہ کے اندر نماز کی بھی حیثیت ملحوظ ہوتی ہے اور نماز میں ترجمہ قرآن شریف کا اور معتبر مذہب اور راجح قول کے درست نہیں ہے اور قول ضعیف کمزور و مرجوح کا اعتبار نہیں ہے۔

بہر حال احتیاط اسمیں ہے کہ ایسے مختلف فیہ مسائل میں احتیاط کی جائے اور غیر عربی کو ترک کیا جائے باقی جو کوئی جیسا کرے اسکی رائے ہے، دوسروں پر حجت نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۵۲ ج ۵ بحوالہ عمدۃ الرعایہ ص ۲۴۲ ج ۱)

قرآن مجید اور خطبہ دونوں کا اصلی مقصد ایک ہی ہے چنانچہ خطبہ کو قرآن مجید میں ذکر اللہ فرمایا ہے، یہی لفظِ ذکر، قرآن کیلئے فرمایا انا نحن نزلنا الذکر الخ بلکہ قرآن شریف کیلئے ذکری، بمعنی تذکر بھی ہے۔ ان ھو الا ذکریٰ للعلمین، پس اگر لفظِ ذکر اس پر دال ہے کہ اس سے لوگوں کو ان کی زبان میں نصیحت کی جائے تو چاہئے کہ قرآن شریف کی جگہ بھی یا اس کیساتھ نماز میں حاضرین کی زبان میں ترجمہ پڑھا جائے بلکہ لفظِ ذکریٰ اس پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔

اور اگر قرآن شریف سے تفہیم ناس (لوگوں کو سمجھانا) کو خارج نماز کیساتھ مخصوص کیا جائے اونماز میں محض تلاوت کا حکم کیا جائے تو خطبہ سے تفہیم ناس کو بھی خارج ہیئت خطبہ کہا جائے (یعنی خطبہ کو بھی تلاوت کی طرح کیا جائے)

اور پھر لوگوں کے سمجھانے کو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہم سے زیادہ جانتے تھے اور روم وفارس اس وقت فتح ہو چکا تھا اور حضرات صحابہؓ میں انکی زبانوں کے جاننے والے بھی موجود تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس وقت نہیں کیا گیا؟ پھر اگر خطبہ سننے والوں میں آٹھ دس زبانوں والے ہوں تو کیا خطیب کیلئے یہ شرط ہوگی کہ وہ سب زبانوں کا ماہر ہو؟ اگر نہیں تو پھر دوسری زبان والوں کی کیا رعایت ہوئی؟ (امداد الفتاوی ص ۶۵۷ ج ۱)

احکام شریعت کا دارومدار

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم

امابعد۔

(۱) یہ امر تو سب کے نزدیک مسلمہ ہے کہ احکام شریعت کا دارومدار کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت، پھر عمل صحابہؓ وتابعین اور قیاس صحیح پر ہے کسی رواج پر نہیں خواہ کتنا ہی قدیم ہو، پس خطبہ کے معاملہ میں رواج سے کوئی حکم ثابت نہ ہوگا، جب تک وہ اُصول شریعت سے مؤید نہ ہو۔ خطبہ کے بارے میں قرآن کریم نے ﴿فاسعوا الیٰ ذکر اللہ﴾ لاآ یہ سے اشارہ فرمایا ہے۔ پس جبکہ قرآن کریم نے خطبہ کو لفظ ذکر سے تعبیر فرمایا تو ثابت ہوا کہ خطبہ کی حقیقت صرف ذکر اللہ ہے وعظ وتذکیر نہیں ہے۔ لہذا نفس اداء خطبہ یا ذکر اللہ میں سامعین کی تفہیم یا عدم تفہیم (یعنی سننے والوں کا سمجھنا یا نہ سمجھنا) کا کوئی دخل نہیں ہے۔ حنفی المذہب اہل سنت والجماعت کی تحقیق میں خطبہ کی حقیقت صرف ذکر اللہ ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں جیسا کہ تمام کتب احناف میں اسکی تصریح موجود ہے پس خطبہ کو وعظ قرار دے کر حاضرین کی زبان میں پڑھنے پر اصرار کرنا بالکل بے بنیاد اور فقہاء سلف صالحین کی تحقیقات کے خلاف ہے۔

قرآن کریم کے بعد حجت شرعیہ سنت اور اسوہ رسول اللہ ﷺ ہے اور خطبہ کے

بارے میں آپ ﷺ کی سنت مواظبہ (ہمیشگی) یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ عربی زبان میں خطبہ دیا کبھی بھی کسی دوسری زبان میں نہ خود خطبہ دیا نہ کسی سے دلوایا نہ ترجمہ کرایا۔

حضور ﷺ کی ہر سنت کا اتباع خصوصاً عبادات میں ضروری ہے۔ لہذا دوسری دلیل سے بھی خطبہ خالص عربی ہی میں ہونا چاہئے۔

(۲)　حضور ﷺ کی سنت کے بعد طریقہ صحابہؓ وسنت خلفاء راشدین واجماع صحابہؓ وتابعینؒ سے بھی یہ ہی ثابت ہے کہ ان حضرات نے ہمیشہ خطبہ خالص عربی میں دیا ہے کبھی کسی عجمی زبان میں خطبہ نہیں دیا جبکہ دوسرے ممالک فتح ہو چکے تھے اور صحابہؓ میں عجمی زبان سے واقف حضرات بھی موجود تھے۔ پس ان سب حضرات کے طرز عمل سے بھی یہی ثابت ہوا کہ خطبہ خالص عربی میں ہونا چاہئے۔

(۳)　اور جب خلفاء راشدین کے زمانے میں ہمیشہ خطبہ عربی زبان میں ہوتا رہا، باوجود ضرورت تبلیغ واحکام عجمی زبان اختیار نہ کی گئی اور کسی صحابیؓ نے ان کے طرز عمل پر اعتراض بھی نہیں کیا۔ تو اب اجماع امت (یعنی اجماع صحابہؓ) سے بھی ثابت ہوا کہ خطبہ کی زبان عربی ہونی چاہئے۔

(۴)　یہ تو سب کو تسلیم ہے کہ سنت مؤکدہ چھوڑنے سے کراہت تحریمی پیدا ہو جاتی ہے اور سنت مؤکدہ کی تعریف یہ ہے کہ ''جس کام کو حضور ﷺ نے ہمیشہ کیا ہو، لیکن اتفاقاً کبھی چھوڑ بھی دیا ہو، ایسا کام سنت مؤکدہ ہے''۔

اب ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے عربی پر مواظبت (پابندی) کی ہے اور مواظبت بھی ایسی کہ اتفاقاً بھی کبھی نہیں چھوڑا۔ پس خطبہ کا خالص عربی ہونا سنت مؤکدہ ہوا، جس کے چھوڑنے سے کراہت تحریمی پیدا ہوگی لہذا غیر عربی میں خطبہ جائز نہ ہاگا۔ پھر کسی مکروہ تحریمی کام پر اصرار کرنا اور بار بار اسکا ارتکاب کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ لہذا اُردو نثر یا نظم میں خطبہ پڑھنے کا رواج ہو گیا ہے۔ اس غلط رواج کو بند کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت عالیہ متبرکہ کو جاری کرنا نہایت ضروری اور اس میں کوشش کرنا بڑا ثواب ہے۔

(۵)　کتاب وسنت کے بعد فقہاء سلف کی تصریحات بھی اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خطبہ عربی میں ہونا چاہئے۔ (خطبات جمعہ وعیدین از، ص ۳۲ تا ۳۶، مفتی ابوالناصر عبیدیؒ مظاہری)

خطبہ کا اصلی مقصد

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مخاطب سمجھتے نہیں تو پھر خطبہ عربی میں پڑھنے سے کیا فائدہ ؟ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ خطبہ جمعہ کا مقصود اصلی وعظ وتذکیر نہیں بلکہ ذکر اللہ اور ایک عبادت ہے۔ اور ایک جماعت فقہاء اسی وجہ سے اس کو دو رکعتوں کا قائم مقام کہتی ہے تو اب یہ سوال سرے سے منقطع ہو گیا کہ جب مخاطب عربی عبارت کو سمجھتے نہیں تو عربی میں خطبہ پڑھنے سے کیا فائدہ؟

کیونکہ اگر یہ سوال خطبہ پر عائد ہوگا تو پھر صرف خطبہ پر نہ رہے گا بلکہ نماز اور قرأت قرآن اور اذان واقامت اور تکبیرات نماز وغیرہ سب پر یہی سوال عائد ہو جائیگا۔ بلکہ قرآت قرآن پر بہ نسبت خطبہ کے زیادہ چسپاں ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید کی غرض وغایت تو اول سے آخر تک ہدایت ہے اور تبلیغ احکام الٰہیہ ہی کیلئے نازل ہوا ہے اور پھر اذان واقامت اور تکبیرات جن کا مقصد محض لوگوں کو جمع کرنا یا کسی خاص عمل کا اعلان کرنا ہے، یہاں بھی یہ سوال خطبہ کی نسبت زیادہ وضاحت کیساتھ عائد ہوگا کہ ''حی علی الصلوۃ، حی علی الصلوۃ'' کو کون جانتا ہے۔ ''نماز کو چلو'' کی آواز دینی چاہئے۔ یا کم از کم ترجمہ کر دینا چاہئے۔ اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اذان کے تو کلمات مقررہ ہیں، ایک اصطلاح سی ہو گئی ہے باوجود معانی نہ سمجھنے کے بھی اعلان حاصل ہے تو صحیح نہیں کہ نفس اعلان اور اصطلاح کیلئے تو چند کلمات تکبیر وشہادتین بھی کافی تھے۔ ان سے اعلان کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو پھر سرے سے باقی الفاظ کا کہنا ہی فضول ہوگا، لیکن غالباً کوئی سمجھ دار مسلمان اس کو تجویز نہ کرے گا کہ نماز قرآت وتکبیرات کے ساتھ اور اسی طرح تمام شعائر اسلامیہ اذان اور اقامت وغیرہ کو اُردو یا دوسری ملکی زبانوں میں پڑھا جایا کرے۔

بلکہ سب جانتے ہیں کہ قرآن شریف کی اصلی غرض اگرچہ تبلیغ احکام ہی ہے لیکن نماز میں اس کے پڑھنے کی غرض اصلی یہ نہیں ہے بلکہ وہاں صرف ادائیگی عبادت اور ذکر اللہ مقصود ہے اور نماز میں اسی حیثیت سے قرآن کی قرآت کی جاتی ہے۔ تبلیغ اور وعظ مقصود نہیں ہوتا اور اگر حاصل ہو جائے تو وہ ضمناً ہے۔

ٹھیک اسی طرح خطبۂ جمعہ کو سمجھنا چاہئے کہ اس کا مقصد اصلی ذکر و عبادت ہے اور وعظ و نصیحت جو خطبہ میں ہے تبعاً ہی حاصل ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ کوئی حرج نہیں قرآن کی قرأت اور تکبیرات واذان وغیرہ کی طرح خطبہ جمعہ کو بھی خالص عربی میں پڑھنا چاہئے۔

دوسری زبان میں پڑھنا یا عربی میں پڑھ کر ترجمہ کرنا خلاف سنت بلکہ بدعت و ناجائز ہے اور صاحبین ؒ کے قول پر نماز جمعہ ہی ادا نہیں ہوگی۔ (خطبات جمعہ وعیدین بزبان عربی، ص ۶۹، فتویٰ مولانا محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان)

خطبہ قرأت کی طرح ہے

یہ خطبہ کی حقیقت کا بیان ہے لیکن اس کی وجہ سے مخاطبین کی زبان کا اختیار کرنا لازم نہیں ہے۔ بھلا بتلائے تو سہی کہ جب حاضرین جمعہ مختلف زبانیں بولنے والے ہوں تو اس وقت بے چارہ خطیب کیا سبیل اختیار کریگا؟

اسکے علاوہ قرآن پاک کے متعلق ارشاد ربانی ہے کہ ''وانہ لتذکرۃ للمتقین'' (اور بلاشبہ قرآن متقیوں کیلئے نصیحت ہے) اور ''ان فی ذلک لذکریٰ'' وغیرہ وغیرہ بے شمار آیات ہیں تو پھر جب قرآن وعظ و نصیحت ہے اسلئے نماز میں عجمی مقامی غیر زبانوں میں قرأت کرنے کی اجازت دے دی جائیگی؟

مسئلہ کی (حقیقی) وجہ یہ ہے کہ خطبہ قرأت کی طرح تعبدی حکم ہے، لہذا اس میں نقل کی اتباع لازم ہے ورنہ صحابہ ؓ سے، جب اُنہوں نے فارس فتح کیا اور وہاں جمعہ قائم کیا اس وقت وہاں فارسی زبان میں خطبہ دینا ثابت ہوتا لیکن کسی صحابیؓ سے یہ منقول نہیں ہے پس اس وقت معاملہ ہر ماہر کیلئے ظاہر ہے۔ (امداد الفتاویٰ جدید، ص ۶۵۶ ج ۱)

اگر خطبہ مقامی زبان میں ہونے لگے تو گرمی محفل کے سوا کچھ نہ ہوگا

سوال: سامعین عموماً چونکہ عربی زبان نہیں سمجھتے، اسلئے خطبہ جمعہ اُردو میں پڑھنا چاہئے اور نثر کی بہ نسبت نظم زیادہ موثر ہوتی ہے اسلئے نظم زیادہ مناسب ہے۔ شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جمعہ کا خطبہ نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔ اسکے خاص خاص احکامات، خاص خاص لوازمات اور مخصوص شرطیں ہیں، وہ عام وعظوں اور تقریروں کی طرح سے نہیں کہ ہر زبان میں جس طرح سے چاہے کہہ دیا جائے۔ اسکی خصوصیت کے متعلق شریعت کے قطعی اعلانات موجود ہیں۔ حضرات فقہاء کا فیصلہ ہے کہ جو افعال و حرکات نماز کی حالت میں ممنوع ہیں خطبہ میں بھی حرام ہیں۔ سامعین خطبہ کیلئے اس وقت کھانا، پینا، بولنا، یہاں تک کہ سلام کا جواب دینا اور ذکر و تسبیح پڑھنا بھی جائز نہیں۔ اس طرح کی قیودات بتا رہی ہیں کہ خطبہ کی مجلس صرف وعظ و تذکیر نہیں بلکہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے نماز کی طرح ہے۔

پس یہ نہیں ہوسکتا کہ نماز کی شرطیں کسی محدث طریقے سے غیر عربی زبان سے ادا کی جائے۔ حجاز کے مخاطب عربی تھے اسلئے خطبہ ہی سے وعظ اور تذکیر کا بھی کام لیا جاتا تھا، لیکن اگر غیر عرب عربی نہیں سمجھ سکتے تو انکی خاطر خطبہ کی شرعی زبان نہیں چھوڑی جاسکتی۔ وعظ و نصیحت اور تفہیم خطبہ کے سوائے دوسرے وقتوں میں بھی ہوسکتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کا بلادِ عجم (عرب کے علاوہ ممالک) میں آنا ہوا مگر کسی ایک واقعہ سے بھی یہ ثابت نہیں کہ ان ممالک والوں کی خاطر جمعہ کے خطبہ کی زبان بدلی گئی ہو۔

اسی خصوصیت کے سلسلہ میں خطبہ کا اختصار بھی ہے، یعنی مختصر ہونا مختلف احادیث میں صراحت کیساتھ موجود ہے کہ جہاں تک بھی ہو خطبہ کو مختصر کرنا چاہیے، اگر موجودہ وسعتِ نظم و نثر کو قبول کرلیا جائے تو اس شرط صلوٰۃ کی حقیقت ایک دو گھنٹہ کی گرمی محفل کے سوا کچھ نہ رہے گی، لہٰذا جمعہ کا خطبہ خالص عربی زبان میں اور مختصر و جامع الفاظ میں ہونا چاہیے۔ اُردو یا کسی اور دوسری زبان میں اگر کچھ کہنا ہو تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد کہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم، ص ۱۲۹ ج ۵ بحوالہ مسوی مصفی ص ۱۵۴ ج ۱)

(مطلب یہ ہے کہ خلاف سنت ہونے کے علاوہ اگر خطبہ کو مقامی زبان میں پڑھنے کی اجازت دے دی جائے تو عام مساجد میں جمعہ کے دن غیر متعین خطبہ کا سب سے بڑا یہ نقصان ہوگا کہ خطیب کسی خاص تقریر کا پابند ہوگا نہیں تو خطبہ میں سیاسی و غیر سیاسی اور آپس کے اختلاف کا بھی ذکر کرے گا۔ کسی ایک کی حمایت کی طرف مائل ہونا ہی مجلس میں (خطبہ

کے وقت) گرما گرمی ہوکر جنگ وجدال شروع ہوگا اور خطیب صاحب جمعہ کی نماز کا انتظار ہی کرتے رہ جائیں گے اور نماز جمعہ کی جو حکمتیں (آپس میں اتحاد وغیرہ) مذکور ہوئی ہیں ان کا مقصد بھی فوت ہوجائیگا۔احقر محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ)

خطبہ جمعہ سے قبل وعظ

حامداً ومصلیاً۔

موضوعات کبیر صفحہ: ۲۰ کی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے بار بار درخواست کرنے پر جمعہ کی نماز سے پہلے وعظ کی اجازت دے دی تھی اور وہ وعظ فرمایا کرتے تھے اور خطیب کی آمد پر وعظ ختم کردیا کرتے تھے۔

اگر جمعہ کی نماز کے بعد مجمع ٹھہر جایا کرے تو اس وقت وعظ کہہ دیا جایا کرے ورنہ جمعہ سے قبل وعظ کہہ دیا جائے اور سامعین آکر شریک وعظ ہوتے رہیں اور خطبہ سے دس منٹ پہلے وعظ ختم کردیا جائے اور سب لوگ سنتیں پڑھ لیا کریں۔اس صورت میں سنتوں میں بھی خلل نہیں آئیگا اور وعظ بھی ہوجایا کریگا۔یا سنتیں مکان پر پڑھ کر آئیں تو زیادہ بہتر ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۸ ج ۲)

اذانِ اول ہوجانے اور سنتیں ادا کرنے کیلئے وقت چھوڑ کر خطبہ کی اذان سے پہلے اگر کچھ ضروری باتیں مسلمانوں کو مقامی زبان میں سنادی جائیں تو مضائقہ نہیں۔لوگوں کو خیال رکھنا چاہئے کہ سنتیں پڑھ کر فارغ ہوجایا کریں یا علیحدہ جگہ میں سنتیں ادا کرلیا کریں۔

(کفایت المفتی ص ۲۲۳ ج ۳)

خطبہ سے پہلے بیان کرنا بدون حرج کے جائز ہے مگر اس کو لازم قرار نہ دیا جائے کبھی کبھی ترک بھی کردینا چاہئے، تاکہ لوگ ضروری نہ سمجھنے لگیں۔بیان مختصر ہو اور ایسے وقت ختم کردیا جائے کہ خطبہ کی اذان سے پہلے چار سنتیں پڑھی جاسکیں۔پھر جمعہ کا خطبہ بھی مختصر ہونا چاہئے تاکہ لوگ اُکتا نہ جائیں اور سنت بھی یہی ہے کہ خطبہ مختصر ہو۔(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۶۶ ج ۱)

(یعنی مقامی زبان میں بیان یا تقریر کی اجازت تو ہے لیکن پابندی نہ کی جائے تاکہ عوام اس کو ضروری یا خطبہ کی طرح لازم نہ سمجھنے لگیں اور تین خطبے نہ خیال کریں کیونکہ بعض جگہ

اس بیان وتقریر کو بھی خطبہ ہی بولتے ہیں۔لہٰذا اچھا بھی دیا جائے کہ یہ اصل خطبہ نہیں ہے۔

(محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ)

وعظ کیلئے دو باتیں ضروری ہیں

اس کے متعلق کئی مرتبہ لکھ چکا ہوں کہ اگر خطیب مقامی زبان میں خطبہ کی اذان سے پہلے لوگوں کو وقتی ضروریات اسلامیہ سنا دیا کرے۔پھر خطبہ کی اذان کہلوا کہ عربی زبان میں بقدر ادائیگی فرضیت خطبہ پڑھ دیا کرے تو مضائقہ نہیں، تاکہ ضرورتِ تذکیر بھی پوری ہو جائے اور خطبہ کی ہیئت مسنونہ متوارثہ بھی پوری طرح محفوظ رہے۔بقدر ضرورت عربی میں زیادہ سے زیادہ پانچ چھ منٹ (دونوں خطبوں کیلئے) کافی ہونگے۔

مگر خطبہ کی اذان سے پہلے مقامی زبان میں تذکیر (وعظ) کیلئے دو باتیں لازم ہیں۔

اول: لوگ اس وقت اس مقام پر سنتیں نہ پڑھتے ہوں بلکہ کوئی علیحدہ جگہ سنتیں پڑھنے کیلئے ہو۔

دوسرے: یہ لوگ اس تقریر کو رغبت سے سنیں کیونکہ یہ محض ایک متطوعانہ فعل ہے۔یہ فرض خطبہ نہیں ہے کہ کوئی راضی ہو یا نہ ہو وہ پڑھا جائیگا۔

نیز اس تقریر میں صرف وہی باتیں بیان کی جائیں جن کا مذہبی لحاظ سے بیان کرنا ضروری ہو،تقریر میں طعن وتشنیع وغیرہ ہرگز نہ ہونی چاہئے کہ اس سے آپس میں اختلافات اور بغض وعناد پیدا ہوگا۔(کفایت المفتی ص ۲۳۰ ج ۳)

خطبہ اور صحابہؓ کا عمل

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ،ایران ،روم ،حبش وغیرہ ممالک میں وہاں کی زبان جاننے کے باوجود خطبہ عربی میں پڑھتے رہے،وہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا،کثرت سے نومسلم تھے اور وہ لوگ دورِ حاضر کے لوگوں کی بہ نسبت تعلیم وتبلیغ کے زیادہ حاجتمند تھے،کیونکہ اس زمانہ میں نہ اخبارات ورسائل تھے،نہ مطابع اور چھاپہ خانے تھے،نشرواشاعت کا طریقہ وعظ اور خطبہ ہی تھا اس کے باوجود سامعین کی زبان میں ایک بار بھی خطبہ نہیں پڑھا گیا جیسا کہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خطبہ خالص عربی زبان میں ہونا ضروری ہے کیونکہ مشرق سے مغرب تک سب مسلمان ہمیشہ عربی میں خطبہ پڑھتے رہے جبکہ سننے والے عجمی یعنی غیر عرب تھے جو زبان عربی نہیں جانتے تھے۔ (مصفی شرح مؤطا، ص ۱۵۴ ج ۱)

خطبہ وعظ وتقریر کی طرح نہیں ہے

اُردو میں خطبہ کا سوال عموماً اسلیئے پیدا ہوتا ہے کہ خطبہ کو وعظ اور تقریر سمجھ لیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ نہیں ہے، اگر خطبہ محض وعظ اور تقریر ہوتا تو اسکے لیے وہ شرطیں نہ ہوتیں جو حضرات فقہاء نے تحریر فرمائی ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) خطبہ جمعہ، جمعہ کے وقت یعنی زوال کے بعد ہونا ضروری ہے، اگر زوال سے پہلے خطبہ پڑھ لیا گیا تو وہ غیر معتبر ہوگا اس کا اعادہ ضروری ہوگا۔ اگر خطبہ صرف وعظ ونصیحت ہوتا تو زوال سے پہلے بلکہ خاص زوال کے وقت بھی جائز ہوتا، اس کے لوٹانے کا حکم نہ دیا جاتا۔

(۲) خطبہ نماز سے پہلے پڑھنا شرط ہے اگر جمعہ کی نماز کے بعد خطبہ پڑھا گیا تو جمعہ کی نماز ادا نہ ہوگی۔ دوبارہ خطبہ کیساتھ پڑھنی ضروری ہوگی، اگر خطبہ کا مقصد صرف وعظ ہوتا تو وہ نماز کے بعد پڑھنے سے بھی پورا ہوسکتا تھا۔

(۳) خطبہ کے وقت مردوں کا ہونا ضروری ہے اگر فقط عورتوں کے سامنے خطبہ پڑھا گیا تو وہ ناکافی ہوگا، مردوں کے آنے کے بعد خطبہ دوبارہ پڑھنا پڑے گا۔

(۴) شور شغب یا کسی اور وجہ سے سامعین سن نہ سکیں تب بھی خطبہ پڑھا جائیگا اور وہ خطبہ معتبر ہوگا۔

(۵) اگر حاضرین سبھی بہرے ہوں یا سب سو رہے ہوں تب بھی خطبہ پڑھنا ضروری ہے، اگر اس حال میں خطبہ نہ پڑھا گیا تو جمعہ کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

(۶) خطبہ کے وقت اگر سامعین سب علماء وفضلاء ہوں، کوئی بھی جاہل نہ ہو تب بھی خطبہ پڑھا جائیگا ورنہ نماز جمعہ صحیح نہ ہوگی۔ اگر خطبہ کا اصلی مقصد صرف وعظ ونصیحت ہی ہوتا تو حضرات علماء کے سامنے اس کی ضرورت نہیں تھی نماز بغیر خطبہ کے درست ہو جاتی۔

اس طرح کے احکام وشرائط سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کی اصل حقیقت ذکر اللہ

ہے، البتہ دوسرے درجہ میں اس کا مقصد وعظ وتذکیر بھی ہے، لہٰذا تکبیر تحریمہ، ثناء، تعوذ تسمیہ، تحمید، تشہد، درود، دعاء قنوت وغیرہ کے مانند خطبہ بھی عربی میں پڑھنا چاہئے اگر عربی میں خطبہ سمجھ میں نہیں آیا، تو نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ بھی کہاں سمجھ میں آتا ہے۔ قرأت بھی ہم کہاں سمجھ سکتے ہیں؟

تو کیا ان تمام کو اُردو کا جامہ پہنایا جائے؟

اس مرض کا اصلی علاج یہ ہے کہ عربی اتنی سیکھ لی جائے کہ خطبہ وغیرہ کا مطلب سمجھ سکیں۔ عبادت کی صورت مسخ (بگاڑنا) کرنا یہ اس کا علاج نہیں ہے (فتاویٰ رحیمیہ، ص۲۶۹ ج ۱)

عربی خطبہ سے اسلامی اتحاد کی حفاظت ہے

عربی زبان میں خطبہ کی اہم مصلحت اسلامی اتحاد کی حفاظت بھی ہے، مسلمان دنیا کے کسی گوشہ میں پہونچ جائے اس کو دوسری عبادت کے مثل خطبہ میں بھی یہ محسوس نہ ہو کہ وہ اجنبی اور غریب الوطن ہے۔ اگر ہر جگہ وہاں کی مادری اور ملکی زبان میں خطبہ پڑھا جائیگا تو ایک مسلمان کو دوسرے ملک میں عبادات کے سلسلہ میں بھی غربت اور اجنبیت محسوس ہوگی، وہ نہ وہاں خطبہ پڑھ سکے گا، نہ اس کو سمجھ سکے گا اور اس طرح اسلامی اتحاد پارہ پارہ ہوکر رہ جائیگا۔

عربی کیساتھ اُردو ترجمہ کرنا بھی مفید نہیں ہے کیونکہ سامعین مختلف ممالک وزبان کے لوگ ہوتے ہیں۔ کس کس کی زبان میں ترجمہ کیا جائیگا؟ نیز اس طرح ترجمہ کرنے میں طوالت ہوتی ہے اور خطبہ میں اس طرح طوالت خلاف سنت اور مکروہ ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ، ص۲۷۰ ج ۱)

عہد نبوی ﷺ اور خطبہ جمعہ

جس طرح آج تبلیغ احکام اور اس کی تعلیم واشاعت کی حاجت ہے اس وقت (عہد نبوی ﷺ میں) اس سے زیادہ تھی کیونکہ اب تو کتب ورسائل ہر قوم کی زبان میں ہزار ہا موجود ہیں۔ اس وقت سلسلہ طباعت وتصنیف بالکل نہ تھا۔ نیز یہ بھی نہ تھا کہ حضور پرنور ﷺ

کے مخاطب ہمیشہ اہلِ عرب ہی ہوں، بلکہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ روم وفارس اور مختلف بلادِ عجم کے لوگ آں حضرت ﷺ کی مجلس خطبہ میں شریک ہوتے تھے۔ اب اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ آپ ﷺ بوجہ مادری زبان عربی ہونے کے دوسری زبان میں خطبہ نہ دیتے تھے تو اگر خطبہ وعظ تبلیغ ہی تھا اور تبلیغ سرورکائنات ﷺ کی ظاہر ہے کہ تمام اقوام عرب وعجم کیلئے عام ہے تو عجمیوں (غیر عرب) کی رعایت سے ایسا کیا جاسکتا تھا کہ کسی صحابی کو حکم فرماتے کہ جو خطبہ کے بعد ہی اسکا ترجمہ عجم کی زبان میں سنادیتے، جیسا کہ بعض وفود وغیرہ سے مکالمہ کے وقت ترجمان سے کام لیا جاتا تھا لیکن تمام عمر نبوی ﷺ میں اس قسم کا ایک بھی واقعہ مروی نہیں۔

حضور ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک سیل رواں کی صورت میں بلادِ عجم میں داخل ہوئے اور دُنیا کا کوئی گوشہ نہ چھوڑا، جہاں اسلام کا کلمہ نہیں پہنچادیا اور شعائر اسلام، نمازِ جمعہ وغیرہ قائم نہیں کردیئے۔ ان حضرات کے خطبے تاریخ کی کتابوں میں آج بھی بالفاظہا مذکور ومدون ہیں، ان میں سے کسی ایک نے بھی کبھی بلادِ عجم میں اپنے مخاطبین کی ملکی زبان میں خطبہ نہیں دیا، حالانکہ وہ ابتداء فتح واسلامی تعلیمات کی اشاعت کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا جبکہ تمام لوگ تبلیغ احکام کے آج سے کہیں زیادہ محتاج تھے۔

یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ ان کو عجمی زبان سے واقفیت نہ تھی۔ کیونکہ بہت سے صحابہؓ کا عجمی زبانوں فارسی یا رومی یا حبشی وغیرہ سے واقف ہونا بلکہ بخوبی تقریر کرسکنا ان کی سوانح اور تذکروں میں بصراحت مذکور ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ثابت ہے کہ وہ بہت سی مختلف زبانیں جانتے تھے اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روم کے باشندے تھے، اسی طرح بہت سے صحابہ ہیں کی مادری زبانیں عربی کے علاوہ دوسری تھیں۔ اس کے علاوہ اگر معانی خطبہ کو عجمیوں کے علم میں لانا خطبہ کے وقت ہی ضروری سمجھا جاتا اور خطبہ کا مقصد صرف تبلیغ ہی ہوتی تو جو سوال آج کیا جاتا ہے کہ خطبہ عربی میں پڑھنے کے بعد اس کا ترجمہ اُردو یا کسی ملکی زبان میں کردیا جائے کیا یہ اس وقت ممکن نہ تھا؟ جیسا کہ دوسری ملکی وسیاسی ضرورتوں کے لئے ہر صوبہ میں عمال حکومت اپنے پاس ترجمان رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مستقل ترجمان انہیں ضرورتوں کیلئے اپنے پاس رکھا تھا (بخاری میں موجود ہے) لیکن اس کے باوجود نہ حضرت ابن عباسؓ سے نہ کسی دوسرے صحابیؓ سے یہ غیر عربی زبان میں خطبہ دینا یا خطبہ کا ترجمہ کرانا یا خود کرنا بالکل منقول نہیں اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ خطبہ کیلئے سنت یہ ہی ہے کہ وہ صرف عربی زبان میں پڑھا جائے اور ضرورت کے وقت بھی اس کا ترجمہ وغیرہ نہ کیا جائے۔ (خطبات جمعہ وعیدین، ص۶۲ تا ۶۴)

خطبہ جمعہ وعیدین میں فرق ہے

(۱) خطبہ عیدین جمعہ کی طرح نماز کیلئے شرط نہیں بلکہ بغیر خطبہ بھی نماز عیدین صحیح ہو جاتی ہے۔

(۲) خطبہ عیدین فرض وواجب نہیں بلکہ سنت ہے۔

(۳) خطبہ عیدین بعد نماز عید پڑھا جاتا ہے۔

علامہ شامی رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں کہ "فرق درمیان خطبہ جمعہ وعیدین کے یہ ہے کہ خطبہ عیدین میں سنت ہے شرط نہیں اور یہ کہ عیدین میں خطبہ نماز کے بعد ہے بخلاف جمعہ کے۔

بحرالرائق میں ہے کہ اگر عیدین میں بالکل خطبہ نہ پڑھا جائے تو نماز صحیح ہو جائیگی اگرچہ ترکِ سنت سے گنہگار ہونگے، اسی طرح نماز سے پہلے خطبہ پڑھنے میں خلاف سنت کا گناہ ہوگا مگر نماز درست ہو جائیگی۔

اُمورِ مذکورہ پر نظر کرتے ہوئے اگر خطبہ عیدین میں عربی خطبہ پڑھ کر اُردو (یا مقامی زبان میں) ترجمہ سنا دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اول تو اس خطبہ کی وہ شان نہیں کہ شرط نماز یا دو رکعت کے قائم مقام ہو۔ دوسرے چونکہ خطبہ عیدین نماز کے بعد ہوتا ہے تو جب خطبہ عربی سے فراغت ہوگی تو نماز عید اور اس کی سنت ادا ہوگی۔ اب خالی وقت ہے اس میں بطور تبلیغ احکام کے ترجمہ سنا دیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور تطویل خطبہ بھی لازم نہیں آتا کیونکہ ترجمہ کے وقت اگر کوئی شخص جانا چاہے تو کوئی حرج شرعی ان پر عائد نہیں ہوتا بخلاف خطبہ جمعہ کے کہ وہاں ابھی تک نماز نہیں ہوئی، نماز کا انتظار لامحالہ ضروری ہے۔ (خلاصہ "الاجوبہ فی عربیہ" از مفتی محمد شفیعؒ)

خطبہ کا عام حل

جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کے اجتماع عظیم اور اظہار شوکت اسلامیہ کو بڑا دخل ہے۔ اجتماع عظیم کے سامنے خطبہ دینے کا مقصد ان کی دینی، اجتماعی ضرورتوں کو رفع کرنا اور ان کے متعلق احکام اسلامیہ کی تبلیغ کرنا، ایک جم غفیر کا اجتماعی حیثیت سے رب العالمین کی بارگاہ معلیٰ میں سر بہ سجود ہونا ہے۔

ایک خطبہ ہمیشہ کیلئے متعین کر لینا اور ہر جمعہ کو وہی پڑھ دینا اگر چہ فرضیت کو پورا کر دیتا ہے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ مقصد خطبہ سے دور ہے۔ لیکن خطبہ میں نظم واشعار پڑھنا غیر ضروری باتیں کرنا، عربی نثر کے سوا اور کسی طرح خطبہ پڑھنا بھی سنت قدیمہ متوارثہ کے خلاف ہے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ اذان خطبہ سے پہلے مقامی زبان میں تمام ضروری باتیں بیان کر دی جائیں جن میں مسائل بھی ہوں اور دوسری ضروری باتیں بھی ہوں، اس کے بعد خطبہ کی اذان ہو اور زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ میں دونوں خطبے خالص عربی زبان میں ادا کر لیے جائیں، اس میں ضرورت بھی پوری ہو جائیگی اور خطبہ کی وضع مسنون بھی قائم رہے گی۔ (کفایت المفتی، ص ۲۲۰ ج ۳)

لوگوں کو وقتی ضروریات اور ضروری مسائل سے آگاہ تو کر دیا جائے لیکن تطویل نہ کی جائے۔ تھوڑا سا وقت جو قابل برداشت ہو اس میں صرف کیا جائے۔

(کفایت المفتی، ص ۲۱۹ ج ۳)

تفہیم کی ضرورت سے انکار نہیں لیکن طریقہ ماثورہ کی حفاظت بھی ضروری ہے۔

(کفایت المفتی، ص ۲۱۴ ج ۳)

خطیب پر یہ لازم نہیں کہ سامعین کو سمجھانے کیلئے غیر عربی میں خطبہ پڑھے۔ یہ تو سامعین یعنی سننے والوں کی کمزوری ہے کہ عربی زبان سے نابلد ہیں۔ (کفایت المفتی، ص ۲۱۲ ج ۳)

(اگر کسی کے پاس حکومت وقت یا کسی اور کے پاس سے دوسری زبان میں کوئی حکم یا پیغام آجائے تو بتا کہ اسکو سمجھے بغیر کیسے چین آئیگا۔ اسلیئے کم از کم کچھ تو عربی زبان کی سوجھ بوجھ ہونی چاہیئے۔ محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ)

جمعہ کا خطبہ شرائط میں سے ہے

(۱) جمعہ کے خطبہ کو باتفاق فقہاء شرائط میں شمار کیا گیا ہے۔ اگر خطبہ کا مقصد وعظ تبلیغ ہی تھا تو جمعہ کے شرائط میں داخل کرنے کے کوئی معنی نہ تھے کہ ادائے جمعہ اس پر موقوف ہو جائے۔

(۲) خطبہ کیلئے ظہر کا وقت ہونا شرط ہے۔ (بحرالرائق، ص ۱۵۸ ج ۱)

خطبہ کیلئے ظہر کا وقت شرط ہے، اگر قبل ظہر خطبہ پڑھ لیا اور نماز جمعہ ظہر کے وقت کے اندر پڑھی تو یہ خطبہ اور نماز دونوں صحیح نہیں ہوئے۔ اگر خطبہ کا مقصد ذکر محض نہ تھا بلکہ وعظ تبلیغ مقصد ہوتو ظہر کے وقت کی کیا تخصیص ہے۔ اگر زوال سے پہلے کوئی خطبہ پڑھ لے اور نماز بعد زوال پڑھے تو کیا مقصد وعظ ادا نہ ہوگا کہ فقہاء اس صورت میں جمعہ کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔

(۳) ادائے خطبہ کیلئے صرف پڑھ دینا کافی ہے کسی کا سننا ضروری نہیں، اگر چند بہرے آدمیوں کے سامنے یا سوتے ہوئے لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھ دیا پھر نماز جمعہ پڑھی تو خطبہ ادا ہو گیا اور نماز صحیح ہو گئی، اگر مقصود خطبہ وعظ وتذکیر ہوتو مذکورہ کے جواز کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

(۴) اگر خطبہ پڑھنے کے بعد امام کسی کام میں مشغول ہو گیا اور نماز میں کوئی معتد بہ فصل ہو گیا تو قول مختار کے موافق خطبہ کا اعادہ کرنا ضروری ہے اگر چہ سننے والے دوبارہ بھی وہی ہونگے جو پہلے سن چکے ہیں۔ اگر وعظ و پند ہی خطبہ کا مقصد ہوتا تو اس اعادہ سے کیا فائدہ متصور ہے۔

(۵) بہت سے فقہاءؒ نے خطبہ جمعہ کو دو رکعتوں کے قائم مقام قرار دیا ہے۔

(۶) خطبہ کی جو پندرہ سنتیں مذکورہ ہوئی ہیں وہ بھی یہی بتلاتی ہے کہ خطبہ کا اصلی مقصد ذکر اللہ ہے وعظ و تبلیغ اسکے مقاصد اصلیہ میں داخل نہیں ورنہ ان آداب اور سنن کا وعظ وتذکیر سے کوئی علاقہ معلوم نہیں ہوتا۔

امور مذکورہ سے یہ بات اچھی طرح روشن ہو گئی کہ خطبہ جمعہ کا مقصد اصلی شریعت کی نظر میں صرف ذکر اللہ ہے وعظ وتذکیر اس کی حقیقت و مقصد کا جز نہیں۔ البتہ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ خطبہ میں کلمات وعظ وتذکیر کا ہونا سنت ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی

ثابت ہوا کہ ان تمام کلمات کا خاص عربی زبان میں ہونا سنت ہے، تو جس طرح وعظ وتذکیر وغیرہ کے کلمات کا خطبہ میں چھوڑ دینا خلاف سنت ہوا اسی طرح غیر عربی زبان میں پڑھنا یا عربی میں پڑھ کر اس کا ترجمہ سنانا یہ بھی خلاف سنت اور مکروہ ٹھہرا۔

(خطبات ماثورہ، ص۲۱ بحوالہ رسالہ الاجوبۃ فی عربیہ از مولانا مفتی محمد شفیع علیہ الرحمۃ مفتی اعظم پاکستان)

نکاح کے فضائل

مسئلہ۔ : نکاح کرنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے اور نکاح کے بہت سے فوائد احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً جو شخص باوجود استطاعت کے نکاح سے بے رغبتی اور اعراض کرے، اس کے بارے میں آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''وہ شخص میرے طریق پر نہیں ہے''۔

(فتاویٰ دارالعلوم، ص۴۱ ج۷ بحوالہ مشکوٰۃ، ص۲۶۸ ج۲)

مسئلہ:۔ جوان اولاد کے نکاح میں حتی الوسع جلدی کرنا ضروری ہے، خصوصاً لڑکی کے نکاح میں باوجود موقع مناسب ملنے کے دیر کرنا بہت برا ہے۔ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگر اس اولاد سے گناہ سرزد ہو تو وبال اس کے باپ پر ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم، ص۲۳ ج۷ بحوالہ مشکوٰۃ، ص۲۷۱ ج۱)

مسئلہ:۔ نکاح ثانی (دوسرا نکاح) شرعاً جائز اور مستحب ہے۔ آں حضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ نکاح ثانی کو رسم کی وجہ سے عیب جاننا گناہ ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم، ص۴۵ ج۷)

(آں حضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں اکثر بیوہ عورتیں تھیں، اسی طرح بہت سے صحابہؓ نے بیواؤں سے شادیاں کی ہیں۔ رفعت قاسمی)

مسئلہ:۔ شریعت سے مرد کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت اور اباحت ہے، لیکن ساتھ میں یہ حکم بھی ہے کہ ان میں عدل ومساوات کرے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص۴۷ ج۷ بحوالہ قرآن کریم پارہ نمبر۴)

مسئلہ: دوسری شادی پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر دو بیویوں کے حقوق پورے ادا کرے اور برابر عدل کرے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص۵۱ ج۷ بحوالہ درمختار، ص۵۴۶ ج۲)

نکاح میں آں حضرت ﷺ کا عمل

آں حضرت ﷺ نے اپنے طرز عمل اور ارشادات سے نکاح وشادی کی جو عمومی طریقہ مقرر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ مرد کی طرف سے عورت کے اولیاء اور سرپرستوں کو پیام دیا جائے اور رشتہ کی طلب واستدعا کی جائے۔ وہ اگر رشتہ کو مناسب اور قرین مصلحت سمجھیں تو عورت کے عاقلہ بالغہ اور صاحب رائے ہونے کی صورت میں اسکی مرضی معلوم کر کے اور کم سن (کم عمر) ہونے کی صورت میں اپنی مخلصانہ اور خیر خواہانہ صوابدید کے مطابق رشتہ منظور کر لیں اور نکاح کر دیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہی طریقہ فطرت وحکمت کے عین مطابق ہے۔

نکاح وشادی کی اصل ذمہ داریاں چونکہ عورت پر عائد ہونگی اور وہی ساری عمر کے لئے ان کی پابند ہوگی، اسلیئے اس کی رائے اور رضامندی لینا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے، اور اس کے نفس کا اصل مختار خود اسی کو قرار دیا گیا ہے، ولی اور سرپرست کو حق نہیں ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف کسی سے اس کا نکاح کر دے۔

اسی کے ساتھ عورت کو شرفِ نسوانیت کی رعایت سے ہدایت فرمائی گئی کہ معاملہ اولیاء اور سرپرستوں ہی کی ذریعے طے ہو اور وہی عقد ونکاح کرنے والے ہوں یہ بات عورت کے مقام شرف کے خلاف ہے کہ کسی کی بیوی بننے کا معاملہ وہ خود براہ راست طے کرے اور خود سامنے آکر اپنے کو کسی کے نکاح میں دے۔ (کورٹ میرج کرے)۔

علاوہ ازیں چونکہ کسی لڑکی کے نکاح کے کچھ اثرات اس خاندان پر بھی پڑتے ہیں اس وجہ سے بھی اولیاء (خاندانی بزرگوں کو کسی درجہ میں دخیل قرار دیا گیا ہے، اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر سارا معاملہ عورت ہی کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور اولیاء بے تعلق رہیں تو اس کا بہت زیادہ امکان ہے کہ بے چاری عورت دھوکہ کھا جائے اور کسی کے دام فریب میں آکر خود اپنے حق میں غلط فیصلہ کر لے، ان سب وجوہ کی بناء پر ضروری قرار دیا گیا ہے کہ (خاص استثنائی صورتوں کے علاوہ) نکاح وشادی اولیاء ہی کے ذریعے ہو۔ (معارف الحدیث، ص ۱۰ ج ۷)

نکاح کی فقہی حیثیت

مسئلہ:۔ عام حالات میں نکاح کرنا سنت موکدہ اور غلبہ شہوت کے وقت واجب ہے، لیکن اگر بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں ظلم کا احتمال ہو تو مکروہ ہے۔ (کتاب الفقہ، ص۲۴ ج۴)

نکاح کے ارکان

مسئلہ:۔ نکاح کے دو رکن (اجزائے لازمی) ہیں۔ (۱) ایجاب۔ (۲) قبول۔ عورت یا مرد کی طرف سے جو کلام پہلے بولا جاتا ہے اس کو ایجاب اور دوسرے کو قبول کہتے ہیں۔
(عالمگیر، ص۵ ج۲)

نکاح کے یہ دو ایسے رکن ہیں کہ ان کے بغیر نکاح کی تکمیل نہیں ہو سکتی ہے، ایک تو ایجاب یعنی وہ الفاظ جو ولی یا ولی کے قائم مقام کی طرف سے (اگر لڑکی ناسمجھ یا چھوٹی ہے) کہے جائیں، دوسرے قبول یعنی وہ الفاظ جو خاوند یا اسکے قائم مقام کی طرف سے کہے جائیں (جب کہ دولہا بہت ہی چھوٹا ہو اور بولنا بھی نہ جانتا ہو)۔ (کتاب الفقہ، ص۲۴، ج۴)

مسئلہ:۔ نکاح نام ایجاب وقبول کا ہے یہ دونوں (عورت کی اجازت اور مرد کا قبول کرنا) رکن نکاح ہیں، اور سننا ہر ایک کا عاقدین میں سے دوسرے کے لفظ کو اور سننا گواہوں کا ایجاب وقبول کو یہ شرائط میں سے ہیں اور سنن ومستحبات میں سے اعلان نکاح وغیرہ ہے۔
(فتاوی دار العلوم، ص۵۳ ج۷ بحوالہ الدر المختار، ص۳۶۰ ج۲)

ایجاب وقبول کا مطلب

''ایجاب'' کہتے ہیں ہامی بھرنے، اقرار کرنے کو یعنی لڑکی اقرار کرے کہ میں فلاں شخص سے نکاح پر آمادہ ہوں، تیار ہوں اور یہ اقرار ضروری نہیں ہے کہ لڑکی کی طرف سے الفاظ میں یعنی لفظاً ہو۔ اشارۃً کنایۃً بھی کافی سمجھا جا سکتا ہے۔

اور ''قبول'' نام ہے مرد کے اس اعلان کا کہ میں نے فلاں بنت فلاں کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ یہاں مرد کیساتھ اقرار کے بجائے اعلان کا لفظ اسلیئے استعمال کیا گیا کہ مرد کا اشارۃً یا کنایۃً اقرار کافی نہیں ہے بلکہ اسے صاف الفاظ میں بہ آواز بلند کہنا ہوگا کہ

میں نے قبول کی، یا میں نے قبول کیا۔ اور مرد کا یہ اعلان دلہن بھی سنے، یہ شرعاً بالکل ضروری نہیں ہے بلکہ وکیل اور گواہوں کا سننا کافی ہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

مسئلہ:۔ ایجاب وقبول کا ایک ساتھ ہونا شرط نہیں ہے۔ (کتاب الفقہ، ص ۲۶ ج ۴)

نکاح کی شرائط

مسئلہ:۔ نکاح میں متعدد شرطیں ہیں۔

(۱) عقد نکاح کرنے والے کا سمجھدار ہونا۔ (۲) بالغ ہونا۔ (۳) آزاد ہونا۔ ان میں سے امر اول نکاح منعقد ہونے کیلئے شرط ہے، لہٰذا اگر کوئی مجنون یا ناسمجھ نکاح کا معاملہ کرے تو نکاح منعقد نہ ہوگا اور آخری دو باتیں نکاح کے نافذ ہونے کیلئے شرط ہیں اسلیئے سمجھدار نابالغ بچہ کا کیا ہوا نکاح اسکے ولی اور سرپرست کی اجازت سے نافذ ہوگا۔ (بدائع)

(۴) محل نکاح (عورت کا ہونا یعنی اس عورت کا ہونا جس سے بذریعہ نکاح لطف اندوز ہونے کی اجازت شریعت نے دی ہے)۔

(۵) عقد کرنے والوں میں سے ہر ایک دوسرے کا کلام سنے۔ (یا ان کا قائم مقام سنے)

(۶) گواہ ہونا۔ اکثر علماء کا فیصلہ ہے کہ گواہ بنانا صحتِ نکاح کیلئے شرط ہے۔

اور گواہی کیلئے چار شرطیں ہیں۔

(۱) آزاد ہونا۔ (۲) سمجھدار ہونا۔ (۳) بالغ ہونا۔ (۴) مسلمان ہونا۔

مسئلہ:۔ اور گواہی کیلئے عدد معین دو مرد یا ایک مرد و دو عورتیں ہونا شرط ہے، لہٰذا ایک مرد کی گواہی سے نکاح نہ ہوگا۔ (بدائع)

گواہ کیلئے صرف مرد ہونا ضروری نہیں اسلیئے ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے نکاح ہو جائیگا۔ (ہدایہ)

مسئلہ:۔ محض دو عورتوں یا دو مخنثوں کی گواہی سے نکاح نہ ہوگا۔ (فتاویٰ دار العلوم، ص ۱۰۵ ج ۷)

مسئلہ:۔ دو گواہوں کا ہونا اور ایجاب وقبول کو سننا فرض ہے اور شرط ہے (فتاویٰ دار العلوم، ص ۳۷ ج ۷)

(۷) نکاح کی ساتویں شرط یہ ہے کہ دونوں گواہ نکاح کرنے والے کا کلام ایک ساتھ سنیں۔ (فتح القدیر)

مسئلہ: اگر گواہ بہرے تھے تو نکاح نہ ہوگا۔ (جب تک کہ وہ سن نہ لیں)۔

مسئلہ: ہکلے اور ایسے گونگے کی گواہی سے نکاح ہو جائیگا جو سنتا ہو۔

مسئلہ: اگر دو گواہوں میں سے ایک بہرا ہے، دوسرے گواہ نے عاقدین (مرد و عورت) کا کلام سنا اور پھر اسی نے یا کسی دوسرے شخص نے بہرے کے کان میں بآواز بلند کہہ دیا تب بھی نکاح نہ ہوگا جب تک دونوں گواہ ایک ساتھ نہ سنیں۔

(۸) آٹھویں شرط: لڑکی اگر بالغ ہو تو اسکی رضامندی ضروری ہے، بالغہ کا ولی نکاح کیلئے مجبور نہیں کر سکتا۔

(۹) ایجاب وقبول (عورت و مرد کے کلام) ایک ہی مجلس میں ہوں، لہٰذا مجلس بدل جائے، مثلاً دونوں مجلس میں موجود تھے۔ مرد و عورت میں سے کسی ایک نے ایجاب کیا اور دوسرا قبول کرنے سے پہلے ہی مجلس سے آٹھ گیا یا ایسے کام میں مشغول ہو گیا جس سے مجلس بدل جاتی ہے تو نکاح نہ ہوگا۔ (عالمگیری، ص۸ ج۲)

(یعنی نکاح کرنے والے خواہ مرد عورت خود ہوں یا دونوں کے سرپرست ہوں یا ایک کا سرپرست ہو اور دوسرا خود ہو، دونوں میں سے پہلے شخص کے کلام کو ایجاب اور دوسرے کے کلام کو قبول کہا جاتا ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

مسئلہ: گواہوں کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ نکاح کے مخصوص الفاظ کے معنی بھی جانتے ہوں لیکن یہ شرط ہے کہ وہ اتنا جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

(کتاب الفقہ، ص۳۵ ج۴ در مختار، ص۳۷۷، ج۲)

مسئلہ: نابینا اشخاص یا تہمت یا زنا کے جرم میں سزا یافتہ اشخاص کی شہادت (گواہی) سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے، اگر چہ انہوں نے توبہ نہ کی ہو، یا بدکار رہوں۔

مسئلہ: بیٹے کی شہادت (گواہی) سے بھی نکاح ہو جاتا ہے اگر چہ نکاح کے علاوہ اس کی گواہی باپ یا ماں کے حق میں تسلیم نہیں کی جاتی۔ غرض نکاح کی گواہی کیلئے اصول اور فروع (یعنی اوپر نیچے دونوں طرف کے رشتہ داروں کی گواہی درست ہے۔

(کتاب الفقہ، ص۳۳ ج۴ وعلم الفقہ، ص۳۶ ج۲)

مسئلہ: دونوں گواہ ایسے ہوں کہ ان کو عدالت میں پیش کر سکیں۔
مسئلہ: گواہوں کو مجلس نکاح میں موجود ہونا چاہیئے تا کہ وہ ایجاب وقبول کو سنیں۔
(علم الفقہ، ص۳۶ ج۶)

گونگے ونابینا کا نکاح کیسے پڑھائے؟

مسئلہ: جس طرح اور ضروریات نابینا وبہرے کو سمجھائی جاتی اور اس سے دریافت کی جاتی ہیں اسی طرح نکاح بھی کر دیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ، ص۳۲۳ ج۱۰ بحوالہ شامی، ص۲۶۵ ج۲)
مسئلہ: عورت کی اجازت سے گونگے سے نکاح درست ہے اور گونگے کا قبول کرنا اشارہ سے ہوسکتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، ص۹۰ ج۷)
مسئلہ: گونگے کا نکاح ایسے اشارہ سے صحیح ہو جایگا جس سے ایجاب یا قبول (ہاں، اقرار) سمجھ میں آتا ہو اور سننے والوں کو اسکی مراد معلوم ہو جائے۔
(احسن الفتاویٰ، ص۳۳ ج۵ بحوالہ ردالمختار، ص۹۹۴ ج۲)
مسئلہ: اگر گونگا لکھنا پڑھنا جانتا ہو تو لکھ کر اسکے سامنے کر دیا جائے اور وہ لکھ دے کہ مجھے قبول ہے۔ اگر لکھنا نہ جانتا ہو تو اشارہ سے قبول کرنا کافی ہے۔
(فتاویٰ دار العلوم، ص۶۰ ج۷ بحوالہ ردالمختار، ص۵۸۴ ج۲)

نابالغ بچوں کے نکاح کا طریقہ

مسئلہ: نکاح کی مجلس میں نکاح پڑھانے والا دو گواہوں کے سامنے اور حاضرین مجلس کے روبرو نابالغہ لڑکی (بچی) کے باپ کو خطاب کر کے یوں کہے کہ آپ نے اپنی بیٹی کو بعوض مہر اتنے میں فلاں صاحب کے لڑکے کے نکاح میں ''بیوی بنا کر دی'' نابالغہ کے باپ نے کہا: ''دی''۔ پھر نکاح پڑھانے والا نابالغ بچہ کے باپ سے خطاب کر کے کہے کہ آپ نے فلاں صاحب کی لڑکی کو اپنے لڑکے کے نکاح میں ''بیوی بنا کر قبول کی'' تو جب نابالغ کے باپ نے کہا کہ ''قبول کی'' تو اس طرح سے ایجاب وقبول سے نکاح درست ہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ، ص۲۴۷ ج۵)

مسئلہ:۔ رجسٹر میں لڑکے لڑکی کا نام درج ہو اور ولی بقلم کر کے اپنا نام لکھ دیں، لڑکے اور لڑکی (بچہ و بچی) کے دستخط کی ضرورت نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ص ۲۴۷ ج ۵)

غیر مسلم جج کے سامنے نکاح کرنا

مسئلہ: اگر چہ سرکاری دفتر میں غیر مسلم جج کے روبرو دو مسلمان مرد یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتوں کی موجودگی میں باقاعدہ ایجاب وقبول ہو جانے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور حقوق زوجیت بھی حاصل ہو جاتے ہیں، لیکن نکاح کا یہ طریقہ خلافِ سنت ہے مسنون طریقہ یہ ہے کہ نکاح علی الاعلان ہو اور خطبہ ماثورہ پڑھا جائے، لہٰذا قانونی کاروائی کے بعد گھر آ کر فوراً مسنون طریقہ سے نکاح کر لیا جائے تاخیر کرنا غیر ضروری، نامناسب اور خلافِ مصلحت ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ص ۲۴۲ ج ۵)

نکاح کیلئے کیا قاضی کا ہونا ضروری ہے؟

مسئلہ: قاضی شہر کے علاوہ برضاء طرفین اگر دوسرا شخص نکاح پڑھادے تو یہ صحیح ہے نکاح ہو جائیگا۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص ۱۵۷ ج ۷)

مسئلہ: شرعاً پورا اختیار ہے کہ جس کے ذریعے دل چاہے نکاح پڑھوالیا جائے کسی خاص نکاح خواں کی کوئی قید نہیں ہے، لہٰذا جو شخص دیندار اور مسائل نکاح سے واقف ہو، اس سے نکاح پڑھوالیا جائے۔

مسئلہ: نکاح خوانی کسی خاص خاندان یا کسی خاص شخص کا شرعاً حق نہیں ہے۔ جس سے نکاح پڑھوالیا جائے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ انتظامی قضیہ جداگانہ ہے (فتاویٰ دارالعلوم، ص ۱۶۳ ج ۷)

مسئلہ: مسنون یہ ہے کہ خطبہ نکاح کا وہ شخص پڑھائے جو لڑکی کا ولی ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کے نکاح کے وقت خود ہی خطبہ پڑھا تھا، ہاں اگر کوئی جاہل شخص ولی ہو یعنی وہ خطبہ نہ پڑھ سکتا ہو تو اور کسی سے خطبہ نکاح پڑھوائے۔ (علم الفقہ، ص ۲۱ ج ۶)

مسئلہ: بے نمازی کا پڑھا ہوا خطبۂ نکاح درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص ۱۴۸ ج ۷)

(گو بہتر یہی ہے کہ کسی عالم وصالح شخص سے نکاح پڑھوائے۔ رفعت قاسمی)

مسئلہ: نکاح خوانی کی اُجرت درست ہے اور جو شخص قاضی (نکاح پڑھنے والے) کو بلا کر لے جائے اور نکاح پڑھوائے، اس کے ذمہ اُجرت لازم ہوگی، لڑکے والا ہو یا لڑکی والا۔
(فتاویٰ محمودیہ، ص۱۸۶ ج۹)

بلا تحریر کے نکاح؟

مسئلہ: بلا تحریر کے نکاح منعقد ہو جاتا ہے تحریر ضروری نہیں ہے۔
(فتاویٰ دارالعلوم، ص۸۶ ج۷، بحوالہ بحرالرائق، ص۳۸ ج۳)

مسئلہ: نکاح کو رجسٹر میں درج کرنا شرعاً لازم نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، ص۲۲۹ ج۱۱)

مسئلہ: مستحب ہے کہ نکاح نامہ تحریر کر لیا جائے۔ (بحرالرائق، ص۹۷ ج۳)

مسئلہ: نکاح نامہ میں نکاح کا دن، تاریخ، وقت، مہر کی تعداد، زوجین اور گواہوں کے نام لکھنے چاہئیں، زوجین یا ان کے وکلاء یا اولیاء سے اور گواہوں سے اس پر دستخط کرالئے جائیں۔
(علم الفقہ، ص۳۸ ج۶)

نکاح پڑھانے والا لڑکی کا تعارف کیسے کرائے؟

مسئلہ: منکوحہ (لڑکی) کا اس طرح تعین ضروری ہے کہ شوہر اور گواہ بخوبی پہچان جائیں، کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے، اگر لڑکی یا والد کے نام لئے بغیر ہی ایسی تعین ہوگئی تو نکاح صحیح ہو گیا۔ مثلاً

(۱) لڑکی مجلس میں موجود ہو تو اسکی طرف اشارہ ہی کافی ہے، کسی کے نام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) لڑکی مجلس میں نہیں مگر اس کے نام سے سب اُسے پہچان لیتے ہیں، اس نام کی کوئی دوسری لڑکی غیر شادی شدہ وہاں نہ ہو تو اس صورت میں لڑکی کا نام لینا کافی ہے، والد کا نام لینا بھی ضروری نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ، ص۳۸ ج۵ بحوالہ ردالمختار، ص۲۹۶ ج۲)

مسئلہ: نکاح پڑھاتے وقت گواہوں اور حاضرانِ مجلس کے سامنے لڑکی کا تعارف کرانے کیلئے قاضی صاحب کو (لڑکی اور) باپ کا نام لینا کافی ہے خواہ تعارف ہو یا نہ ہو (کیونکہ) لڑکی کا نام مع ولدیت کے لینا قائم مقام تعارف کے ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص۱۱۸ ج۷)

مسئلہ: رجسٹر میں نام غلط درج ہونے سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آتا شرعاً اس بات کا اعتبار ہے کہ نکاح پڑھانے والے نے نکاح کے وقت کیا نام لیا۔ اگر اس وقت صحیح نام لیا تھا (چاہے رجسٹر میں غلط لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے) تو نکاح منعقد ہو گیا ورنہ نہیں۔

(فتاوٰی دار العلوم، ص۱۱۴ ج ۷ بحوالہ رد المختار، ص ۳۷۸ ج ۲)

طریقہ نکاح

لڑکی سے جب اجازت لی جائے تو ضروری ہے کہ دو صاحب اس وقت موجود ہوں جو گواہی دے سکیں کہ ان کے سامنے ان صاحب نے اجازت لی ہے۔ جب مجلس نکاح میں یہ آجائیں تو پہلا کام یہ ہے کہ نکاح پڑھانے والے صاحب ان سے تحقیق فرمائیں کہ اُنہوں نے لڑکی سے اجازت لی ہے، لڑکی نے زبان سے اجازت دی ہے یا خاموش رہی ہے، انکار نہیں کیا، کنواری لڑکی کی خاموشی بھی اجازت سمجھی جاتی ہے، نکاح پڑھانے والے صاحب ساتھ ساتھ پھر یہ بھی معلوم کرلیں کہ مہر کتنا ہوگا۔ لڑکی کا نام، ولدیت اور مہر معلوم کرنے کے بعد یہ خطبہ شروع کریں اور خطبہ ختم کرنے کے بعد لڑکے سے فرمائیں کہ فلاں صاحب اپنی لڑکی کا (نام لے کر) نکاح اتنے مہر پر آپ سے کر رہے ہیں، لڑکی نے بھی اجازت دے دی ہے، آپ قبول کرتے ہیں؟ لڑکا جیسے ہی جواب میں کہہ دے کہ میں نے قبول کیا تو نکاح ہو گیا، البتہ ضروری ہے کہ بلند آواز سے کہے کہ دوسرے بھی سن لیں۔

ایک شکل یہ بھی ہے کہ نکاح پڑھانے والے لڑکی کے ولی سے کہیں کہ وہ انکو نکاح کا وکیل بنادیں، تب نکاح پڑھانے والے صاحب کہیں گے کہ میں فلاں لڑکی کا نکاح اتنے مہر پر آپ سے کرتا ہوں، جب ایجاب وقبول ہو چکے تو یہ دُعا پڑھیں جو احادیث میں مروی ہے۔

بارک اللہ لکما و جمع بینکما بالخیر۔ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو برکتیں عطا فرمائے اور دونوں کو بھلائیوں کے ساتھ اکٹھا رکھے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

نکاح میں خطبہ کا حکم

مسئلہ: نکاح میں خطبہ مسنون ہے، نکاح کی صحت اس پر موقوف نہیں ہے کیونکہ صحتِ نکاح کی

شرط شاہدین (دو گواہ) اور ارکان ایجاب وقبول ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص ۵۷ ج ۷)
مسئلہ: عورت ومرد اگر دو گواہوں کے سامنے خود ایجاب وقبول کرلیں، تب بھی شرعاً نکاح صحیح ہوجاتا ہے، اسی طرح اگران کے ولی یا وکیل ایجاب وقبول کرلینگے تب بھی نکاح صحیح ہوجائیگا، اگرچہ خطبہ نہ پڑھا ہو کیونکہ خطبہ پڑھنا صرف مستحب ہے (مسنون ہے) جیسا کہ نکاح کا مسجد میں ہونا اور جمعہ کا دن ہونا بھی مستحب ہے اور ترک مستحب سے اصل نکاح تو صحیح ہوجاتا ہے، البتہ مستحب کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ، ص ۲۹۶ ج ۷)

نکاح کا خطبہ کب پڑھنا چاہیئے؟

سوال: خطبہ نکاح، نکاح سے پہلے پڑھے یا بعد میں پڑھنا چاہیئے؟
جواب: نکاح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ مجلس نکاح میں اولاً خطبہ پڑھا جائے اور اس کے بعد ایجاب وقبول کیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ص ۱۰۴ ج ۲)
مسئلہ: نکاح سے پہلے خطبہ پڑھے، اسکے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ خطبہ مخصوص الفاظ میں ہو۔ ہاں ایسا خطبہ جو روایات میں آیا ہو وہ سب سے بہتر ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۴۶۵ ج ۱)
مسئلہ: عقد نکاح کا اعلان (یا تشہیر) مستحب ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۴۶۵ ج ۱)
مسئلہ: اگر نکاح میں خطبہ نہ پڑھا گیا تو نکاح ہوجائے گا مگر خلافِ سنت ہوگا برکات سے محروم رہے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ص ۱۰۵ ج ۲)

نکاح کا خطبہ بیٹھ کر پڑھے یا کھڑے ہوکر؟

مسئلہ: نکاح کا خطبہ پڑھنا شرط نہیں ہے بلکہ مندوب ہے، بعض حضرات کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں، بعض بیٹھ کر، کھڑے ہوکر پڑھنے میں اعلان کی صورت بھی ہے جو کہ مندوب ہے اور عامۃً یہ چیزیں بیٹھ کر ہوتی ہیں، ان کیلئے مستقل قیام نہیں ہوتا، یہی حال خطبہ نکاح کا بھی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، ص ۱۵۲ ج ۱۱)
مسئلہ: اصل خطبوں میں کھڑے ہوکر ہی پڑھنا ہے، مگر بیٹھ کر بھی جائز ہے، ہندوستان میں عام طور پر اب یہی رواج ہے، عرب میں بھی اب یہی رواج ہوگیا ہے۔ (یعنی بیٹھ کر خطبہ پڑھنا)۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ص ۳۷۵ ج ۲)

ایک مجلس میں چند نکاحوں کیلئے کتنے خطبے ہوں؟

مسئلہ: اگر ایک ہی مجلس میں چند دولہا ہوں تو صرف ایک مرتبہ خطبہ نکاح پڑھ کر سب سے ایجاب وقبول کرانا درست ہے۔ (فتاوی دار العلوم، ص ۱۴۸ ج ۴، بحوالہ ردالمختار، ص ۳۵۹ ج ۲)

ایجاب وقبول کتنی بار؟

مسئلہ: نکاح کا ایجاب وقبول کے الفاظ کو صرف ایک بار کہنا کافی ہے۔

(فتاوی محمودیہ، ص ۳۳۵ ج ۱۰، بحوالہ شامی، ص ۲۶۲ ج ۲)

مسئلہ: لفظ دیا (نکاح میں) اور دی میں کچھ فرق نہیں آتا اور کیا اور کی میں باعتبار معنی کے کچھ فرق نہیں ہے، یہ محاورات کا فرق ہے، اس سے مسئلہ میں کچھ فرق نہیں آتا اور معنی ایجاوقبول کے حاصل ہوگئے اور اگر یہ کہا جائے کہ میں نے قبول کی، دونوں طرح صحیح ہے۔

(فتاوی دار العلوم، ص ۶۵، ج ۷، بحوالہ ہدایہ، ص ۲۸۵ ج ۲ علم الفقہ، ص ۲۵، ج ۶)

مسئلہ: دولہا نے نکاح کے وقت ''قبول کیا'' کے بجائے اگر الحمدللہ کہا تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ (امداد الاحکام، ص ۲۰۱ ج ۱۳)

مسئلہ: ایجاب وقبول کے گواہ آنکھ والے موجود ہوں تو نکاح درست ہوجائیگا اگر چہ خطبہ پڑھانے والا اندھا ہو۔ (فتاوی محمودیہ، ص ۱۹۵، ج ۱۳)

خطبہ نکاح کا سننا

مسئلہ: نکاح کا خطبہ خود تو مسنون ہے مگر اس کا سننا حاضرین پر واجب ہے اور کچھ تخصیص نکاح کے خطبہ کی نہیں بلکہ تمام خطبوں کا یہی حال ہے خواہ وہ فی نفسہ مسنون ہو یا واجب مگر انکا اول سے لے کر آخر تک سننا حاضرین پر ہر حال میں واجب ہے۔ (طحطاوی شرح مراقی الفلاح، ص ۴۱۲)

مہر کی اہمیت

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں نکاح کا جو شریفانہ طریقہ عربوں میں رائج تھا، اس میں مہر مقرر کیا جاتا تھا، یعنی نکاح کرنے والے مرد کے لیے ضروری ہوتا تھا کہ وہ بیوی کو ایک معین رقم ادا کرنا اپنے ذمہ لے۔ اسلام میں اس طریقہ کو برقرار رکھا گیا۔

یہ مہر اس بات کی علامت ہے کہ کسی عورت سے نکاح کرنے والا مرد اس کا طالب اور خواستگار ہے اور وہ اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق اس کو مہر کا نذرانہ پیش کرتا ہے یا اس کی ادائیگی اپنے ذمہ لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مہر کی کوئی زیادہ مقدار معین نہیں فرمائی کیونکہ نکاح کرنے والوں کے حالات اور ان کی وسعت واستطاعت مختلف ہوسکتی ہیں۔ البتہ خود آں حضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادیوں کا مہر پانچ سو درہم، ۱۰۷/۱ اکلوگرام چاندی مقرر فرمایا اور آپ ﷺ کی اکثر ازواج مطہراتؓ کا مہر بھی یہی تھا۔ لیکن حضرت ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کے سامنے اس سے بہت کم اور بہت زیادہ مہر باندھے جاتے تھے، حضور ﷺ کی صاحبزادیوں اور زواج مطہرات والے مہر کی پابندی ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔ مہر کے بارے میں قرآن وحدیث کی ہدایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض فرضی اور رسمی بات اور زبانی جمع خرچ کی قسم کی چیز نہیں ہے، بلکہ شوہر کے ذمہ اس کی ادائیگی لازم ہے، الّا یہ کہ بیوی خود ہی وصول کرنا نہ چاہے۔ (معارف الحدیث، ص۲۴ ج ۷)

مہر میں طے شدہ مقدار وگنتی کا اعتبار ہے

مہر یا کسی بھی سلسلہ کے قرض میں اس معنوی اور عملی قدر وقیمت کو نہیں دیکھا جاتا کہ آج سے پچاس سال پہلے پانچ ہزار روپے مہر کی حیثیت آج کے ایک لاکھ روپے سے زیادہ ہوتی ہے، بلکہ طے شدہ گنتی اور مقدار کو دیکھا جاتا ہے، مثلاً زید نے بکر سے بیس سال قبل ایک ہزار روپے بطور قرض لیے تھے تو آج وہ ایک ہزار ہی ادا کریگا۔ بکر یہ مطالبہ نہیں کرسکتا کہ بیس سال پہلے جو میں نے ایک ہزار روپے دیئے تھے، آج وہ پچاس ہزار روپے کے برابر ہوگئے ہیں، لہٰذا پچاس ہزار روپے ادا کرو۔ اسی طرح مہر بھی ایک قرض ہے، سکہ رائج الوقت کی جو گنتی مقرر کی گئی تھی وہ ہی گنتی واجب الاداء ہوگی، چاہے پچاس سال گذر جائیں۔

اگر سکہ رائج الوقت کے علاوہ سونا، چاندی وزن کے لحاظ سے مقرر کیا جائے یا مہر فاطمی (ایک کلو چھ سو پینتیس ملی گرام چاندی) مقرر کیا جائے تو اس میں عورت کو فائدہ ہوتا ہے، کیونکہ سونے وچاندی کی قیمت برابر بڑھتی رہتی ہے اور سنت نبویہ ﷺ میں برکت بھی ہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مہر معجّل اور موجل کی تعریف

مسئلہ:۔ مہر معجّل اور موجل کے جو لغوی معنی ہیں وہی اصطلاحی فقہاء میں ہے یعنی مہر فی الحال (فوری طور پر) دیا گیا یا فی الحال دینا اس کا قرار پائے وہ معجّل ہے (علی الفور وعدہ کیا گیا ہو)۔
اور جس مہر کی کچھ مدت ادائیگی کیلئے مقرر کی گئی یا لا علی التعین (کوئی وقت مقرر نہ ہو) چھوڑا گیا ہو وہ موجل ہے اور غیر معین مدت کیلئے مدت موت یا طلاق ہے، پس اگر نصف مہر معجّل اور نصف موجل تو معجّل کا مطالبہ عورت فی الحال کر سکتی ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم، ص ۲۴۹ ج ۶ بحوالہ در مختار، ص ۴۹۲ ج ۲)

(مہر موجل جس کی ادائیگی کا علی الفور وعدہ نہ ہو بلکہ کسی مدت پر محمول ہو خواہ وہ مدت معلوم ہو یا مجہول۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ: اور جس نکاح میں مہر معجّل (فوری مہر) اور مؤجل (غیر فوری) کا کچھ ذکر نہ ہو اس میں عرف عام کا اعتبار ہے، یعنی جس قدر عرفاً اول دیا جاتا ہو، اس قدر معجّل ہوگا اور باقی مؤجل۔

(فتاویٰ دار العلوم، ص ۳۵۳ ج ۶ بحوالہ عالمگیر، ص ۲۹۸ ج ۲ واحسن الفتاویٰ، صہ ۳ ج ۵)

مہر کی ادنیٰ مقدار

مسئلہ:۔ مہر کی ادنیٰ مقدار شریعت نے دس درہم (۳۰ گرام ۶۱۸ ملی گرام) مقرر کی ہے اور زیادہ کی تحدید کچھ نہیں، طرفین جس قدر چاہیں اور وسعت سمجھیں مقرر کر سکتے ہیں، حیثیت سے زیادہ نام آوری وشہرت کیلئے شرعاً پسندیدہ نہیں، بلکہ نہایت مذموم اور بُرا ہے، احادیث میں اسکی ممانعت آئی ہے اور جب مہر نہ دینے یا معاف کرانے کی نیت ہو تو بہت ہی بُرا ہے، جس طرح کہ دوسرا کسی قسم کا قرض ذمہ رہتا ہے اور اسکی ادائیگی ضروری سمجھی جاتی ہے، اسی طرح دین مہر بھی عورت کا واجب الاداء ہوتا ہے، اس کو اداء کرنا یا معاف کرانا (اگر وسعت نہ ہو) ضروری ہے اور جس شخص کی مہر اداء کرنے کی نیت نہ ہو، یا وسعت کے باوجود اداء نہ کرے اور نہ معاف کرائے اور نہ عورت معاف کرے تو وہ قیامت میں ماخوذ ہوگا اور اگر ترکہ چھوڑا ہے تو اس سے وصول کیا جائیگا۔ نکاح بہر حال درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ، ص ۱۸۱ ج ۲)

مسئلہ:۔ دس درہم (۳۰ گرام ۶۱۸ ملی گرام) سے کم مہر باندھا جائے تب بھی دس ہی درہم لازم ہو جاتا ہے۔ (ہدایہ، ص ۳۰۴، ج ۲)

مہر فاطمی کی مقدار موجودہ اوازن سے

مسئلہ: شرع محمدی مہر سے مراد عام طور مہر فاطمی ہوتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، ص ۲۲۸ ج ۵)

مسئلہ: حضرت فاطمہؓ اور دیگر بناتؓ کا مہر چار سو اسی ۴۸۰ درہم تھا۔ یعنی ۶۳۵ گرام ایک کلو چاندی ہے۔ (احسن الفتاویٰ، ص ۳۲ ج ۴)

(موجودہ اوزان سے ایک کلو ۶۳۵ گرام چاندی یا اس کی موجودہ قیمت جو کہ عام بازار میں ہو)۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

حیثیت سے زیادہ مہر باندھنا

مسئلہ:۔ مہر کا زیادہ کرنا اچھا نہیں سمجھا گیا اور شرعاً پسندیدہ امر نہیں ہے، باقی جو کچھ مقرر کردیا جائے، اگرچہ وہ شوہر کی حیثیت سے زیادہ ہو وہ مہر لازم ہوجاتا ہے اور نکاح ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، ص ۳۳۵ ج ۷ بحوالہ رد المحتار، ص ۴۵۴ ج ۲)

مسئلہ: مہر کی ادائیگی ضروری ہے لیکن عورت بخوشی مہر معاف کردے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، ص ۳۲۹ ج ۷)

مسئلہ: مہر معجّل کے (جو فوری دینا کیا ہو) ادا نہ کرنے سے نکاح میں کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن عورت وطی (صحبت) سے انکار کرسکتی ہے۔ اور ساتھ جانے سے بھی۔

(فتاویٰ دار العلوم، ص ۲۴۸ ج ۷)

مسئلہ:۔ بلا مہر معاف کرائے (یا ادا کئے بغیر بھی) اگر ہمبستری (صحبت) کی گئی تو وہ ناجائز نہیں ہے، لیکن بیوی کو حق ہے کہ مہر معجّل وصول کرنے سے قبل ہمبستری سے روک دے۔

(فتاویٰ محمودیہ، ص ۲۲۸ ج ۹)

مرض الموت میں معافی مہر کا حکم

مسئلہ:۔ اکثر دستور ہے کہ بیوی اپنی موت کے وقت مہر معاف کردیتی ہے، یہ معاف کرنا

بھی بیوی کے سب وارثوں کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں، کیونکہ مرض الموت میں وارث (یعنی شوہر) کیلئے ہوا ہے جس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی۔

مسئلہ: ایک کوتاہی بہت ہی عام یہ ہے کہ جب کوئی عورت مرنے لگتی ہے، تو اس سے کہتے ہیں کہ مہر معاف کردے، وہ معاف کردیتی ہے اور خاوند اس معافی کو کافی سمجھ کر اپنے آپ کو مہر کے قرض سے سبکدوش سمجھتا ہے اور کوئی وارث مانگے بھی تو نہیں دیتا۔

یاد رکھیئے! اول تو اس طرح معاف کرانا بڑی سنگدلی کی بات ہے۔ دوسرے اگر وہ پوری طرح ہوش اور خوش دلی سے معاف بھی کردے تو بھی مہر معاف نہ ہوگا کیونکہ مرض الموت میں معافی بحکم وصیت ہے اور وصیت شوہر کیلئے نہیں کی جاسکتی کیونکہ (وہ وارث ہے) اور وارث کے حق میں وصیت باطل ہے۔

مسئلہ: ایک کوتاہی بعض لوگوں میں یہ ہوتی ہے کہ جس (مرد) کا انتقال ہونے لگے، اگر اس نے مہر ادا نہ کیا ہو تو اس کی بیوی کو مجبور کرتے ہیں کہ اپنا مہر معاف کردے حالانکہ بیوی اس پر (دل سے) بالکل راضی نہیں ہوتی، مگر لوگوں کے اصرار یا رسم سے مجبور ہوکر شرما شرمی میں معاف کردیتی ہے۔ یاد رکھیئے! اس طرح مہر معاف کرانا جائز نہیں ہے، بڑا ظلم ہے۔

(اغلاط العلوم، ص۲۳)

نکاح کے اہم مسائل

مسئلہ:۔ مشہور ہے کہ پیر کو مریدنی سے نکاح درست نہیں، یہ محض غلط ہے ہمارے پیغمبر ﷺ اپنی سب بیبیوں کے پیر تھے۔ (اغلاط العلوم، ص۱۵۵)

مسئلہ: بعض لوگ ساٹھ ساٹھ برس کے بوڑھوں سے تیرہ تیرہ برس کی لڑکیوں کو بیاہ دیتے ہیں، یہ کھلا ظلم ہے۔ (اغلاط العلوم، ص۱۵۷)

مسئلہ: بعض لوگ متبنی (یعنی مونہہ بولے بیٹے) کی بیوی سے (انتقال وطلاق کے بعد) نکاح کو مذموم سمجھتے ہیں، یہ محض غلط اور باطل ہے۔ (اغلاط العلوم، ص۱۵۸)

مسئلہ: بعض لوگ محرم کے ماہ میں نکاح وغیرہ کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں، یہ محض غلط ہے۔

(اغلاط العلوم، ص۱۸۳)

مسئلہ: عوام میں مشہور ہے کہ دونوں عیدوں کے درمیان (کے مہینہ ماہ ذیقعدہ میں) نکاح نہ کیا جائے، کیونکہ میاں بیوی کا نباہ نہیں ہوتا، سو یہ خلاف شریعت ہے۔ (اغلاط العلوم ص ۱۶۲)

مسئلہ: ماہِ ذی قعدہ (دونوں عیدوں کے درمیان) میں نکاح کرنا درست ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۵۷، ج ۷)

مسئلہ: عصر اور مغرب کے درمیان عقد نکاح کرنا غیر اولیٰ یا مکروہ نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۵۷، ج ۷)

مسئلہ: شادی شدہ عورت جب تک اپنے شوہر سے طلاق، خلع وغیرہ شرعی طریقہ سے علیحدہ نہ ہو جائے، دوسرا نکاح اس عورت سے درست نہیں ہے۔ اگر کرے تو نکاح درست نہیں ہوگا۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۱۱ ج ۲)

مسئلہ: سہرا (پھول وغیرہ کے ہار سر پر) باندھ کر نکاح ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۵۱ ج ۷)

(مگر یہ رسم غیر مسلموں کی ہے اس سے بچنا چاہئے۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ: مسجد میں نکاح پڑھنا درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۶۶ ج ۷)

مسئلہ: عدت میں نکاح ناجائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۰۹ ج ۷ وفتاویٰ رحیمیہ ص ۱۳۰ ج ۳)

مسئلہ:۔ زنا سے پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی کا نکاح دوسرے سے صحیح ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو، اسی طرح اس کا نکاح بھی پڑھنا درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۳۵ ج ۷)

مسئلہ: حاملہ عن الزنا (جس کیساتھ زنا کیا ہو) کا نکاح درست ہے خواہ اس سے جس کا حمل ہے یا دوسرے شخص سے، لیکن اگر دوسرے شخص سے نکاح ہو، نکاح تو صحیح ہو جائیگا لیکن جب تک وضع حمل (ولادت، بچہ پیدا) نہ ہو جائے، صحبت و جماع کرنا درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۸۱ ج ۷ بحوالہ درمختار ص ۴۰۱ ج ۲)

مسئلہ: اگر زانی سے نکاح ہو تو بچہ پیدا ہونے سے قبل وطی (صحبت) جائز ہے غیر زانی کیلئے جب تک بچہ نہ ہو جائے، اس وقت تک جائز نہیں ہے۔ (امداد الاحکام ص ۲۰۳ ج ۲)

مسئلہ: بغیر ختنوں کے نکاح ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۵۷ ج ۷)

مسئلہ: نامرد شخص کا نکاح ہو جاتا ہے پھر حسب قاعدہ تاجیل وتفریق قاضی کے ذریعہ ہوتی ہے اور بغیر طلاق شوہر کے دوسرا نکاح (نامرد والی عورت) نہیں کر سکتی۔

(فتاویٰ دارالعلوم، ص۱۹۴ ج ۷ و فتاویٰ رشید، ص ۴۶۵، ج ۱)

مسئلہ: حالت حیض ونفاس میں نکاح درست ہے مگر صحبت درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ، ص۴۱۴ ج ۱۳)

مسئلہ: نکاح کے وقت کلمہ پڑھنا احادیث اور صحابہؓ اور ائمہ مجتہدینؒ سے منقول نہیں ہے، البتہ اگر دولہا و دولہن کے متعلق علم ہو کہ ان کے عقائد اچھے نہیں ہیں خلاف شرع ہیں تو جس کے عقائد خلاف شرع ہوں، ان کو تجدید ایمان کیلئے کلمہ پڑھانا ضروری ہے، ہر جگہ اس کا التزام کرنا غلط ہے۔ (فتاوی محمودیہ، ص ۳۹، ج ۷، و علم الفقہ، ص۲۲ ج ۶)

مسئلہ: تنہائی میں صرف مرد اور عورت کے ایجاب وقبول کرنے سے نکاح نہیں ہوتا۔

(فتاویٰ دارالعلوم، ص ۵۵ ج ۴ بحوالہ بحرالرائق، ص۹۴ ج ۳)

مسئلہ: اگر عوت مجنونہ ہے اس کو کسی وقت ہوش نہیں آتا تو اس کا نکاح بغیر ولی یا حاکم مسلمان کے نہیں ہوسکتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص۹۷ ج ۷ بحوالہ ردالمختار، ص۴۰۷ ج ۱ باب الولی)

مسئلہ: بالغہ لڑکی کا نکاح بغیر اس کی رضامندی اور اجازت کے صحیح نہیں ہے اور کسی ولی کو اختیار نہیں ہے کہ بالغہ کا نکاح بغیر اسکی رضامندی کے کرے، اگر نکاح کیا اور بالغہ راضی نہ ہوئی اور اس کا نکاح کو جائز نہ رکھا تو وہ نکاح باطل ہے اور عمر بلوغ کی شرعاً پندرہ سال ہے اور اگر اس سے پہلے حیض آجائے یا لڑکے کو احتلام ہوجائے تو اسی وقت بلوغت شمار ہوگی اور اگر حیض وغیرہ نہ ہو تو پورے پندرہ سال ہونے پر بالغہ شمار ہوگی۔ (درمختار، ص۱۹۹ ج ۱)

مسئلہ: سولہ سالہ لڑکی شرعاً بالغہ ہے، البتہ ولی کے استفسار (معلوم کرنے) اور اطلاع پر سکوت (خاموشی) کرنا بالغہ کی رضاء اور اجازت سمجھا جاتا ہے اور تمکین وطی وغیرہ کو بھی فقہاء نے اجازت شمار کیا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص۳۸ ج ۸ بحوالہ ردالمختار، ص۴۱۰ ج ۱)

مسئلہ: تبلیغی اجتماعات میں نکاح کرنا جائز ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ص ۲۶۶ ج ۵)

نکاح کے بعد مبارکباد کہنا

دنیا کی مختلف قوموں اور گروہوں میں شادی اور نکاح کے موقع پر مبارکبادی کے مختلف طریقے رائج ہیں، آنحضرت ﷺ نے اس موقع کیلئے اپنی تعلیم اور عمل سے یہ طریقہ مقرر فرمایا کہ (نکاح کے بعد) دونوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کی جائے یا یہ الفاظ کہے جائیں۔ جو آپ ﷺ سے ثابت ہیں۔

بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ وَبَارَکَ عَلَيْکُمَا وَجَمَعَ بَيْنَکُمَا فِيْ خَيْرٍ۔ (راوہ احمد)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو مبارک کرے اور تم دونوں پر برکت نازل فرمائے اور خیر و بھلائی میں تم دونوں کو ہمیشہ متفق اور مجتمع رکھے۔ (معارف الحدیث، ص ۲۷ ج ۷)

مسئلہ: دعوتِ ولیمہ نکاح کے بعد ہر وقت جائز ہے اور ہر طرح سنت اداء ہو جاتی ہے، خواہ نکاح سے اگلے دن کرے زفاف ہو یا نہ ہو اور خواہ بعد زفاف کے کرے۔

(فتاویٰ دار العلوم، ص ۱۶۷ ج ۷ بحوالہ مشکوٰۃ، ص ۴۵۰ ج ۲)

نمازِ استسقاء کے مسائل

بارش عام انسانوں کی بلکہ اکثر حیوانات کی بھی ان ضروریات میں سے ہے جن پر زندگی کا گویا انحصار ہے، اسلیئے کسی علاقہ میں قحط اور سوکھا پڑ جانا وہاں کی عمومی مصیبت بلکہ ایک گونہ عذاب عام ہے، رسول اللہ ﷺ نے جس طرح شخصی اور انفرادی حاجتوں اور پریشانیوں کیلئے "صلوٰۃ حاجت" کی تعلیم فرمائی ہے، اسی طرح اس عمومی مصیبت اور پریشانی کے دفعیہ کیلئے بھی آں حضرت ﷺ نے ایک اجتماعی نماز اور دعاء کی تعلیم فرمائی جس کی منظم اور مکمل شکل "صلوٰۃ استسقاء" ہے۔ اور استسقاء کے لغوی معنی ہی پانی مانگنے اور سیرابی طلب کرنے کے ہیں۔ (معارف الحدیث، ص ۴۲۸ ج ۳)

(۱) اول یہ کہ یہ نماز آبادی اور بستی سے باہر صحرا اور جنگل میں براہِ راست زمین پر ہونی چاہئے

(۲) دوسرے یہ کہ جمعہ یا عید کی نماز کی طرح اس نماز کیلئے نہانے و دھونے اور اچھے کپڑے پہننے کا اہتمام نہ کیا جائے بلکہ اس کے برعکس بالکل معمولی اور کم حیثیت کا لباس ہو،

مسکینوں اور فقیروں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری ہو، کیونکہ سائل کیلئے فقیرانہ صورت اور پھٹے حال مسکینوں کی سی حالت ہی زیادہ مناسب ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ دعا بہت ابتہال اور الحاح کیساتھ کی جائے، اور اس غرض سے ہاتھ آسمان کی طرف زیادہ اُونچے اُٹھائے جائیں۔ (معارف الحدیث، ص۴۳۲ ج۳)

مسئلہ:۔ نمازِ استسقاء کا بار بار پڑھنا مستحب ہے، سنت نہیں۔ (کتاب الفقہ، ص۵۷۷ ج۱)

مسئلہ: نمازِ استسقاء کیلئے امام جس کو چاہیں بنالیں جائز ہے مگر بہتر ہے کہ کسی صالح متقی عالم کو امام بنائیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص۲۴۰ ج۵)

نمازِ استسقاء سے متعلق مستحب امور

امام کیلئے مندرجہ ذیل امور مستحب ہیں:۔

(۱) امام کو چاہئے کہ نماز استسقاء کیلئے جانے سے پہلے لوگوں کو توبہ کرنے، صدقہ دینے، اور ظلم کی باتوں سے پرہیز کرنے کی تلقین کرے۔

(۲) دشمنوں سے صلح کر لینے کا حکم کرے۔

(۳) امام لوگوں کو کہے کہ تین دن روزے رکھیں اور چوتھے دن امام لوگوں کیساتھ باہر آئے۔

(۴) یہ کہ پھٹے پرانے اور گھٹیاں لباس پہن کر نکلیں۔

(۵) یہ کہ امام لوگوں کو کہے کہ سب اس کے ساتھ نماز کو نکلیں، جن میں بچے بوڑھے اور مویشی بھی شامل ہوں۔ (کتاب الفقہ، ص۵۷۶)

نمازِ استسقاء کا وقت اور طریقہ

استسقاء کے سلسلہ میں سب سے بڑی چیز توبہ، استغفار، عجز و نیاز اور بارگاہِ خداوندی میں بندوں کی گریہ وزاری ہے، جو نماز کے علاوہ اور صورتوں سے بھی ہوسکتی ہے، لیکن اگر نماز پڑھنا ہی طے ہو جائے تو پھر ضروری ہے کہ بستی یا شہر کے تمام چھوٹے بڑے مسلمان شہر سے باہر عیدگاہ یا کسی وسیع میدان میں جمع ہوں، پورے اخلاص اور دل کی گڑگڑاہٹ کیساتھ توبہ اور استغفار کرتے رہیں، جب اجتماع ہو جائے تو جماعت سے دو رکعت نماز پڑھی جائے،

امام صاحب قرأت جہر سے کریں، سلام پھیرنے کے بعد یہ خطبہ پڑھا جائے، اس کے بعد دوسرا خطبہ وہی پڑھا جائے جو جمعہ کے خطبہ اولیٰ کے بعد پڑھا جاتا ہے۔ (جو صفحہ ۴۸ پر ہے) دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ بھی کریں، پھر دعاء مانگیں، قلب رداء صرف امام صاحب کریں، مقتدی قلب رداء نہ کریں یعنی مقتدی حضرات چادر کو نہ پلٹیں۔

(ابوداؤد، زادالمعاد و حصن حصین)

مسئلہ:۔ نمازِ استسقاء پڑھنے کا طریقہ وہی ہے جو عیدین کی نماز کا ہے، البتہ اس میں زائد تکبیرات نہ کہی جائیں، بلکہ صرف اتنی تکبیریں ہوں جتنی نماز (دوگانہ) میں مطلوب ہیں۔ نماز ختم کرنے کے بعد امام وقت یا اس کا نائب دو خطبے پڑھے جیسے عید کے خطبے ہوتے ہیں، لیکن اس خطبہ میں امام زمین پر کھڑا ہو اور ہاتھ میں کوئی کمان، تلوار یا عصا ہو۔ اور جب خطبہ اولیٰ کا کچھ حصہ پڑھ لیا جائے تو امام اپنی چادر پلٹ لے۔ اگر چادر مربع ہو تو اسکا اوپری حصہ نیچے اور نچلا حصہ اوپر کر لے، اور اگر گول ہو تو دائیں کنارے کو بائیں طرف اور بائیں کو دائیں جانب کر لے۔ اور اگر کوئی شے استر والی ہے جیسے اوورکوٹ تو اس کے اندرونی حصہ کو اوپر اور اوپری حصہ کو اندر کر لے۔ (یاد رہے کہ سنت تو چادر ہی ہے اور جنہوں نے امام کیساتھ نماز پڑھی وہ اپنی چادروں کو نہ پلٹیں، محض امام کا چادر کو پلٹ لینا کافی ہے۔

(کتاب الفقہ، ص ۵۷۲ ج ۱)

مسئلہ: نماز استسقاء کا بہتر وقت صبح کا ہے جبکہ سورج طلوع ہو جائے نماز وخطبہ دعاء کی جائے۔ حدیث شریف میں آں حضرت کا ایسے ہی وقت تشریف لے جانا نماز استسقاء کیلئے ثابت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص ۲۳۹ ج ۵ بحوالہ مشکوٰۃ، ص ۱۳۲ ج ۱ و کتاب الفقہ، ص ۵۷۶ ج ۵)

مسئلہ: امام صاحبؒ کے نزدیک نمازِ استسقاء مستحب ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک سنت ہے۔ لہٰذا نمازِ استسقاء باجماعت پڑھنی چاہئے۔ (فتاویٰ دارالعلوم، ص ۲۳۸ ج ۵)

مسئلہ:۔ امام نمازِ استسقاء کیلئے اپنے مصلے پر پہنچے، اذان اور تکبیر کے بغیر دو رکعت جہری (آواز کیساتھ) قرأت کیساتھ پڑھائے۔ پہلی رکعت میں سورہ اعلیٰ اور دوسری میں سورہ غاشیہ یا پہلی رکعت میں سورہ ق اور دوسری رکعت میں سورہ قمر پڑھنا افضل ہے۔ نماز کے بعد مثل جمعہ

کے دو خطبے پڑھے جائیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ص۸۶ ج۳ و مظاہر حق، ص۳۲۲ ج۲)

مسئلہ: امام کھڑے کھڑے (خطبہ کے بعد) آہ و بکا کیساتھ اونچے اور اُلٹے ہاتھ کر کے دعاء کرے اور مقتدی بیٹھ کر خشوع و خضوع کے ساتھ امام کی طرح اُلٹے ہاتھ کر کے دعاء میں مشغول ہو جائیں اور امام کی دعاء پر آمین آمین کہتے رہیں اور گڑگڑا کر دعاء کرنے کی کوشش کریں، تا کہ دریائے رحمت جوش میں آجائے اور بامراد لوٹیں۔ دعاء مشکوٰۃ، ص۱۳۲ ج۱ پر ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ص۸۷ ج۳ بحوالہ عالمگیری، ص۱۵۳ ج۱)

نمازِ استسقاء میں چادر پلٹنے اور دعاء کا طریقہ

مسئلہ: چادر پھیرنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام اپنے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے لیجا کر دائیں ہاتھ سے چادر کی بائیں جانب کے نیچے کا کونہ پکڑا جائے اور بائیں ہاتھ سے چادر کی دائیں جانب کے نیچے کا کونہ پکڑ لیا جائے، پھر دونوں ہاتھوں کو پیٹھ کے پیچھے اس طرح پھیرا اور پلٹا جائے کہ دائیں ہاتھ میں چادر کا پکڑا ہوا کونہ دائیں مونڈھے پر آجایا ور بائیں ہاتھ میں چادر کا پکڑا ہوا کونہ بائیں مونڈھے پر آجائے۔ اس طریقہ سے چادر کا دایاں کونہ تو بائیں ہوجائیگا اور بایاں کونہ دائیں ہوجائیگا، نیز اوپر کا حصہ نیچے پہنچ جائیگا اور نیچے کا حصہ اوپر آجائیگا۔

(مظاہر حق، ص۳۲۳ ج۲)

مسئلہ:۔ بارش کیلئے دعاء مانگتے وقت ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کر دینا بھی اچھا شگون لینے کے درجہ میں ہے جیسا کہ چادر پلٹ کر اچھا شگون لیا جاتا ہے۔ ہاتھوں کی پشت کو آسمان کی طرف کرنا دراصل اس طرف اشارہ ہے خدا کرے اسی طرح بادلوں کی پشت بھی زمین کی طرف ہوجائے اور وہ اپنے ذخیرہ آب کو زمین پر اُنڈیل دیں۔ حدیث شریف سے یہ ثابت ہے کہ بارش کیلئے دعاء مانگی تو آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کر لی۔ (مظاہر حق، ص۳۲۳ ج۲، و فتاویٰ دارالعلوم، ص۲۳۹ ج۵ بحوالہ نسائی، ص۱۳۱، ج۱)

احکام صدقۃ الفطر

ہر مسلمان مرد وعورت جسکے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے تولہ سونا یا اس قدر مالیت کا اسباب ضروری حاجت سے زائد ہو اس پر صدقہ فطر واجب ہے اگر چہ وہ اسباب تجارت کا نہ ہو اور اگر چہ روزے کسی وجہ سے رکھے نہ ہوں۔

اگر گیہوں یا اس کا آٹا یا اس کے ستو دیوے تو نصف صاع واجب ہے۔ جو انگریزی تول سے دو سیر سے کچھ کم ہوتا ہے مگر احتیاط پورے دو سیر دینا چاہئے۔ اور اگر جو دیوے تو اس کا دو چند دے۔ اور اگر علاوہ اس کے کچھ اور دیوے جیسے چنا، جوار وغیرہ تو اتنا دیوے کہ اس کی قیمت دو سیر گیہوں یا چار سیر جو کے برابر ہو، نابالغ اولاد اگر مجنون ہو اور مالک نصاب نہ ہو تو اس کی جانب سے بھی دینا واجب ہے ورنہ نہیں۔ اور اگر مالدار ہو تو اسی کے مال سے دے۔ جو لڑکا عید کے صبح صادق کے بعد پیدا ہوا یا جو شخص قبل صبح مر گیا، اس کا فطرہ نہیں اور مستحب یہ ہے کہ عید کے دن عید گاہ جانے سے پہلے ادا کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ بعد میں یا کچھ دنوں پہلے دے دے۔ ایک آدمی کا فطرہ ایک فقیر کو، یا تھوڑا تھوڑا کئی آدمیوں کا ایک کو دے دے۔ تو یہ سب جائز ہے۔ جیسے چاہے دے دے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے مسائل روزہ)

احکام قربانی

ہر مرد وعورت مسلمان، مقیم جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اتنی ہی مالیت کا اسباب ضروری روزمرہ کی حاجت سے زائد ہو، اس پر واجب ہے کہ اپنی طرف سے قربانی کرے۔ اُونٹ، بکرا، دنبہ، بھیڑ، گائے، بھینس مادہ ہو یا نر سب درست ہے۔ گائے، بھینس دو برس سے کم، بھیڑ بکری ایک برس سے کم کی نہ ہو۔ اور دنبہ چھ مہینہ کا بھی درست ہے جب کہ خوب فربہ ہو، اور سال بھر کا معلوم ہوتا ہو، اُونٹ گائے، بھینس میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، مگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو، اور قربانی کا جانور بے عیب ہو، لنگڑا، اندھا، کانا اور بہت لاغر اور کمزور نہ ہو۔ اور کوئی عضو تہائی سے زائد کٹا ہوا نہ ہو، خصی (یعنی بدھیا) کی اور جس کے سینگ نکلے ہی نہ ہوں اس کی قربانی درست ہے

اور پوپلی جس کے دانت نہ رہے ہوں اور بوچی جس کے پیدائشی کان نہ ہو جائز نہیں۔

قربانی کا وقت ذی الحجہ کی دس تاریخ کو نماز عید کے بعد بارہویں ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک وقت ہے اور دیہات کے باشندوں کو جائز ہے کہ نماز عید سے پہلے قربانی کے جانوروں کو ذبح کرلیں، اس کے بعد نماز کیلئے جائیں۔

اگر چند آدمی قربانی شرکت میں کریں تو محض اندازہ سے گوشت تقسیم کرنا جائز نہیں بلکہ تول تول کر پورا پورا بانٹیں۔ کسی طرف ذرا بھی کمی بیشی نہ ہو۔ ہاں! جس حصے میں کلے پائے بھی ہوں اس حصہ میں کمی چاہے جتنی ہو، جائز ہے، بہتر ہے کم سے کم تہائی گوشت خیرات کردے۔

قربانی کی کوئی چیز قصاب کو اُجرت میں دینا جائز نہیں۔ اس کی رسی، جھول سب کو صدقہ کردینا افضل ہے، کھال کا بیچنا درست نہیں۔ ہاں! اگر قیمت خیرات کرنے کیلئے بیچے تو کچھ حرج نہیں۔ قربانی کے ذبح کرنے کے وقت دعاء پڑھنا شرط نہیں کہ بدون اس کے قربانی صحیح نہ ہو۔ جس شخص کو قربانی کی دعاء یاد نہ ہو وہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔

قربانی کے بجائے رقم مظلومین کو دینا

سوال:۔ امسال قربانی کا تمام روپیہ اپنے فساد زدگان، بے بس مظلوم بھائیوں کی مرہم پٹی اور ان کی بیوگان اور یتیم بچوں کیلئے بھیج دیا جائے اور ایسی حالت میں جب کہ اہلِ اسلام پر قیامت بپا ہے، قربانی نہ کی جائے، شرعاً اسکا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ صاحب نصاب کو قربانی کرنا ضروری ہے، وہ صورت مذکورہ سوال سے اداء نہ ہوگی، البتہ یہ درست ہے کہ قربانی کی جائے اور قیمت چرم قربانی کو وہاں بھیج دیا جائے اور اس کا اہتمام کیا جائے اور کیا اچھا ہو کہ جن لوگوں پر قربانی واجب ہے وہ اپنا تمام وکمال (مال روپیہ وغیرہ) نصاب وہاں بھیج دیں کہ قربانی ہی ذمہ نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسی توفیق دے تو اس سے بہتر کیا ہے۔ الحاصل یہ درست نہیں کہ صاحب نصاب مالک رہیں اور قربانی نہ کریں، اسلیئے ایک واجب کو چھوڑ کر اس کی قیمت چندہ میں دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، ص ۳۰۱ ج ۶ بحوالہ عالمگیری، ص ۳۵۲ ج ۲) (تفصیل دیکھیئے مسائل عیدین وقربانی)

قنوت نازلہ

سوال:۔ قنوت نازلہ جو مصیبتوں کے پیش آنے پر نمازوں میں پڑھی جاتی ہے، اس کے متعلق بعض لوگ چند شبہات بیان کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ حنفیہؒ کے نزدیک یہ منسوخ ہے، کوئی کہتا ہے کہ صرف فجر کی نماز میں پڑھنی چاہئے، کوئی کہتا ہے کہ رکوع سے پہلے پڑھنی چاہئے، کسی کا خیال ہے کہ قنوت پڑھتے وقت ہاتھ چھوڑے رکھنے چاہئیں۔ لہذا عرض ہے کہ ان تمام باتوں کے متعلق جو بات قوی اور معتبر ہو، مفصل تحریر فرما کر اجر عظیم حاصل فرمائیں۔

الجواب

قنوت نازلہ مصیبتوں کے وقت فرض نمازوں میں پڑھنا جائز ہے اور اسکا جواز عموماً جمہور ائمہ اور خصوصاً حنفیہؒ کے نزدیک منسوخ نہیں ہے بلکہ جب کوئی عام مصیبت پیش آئے تو مصیبت کے زمانہ تک قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے۔ ہاں قنوت دوامی جو فجر کی نماز میں امام شافعیؒ کے نزدیک مسنون ہے وہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک منسوخ ہے۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں جہاں قنوتِ فجر کو منسوخ کہا ہے اس سے مراد یہی ہے کہ قنوت دوامی (یعنی ہمیشہ) فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ ہے، قنوت نازلہ منسوخ نہیں ہے۔

جو شخص تنہا نماز پڑھے وہ اپنی نماز میں، اور عورتیں اپنی نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھیں یا نہیں؟ تو اسکا جواب ہے کہ اس کی اجازت یا ممانعت کی تصریح میں نے نہیں دیکھی، بجز فقہاء کے اس قول کے کہ قنت الامام مگر ظاہر ہے کہ یہ حکم باعتبار اصل ہے کیونکہ فرائض میں اصل یہی ہے کہ وہ جماعت سے ادا کئے جائیں اور منفرد کے حکم سے سکوت ہے، تاہم ممانعت کی کوئی وجہ بھی معلوم نہیں ہوتی، واللہ اعلم بالصواب۔ (کتبہ محمد

کفایت اللہ غفرلہٗ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ۲۰/ رجب المرجب ۱۳۳۸ھ)

تصدیقات علمائے دیوبندوسہارنپور

الجواب صحیح:۔ محمد انور عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح:۔ محمد اعزاز علی غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح:۔ خاکسار سراج احمد رشیدی کان اللہ لہٗ دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح:۔ حبیب الرحمٰن عفی عنہ دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح:۔ فقیر اصغر حسین حنفی دیوبندی عفی عنہ

الجواب صحیح:۔ بندہ ضیاء الحق عفی عنہ دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح:۔ محمد ناظر حسن نعمانی نقشبندی دیوبندی صدر مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

الجواب صحیح:۔ عبداللطیف عفا اللہ عنہ مدرس مظاہر العلوم سہارنپور

حامداً ومصلیاً ومسلماً۔قنوت نازلہ احناف کے نزدیک جائز ہے اور بعد رکوع آں حضرت ﷺ نے اسکو اختیار فرمایا ہے۔احناف ؒ کے نزدیک قنوت نماز صبح میں علی الدوام ثابت نہیں۔یہ قنوت جس کی بابت سوال ہے ،اسکے جواز میں چون وچرا کرنا لغو ہے۔جواب جو مجیب نے تحریر فرمایا ہے،عاجز اس سے متفق ہے،واللہ اعلم۔

(احمد علی عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ میرٹھ اندرکوٹ)

قنوتِ نازلہ

اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا فِیْمَنْ ھَدَیْتَ ☆ وَعَافِنَا فِیْمَنْ عَافَیْتَ ☆
اے اللہ بشمول ان لوگوں کے جنہیں تو نے ہدایت کی ہمیں بھی ہدایت کر اور بشمول ان لوگوں کے جنہیں تو نے عافیت دی ہے ہمیں بھی عافیت عطا فرما
وَتَوَلَّنَا فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ ☆ وَبَارِکْ لَنَا فِیْمَا اَعْطَیْتَ ☆
اور بشمول ان لوگوں کے جنہیں تو نے دوست بنالیا ہے ہمیں بھی دوست بنا اور جو کچھ تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے اس میں برکت عطا فرما
وَقِنَا شَرَّمَا قَضَیْتَ ☆ اِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ ☆
اور جو احکام تو نے جاری کئے ہیں انکے شر سے ہمیں محفوظ رکھ۔ بے شک تو ہی احکام جاری کرتا ہے اور تیرے اوپر حکم جاری نہیں ہوسکتا
وَاِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ ☆ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ ☆
اور بے شک جسے تو دوست بنالے وہ ذلیل نہیں ہوسکتا اور جس سے تیری دشمنی ہوجائے وہ عزت نہیں پاسکتا
تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ ☆ نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ ☆
بہت برکت والا ہے تو اے پروردگار ہمارے، اور برتر ہے تو، ہم تجھ ہی سے مغفرت مانگتے ہیں اور تیرے سامنے توبہ کرتے ہیں
وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ☆
اور خدا تعالی نبی کریم ﷺ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اے اللہ ہمارے اور تمام مؤمنین ومؤمنات
وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ ☆ وَاَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ، وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِھِمْ ☆
اور مسلمین اور مسلمات کے گناہ بخش دے اور انکے دلوں میں اُلفت پیدا کردے اور انکے آپس کے تعلقات کی اصلاح کردے
وَانْصُرْنَا عَلٰی عَدُوِّکَ وَعَدُوِّھِمْ ☆ اَللّٰھُمَّ الْعَنِ الْکَفَرَۃَ
اور اپنے دشمن اور مسلمانوں کے دشمنوں کے خلاف ہماری نصرت اور مدد فرما۔ اے اللہ ان کفار پر اپنا غضب نازل کر
الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِکَ ☆ وَیُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ ☆ وَیُقَاتِلُوْنَ اَوْلِیَائِکَ ☆
جو تیرے دین سے روکتے ہیں اور تیرے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں اور تیرے دوستوں سے لڑتے ہیں
اَللّٰھُمَّ خَالِفْ بَیْنَ کَلِمَتِھِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَھُمْ ☆
اے اللہ ان کے آپس میں اختلاف ڈال دے اور انکے قدم ہلا دے
وَاَنْزِلْ بِھِمْ بَاْسَکَ الَّذِیْ لَا تَرُدُّهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ☆
اور ان پر اپنا وہ عذاب نازل کر جسے مجرموں اور گنہگاروں سے تو باز نہیں رکھتا۔

حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے مصائب وحوادث کے ایام میں قنوت نازلہ صبح کی نماز میں پڑھی ہے، لہذا مسلمانوں پر کوئی اجتماعی مصیبت آجائے تو ائمہ مساجد کو چاہئے کہ وہ قنوت نازلہ پڑھیں۔

اس کا طریقہ یہ کہ امام ومقتدی صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ کر کھڑے رہیں، امام قنوت نازلہ پڑھے، مقتدی ٹھہراؤ کی جگہ پر آہستہ آہستہ آمین کہتے رہیں۔

نوٹ:۔

مقتدی حضرات جہاں جہاں آیت جیسا نشان (☆) لگایا گیا ہے آمین کہتے رہیں، اور جہاں جہاں گول نشان میں "ط" نہیں ہے اس پر آمین کہنا بے محل ہے۔ آمین نہ کہیں، خاموش رہیں۔ پھر امام ومقتدی بقیہ نماز پوری کرے۔

(قنوت نازلہ اور اسکے متعلقہ مسائل)

مرتبہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ قدس سرہٗ ۱۲۳۸ء)

تمت بعون اللہ تعالیٰ ومنہ وکرمہ

والحمد والشکر للہ علیٰ کل حال

کتبہ: برھان الدین صدیقی

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

ومرکزی دار القراء نمک منڈی پشاور

سند یافتہ:۔

وفاق المدارس ملتان، ایم اے پشاور یونیورسٹی

مولوی فاضل پشاور بورڈ

رابطہ: 0346- 9169023